تفسیر نور

جلد سوم

مؤلف

حجۃ الاسلام والمسلمین الحاج آقائے شیخ محسن قرائتی (مدظلہ)

مترجم

علامہ محمد حسن جعفری، مولانا سید مجیب الحسن نقوی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب	تفسیر نور
جلد	سوم
مصنف	حجۃ الاسلام والمسلمین الحاج آقائے شیخ محسن قرائتی (مدظلہ)
مترجم	علامہ محمد حسن جعفری، مولانا سید مجیب الحسن نقوی
ڈیزائننگ وسیٹنگ	قلب علی سیال
کمپوزنگ	فضل عباس سیال (الحمد گرافکس لاہور)
سال اشاعت	2015ء
ناشر	مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور
ہدیہ	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

قارئین کرام!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔۔۔۔۔عہدِ حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر وتالیفات کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں ایک عظیم اور پُروقار مرکز کی حیثیت سے اُمت مسلمہ کیلئے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہاہے۔ادارہ ھذا کی یہ شہرت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی تائیدواعانت کا ثمرہ ہے۔

زیرِ نظر تفسیری مجموعہ ''تفسیر نور جلد سوم'' حجۃ الاسلام والمسلمین الحاج آقائے شیخ محسن قرائتی (مدظلہ) کی سعیٔ جمیلہ کا ثمر عظیم ہے۔جس کا اُردو میں ترجمہ علامہ محمد حسن جعفری اور مولانا سید مجیب الحسن نقوی نے کیا ہے۔تفسیر ہذا میں درج خصوصیات واضح طور پر عیاں ہیں۔

① ۔اس تفسیر میں فنی، ادبی، فقہی، کلامی اور فلسفی اصطلاحات جن کا سمجھنا ایک خاص گروہ کے کیلئے مخصوص ہوتا ہے، پرہیز کیا گیا ہے۔قرآن سے صرف ایسے نکات ذکر کیے گئے ہیں جن کا ترجمہ دنیا کی موجودہ زبانوں میں کرنا آسان ہو اور ان کے اندر ایک پیغام وراہنمائی پائی جائے۔ بلکہ آیت کی تفاسیر کو نکات اور پیغام کے عنوانات میں تقسیم کرکے انتہائی خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

② ۔تفسیر بہ رائے سے پرہیز کیا گیا ہے۔لہٰذا صرف آیات یا اہل بیت رسول علیہم السلام کی روایات میں ذکر ہونے والے متن سے استفادہ کیا گیا ہے۔

③ ۔زیادہ تر معتبر شیعہ، سنی تفاسیر سے حامل پیغام اور سبق آموز درس اخذ کیے گئے ہیں۔

قارئین کی خدمت میں اس عظیم تفسیری مجموعہ کی جلد دوم پیشِ خدمت ہے ہمیں اُمید ہے کہ صاحبانِ علم وتحقیق حسبِ سابق ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی اس کوشش کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے اور اس گوہرِ نایاب سے بھرپور علمی وعملی استفادہ فرمائیں گے۔اور ادارہ کو اپنی قیمتی تجاویز وآراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے

مزید برآں آپ ہماری تمام کتب بشمول تفسیر نور''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی ویب سائٹ کے ذریعے گھر بیٹھے پڑھ سکتے ہیں۔''www.misbahulqurantrust.com''۔۔۔والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست مضامین

عنوانات	صفحات
سُوۡرَۃُ الۡاَعۡرَافِ	35
آیت نمبر ۱۔۲	36
نکات:	36
پیغام:	36
آیت نمبر ۳	37
نکات:	37
پیغام:	38
آیت نمبر ۴۔۵	38
نکات:	39
پیغام:	39
آیت نمبر ۶۔۷	40
نکات:	41
پیغام:	42
آیت نمبر ۸	43
نکات:	43
پیغام:	44
آیت نمبر ۹	44
نکات:	44
پیغام:	44
آیت نمبر ۱۰	45
پیغام:	45
آیت نمبر ۱۱	46
نکات:	46
پیغام:	47
آیت نمبر ۱۲	47
نکات:	48
پیغام:	48
آیت نمبر ۱۳	49
نکات:	50
پیغام:	50
آیت نمبر ۱۴۔۱۵	50
نکات:	51
پیغام:	51
آیت نمبر ۱۶۔۱۷	52
نکات:	52
پیغام:	53
آیت نمبر ۱۸	54
نکات:	54
پیغام:	55

آیت نمبر۱۹	55
نکات:	55
پیغام:	56
آیت نمبر۲۰	56
نکات:	57
پیغام:	58
آیت نمبر۲۱	59
نکات:	59
پیغام:	60
آیت نمبر۲۲	60
نکات:	61
پیغام:	61
آیت نمبر۲۳	62
نکات:	62
پیغام:	63
آیت نمبر۲۴۔۲۵	63
نکات:	64
پیغام:	64
آیت نمبر۲۶	65
نکات:	65
پیغام:	66
آیت نمبر۲۷	67
نکات:	67
پیغام:	68
آیت نمبر۲۸	69
نکات:	69
پیغام:	70
آیت نمبر۲۹	70
نکات:	71
پیغام:	71
آیت نمبر۳۰	72
پیغام:	72
آیت نمبر۳۱	73
نکات:	73
پیغام:	75
آیت نمبر۳۲	75
نکات:	76
پیغام:	77
آیت نمبر۳۳	78
نکات:	78
پیغام:	79
آیت نمبر۳۴	79
نکات:	80
پیغام:	80
آیت نمبر۳۵۔۳۶	80
نکات:	81

پیغام:	81
آیت نمبر ۳۷	82
نکات:	83
پیغام:	83
آیت نمبر ۳۸	84
نکات:	84
پیغام:	85
آیت نمبر ۳۹۔۴۰	86
نکات:	86
پیغام:	87
آیت نمبر ۴۱	88
نکات:	88
پیغام:	89
آیت نمبر ۴۲	89
پیغام:	89
آیت نمبر ۴۳	90
نکات:	90
پیغام:	91
آیت نمبر ۴۴	92
نکات:	92
پیغام:	93
آیت نمبر ۴۵	93
نکات:	93
پیغام:	94
آیت نمبر ۴۶	94
نکات:	95
پیغام:	95
آیت نمبر ۴۷	96
نکات:	96
آیت نمبر ۴۸	96
نکات:	97
پیغام:	97
آیت نمبر ۴۹	97
نکات:	98
پیغام:	98
آیت نمبر ۵۰	98
نکات:	99
پیغام:	99
آیت نمبر ۵۱	99
نکات:	100
پیغام:	100
آیت نمبر ۵۲	101
نکات:	101
پیغام:	101
آیت نمبر ۵۳	102
نکات:	103

پیغام:	103
آیت نمبر ۵۴	104
نکات:	104
پیغام:	106
آیت نمبر ۵۵	107
نکات:	107
پیغام:	108
آیت نمبر ۵۶	108
نکات:	109
پیغام:	109
آیت نمبر ۵۷	110
نکات:	110
پیغام:	111
آیت نمبر ۵۸	111
نکات:	112
پیغام:	113
آیت نمبر ۵۹۔۶۰	113
نکات:	114
پیغام:	114
آیت نمبر ۶۱۔۶۲	115
نکات:	116
پیغام:	116
آیت نمبر ۶۳	116
پیغام:	117
آیت نمبر ۶۴	117
نکات:	118
پیغام:	118
آیت نمبر ۶۵	118
نکات:	119
پیغام:	119
آیت نمبر ۶۶۔۶۷	119
نکات:	120
پیغام:	120
آیت نمبر ۶۸	121
پیغام:	121
آیت نمبر ۶۹	122
نکات:	122
پیغام:	123
آیت نمبر ۷۰	123
پیغام:	124
آیت نمبر ۷۱	124
نکات:	125
پیغام:	125
آیت نمبر ۷۲	126
نکات:	126
پیغام:	126

آیت نمبر ۷۳	127
نکات:	127
پیغام:	128
آیت نمبر ۷۴	129
نکات:	129
پیغام:	130
آیت نمبر ۷۵۔۷۶	130
پیغام:	131
آیت نمبر ۷۷	132
نکات:	132
پیغام:	133
آیت نمبر ۷۸	133
نکات:	133
پیغام:	134
آیت نمبر ۷۹	134
نکات:	134
پیغام:	134
آیت نمبر ۸۰۔۸۱	135
نکات:	135
پیغام:	136
آیت نمبر ۸۲	137
نکات:	137
پیغام:	138
آیت نمبر ۸۳	138
نکات:	138
پیغام:	139
آیت نمبر ۸۴	139
نکات:	139
پیغام:	140
آیت نمبر ۸۵	140
نکات:	141
پیغام:	141
آیت نمبر ۸۶	142
نکات:	143
پیغام:	143
آیت نمبر ۸۷	143
نکات:	144
پیغام:	144
پارہ نمبر ۹	145
آیت نمبر ۸۸	145
نکات:	145
پیغام:	146
آیت نمبر ۸۹	146
نکات:	147
پیغام:	147
آیت نمبر ۹۰۔۹۱	148

نکات:	149
پیغام:	149
آیت نمبر ۹۲	149
نکات:	150
پیغام:	150
آیت نمبر ۹۳	150
پیغام:	151
آیت نمبر ۹۴	151
نکات:	152
پیغام:	152
آیت نمبر ۹۵	152
نکات:	153
پیغام:	153
آیت نمبر ۹۶	154
نکات:	154
پیغام:	155
آیت نمبر ۹۷۔۹۸۔۹۹	156
نکات:	157
پیغام:	157
آیت نمبر ۱۰۰	158
نکات:	158
پیغام:	159
آیت نمبر ۱۰۱	159
نکات:	160
پیغام:	160
آیت نمبر ۱۰۲	160
نکات:	161
پیغام:	162
آیت نمبر ۱۰۳	162
نکات:	162
پیغام:	163
آیت نمبر ۱۰۴	164
پیغام:	164
آیت نمبر ۱۰۵	164
پیغام:	165
آیت نمبر ۱۰۶۔۱۰۷	165
نکات:	166
پیغام:	166
آیت نمبر ۱۰۸۔۱۰۹	167
پیغام:	167
آیت نمبر ۱۱۰	168
نکات:	168
پیغام:	168
آیت نمبر ۱۱۱۔۱۱۲	169
نکات:	169
پیغام:	169

آیت نمبر ۱۱۳۔۱۱۴	170
پیغام:	170
آیت ۱۱۵۔۱۱۶	171
پیغام:	172
آیت نمبر ۱۱۷	172
نکات:	173
پیغام:	173
آیت نمبر ۱۱۸۔۱۱۹۔۱۲۰	173
نکات:	174
پیغام:	174
آیت نمبر ۱۲۱۔۱۲۲	175
نکات:	175
پیغام:	176
آیت نمبر ۱۲۳	176
پیغام:	177
آیت نمبر ۱۲۴۔۱۲۵	177
نکات:	178
پیغام:	178
آیت نمبر ۱۲۶	179
نکات:	179
پیغام:	180
آیت نمبر ۱۲۷	180
نکات:	181
پیغام:	181
آیت نمبر ۱۲۸	182
نکات:	182
پیغام:	183
آیت نمبر ۱۲۹	183
نکات:	184
پیغام:	184
آیت نمبر ۱۳۰	185
نکات:	185
پیغام:	186
آیت نمبر ۱۳۱	186
نکات:	187
پیغام:	187
آیت نمبر ۱۳۲	188
نکات:	188
پیغام:	188
آیت نمبر ۱۳۳	189
نکات:	189
پیغام:	190
آیت نمبر ۱۳۴۔۱۳۵	190
نکات:	191
پیغام:	191
آیت نمبر ۱۳۶	192

نکات:	192
پیغام:	193
آیت نمبر ۱۳۷	193
نکات:	194
پیغام:	194
آیت نمبر ۱۳۸۔۱۳۹۔۱۴۰	195
نکات:	196
پیغام:	196
آیت نمبر ۱۴۱	197
نکات:	198
پیغام:	198
آیت نمبر ۱۴۲	199
نکات:	200
پیغام:	202
آیت نمبر ۱۴۳	203
نکات:	204
پیغام:	206
آیت نمبر ۱۴۴	207
نکات:	207
پیغام:	208
آیت نمبر ۱۴۵	208
نکات:	209
پیغام:	209
آیت نمبر ۱۴۶	210
نکات:	210
پیغام:	210
آیت نمبر ۱۴۷	211
نکات:	211
پیغام:	212
آیت نمبر ۱۴۸	212
نکات:	212
پیغام:	213
آیت نمبر ۱۴۹	214
نکات:	214
پیغام:	215
آیت نمبر ۱۵۰	215
نکات:	216
پیغام:	216
آیت نمبر ۱۵۱	218
نکات:	218
پیغام:	219
آیت نمبر ۱۵۲	219
نکات:	219
پیغام:	220
آیت نمبر ۱۵۳	220
پیغام:	220

آیت نمبر ۱۵۴	221
پیغام:	221
آیت نمبر ۱۵۵	222
نکات:	222
پیغام:	223
آیت نمبر ۱۵۶	224
نکات:	224
پیغام:	225
آیت نمبر ۱۵۷	226
نکات:	227
پیغام:	228
آیت نمبر ۱۵۸	229
نکات:	230
پیغام:	231
آیت نمبر ۱۵۹	232
نکات:	232
پیغام:	232
آیت نمبر ۱۶۰	233
نکات:	233
پیغام:	234
آیت نمبر ۱۶۱	235
نکات:	236
پیغام:	237
آیت نمبر ۱۶۲	238
نکات:	238
پیغام:	239
آیت نمبر ۱۶۳	239
نکات:	240
پیغام:	241
آیت نمبر ۱۶۴	241
نکات:	242
پیغام:	244
آیت نمبر ۱۶۵۔۱۶۶	244
نکات:	245
پیغام:	245
آیت نمبر ۱۶۷	246
نکات:	247
پیغام:	247
آیت نمبر ۱۶۸	247
نکات:	248
پیغام:	248
آیت نمبر ۱۶۹	248
نکات:	249
پیغام:	250
آیت نمبر ۱۷۰	251
نکات:	251

پیغام:	252	نکات:	267
آیت نمبر ۱۷۱	253	اسم اعظم کیا ہے؟	268
نکات:	253	پیغام:	269
پیغام:	254	آیت نمبر ۱۸۱	270
آیت نمبر ۱۷۲	255	نکات:	270
نکات:	255	پیغام:	270
پیغام:	256	آیت نمبر ۱۸۲۔ ۱۸۳	271
آیت نمبر ۱۷۳۔ ۱۷۴	257	نکات:	271
نکات:	257	پیغام:	272
پیغام:	258	آیت نمبر ۱۸۴	273
آیت نمبر ۱۷۵	258	نکات:	274
نکات:	259	پیغام:	274
پیغام:	259	آیت نمبر ۱۸۵	274
آیت نمبر ۱۷۶	260	نکات:	275
نکات:	261	پیغام:	275
پیغام:	261	آیت نمبر ۱۸۶	276
آیت نمبر ۱۷۷۔ ۱۷۸	262	پیغام:	276
نکات:	263	آیت نمبر ۱۸۷	277
پیغام:	263	نکات:	277
آیت نمبر ۱۷۹	264	پیغام:	278
نکات:	264	آیت نمبر ۱۸۸	279
پیغام:	266	نکات:	279
آیت نمبر ۱۸۰	266	پیغام:	281

آیت نمبر ۱۸۹	281
پیغام:	282
آیت نمبر ۱۹۰۔۱۹۱	283
پیغام:	283
آیت نمبر ۱۹۲۔۱۹۳	284
نکات:	284
پیغام:	285
آیت نمبر ۱۹۴	285
نکات:	285
پیغام:	286
آیت نمبر ۱۹۵	286
نکات:	287
پیغام:	287
آیت نمبر ۱۹۶	288
نکات:	288
پیغام:	288
آیت نمبر ۱۹۷۔۱۹۸	289
نکات:	290
پیغام:	290
آیت نمبر ۱۹۹	291
نکات:	291
پیغام:	292
آیت نمبر ۲۰۰	293
نکات:	293
پیغام:	294
آیت نمبر ۲۰۱۔۲۰۲	295
نکات:	295
پیغام:	296
آیت نمبر ۲۰۳	297
نکات:	297
پیغام:	298
آیت نمبر ۲۰۴	299
نکات:	299
پیغام:	300
آیت نمبر ۲۰۵	300
نکات:	300
پیغام:	301
آیت نمبر ۲۰۶	301
نکات:	302
پیغام:	302
سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ	303
سورۃ انفال ایک نظر میں	303
آیت نمبر ۱	303
نکات:	304
پیغام:	305
آیت نمبر ۲۔۳	306

نکات:	306
پیغام:	307
آیت نمبر ۴	308
نکات:	308
پیغام:	309
آیت نمبر ۵	309
نکات:	310
پیغام:	310
آیت نمبر ۶	311
نکات:	311
پیغام:	312
آیت نمبر ۷	312
نکات:	313
پیغام:	314
آیت نمبر ۸	314
نکات:	315
پیغام:	315
آیت نمبر ۹	315
نکات:	316
پیغام:	317
آیت نمبر ۱۰	317
نکات:	318
پیغام:	318
آیت نمبر ۱۱	319
نکات:	319
پیغام:	320
آیت نمبر ۱۲	321
نکات:	321
پیغام:	322
آیت نمبر ۱۳ ـ ۱۴	323
پیغام:	323
آیت نمبر ۱۵	324
نکات:	324
پیغام:	324
آیت نمبر ۱۶	325
نکات:	325
پیغام:	326
آیت نمبر ۱۷	327
نکات:	327
پیغام:	328
آیت نمبر ۱۸	329
نکات:	329
پیغام:	329
آیت نمبر ۱۹	330
نکات:	330
پیغام:	331

آیت نمبر ۲۰۔۲۱	331
نکات:	332
پیغام:	332
آیت نمبر ۲۲	333
نکات:	333
پیغام:	334
آیت نمبر ۲۳	334
نکات:	335
ہٹ دھرم لوگ	335
پیغام:	335
آیت نمبر ۲۴	336
نکات:	336
پیغام:	337
آیت نمبر ۲۵	338
نکات:	339
پیغام:	340
آیت نمبر ۲۶	340
نکات:	341
پیغام:	341
آیت نمبر ۲۷	342
نکات:	342
حکومت اور حکومتی ذمہ داریاں	343
پیغام:	343
آیت نمبر ۲۸	344
نکات:	344
پیغام:	346
آیت نمبر ۲۹	346
نکات:	347
پیغام:	348
آیت نمبر ۳۰	348
نکات:	349
پیغام:	349
آیت نمبر ۳۱	350
نکات:	351
پیغام:	351
آیت نمبر ۳۲	351
نکات:	352
پیغام:	352
آیت نمبر ۳۳	353
نکات:	353
پیغام:	354
آیت نمبر ۳۴	354
نکات:	355
پیغام:	355
آیت نمبر ۳۵	356
نکات:	356

پیغام:	356
آیت نمبر ۳۶	357
نکات:	357
پیغام:	357
آیت نمبر ۳۷	358
نکات:	358
پیغام:	359
آیت نمبر ۳۸	359
نکات:	359
پیغام:	359
آیت نمبر ۳۹	360
نکات:	361
پیغام:	361
آیت نمبر ۴۰	362
پیغام:	362
دسواں پارہ	363
آیت نمبر ۴۱	363
نکات:	363
پیغام:	365
آیت نمبر ۴۲	366
نکات:	367
جنگ بدر ایک نظر میں	367
پیغام:	368
آیت نمبر ۴۳	368
نکات:	369
پیغام:	370
آیت نمبر ۴۴	371
نکات:	371
پیغام:	371
آیت نمبر ۴۵	372
نکات:	372
پیغام:	373
آیت نمبر ۴۶	373
نکات:	374
پیغام:	374
آیت نمبر ۴۷	375
نکات:	375
پیغام:	375
آیت نمبر ۴۸	376
نکات:	377
پیغام:	377
آیت نمبر ۴۹	378
نکات:	378
پیغام:	379
آیت نمبر ۵۰۔۵۱	379
نکات:	380

پیغام:	380
آیت نمبر ۵۲	381
پیغام:	381
آیت نمبر ۵۳	382
نکات:	382
پیغام:	382
آیت نمبر ۵۴	383
نکات:	384
پیغام:	384
آیت نمبر ۵۵	385
نکات:	385
پیغام:	385
آیت نمبر ۵۶	386
نکات:	386
پیغام:	386
آیت نمبر ۵۷	387
نکات:	387
پیغام:	387
آیت نمبر ۵۸۔۵۹	388
نکات:	389
پیغام:	389
آیت نمبر ۶۰	390
نکات:	391
پیغام:	391
آیت نمبر ۶۱	393
نکات:	394
پیغام:	394
آیت نمبر ۶۲	395
نکات:	395
پیغام:	395
آیت نمبر ۶۳	396
نکات	396
پیغام:	397
آیت نمبر ۶۴	397
نکات:	398
پیغام:	398
آیت نمبر ۶۵	399
نکات:	399
پیغام:	400
آیت نمبر ۶۶	400
نکات:	401
پیغام:	401
آیت نمبر ۶۷	402
نکات:	403
پیغام:	403
آیت نمبر ۶۸۔۶۹	404

نکات:	404
پیغام:	405
آیت نمبر ۷۰	405
نکات:	406
پیغام:	407
آیت نمبر ۷۱	407
نکات:	408
پیغام:	408
آیت نمبر ۷۲	408
نکات:	409
پیغام:	411
آیت نمبر ۷۳	412
نکات:	413
پیغام:	413
آیت نمبر ۷۴	413
پیغام:	414
آیت نمبر ۷۵	414
نکات:	415
پیغام:	415
سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ	416
سورہ توبہ پر ایک نظر	416
بسم اللہ نہ آنے کی وجہ	416
آیت نمبر ۱	417
پیغام	419
آیت نمبر ۲	420
نکات:	420
پیغام:	420
آیت نمبر ۳	421
نکات:	421
پیغام	422
آیت نمبر ۴	422
نکات:	423
پیغام	423
آیت نمبر ۵	423
نکات:	424
پیغام	424
آیت نمبر ۶	425
پیغام:	425
آیت نمبر ۷	426
نکات:	427
پیغام	427
آیت نمبر ۸	427
نکات:	428
پیغام:	428
آیت نمبر ۹	429
پیغام	429

آیت نمبر ۱۰	429
نکات:	430
پیغام:	430
آیت نمبر ۱۱	431
نکات:	431
پیغام:	431
آیت نمبر ۱۲	432
نکات:	432
پیغام:	433
آیت نمبر ۱۳	433
پیغام:	434
آیت نمبر ۱۴	434
نکات	434
پیغام	435
آیت نمبر ۱۵	435
پیغام:	436
آیت نمبر ۱۶	436
نکات:	437
پیغام:	437
آیت نمبر ۱۷	438
نکات:	438
پیغام:	438
آیت نمبر ۱۸	439
نکات	439
پیغام:	440
آیت نمبر ۱۹	441
نکات:	441
پیغام:	441
آیت نمبر ۲۰	442
پیغام:	442
آیت نمبر ۲۱۔۲۲	443
پیغام:	443
آیت نمبر ۲۳	444
نکات:	445
پیغام:	445
آیت نمبر ۲۴	445
نکات	446
پیغام:	446
آیت نمبر ۲۵	447
نکات:	447
جنگِ حنین کا واقعہ	448
پیغام:	448
آیت نمبر ۲۶	449
نکات:	449
پیغام:	450
آیت نمبر ۲۷	450

نکات:	451
پیغام:	451
آیت نمبر ۲۸	451
نکات:	452
پیغام:	452
آیت نمبر ۲۹	453
نکات:	453
پیغام:	454
آیت نمبر ۳۰	455
نکات:	455
پیغام:	456
آیت نمبر ۳۱	456
پیغام:	457
آیت نمبر ۳۲	458
نکات::	458
پیغام	458
آیت نمبر ۳۳	459
نکات:	460
پیغام:	460
آیت نمبر ۳۴	461
نکات	461
زکوٰۃ اور روایات	462
حضرت ابوذر غفاریؓ اور آیت کنز	463
پیغام:	464
آیت نمبر ۳۵	465
نکات:	465
پیغام:	466
آیت نمبر ۳۶	466
نکات:	467
پیغام:	467
آیت نمبر ۳۷	468
نکات:	469
پیغام:	469
آیت نمبر ۳۸	470
نکات:	470
پیغام:	470
آیت نمبر ۳۹	471
نکات:	471
پیغام:	472
آیت نمبر ۴۰	472
نکات:	473
کچھ سوال و جواب	473
پیغام:	475
آیت نمبر ۴۱	475
نکات:	476
پیغام:	476

آیت نمبر ۴۲	477
نکات	477
پیغام:	478
آیت نمبر ۴۳	478
نکات:	479
پیغام:	479
آیت نمبر ۴۴	480
نکات:	480
پیغام:	480
آیت نمبر ۴۵	481
نکات:	481
پیغام	481
آیت نمبر ۴۶	482
نکات:	482
پیغام:	482
آیت نمبر ۴۷	483
نکات:	483
پیغام:	483
آیت نمبر ۴۸	484
پیغام:	484
آیت نمبر ۴۹	485
نکات:	485
پیغام:	485
آیت نمبر ۵۰	486
پیغام:	487
آیت نمبر ۵۱	487
پیغام:	487
آیت نمبر ۵۲	488
نکات	488
پیغام:	489
آیت نمبر ۵۳	489
نکات:	489
پیغام	490
آیت نمبر ۵۴	490
نکات:	491
پیغام:	491
آیت نمبر ۵۵	492
نکات:	492
پیغام:	493
آیت نمبر ۵۶	494
نکات:	494
پیغام:	494
آیت نمبر ۵۷	494
نکات:	495
پیغام:	495
آیت نمبر ۵۸	495

نکات:	496
پیغام:	496
آیت نمبر ۵۹	497
نکات:	497
پیغام	498
آیت نمبر ۶۰	498
نکات:	499
عرض مترجم:	499
الغارمین:	500
زکوٰۃ:	500
پیغام:	503
آیت نمبر ۶۱	504
نکات:	505
پیغام:	505
آیت نمبر ۶۲	507
پیغام:	507
آیت نمبر ۶۳	508
نکات:	508
پیغام:	508
آیت نمبر ۶۴	509
نکات:	509
پیغام:	510
آیت نمبر ۶۵	510
نکات:	510
پیغام:	511
آیت نمبر ۶۶	511
نکات:	512
پیغام	512
آیت نمبر ۶۷	513
نکات:	513
پیغام	514
آیت نمبر ۶۸	514
پیغام:	515
آیت نمبر ۶۹	515
نکات:	516
پیغام:	516
آیت نمبر ۷۰	517
نکات:	517
پیغام:	518
آیت نمبر ۷۱	518
نکات:	519
پیغام:	519
آیت نمبر ۷۲	520
نکات	521
اہلِ ایمان اور اہلِ نفاق کا موازنہ	521
پیغام:	522

آیت نمبر ۷۳	522
نکات:	523
پیغام:	523
آیت نمبر ۷۴	523
نکات:	524
پیغام:	525
آیت نمبر ۷۵۔۷۶	526
نکات:	526
پیغام:	527
آیت نمبر ۷۷	527
پیغام:	528
آیت نمبر ۷۸	528
نکات:	528
پیغام:	529
آیت نمبر ۷۹	529
نکات:	529
پیغام:	530
آیت نمبر ۸۰	531
نکات:	531
پیغام:	531
آیت نمبر ۸۱	532
نکات:	532
پیغام:	533
آیت نمبر ۸۲	533
نکات:	534
پیغام:	534
آیت نمبر ۸۳	534
نکات:	535
پیغام:	535
آیت نمبر ۸۴	536
نکات:	536
پیغام:	536
آیت نمبر ۸۵	537
نکات:	537
پیغام:	538
آیت نمبر ۸۶۔۸۷	538
نکات:	539
پیغام:	539
آیت نمبر ۸۸	539
پیغام:	540
آیت نمبر ۸۹	540
پیغام:	541
آیت نمبر ۹۰	541
نکات:	542
پیغام:	542
آیت نمبر ۹۱	543

نکات:	543	آیت نمبر ۹۹	553
پیغام:	544	پیغام:	553
آیت نمبر ۹۲	544	آیت نمبر ۱۰۰	554
نکات:	545	نکات:	554
پیغام:	545	پیغام:	555
آیت نمبر ۹۳	545	آیت نمبر ۱۰۱	556
نکات:	546	نکات:	556
پیغام:	546	پیغام:	556
آیت نمبر ۹۴	546	آیت نمبر ۱۰۲	557
نکات	547	نکات:	557
پیغام	547	پیغام:	557
آیت نمبر ۹۵	548	آیت نمبر ۱۰۳	558
نکات:	548	نکات:	558
پیغام:	548	پیغام:	559
آیت نمبر ۹۶	549	آیت نمبر ۱۰۴	559
نکات:	549	نکات:	560
پیغام:	550	پیغام:	560
آیت نمبر ۹۷	550	آیت نمبر ۱۰۵	561
نکات:	551	نکات:	561
پیغام:	551	پیغام:	561
آیت نمبر ۹۸	552	آیت نمبر ۱۰۶	562
نکات:	552	نکات:	562
پیغام:	552	پیغام:	563

آیت نمبر ۱۰۷	563
نکات:	564
پیغام:	565
آیت نمبر ۱۰۸	566
نکات:	567
پیغام:	567
آیت نمبر ۱۰۹	568
نکات:	568
پیغام:	569
آیت نمبر ۱۱۰	569
پیغام:	569
آیت نمبر ۱۱۱	570
نکات:	570
پیغام:	571
آیت نمبر ۱۱۲	572
نکات:	573
پیغام:	573
آیت نمبر ۱۱۳	574
نکات:	575
پیغام:	575
آیت نمبر ۱۱۴	575
نکات:	576
پیغام:	576
آیت نمبر ۱۱۵	577
نکات:	577
پیغام:	578
آیت نمبر ۱۱۶	578
پیغام:	578
آیت نمبر ۱۱۷	579
نکات:	579
پیغام:	580
آیت نمبر ۱۱۸	581
نکات:	581
پیغام:	582
آیت نمبر ۱۱۹	582
نکات:	583
پیغام:	583
آیت نمبر ۱۲۰	583
نکات:	584
پیغام:	584
آیت نمبر ۱۲۱	585
نکات:	586
پیغام:	586
آیت نمبر ۱۲۲	587
نکات:	587
پیغام:	588

آیت نمبر ۱۲۳	590
نکات:	590
پیغام:	591
آیت نمبر ۱۲۴	592
پیغام:	592
آیت نمبر ۱۲۵	593
نکات:	593
پیغام:	593
آیت نمبر ۱۲۶	594
پیغام:	594
آیت نمبر ۱۲۷	594
نکات:	595
پیغام:	595
آیت نمبر ۱۲۸	595
نکات:	596
پیغام:	596
آیت نمبر ۱۲۹	596
نکات:	597
پیغام:	597
سُوْرَۃُ یُوْنُس	598
سورۂ یونس ایک نظر میں	598
آیت نمبر ۱	599
نکات:	599
پیغام:	599
آیت نمبر ۲	600
نکات:	600
پیغام:	601
آیت نمبر ۳	601
نکات:	602
پیغام:	602
آیت نمبر ۴	603
نکات:	603
پیغام:	604
آیت نمبر ۵	605
نکات:	605
پیغام:	606
آیت نمبر ۶	606
نکات:	606
پیغام:	607
آیت نمبر ۷۔۸	608
نکات:	608
پیغام:	608
آیت نمبر ۹	609
نکات:	609
پیغام:	610
آیت نمبر ۱۰	610

نکات:	611
پیغام:	611
آیت نمبر ۱۱	612
نکات:	612
پیغام:	613
آیت نمبر ۱۲	613
نکات:	614
پیغام:	614
آیت نمبر ۱۳	615
نکات:	615
پیغام:	615
آیت نمبر ۱۴	616
پیغام:	616
آیت نمبر ۱۵	616
نکات:	617
پیغام:	617
آیت نمبر ۱۶	618
نکات:	618
پیغام:	618
آیت نمبر ۱۷	619
نکات:	619
پیغام:	619
آیت نمبر ۱۸	620
نکات:	620
پیغام:	620
آیت نمبر ۱۹	621
نکات:	621
پیغام:	621
آیت نمبر ۲۰	622
پیغام:	622
آیت نمبر ۲۱	623
نکات:	623
پیغام:	623
آیت نمبر ۲۲	624
نکات:	625
پیغام:	625
آیت نمبر ۲۳	626
نکات:	626
پیغام:	626
آیت نمبر ۲۴	627
نکات:	628
پیغام:	628
آیت نمبر ۲۵	629
نکات:	629
پیغام:	629
آیت نمبر ۲۶	630

نکات:	630
پیغام:	631
آیت نمبر ۲۷	632
نکات:	632
پیغام:	633
آیت نمبر ۲۸	633
نکات:	634
پیغام:	634
آیت نمبر ۲۹	634
نکات:	635
پیغام:	635
آیت نمبر ۳۰	635
پیغام:	635
آیت نمبر ۳۱	636
نکات:	636
پیغام:	637
آیت نمبر ۳۲	637
پیغام:	638
آیت نمبر ۳۳	638
پیغام:	638
آیت نمبر ۳۴	639
پیغام:	639
آیت نمبر ۳۵	640
نکات:	640
پیغام:	641
آیت نمبر ۳۶	641
نکات:	641
پیغام:	642
آیت نمبر ۳۷	642
پیغام:	642
آیت نمبر ۳۸	643
نکات:	643
قرآنی امتیازات:	643
پیغام:	645
آیت نمبر ۳۹	645
نکات:	646
پیغام:	646
آیت نمبر ۴۰	647
پیغام:	647
آیت نمبر ۴۱	647
پیغام:	648
آیت نمبر ۴۲	648
پیغام:	649
آیت نمبر ۴۳۔۴۴	649
نکات:	650
پیغام:	650

آیت نمبر ۴۵	650
نکات:	651
پیغام:	651
آیت نمبر ۴۶	652
نکات:	652
پیغام:	652
آیت نمبر ۴۷۔۴۸	653
نکات:	653
پیغام:	654
آیت نمبر ۴۹	654
نکات:	655
پیغام:	655
آیت نمبر ۵۰۔۵۱	656
نکات:	656
پیغام:	656
آیت نمبر ۵۲	657
نکات:	657
پیغام:	657
آیت نمبر ۵۳	657
نکات:	658
پیغام:	658
آیت نمبر ۵۴	658
نکات:	659
پیغام:	659
آیت نمبر ۵۵۔۵۶	660
پیغام:	660
آیت نمبر ۵۷	661
نکات:	661
پیغام:	662
آیت نمبر ۵۸	662
نکات:	663
پیغام:	663
آیت نمبر ۵۹	664
نکات:	664
پیغام:	665
آیت نمبر ۶۰	666
نکات:	666
پیغام:	666
آیت نمبر ۶۱	667
نکات:	667
پیغام:	667
آیت نمبر ۶۲۔۶۳	668
نکات:	669
پیغام:	669
آیت نمبر ۶۴	669
نکات:	670

پیغام:	671
آیت نمبر ۶۵	672
نکات:	672
پیغام:	673
آیت نمبر ۶۶	673
نکات:	674
پیغام:	674
آیت نمبر ۶۷	674
نکات:	675
پیغام:	675
آیت نمبر ۶۸	675
نکات:	676
پیغام:	676
آیت نمبر ۶۹۔۷۰	676
نکات:	677
پیغام:	677
آیت نمبر ۷۱	678
نکات:	678
پیغام:	678
آیت نمبر ۷۲	679
نکات:	680
پیغام:	680
آیت نمبر ۷۳	680
نکات:	681
پیغام:	681
آیت نمبر ۷۴	682
پیغام:	682
آیت نمبر ۷۵	683
نکات:	683
پیغام:	684
آیت نمبر ۷۶	684
پیغام:	684
آیت نمبر ۷۷	685
نکات:	685
پیغام:	685
آیت نمبر ۷۸	686
نکات:	686
پیغام:	686
آیت نمبر ۷۹۔۸۰	687
نکات:	687
پیغام:	687
آیت نمبر ۸۱	688
پیغام:	688
آیت نمبر ۸۲	688
نکات:	689
پیغام:	689

آیت نمبر ۸۳	689
نکات:	689
پیغام:	690
آیت نمبر ۸۴	690
پیغام:	691
آیت نمبر ۸۵۔۸۶	691
نکات:	692
پیغام:	692
آیت نمبر ۸۷	692
نکات:	693
پیغام:	693
آیت نمبر ۸۸	694
نکات:	694
پیغام:	694
آیت نمبر ۸۹	695
نکات:	695
پیغام:	696
آیت نمبر ۹۰	696
نکات:	697
پیغام:	697
آیت نمبر ۹۱۔۹۲	698
نکات:	698
پیغام:	698
آیت نمبر ۹۳	699
نکات:	699
پیغام:	700
آیت نمبر ۹۴	700
نکات:	701
ایک اہم سوال اور اس کا جواب:	701
پیغام:	702
آیت نمبر ۹۵	703
نکات:	703
پیغام:	704
آیت نمبر ۹۶۔۹۷	704
نکات:	704
پیغام:	704
آیت نمبر ۹۸	705
نکات:	705
پیغام:	706
آیت نمبر ۹۹	706
نکات:	707
پیغام:	707
آیت نمبر ۱۰۰	707
پیغام:	708
آیت نمبر ۱۰۱	708
نکات:	709

پیغام:	709
آیت نمبر ۱۰۲	709
پیغام:	710
آیت نمبر ۱۰۳	710
نکات:	710
پیغام:	711
آیت نمبر ۱۰۴	711
پیغام:	711
آیت نمبر ۱۰۵۔۱۰۶	712
نکات:	712
پیغام:	713
آیت نمبر ۱۰۷	713
نکات:	714
پیغام:	714
آیت نمبر ۱۰۸	714
پیغام:	715
آیت نمبر ۱۰۹	715
پیغام:	716

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الۡاَعۡرَافِ

اس سورۃ کی دوسو چھ آیات ہیں اور یہ مکی سورتوں میں سے ایک ہے۔اس سورۃ میں اصحاب اعراف اور اعراف کی داستان (آیت ۴۶ تا ۴۸) بیان ہوئی ہے۔اسی لیے اس کا نام ''اعراف'' رکھا گیا ہے۔

قرآن مجید کی سورتوں میں سے یہ تیسری سورۃ ہے جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہے۔قرآن کی سجدہ رکھنے والی سورتوں میں سے پہلی سورت ہے جس میں سجدہ آیا ہے۔اس کی آخری آیت میں مستحب سجدہ آیا ہے۔اس آیت کو پڑھنے کے بعد فوری سجدہ کرنا مستحب ہے۔

قرآن مجید کی کل ایک سو چودہ سورتوں میں سے چھیاسی سورتیں مکۃ المکرمہ میں نازل ہوئی ہیں۔ان سورتوں میں عقائد کے اصول، شرک کے ساتھ مقابلہ اور انسان کے مقام کی طرف توجہ دینے اور اسی قسم کے مسائل کو ذکر کیا گیا ہے۔

اس سورت میں مذکورہ بالا مسائل کے علاوہ حضرت آدمؑ کے ساتھ ابلیس کا واقعہ بیان ہوا ہے، حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں۔پیغمبر اسلامؐ کی دعوت کے بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں۔قیامت کے حالات، توبہ اور خود کی اصلاح، عرش، میزان اور عالم ذر کا ذکر درمیان میں آیا ہے۔خدا تعالیٰ کا انسان کے ساتھ عہد و پیمان، قرآن اور اس کی عظمت کا بیان، اعراف اور اصحاب اعراف کی طرف بھی اشارہ ہوا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت نمبر ۱۔ ۲

الٓمّٓصٓ ①

كِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ فَلَا يَكُنۡ فِىۡ صَدۡرِكَ حَرَجٌ مِّنۡهُ لِتُنۡذِرَ بِهٖ وَذِكۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ②

ترجمۃ الآیات

الف، لام ، میم ، صاد(۱)

یہ وہ کتاب ہے جو تم پر نازل ہوئی، اس کی وجہ سے تمہارے سینے میں تنگی (اور شک وشبہ) نہیں ہونا چاہیے۔غرض یہ ہے کہ تم اس (کتاب) کے ذریعے (تمام لوگوں کو عقائد بد اور اعمال ناشائستہ کے برے انجام سے) ڈراؤ اور یہ مومنین کیلئے ایک یاددہانی اور نصیحت ہو۔ (۲)

نکات:

☆ وہ تمام ۲۹ سورتیں جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں، ان میں سے بعض حروف ''الٓمّٓ''، بعض حرف ''ص'' کے ساتھ شروع ہو رہی ہیں لیکن یہ سورۃ دونوں جگہ کے حروف کو ملا کر شروع ہو رہی ہے: ''الٓمّٓصٓ''۔شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ ان سورتوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ سب اس سورۃ میں بھی موجود ہے۔(تفسیر المیزان)

پیغام:

۱۔قرآن مجید بہت عظیم کتاب ہے۔(لفظ ''کِتٰبٌ'' نکرہ کی صورت میں آیا ہے۔)

۲۔قرآن مجید اور اس کے مفاہیم کی طرف توجہ، سینے کی وسعت کا سبب ہوتی ہے۔''کِتٰبٌ۔ ۔ ۔ فَلَا يَكُنۡ فِىۡ صَدۡرِكَ حَرَجٌ مِّنۡهُ''

۳۔رسالت اور تبلیغ کی شرط وسعت قلبی ہے۔''اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ فَلَا يَكُنۡ فِىۡ صَدۡرِكَ حَرَجٌ مِّنۡهُ لِتُنۡذِرَ بِهٖ''(جو

تمہاری طرف نازل کی گئی، پس اس سے تمہارے سینے میں تنگی (اور شک وشبہ) نہیں ہونا چاہیے۔ (یہ کتاب اس لیے نازل ہوئی ہے) کہ اس کے ذریعہ تم ڈراؤ، (خبردار کرو)۔

۴۔اے پیغمبرؐ ! آپؐ کو کفار کی ہٹ دھرمی اور اکھڑ پن سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔آپؐ کا کام تو صرف انہیں خبردار کرنا ہے، اجبار وزبردستی نہیں۔''لِتُنۡذِرَ''

نزول قرآن کے بعد پیغمبر اسلامؐ لوگوں کی طرف سے اسے قبول نہ کرنے اور قرآن کی مخالفت کرنے کے بارے میں فکرمند تھے، خدا تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر آپؐ کو تسلی واطمینان خاطر دیا ہے۔

۵۔انبیاعلیہم السلام کی طرف سے خبردار کرنا، عمومی ہوتا ہے، لیکن یاددہانی اور سبق حاصل کرنا صرف مومنین کے ساتھ مخصوص ہے۔''لِتُنۡذِرَ بِهٖ وَذِكۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ۝۲''

آیت نمبر ۳

اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ۝۳

ترجمۃ الآیات

(اس بنا پر) وہ چیز جو تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہاری طرف نازل ہوتی ہے اس کی پیروی کرو۔اس کے سوا دوسرے سرپرستوں اور خداؤں کی پیروی مت کرو لیکن کم ہونا ایسا ہوتا ہے کہ تم پر یاددہانی اثر کرے۔ (۳)

نکات:

☆ سابقہ آیت پیغمبر اکرمؐ کے فرائض ''انذار اور تذکر'' کو بیان کر رہی ہے اور یہ آیت امت کے فریضہ کو بیان کر رہی ہے۔اس آیت میں پیغمبر اکرمؐ کو وسعت قلبی کا ثبوت دینے کے لیے کہا گیا اور اس آیت میں امت سے اطاعت کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔گذشتہ آیت میں ''اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ'' ہے اور اس آیت میں اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ'' ہے۔

☆ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:''فاذا التبست علیکم الفتن کقطع اللیل المظلم فعلیکم بالقرآن۔۔۔ من جعله امامه قادہ الی الجنة و من جعله خلفه ساقه الی النار'' جب فتنے سیاہ تاریک رات کی طرح آپ کو

گھیر لیں تو آپ قرآن کی طرف رجوع کرو، جو کوئی اپنے سامنے قرآن کو رکھے گا اور اس سے ہدایت حاصل کرے گا وہ سیدھا جنت میں جائے گا اور جو کوئی اس سے منہ موڑ لے گا وہ جہنم کا راستہ لے گا۔ (تفسیر اثنا عشری)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''ففی اتباع ما جائکم من الله الفوز العظیم و فی ترکه الخطاء المبین'' قرآن کی پیروی میں عظیم کامیابی ہے جبکہ اس کو ترک کرنا بڑی غلطی اور گمراہی ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ آیات الٰہی کی پیروی تمہارے اپنے ارتقا اور انسانی رشد و تربیت کا سبب ہے۔ ''اِتَّبِعُوْا۔۔۔رَّبِّكُمْ''

۲۔ ربوبیت اور الٰہی تربیت کا لازمہ یہ ہے کہ الٰہی احکام، راہنمائی اور تذکر نازل کیا جائے۔ ''مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ''

۳۔ وحی الٰہی کی پیروی کا نتیجہ، الٰہی ولایت کے اندر آ جانا ہے اور اس کو ترک کرنے کا نتیجہ غیر خدا کی ولایت کے تحت چلے جانا ہے۔ ''وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ''

۴۔ دوسروں کی پیروی اور اطاعت کرنا، حقیقت میں ان کی سرپرستی کو قبول کرنا ہے۔ ''وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ'' جبکہ یہ بھی کہا جا سکتا تھا: ''وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ''

۵۔ جو خدا تعالیٰ وحدہ لاشریک کی ولایت کو قبول نہ کرے، ''رَّبِّكُمْ'' تو اسے کئی ایک سرپرست قبول کرنا پڑیں گے اور انہیں راضی کرنا ہوگا۔ ''اَوْلِيَآءَ''

۶۔ نصیحت حاصل کرنے والے ہمیشہ اور ہر دور میں قلیل تعداد میں ہوتے ہیں۔ ''قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳''

آیت نمبر ۴۔۵

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵

ترجمۃ الآیات

اور کتنے ہی شہر اور آبادیاں ایسی ہیں جنہیں ہم نے (ان کے گناہوں اور کفر کی وجہ سے) تباہ

کر دیا اور ہمارے عذاب نے جبکہ وہ رات کو سوئے ہوئے تھے یا دو پہر کو استراحت کی حالت میں تھے، انہیں جالیا۔ (۴)

پس جس موقعہ پر ہمارا عذاب ان پر آیا تو وہ اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکے کہ یقیناً ہم ستم گار تھے۔ (۵)

نکات:

☆ ''قَرْيَةٍ'' کے معنی گاؤں یا بستی نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں آبادی، لوگوں کے جمع ہونے کا مرکز، خواہ شہر ہو یا گاؤں ہو۔

☆ ''بَيَاتً'' کے معنی شبانہ یا رات کا وقت ہے۔ ''قائلون'' کے لفظ کو ''قيلولة'' سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی دوپہر کا آرام و استراحت اور اقالہ کا تعلق بھی اسی باب سے ہے جس کا معنی ہے فروخت شدہ چیز کو واپس لینا۔ کیونکہ اس طرح سے خریدار معاملے کی پریشانی سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔

☆ ہر ظالم و جابر انسان جب عذاب الٰہی کو دیکھتا ہے تو اس میں ٹھہراؤ آجاتا ہے۔ اپنی غلطیوں کا اعتراف کر لیتا ہے۔ ''اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۝'' لیکن اس اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہے، چنانچہ ایک دوسری آیت میں پڑھتے ہیں: جب ہمارے عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے: خدائے یکتا پر ایمان لائے ہیں، اور جو کچھ ہم شرک کرتے رہے ہیں، اس سے انکار کرتے ہیں لیکن عذاب کے وقت ایمان ان کیلئے ثمر آور نہ تھا۔ ''فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۔ ۔ ۔ '' (مؤمن۔ ۸۴و۸۵)

پیغام:

۱۔ جو علاقے خدائی قہر و غضب سے نیست و نابود ہوئے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ ''وَكَمْ''

۲۔ دوسروں کے تلخ تجربوں سے عبرت حاصل کرو۔ ''وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا''

۳۔ لوگوں کی ہلاکت کی بجائے علاقوں کی تباہی کا ذکر قرآن میں آنا، عذاب کی وسعت کو بیان کر رہا ہے۔ ''وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا''

۴۔ خدائی قہر و غضب کا تعلق صرف قیامت ہی سے نہیں بلکہ دنیا میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ ''وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا''

۵۔ جو کوئی غیر خدا کو اپنا سرپرست بنائے گا، پس وہ قہر الٰہی کا منتظر رہے۔ ''وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۔ ۔ ۔ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا''

۶۔ قوموں کو ان کی نافرمانی اور دوسروں کی اطاعت کرنے کی خاطر نیست و نابود کرنا، سنت الٰہی میں سے ہے۔ ''

وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۔ ۔ ۔ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا''

۷۔ خدا تعالیٰ کا ارادہ، ہر چیز کو دگرگوں کر دیتا ہے۔''اَهْلَكْنٰهَا''

۸۔ خدائی قہر وغضب کبھی نا گہانی طور پر اپنی گرفت میں لے لیتا ہے، اس کا کوئی دن، وقت یا لمحہ مقرر نہیں، فکر و تدبیر اور چارہ جوئی کی فرصت نہیں ہوتی۔''بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ﴿۴﴾''

۹۔ آرام کے وقت عذاب کا اپنی گرفت میں لینا، پریشان کنندہ اور زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔''بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ﴿۴﴾''

۱۰۔ نعرے اس وقت لگائے جاتے ہیں جب آسائش کا زمانہ ہوتا ہے لیکن جب خطرہ سر پر منڈلانے لگتا ہے تو ایک حرف بھی منہ سے نہیں نکل پاتا۔''فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ ۔ ۔ ۔''

۱۱۔ خطرات اور حوادث، غرور کا سر نیچا کر دیتے ہیں۔ غفلت کے پردے چاک کر دیتے ہیں اور مردہ ضمیروں کو زندہ اور سوئے ہوئے ضمیروں کو بیدار کر دیتے ہیں۔''اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴿۵﴾''

۱۲۔ اگر آج اپنے ارادے اور اختیار سے سر تسلیم خم نہیں کرو گے۔ تو کل خواہ مخواہ مجبوراً کورنش بجالانا پڑے گی۔'' قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴿۵﴾''

۱۳۔ غیر اللہ کے پیچھے جانا ان کی اطاعت کرنا اور انبیاء کی اطاعت سے منہ موڑنا ظلم ہے۔ (سابقہ دو آیات کے پیش نظر)''كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴿۵﴾''

آیت نمبر ۶ ۔ ۷

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ﴿۷﴾

ترجمۃ الآیات

پس ہم یقیناً ان لوگوں سے سوال کریں گے جنکی طرف ہم نے رسول بھیجے تھے۔ نیز ان پیغمبروں سے بھی سوال کریں گے۔(۶)

پس یقیناً (انہوں نے جو کچھ انجام دیا ہے) اپنے (وسیع) علم کی رو سے ان کے سامنے بیان

کریں گے اور ہم (لوگوں کے سامنے سے) غائب اور (جو انہوں نے کیا، ان سے) بے خبر نہیں تھے۔(۷)

نکات:

☆ گذشتہ آیت میں دنیاوی سزا کا تذکرہ تھا اور یہ آیت اخروی سزا اور احتساب کو بیان کر رہی ہے۔اس طرح تاکید کے ساتھ اس کا تذکرہ کر رہی ہے کہ قیامت کے دن سوال و جواب بالضرور ہوں گے۔یہ صرف گنہگاروں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ پیغمبروں سے بھی سوال کیا جائے گا۔''یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ﴿۱۰۹﴾''(مائدہ۔۱۰۹)

☆ سوال: قیامت میں کس کے بارے میں پوچھا جائے گا؟

الف: نعمتوں کے بارے میں جیسا کہ ارشاد ہے:''ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ﴿۸﴾''تم سے اس دن نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا۔(تکاثر۔۸) روایات میں ہے کہ یہاں ہر نعمت سے مراد''راہبری اور ولایت''ہے، جس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔(وسائل، ج ۲۴، ص ۲۹۹)

ب: قرآن مجید، اہلبیت علیہم السلام اور پیغمبر اکرمؐ کے بارے فرمایا: لوگوں سے سوال کیا جائے گا کہ قرآن کریم اور میری اہلبیت کی نسبت تم لوگوں نے کیسا سلوک رکھا؟''ثم اسالھم ما فعلتم بکتاب اللہ و باھل بیتی''(تفسیر فرقان)

ج: عمومی سلوک اور کردار کے متعلق پوچھا جائے گا:''لَنَسۡـَٔلَنَّہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ﴿۹۲﴾ عَمَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴿۹۳﴾''(حجر۔۹۲،۹۳)

د: اعضاء و جوارح کے بارے میں پوچھا جائے گا:''اِنَّ السَّمۡعَ وَ الۡبَصَرَ وَ الۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡـُٔوۡلًا﴿۳۶﴾''کان، آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال ہوگا۔(اسراء۔۳۶)

ھ: انبیاء پر ایمان لانے اور ایمان نہ لانے سے متعلق پوچھا جائے گا۔''یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ۔۔۔''اے گروہ جن وانس! کیا دنیا میں تمہارے پاس پیغمبر نہیں آئے تھے کہ۔۔۔؟ (انعام۔۱۳۰)

ایک دوسری جگہ مذہبی قائدین سے لوگوں کے رویے سے متعلق دریافت کیا گیا ہے کہ لوگ کس طرح آپ سے بات کرتے تھے:''یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ ؕ۔۔۔''جس دن اللہ تعالی تمام رسولوں کو اکٹھا کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ لوگوں نے آپ کو کس طرح جواب دیا تھا؟(مائدہ۔۱۰۹)

و: عمر و جوانی کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ اسے کہاں اور کس حال میں گذارا ہے؟

ز: مال و دولت کے حصول سے متعلق پوچھا جائے گا اور ان کے مصرف کے بارے میں سوال ہوگا، جیسا کہ روایات و احادیث اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں:

قیامت کے دن صرف ایک جگہ ہی سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ کئی مقامات پر ٹھہرایا جائے گا اور مختلف نوعیت کے سوال ہونگے، اس سے چار چیزوں کے بارے میں خاص طور سے پوچھا جائے گا: ''شبابك فیما ابلیته و عمرك فیما افنیته و مالك مما اکتسبته و فیما انفقته'' عمر و جوانی کو کس طرح گذارا، مال و دولت کو کس ذریعے سے حاصل کیا اور کس راہ میں خرچ کیا؟ (کافی، ج ۲، ص ۱۳۵؛ بحار، ج ۷، ص ۲۵۹)

سوال: یہ آیات بیان کر رہی ہیں کہ ہر کسی سے ضرور سوال کیا جائے گا جبکہ سورۃ الرحمٰن کی آیت ۳۹ میں فرمایا ہے کہ اس دن کسی جن و انس سے ان کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ ''فَيَوۡمَئِذٍ لَّا يُسۡـَٔلُ عَنۡ ذَنۡۢبِهٖۤ اِنۡسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۚ﴿۳۹﴾'' تو کیا ان دونوں آیات کا آپس میں اختلاف ہے؟

جواب: قیامت میں کئی ایک مقامات ہیں جہاں لوگوں کو ٹھہرایا جائے گا اور ہر مقام پر ایک خاص طرز عمل اپنایا جائے گا۔ ایک جگہ پر ہونٹوں پر مہر لگا دی جائے گی اور کسی کو بولنے کا یارا نہیں ہوگا۔ کہیں پر مہر سکوت توڑ دی جائے گی اور ہر طرف سے چیخ و پکار ہوگی، نصرت طلبی اور اقرار کی آوازیں گونج رہی ہوں گی۔ کسی جگہ پر سب سے پوچھا جائے گا۔ کہیں پر سکوت چھایا ہوگا اور سب خاموش ہونگے۔

☆ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته فالامام یسأل عن الناس و الرجل یسأل عن أهله و المراة تسأل عن بیت زوجها و العبد یسأل عن مال سیده'' آپ سب اپنے زیر کفالت افراد کے بارے میں ذمہ دار ہو اور ان کے بارے میں آپ سے سوال کیا جائے گا، امام سے امت کے بارے میں، مرد سے اس کی بیوی اور عورت سے اس کے شوہر کے گھر سے متعلق پوچھ گچھ ہوگی اور غلام سے اس کے مالک کے مال و منال سے متعلق پوچھا جائے گا۔

نیز آپؐ نے فرمایا: خدا تعالیٰ مجھ سے بھی سوال فرمائے گا کہ کیا میں نے رسالت کو پہنچایا یا نہیں؟ (تفسیر در المنثور)

پیغام:

۱۔ قیامت کے دن امام اور قائدین سے بھی سوال کیا جائے گا اور امت (جن و انس) سے بھی پوچھ گچھ ہوگی۔ نیک افراد، بدکاروں اور علماء سے بھی اور ان کے پیروکاروں سے بھی پوچھا جائے گا۔ ''فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِيۡنَ اُرۡسِلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَنَسۡـَٔلَنَّ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۙ﴿۶﴾''

۲۔ قیامت میں سوال کیے جانا، ایک طرح کی گواہی، اقرار لینا اور سرزنش کرنا ہے۔ مزید یہ کہ اچھے کاموں کی قدردانی کرنا اور شکریہ کہنا بھی قابل قدر ہے، ورنہ خدا تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے کہ جس کے بارے میں سوال کیا جائے اور اس کے جواب کی صورت میں کوئی مبہم بات واضح ہو جائے۔ ''فَلَنَسۡـَٔلَنَّ ۔ ۔ ۔ فَلَنَقُصَّنَّ ۔ ۔ ۔''

۳۔ پروردگار کا علم بہت عمیق اور دقیق ہے۔ ''بِعِلۡمٍ '' (نکرہ لفظ عظمت اور دقت پر دلالت کرتا ہے۔)

۴۔ پروردگار کا علم اس کا ذاتی اور اس کی اپنی نظارت میں ہے، اس میں کوئی وسیلہ یا ذریعہ حائل نہیں۔''۔ ۔ ۔ ۔ بِعِلۡمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيۡنَ۝۷ ''

آیت نمبر ۸

وَالۡوَزۡنُ يَوۡمَئِذِ ۨالۡحَـقُّ‌ ۚ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ‏ ۝۸

ترجمۃ الآیات

اور اس (قیامت کے) روز (اعمال کا) وزن کرنا اور انکی قیمت (معین کرنا) برحق ہے، پس وہ لوگ جن کی میزان (عمل) بھاری ہے وہی فلاح یافتہ ہیں۔ (۸)

نکات:

☆ ''میزان'' کسی چیز کے وزن کرنے اور جانچنے کے ذریعہ کو کہتے ہیں اور ہر چیز کا میزان مخصوص ہے۔ جیسے دیوار کو ساہول کے ساتھ، آب وہوا میں گرمی سردی کو تھرما میٹر، پھل ومیوے کو کلو کر کے اور کپڑے کو میٹر یا گز کے ذریعے جانچا جاتا ہے۔ عام انسانوں کی جانچ اور وزن کا ذریعہ انسان کامل ہیں۔

☆ روز قیامت کا میزان حق اور حقیقت ہے۔ اس دن حکمرانی حق کی ہوگی: ''هُنَالِكَ الۡوَلَايَةُ لِلّٰهِ الۡحَـقِّ‌ ؕ '' (کہف۔ ۴۴)، وہ دن حق ہے: ''ذٰلِكَ الۡيَوۡمُ الۡحَـقُّ‌ ۚ '' (نبا۔ ۳۹)، پرکھنے اور جانچنے کا میزان بھی حق ہے: ''وَالۡوَزۡنُ يَوۡمَئِذِ ۨالۡحَـقُّ‌ ۚ ''

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت ''وَنَضَعُ الۡمَوَازِيۡنَ الۡقِسۡطَ '' (انبیاء۔ ۴۷) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: میزان، انبیاء اور اوصیاء ہیں۔ (تفسیر المیزان) حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی زیارت مطلقہ میں ہم پڑھتے ہیں: ''السلام علی میزان الاعمال'' یہی ذوات قدسیہ بذات خود دوسروں کے اعمال وافعال کے جانچنے، پرکھنے اور تولنے کا حقیقی معیار ہیں۔

☆ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: حسنات، میزان کو وزنی کرنے کا موجب ہیں اور سیئات وگناہ، اس کو ہلکا کرنے کا باعث ہیں۔ (بحار، ج ۹۰، ص ۱۴۱)

پیغام:

ا۔ پروردگار عالم، چاہتا ہے کہ انسان حق تک پہنچ جائے، صحیح عقائد تک اس کی رسائی ہو، نیک وصالح کردار کا حامل ہو جائے۔ ''وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ''

۲۔ قیامت کے دن خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہر شخص کیلئے کئی قسم کے جانچنے اور وزن کرنے کے معیار ہوں گے۔ ''مَوَازِيْنُهٗ''

۳۔ عمل کے بغیر خوشبختی اور جزا کی توقع غلط ہے۔ ''فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝۸ ''

آیت نمبر ۹

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ۝۹

ترجمة الآيات

اور وہ لوگ جنکی میزان (عمل) سبک ہے وہ ہیں جنہوں نے اپنے اسی ظلم وستم کی وجہ سے جو وہ ہماری آیتوں پر روا رکھے تھے اپنے سرمایہ وجود سے ہاتھ دھولیا ہے۔ (۹)

نکات:

☆ ''خسارت'' سے مراد سرمایہ اور منافع کو ہاتھ سے کھو دینا ہے لیکن نقصان سے مراد صرف منافع کو گنوانا ہے سرمایہ کو نہیں۔

پیغام:

ا۔ ایک انسان کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے کئی وسائل ضروری ہوتے ہیں۔ ''مَوَازِيْنُهٗ''

۲۔ قیامت کے دن اعمال صالح اگر کم مقدار میں ہوں تو خسارے کا موجب ہوتے ہیں چہ جائیکہ سرے ہی سے نہ ہوں۔ ''وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا ''

۳۔ اس دنیا کو بازار کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس میں رہ کر ایمان لانا ''منافع'' ہے اور کفر وانکار خسارہ ہے۔ نیز

فطرات سلیم، انبیاء کی دعوت اور استدلال کو نظرانداز کر دینا، انسانی جوہر کو نابود کرنے اور اپنے اوپر ظلم کا موجب ہے۔ ''خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ ''

۴۔ آیات الٰہی کا انکار اور ان سے لا پرواہی کرنا، ان پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ ''بِمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَظۡلِمُوۡنَ﴿۹﴾'' کسی چیز کے حق کو ادا نہ کرنا، ان کے حقوق اور حدود کا پاس نہ کرنا، ان پر ظلم کرنا ہے اور ظلم کا نتیجہ نقصان اور نابودی ہے۔

آیت نمبر ۱۰

وَلَقَدۡ مَكَّنّٰكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَـكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ‌ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ﴿۱۰﴾

ترجمۃ الآیات

ہم نے زمین پر تسلط مالکیت اور حکومت تمہارے لیے قرار دی ہے اور زندگی کے طرح طرح کے وسائل تمہارے لیے فراہم کیے لیکن تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ (۱۰)

پیغام:

۱۔ الٰہی نعمات پر توجہ اور ان کا ذکر کرنے سے معرفت، محبت اور خدا کے سامنے تسلیم ہونے کے جذبہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ ''وَلَقَدۡ مَكَّنّٰكُمۡ ''

۲۔ زمین کے وسائل سے فائدہ اٹھانے کا حق، تمام انسانوں کیلئے ہے، یہ وسائل کسی گروہ کیلئے مخصوص نہیں ہیں۔ ''مَكَّنّٰكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ ''

۳۔ زمین کی تخلیق اور اس کے متعلقہ امور مثلاً گردش، حرارت، روشنی، جاذبیت، دافعیت، پانی، نباتات، فضلات کو قبول کر کے سبزیجات و پھل و میوے وغیرہ دینا، ایسے امور ہیں کہ جنہیں دیکھ کر انسان اپنے لیے زمین کو محل سکونت کے عنوان سے منتخب کرسکتا ہے۔ ''مَكَّنّٰكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَـكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ‌ ؕ ''

۴۔ طبیعت وفطرات پر حاکم قوانین کچھ اس طرح سے ہیں کہ انسان ان پر تسلط قائم کرسکتا ہے اور انہیں اپنے اختیار میں لاسکتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ زمین کو رام نہ کرتا تو اکیلے انسان کے بس کی بات نہ تھی کہ اسے اپنے قابو میں رکھتا اور اس سے بہرہ گیری کرتا۔ ''مَكَّنّٰكُمۡ ''

۵۔ زمین کو انسان کے اختیار میں دیا گیا ہے اور اسے انسان کیلئے مسخر کر دیا گیا ہے تا کہ انسان رشد اور کمال حاصل کر پائے نیز اپنی معیشت کو پورا کر سکے۔ ''مَكَّنّٰكُمْ۔ ۔ ۔ ''

سعدی کہتا ہے:

ابر و باد و مہ خورشید و فلک در کارند

تا تو نانی بہ کف آری و بہ غفلت نخوری

بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان کام کر رہے ہیں تا کہ تم روٹی حاصل کر سکو اور غفلت نہ کرو۔

۶۔ نعمتوں کو شکر بجالانے کا سبب سمجھو، غفلت اور عیاشی کا موجب نہیں ہے۔ ''تَشْكُرُوْنَ۝۱۰''

۷۔ انسان اس قدر ناشکری کرنے والا ہے کہ قرآن مجید نے بار بار لوگوں میں سے اکثر کی ناشکری، غفلت اور بے ایمانی کا ذکر کیا ہے۔ ''قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۝۱۰''

آیت نمبر ۱۱

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ۝۱۱

ترجمۃ الآیات

بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری شکل وصورت بنائی، اس کے بعد ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کیلئے سجدہ کرو، انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔ (۱۱)

نکات:

☆ گذشتہ آیت میں انسان کے زمین پر تسلط اور مادی قوت کی بات ہو رہی تھی، جبکہ اس آیت میں انسان کے معنوی مقام کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ تمام فرشتوں نے اس کو سجدہ کیا۔

☆ جب تمام فرشتے خدا تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اور انہوں نے آدم کو سجدہ کیا تو انسان کیلئے بعید ہے کہ وہ فرمانبردار نہ رہے اور خدا کو سجدہ نہ کرے۔

ہمہ از بہر تو سر گشتہ و فرمان بردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

ہر کوئی تمہاری وجہ سے نعمت حاصل کر رہا ہے اور فرمان برداری کر رہا ہے تو کیا یہ انصاف ہوگا کہ تم فرمانبرداری نہ کرو؟

☆ اس آیت میں پھر سے انسان کو مخاطب قرار دیا گیا ہے: ''وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ'' لیکن حضرت آدم علیہ السلام کیلئے سجدہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ شاید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمام انسان مسجود ملائکہ ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

☆ اس آیت سے لے کر بعد کی ۱۴ ویں آیت تک حضرت آدمؑ کی داستان بیان کی گئی ہے۔

☆ ایک یہودی شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے سوال کیا کہ خدا تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: آدم کیلئے سجدہ کرو تو کیا پیغمبر اسلام کیلئے بھی ایسا احترام بجا لایا گیا؟ حضرت علیؑ نے جواب میں فرمایا: خدا تعالیٰ نے پیغمبر اسلام کو اس سے بڑی فضیلت عطا فرمائی ہے کہ پروردگار عالم اپنی تمام بڑائی اور فضیلتوں کے ساتھ اپنے تمام فرشتوں کے ہمراہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا ہے نیز مومنین کی طرف سے پیغمبر اکرمؐ پر بھیجے گئے درود و سلام کو اپنی عبادت شمار کیا ہے۔ (احتجاج طبرسی، ج۱، ۲۰۴)

پیغام:

۱۔ انسانی تخلیق چند مراحل میں انجام پائی ہے۔ ''وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ''

۲۔ انسان میں اس مقام و منزلت تک پہنچنے کی استعداد و صلاحیت موجود ہے کہ وہ مسجود ملائکہ بن سکتا ہے۔ ''اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ''

۳۔ اگر فرمان خدا کے تحت غیر خدا کو سجدہ کیا جائے تو وہ شرک نہیں ہے۔ ''قُلْنَا۔۔۔ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ''

آیت نمبر ۱۲

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

ترجمۃ الآیات

(خدا نے ابلیس سے) فرمایا: جب میں نے تجھے (سجدے کا حکم دیا تو) کس چیز نے تمہیں

سجدہ سے روکا؟ اس (شیطان) نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اسے خاک سے۔ (۱۲)

نکات:

☆ فرشتوں کا جناب آدمؑ کو سجدہ کرنے کی وجہ فرمان خدا، انسان کی ذاتی لیاقت اور شائستگی تھی، اس کی جنسیت اور ظاہری ڈھانچہ یا اس کی ساخت وجہ نہ تھی۔

☆ شیطان نے اپنی نافرمانی کی وضاحت پیش کرتے ہوئے مغالطہ اور بے جا قیاس سے کام لیا اور کہا: میں آدم سے برتر ہوں، کیونکہ میں آگ سے ہوں اور آدم مٹی سے ہے۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک کا خاص اثر ہے لیکن حقیقت میں اس نے غلط دعوے کے ساتھ خالق اور حکیم پروردگار کے حکم سے نافرمانی کی، خدا تعالیٰ کے نزدیک پائے جانے والے انسان کے مقام ''اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً ؕ'' (بقرہ۔ ۳۰) کو نظر انداز کر دیا، انسان میں پائی جانے والی الٰہی روح ''نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ'' (حجر۔۲۹) کے سامنے اکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

ہم میں سے کئی افراد ایسے ہیں کہ متعدد مواقع پر دینی احکام و دستورات کے مقابل میں ڈٹ جاتے ہیں، ان کی حکمت اور فلسفہ کو نظر انداز کرتے ہوئے، ظاہر کو دیکھتے ہوئے اور اپنی عقل کے مطابق جانچتے ہیں۔ جب کسی حکم کے بارے میں کوئی واضح دلیل تلاش نہیں کر پاتے تو اسے قبول نہیں کرتے اور اس سے لاپروا ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایک جیسے موضوعات کو موازنہ کرتے ہوئے ان پر ایک جیسا حکم لگا دیتے ہیں۔ اسی لیے حکم کو اخذ کرنے میں قیاس جائز نہیں ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام ہمیشہ ابوحنیفہ کے قیاس پر شدید تنقید کیا کرتے تھے۔ (تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔ حکم جاری کرنے سے پہلے عدالت میں پیش کیے جانا اور تفتیش کرنا ضروری ہے۔ ''قَالَ مَا مَنَعَکَ''

۲۔ گناہ اور نافرمانی کی بنیاد رکھنے والا، شیطان ہے۔ ''مَا مَنَعَکَ ۔ ۔ ۔ اِذۡ اَمَرۡتُکَ'' کیونکہ سب سے پہلی نافرمانی اس کی طرف سے کی گئی۔

۳۔ مسئلہ کو واضح کیے بغیر سزا دینا، قبیح (غلط) ہے۔ جب تک حکم اور اس کا سیاق و سباق واضح نہ کر دیا جائے، باز پرس اور سزا نہیں دی جا سکتی۔ ''قَالَ مَا مَنَعَکَ ۔ ۔ ۔ اِذۡ اَمَرۡتُکَ''

۴۔ شیطان، جناب آدمؑ کے سامنے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔ ''اِذۡ اَمَرۡتُکَ'' چنانچہ دوسری آیت میں پڑھتے ہیں: ''فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ'' (کہف۔ ۵۰)

۵۔ انسان کی طرح شیطان پر کچھ فرائض ہیں اور اس کے پاس اختیار بھی ہے۔ ''مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ

اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ۔ ۔ ۔ ‘‘

۶۔فرمان خدا کی اطاعت کرنا ہی اصل معیار ہے ورنہ عمر، نسل یا سابقہ اور اس کے علاوہ کچھ بھی معیار نہیں ہے۔’’اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ۔ ۔ ۔ ‘‘

۷۔فیصلہ کرنے سے پہلے مجرموں کو اپنی بات کرنے کا موقع دیا جانا چاہیے۔’’قَالَ اَنَا خَيْرٌ‘‘

۸۔انسان کے ملکوتی پہلو کو نظر انداز کرنا اور صرف ظاہری جسمانی حصہ کو سامنے رکھنا، جو کہ مادی لوگوں کا مسلک ہے، شیطانی صفت ہے۔’’قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ‘‘

۹۔غرور اور تکبر کا خطرہ اس حد تک ہے کہ یہ مخلوق خدا کو اس کے خالق و مالک کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے۔’’اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ‘‘

۱۰۔خدا تعالیٰ کی خالقیت کو قبول کر لینا ہی کافی نہیں ہے، اطاعت کرنا اور تسلیم ہو جانا بھی ضروری ہے۔’’خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ‘‘ شیطان، پروردگار عالم کی خالقیت کو قبول کرتا تھا لیکن اس نے اپنے پروردگار کی اطاعت نہیں کی۔

۱۱۔نسل پرستی، شیطانی اقدار میں سے ہے۔’’خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ‘‘

۱۲۔شیطان نے واضح اور روشن فرمان کے مقابلے میں اپنی ذاتی رائے پر عمل کیا، اصطلاح کے مطابق اس نے نص کے مقابلے میں اجتہاد کیا۔’’اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ۔ ۔ ۔ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ۔ ۔ ۔ ‘‘

۱۳۔شیطان نے قیاس کے طریقہ پر عمل کیا، جس کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد صرف گمان پر ہے۔’’خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾‘‘

آیت نمبر ۱۳

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمۃ الآیات

خدا نے (شیطان سے) فرمایا: اس مقام (و مرتبہ سے اتر جا تجھے اس مقام و مرتبہ) میں یہ حق نہیں پہنچتا کہ تو تکبر کرے تو یہاں سے نکل جا۔ تو پست و حقیر افراد میں سے ہے۔(۱۳)

نکات:

☆ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ابلیس سے عبرت حاصل کرو اس نے اپنی چھ ہزار سالہ عبادت، جو کہ معلوم نہیں یہ سال دنیا کے (۳۶۵ دن کے) سال تھے یا اخروی (جس کا ایک دن دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہے، اس کے) سال تھے، اس نے اپنی طولانی عمر کو ایک لمحے میں تکبر اور تفاخر کے ساتھ کیونکر برباد کر دیا!! (نہج البلاغہ، خ ۱۹۲)

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت میں متکبرین ذلیل ترین صورت میں محشور کیے جائیں گے۔ اہل محشر کے پاؤں تلے روندے جائیں گے۔ (تفسیر مراغی)

ایک اور روایت میں فرمایا: جو کوئی تواضع اور انکساری کرے گا، خدا تعالیٰ اس کے مقام کو بلند فرمائے گا اور جو کوئی تکبر کرے گا اور اکڑے گا تو پروردگار عالم اسے ذلیل و خوار کر دے گا۔ (محجۃ البیضاء، ج ۶ ص ۲۱۵)

روایت میں ہے کہ کفر کی جڑ تین چیزیں ہیں: ۱۔ لالچ ، ۲۔ حسد ، ۳۔ اور تکبر۔ (کافی، ج ۲، باب اصول الکفر)

پیغام:

۱۔ تکبر صرف عام لوگوں کے لیے خطرناک نہیں ہے بلکہ ان کیلئے بھی خطرناک ہے جو اونچے مقام رکھتے ہیں اور ملاء اعلیٰ میں فرشتوں کے ہم نشین ہوتے ہیں، وہ لوگ جن کی ہزاروں سال اور صدیوں پر محیط عبادات ہوتی ہیں۔ ''فَاهْبِطْ ،فَاخْرُجْ''

۲۔ نہ تو شیطان کو اس کا خدا کے بارے میں علم بچا سکا اور نہ ہی لمبی چوڑی عبادات، راہ نجات صرف اور صرف اس کے آگے سر تسلیم خم کر دینے میں ہے۔ ''تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ''

۳۔ فرمان خدا کے سامنے تکبر کرنا، اعمال کی نابودی اور بربادی کا موجب ہوتا ہے۔ ''فَاهْبِطْ ۔ ۔ ۔ فَاخْرُجْ''

۴۔ بسا اوقات فرمان خدا تعالیٰ کے سامنے ایک لمحے کا تکبر، ہمیشہ کی تنزلی اور رسوائی کا باعث ہوتا ہے۔ ''تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ''

۵۔ غرور و تکبر کا نتیجہ حقارت، ذلت اور رسوائی ہے۔ جی ہاں! خود کو بہتر: ''اَنَا خَيْرٌ'' کہنے کا نتیجہ ''فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ⑬'' سننے کا سبب بن جاتا ہے۔

آیت نمبر ۱۴۔۱۵

قَالَ اَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ⑭

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿١٥﴾

ترجمۃ الآیات

اس (شیطان نے معذرت خواہی یا توبہ کی بجائے) کہا: مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن لوگ قبور سے اٹھائے جائیں گے۔ (۱۴)

(اللہ نے) فرمایا: تو مہلت یافتہ افراد میں سے ہے۔ (۱۵)

نکات:

☆ ابلیس تو قیامت تک کی مہلت چاہتا تھا، لیکن اس آیت سے معلوم نہیں ہوتا کہ اسے کب تک مہلت دی گئی ہے۔ سورۃ حجر کی ۳۸ ویں آیت اور سورۃ ص کی آیت ۸۰ اور ۸۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے قیامت تک تو نہیں البتہ ایک لمبے عرصے کے لیے مہلت دی گئی ہے: ''فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٣٨﴾'' بعض کہتے ہیں کہ جب تک خدا تعالیٰ صلاح جانے گا، شیطان کو زندہ رکھے گا۔ (تفسیر عیاشی)

☆ سوال: خدا تعالیٰ نے ابلیس کو مہلت کیوں دی؟

جواب: اس لیے کہ بدکاروں کو مہلت دینا، انسان کی آزمائش اور امتحان کیلئے خدا کا ایک طریقہ کار چلا آرہا ہے تاکہ خیر اور شر کے اسباب مہیا رہیں اور انسان اپنے ارادہ اور اختیارات کے ذریعے راستے کا انتخاب کرے، ابلیس، انسان کو گمراہ ہونے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ صرف دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ جیسا کہ سورت ابراہیم کی آیت ۲۲ میں آیا ہے: ''وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ'' میں تم پر تسلط نہیں رکھتا تھا میں نے تو صرف تمہیں دعوت دی اور تم نے میری دعوت کو قبول کرلیا۔

گفت انظرنی الی یوم الجزاء
کاشکی گفتی کہ تب یا ربنا

کہا: مجھے یوم الجزا تک مہلت دے دو۔ کاش! کہا ہوتا کہ اے میرے رب مجھے معاف فرمادے۔

پیغام:

۱۔ ابلیس اپنی خواہش سے مایوس نہ تھا۔ ''قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ''

۲۔ شیطان بھی جانتا ہے کہ عمر، خدا کے ہاتھ اور ارادے میں ہے۔ ''قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ''

۳۔ ہر طویل عمر اچھی نہیں ہوتی کیونکہ شیطان رجیم کی عمر بھی بہت طویل ہے۔ ''اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ﴿۱۴﴾''

۴۔ ابلیس، اپنے خالق کو بھی پہچانتا تھا اس لیے کہا: ''خَلَقۡتَنِیۡ'' اور معاد کو بھی جانتا تھا اسی لیے قیامت کے دن تک کی مہلت مانگی ''یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ﴿۱۴﴾''

۵۔ کبھی کافروں کی خواہشات بھی مان لی جاتی ہیں۔ ''قَالَ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ﴿۱۵﴾''

آیت نمبر ۱۶۔۱۷

قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَیۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِیۡنَ ﴿۱۷﴾

ترجمۃ الآیات

اس (شیطان) نے کہا: اب جبکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں (فریب دینے کیلئے) تیرے سیدھے راستے پر ان لوگوں کی تاک میں رہوں گا۔(۱۶)

پھر اس کے بعد ان کے آگے سے، پیچھے سے، داہنی طرف سے، بائیں طرف سے آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔(۱۷)

نکات:

☆ حدیث میں ہے کہ شیطان نے قسم کھائی کہ اولاد آدم کے چاروں طرف گھات لگائے رکھے گا تاکہ انہیں گمراہ کر دے یا نیکی سے روکے رکھے۔ فرشتوں نے انسانوں کی ہمدردی میں خدا کی بارگاہ میں عرض کی: پروردگار! یہ انسان کیسے چھٹکارا پا سکے گا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر وہ چاروں اطراف سے انہیں گمراہ کرے گا تو دو راستے، اوپر اور نیچے والے ان کے لیے کھلے ہوں گے، جب بھی انسان دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے گا اور اپنی صورت خاک پر رکھ دے گا تو اس کے ستر سال کے گناہ معاف کر دوں گا۔ (تفسیر کبیر فخر رازی)

☆ جب جناب آدمؑ کو شیطان کے تسلط کا علم ہوا تو خدا کی بارگاہ میں فریاد کرنے لگے۔ اللہ نے فرمایا: ''گھبرانے کی ضرورت نہیں، میں گناہ کو ایک اور نیکی کے ثواب کو دس برابر شمار کروں گا اور توبہ کی راہ بھی کھلی ہے۔'' (تفسیر نور الثقلین)

☆ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: سامنے سے ابلیس کا آنا اس طرح ہے کہ وہ آخرت کے مسئلہ کو انسان کیلئے بہت آسان اور سبک بیان کرتا ہے۔ پیچھے سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کو جمع کرنے، کنجوسی اور اولاد، وارث کی طرف توجہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ دائیں طرف سے آنے کا مطلب ہے کہ شبہ ایجاد کرنے سے دین کی بنیادوں کو متزلزل کرتا ہے اور اس کے دین کو تباہ کر دیتا ہے۔ بائیں طرف سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ لذت، شہوت اور منکرات کو غالب کر دیتا ہے۔ (تفسیر کنز الدقائق)

☆ شیطان، اگر کر سکے تو پہلے انسان کے ایمان میں رکاوٹ بنتا ہے اور ایسا نہ کر سکے تو نفاق اور ارتداد کے راستوں کو آگے لاتا ہے۔ اس میں بھی اگر کامیاب نہ ہو سکے تو شک و تردید اور وسوسہ کے ذریعے انسان کو گناہ کی طرف دھکیلتا ہے تاکہ وہ ایمان اور عبادت سے لذت حاصل نہ کر سکے اور نیک کام بوجھل محسوس ہو، مشکل اور سختی کے ساتھ انجام دے۔

☆ متعدد روایات میں اہل بیتؑ، ولایت علیؑ کو صراط مستقیم کہا گیا ہے۔ (تفسیر فرقان)

پیغام:

۱۔ اپنی نافرمانی اور گناہ کو الٰہی قضا و قدر کے ساتھ نسبت نہیں دینی چاہیے کیونکہ یہ شیطانی کام ہے۔ ''قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ''

۲۔ ابلیس نے مہلت اس لیے چاہی تاکہ انتقام لے سکے نہ کہ توبہ کر سکے۔ ''اَنْظِرْنِيْٓ۔ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ ۔۔۔''

۳۔ ابلیس نے پروردگار عالم کا شکر ادا کرنے کی بجائے، گستاخی کر دی۔ ''اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ۝ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ ۔۔۔''

۴۔ شیطان، انسان کو تاثیر پذیر اور اغوا کیے جانے والا موجود تصور کرتا ہے۔ ''لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ ۔۔۔''

۵۔ شیطان، انسان کا قسم خوردہ دشمن ہے۔ ''لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ ۔۔۔'' جیسا کہ دوسری جگہ کہتا ہے: ''فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝'' (ص۔ ۸۲)

۶۔ ابلیس بھی اقرار کرتا ہے کہ سیدھا راستہ صرف خدا کا راستہ ہے۔ ''صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ۝''

۷۔ ابلیس کے اغوا کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ ''مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ ۔۔۔''

۸۔ شیطان، صراط مستقیم کو بھی جانتا ہے، ''صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ۝'' اسی طرح شکر کرنے والوں اور ناشکری کرنے والوں ''وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ۝'' کے دل میں وسوسہ ڈالنے، اغوا کرنے اور اثر انداز ہونے: ''لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ ۔۔۔'' کے طریقے بھی جانتا ہے۔

۹۔ شیطان کا مقصد اور اس کی آرزو یہ ہے کہ وہ انسان کو ناسپاس بنا دے: ''وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ﴿۱۷﴾ ''
لہٰذا شیطان کی پیروی، خدا تعالیٰ کی ناشکری ہے اور شکر گزار انسان سیدھی راہ پر ہے۔

آیت نمبر ۱۸

قَالَ اخۡرُجۡ مِنۡهَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ؕ لَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ﴿۱۸﴾

ترجمۃ الآیات

(اللہ نے) فرمایا: اس (مقام سے) ذلت وخواری کے ساتھ باہر نکل جا۔ قسم ہے کہ جو شخص بھی ان میں سے تیری پیروی کرے گا، یقیناً میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ (۱۸)

نکات:

☆ ایک لمحہ کے لیے اظہار تکبر اور ''اَنَا خَيۡرٌ'' کہنا کس قدر تباہی کا موجب بن گیا۔ ''فَاهۡبِطۡ ، اخۡرُجۡ ، اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيۡنَ﴿۱۳﴾ ۔۔۔'' جیسے الفاظ کے انجام سے دوچار ہونا پڑا اور یہ سب حقارتیں، پستی، ذلت، تکبر کرنے والے کے نام ہوئی۔ اس لیے کہ معذرت خواہی اور شرمندگی کی بجائے شیطان ڈٹ گیا اور نسل انسانی کو گمراہ کرنے پر کمر باندھ لی۔

☆ ''مَذۡءُوۡمًا'' کا لفظ ''ذئم'' سے لیا گیا ہے، جس کا معنی شدید عیب ہے۔ ''مَّدۡحُوۡرًا'' کا لفظ ''دحر'' سے لیا گیا ذلت کے ساتھ باہر نکال دینے کے معنی میں ہے۔

☆ ابوحنیفہ کے تین عقیدے تھے جن کی وہ تبلیغ کیا کرتا تھا: ایک یہ کہ بندوں کے تمام افعال، فعل خدا ہیں، افراد اپنے کاموں میں مجبور ہیں۔ دوسرا یہ کہ خدا تعالیٰ کو دیکھا جا سکتا ہے۔ تیسرا یہ کہ شیطان کو آگ میں نہیں جلایا جا سکتا۔ کیونکہ آگ پر آگ اثر نہیں کرتی۔

بہلول جو کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا شاگرد تھا، اس نے اسے سزا دینے کیلئے اور اس کے عقائد کو باطل ثابت کرنے کی خاطر مٹی کا ایک ڈھیلا اٹھایا اور اس کے سر پر دے مارا۔ جب شکایت کو خلیفہ کے پاس لے جایا گیا اور اس نے وجہ دریافت کی تو بہلول نے کہا: اس کی اپنی بات کے مطابق یہ کام خود خدا نے انجام دیا ہے، اس لیے میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے کہ اسے درد ہو رہا ہے کیونکہ اگر درد ہے تو اسے سب کے سامنے پیش کرے تاکہ سب دیکھ سکیں۔ ایک اور بات یہ ہے کہ

انسان تو مٹی سے بنا ہے اور مٹی پر مٹی ٹکرانے سے (مٹی کے ڈھیلے کا انسان کے ساتھ ٹکرانے سے) انسان پر کوئی اثر نہیں ہونا چاہیے ۔(تفسیر اثنی عشری)

پیغام:

ا۔ اگر ابلیس سیدھی راہ پر گھات لگائے بیٹھا ہے اور مسلسل وسوسہ کرتا رہتا ہے لیکن گنہگار خود ہی ابلیس کے پیچھے جاتا ہے اور جہنمی ہو جاتا ہے۔ ''لَمَنْ تَبِعَكَ''

۲۔ گمراہ افراد اتنے زیادہ ہیں کہ وہ جہنم کو پُر کر دیں گے۔ ''لَاَمْلَئَنَّ'' جبکہ صحیح وسالم، پاک اور شکر گزار افراد بہت کم ہیں، جیسا کہ ہم نے دسویں آیت میں پڑھا: ''قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ۝۱۰''

۳۔ شیطان کی پیروی، باعث بنے گی کہ جہنم میں شیطان کے ہم نشین بنو۔ ''لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ۝۱۸''

آیت نمبر ۱۹

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝۱۹

ترجمۃ الآیات

اور اے آدم! تم اور تمہاری زوجہ اس بہشت میں مقیم رہو اور جہاں سے چاہو جو چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ خود پر ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (۱۹)

نکات:

☆ اس جیسی آیت سورت بقرہ میں بھی گذر چکی ہے، ۳۵ ویں آیت ملاحظہ کریں۔

☆ جس درخت یا پودے کے پاس جانے سے منع کیا گیا تھا وہ گندم کا پودا تھا یا انگور تھا یا کوئی اور چیز تھی؟ اس بارے میں امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: چونکہ جنت کے درختوں پر متنوع قسم کے پھل لگتے ہیں اس لیے تمام اقوال درست تصور کیے جا سکتے ہیں۔ (عیون الاخبار، ج۱، ص ۳۰۶)

☆ خدا تعالی نے ارادہ فرمایا تھا کہ انسان اس کے خلیفہ کے عنوان سے زمین میں زندگی گذارے، ''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط'' (بقرہ۔۳۰) اس صلاحیت کو دوسروں کے سامنے ثابت کرنے کیلئے، انسان کو بعض حقائق کی تعلیم دی۔ پھر اس کیلئے سجدہ کرنے کا حکم دیا اور پھر انہیں جنت میں بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد سب سے پہلا فریضہ عائد کرنے کیلئے ایک فرمان جاری کیا، یہاں سے تعہد، ذمہ داری اور اختیار کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پھر سزا اور فرائض کی خلاف ورزی، زمین میں داخل ہونا اور پھر تکامل کیلئے کوششیں شروع ہوگئیں۔ یہ سب کچھ علم الٰہی کے مطابق انجام پاتا رہا۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام یہ تمام مراحل اور انسان کا زمین پر رہائش پذیر ہوجانے کے مراحل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس کے بارے میں علم الٰہی واقعہ ہوگیا۔ (نہج البلاغہ، خ ۹۱)

☆ ''جنت''، یعنی بہشت جس میں جناب آدمؑ سکونت پذیر تھے، کیا تھی؟ اس بارے میں مختلف اقوال بیان ہوئے ہیں۔ کچھ اسے بہشت موعود کہتے ہیں، اس میں خلود اور ہمیشگی ان افراد کیلئے تصور کرتے ہیں جو اپنے اعمال کے بدلے ملنے والی جزا کے طور پر داخل ہونگے، دوسرے افراد کیلئے ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ شب معراج وہاں داخل ہوئے اور واپس آئے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جناب آدمؑ کی جنت، دنیا کے باغوں میں سے ایک تھی۔ (تفسیر اثنی عشری) کیونکہ بہشت موعود میں امرونہی اور فرائض کا عائد ہونا نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔ سب سے پہلے حلال اور صحیح مصرف کی راہیں کھولو پھر انہیں ممنوعیت کے مقامات کی نشاندہی کرو۔ ''فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا''

۲۔ حرام کے قریب ہونا، احکام الٰہی کے ممنوعہ مقامات تک جانا، گناہ میں آلودہ ہونے کا موجب ہے۔ ''وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا۔ ۔ ۔''

۳۔ جائز راہیں کھلی ہونے کے باوجود ''فَكُلَا'' ممنوعہ راہ کی طرف جانا، ظلم ہے۔ ''فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٩''

آیت نمبر ۲۰

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ

تَكُونَا مَلَكَيۡنِ اَوۡ تَكُونَا مِنَ الۡخٰلِدِيۡنَ ﴿٢٠﴾

ترجمة الآيات

اس کے بعد شیطان نے ان دو (آدم وحوا) کو پھسلایا تاکہ وہ چیز جو ان کے اندام میں پوشیدہ ہے ظاہر ہو جائے۔ اس (شیطان) نے کہا کہ تمہارے پروردگار نے تم کو اس درخت سے نہیں روکا لیکن اس لیے کہ (اگر اس سے کھا لو گے) تو دو فرشتے بن جاؤ گے، یا ہمیشہ کے لیے (بہشت میں) باقی رہو گے، (حیات ابدی پالو گے۔) (۲۰)

نکات:

☆ شیطان جناب آدمؑ اور حوا کے دل میں وسوسہ ڈال رہا تھا کہ اس درخت سے میوہ کھانے سے وہ فرشتے بن جائیں گے یا ابدی زندگی کے حامل ہو جائیں گے اور چونکہ خدا یہ نہیں چاہتا کہ تم اس مقام و منزلت تک جا پہنچو لہٰذا تمہیں اس سے روک دیا ہے۔

☆ حضرت آدمؑ نے خدا کی نہی کو کیوں نظر انداز کیا اور اس ممنوعہ درخت سے پھل کھا لیا؟ اس آیت کے ذیل میں ۲۱ جواب دیے گئے ہیں: جیسے یہاں کی نہی صرف کراہت رکھتی تھی، حرمت نہیں۔ جیسے کوئی ڈاکٹر بیمار کو ایک غذا سے روکتا ہے کہ اگر اسے کھائے گا تو سخت پریشان ہو گا ورنہ وہ حرام نہیں ہے۔ اس غذا کے کھانے سے اس کے اپنے اثرات ہونگے لیکن اس کا کھانا حرام نہیں ہے۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کیا ملائکہ افضل ہیں یا بنی آدم؟ حضرت نے امام علی علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی اور فرمایا: خدا تعالیٰ نے ملائکہ کو عقل کے ساتھ شہوت کے بغیر، جانوروں کو شہوت کے ساتھ اور عقل کے بغیر خلق فرمایا۔ جبکہ انسان کو عقل اور شہوت دونوں کے ساتھ خلق فرمایا۔ اب اگر انسان کی عقل اس کی شہوت پر غالب آ جائے تو وہ ملائکہ سے افضل ہے اور اگر اس کی شہوت، عقل پر غالب آ جائے تو جانوروں سے بھی پست ہو جائے گا۔ ''فمن غلب عقله شهوته فهو خير من الملائكة و من غلب شهوته عقله فهو شر من البهائم'' (وسائل، ج ۱۵، ص ۲۰۹)

آدمیزادہ طرفہ معجونی است
کز فرشتہ سرشتہ و از حیوان
گر کند میل این، شود بہ از این
ور کند میل آن، شود پس از آن

آدم زاد دو طرف کا معجون ہے، اس کا فرشتوں سے بھی تعلق ہے اور یہ حیوانی پہلو بھی رکھتا ہے۔ اگر فرشتوں کی طرف

بڑھے گا تو اُن سے بھی بہتر ہو جائے گا اور اگر حیوانیت کی طرف بڑھے گا تو اُن سے بھی پست تر ہو جائے گا۔

جی ہاں! انسانوں کے درمیان نیکیوں کا تناسب اور درجات کا فرق پایا جاتا ہے، ان کے مختلف مرتبے ہیں۔ فرشتوں میں بھی ایسا ممکن ہے لہٰذا کسی انسان کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تمام فرشتوں سے افضل ہے یا اس کے برعکس ہے۔ (تفسیر اطیب البیان، ج ۱، ص ۵۱۲)

☆ خدا تعالیٰ نے شیطان کو نجس ماہیت (خمیر) کے ساتھ خلق نہیں فرمایا بلکہ اسے ایسا خلق فرمایا کہ اس میں بڑھنے اور اپنی اصلاح کرنے کی صلاحیت موجود ہے، تکامل کے مراحل طے کر سکتا ہے، ہدایت کے راستے پر چل سکتا ہے۔ یہ شیطان ہے جو خود ایسا بن گیا کہ اس نے خود کو گمراہ اور نجس بنا لیا۔ ورنہ اگر اس کا خمیر نجس ہوتا تو کئی سال تک جو وہ تسبیح اور تقدیس کرتا رہا ہے، اس کا کوئی مطلب نہیں بنتا۔ بالکل جیسے پروردگار عالم نے فرعون اور ابن ملجم کو ایسا خلق نہیں فرمایا تھا بلکہ وہ بھی نیکی اور رشد کی صلاحیت رکھتے تھے، اعلیٰ انسانی کمال پا سکتے تھے لیکن وہ اپنے اختیار کے ساتھ خود ہی گمراہ ہو گئے۔ (شرح مثنوی، علامہ جعفری، ج ۵، ص ۲۰۷)

☆ سوال: اللہ تعالیٰ نے شیطان کو انسان پر کیوں مسلط کیا؟

جواب: شیطان اور انسان کا رابطہ نیز آدمی پر اس کے اثر کا امکان، انسان پر حیوانی غرائز کی تاثیر سے زیادہ نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے ان غرائز کے مقابلے میں انسان کو فکر و عقل اور ضمیر کی نعمت عطا فرمائی۔ غرائز کو متوازن اور منظم رکھنے کیلئے بہترین وسیلہ انسان کے اختیار کو قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ کہ شیطان، انسان پر تسلط نہیں رکھتا بلکہ وہ انسان سے اس کا ارادہ اور اختیار بھی نہیں چھین سکتا۔ جیسا کہ وہ خود کہتا ہے: ''وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُكُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِيۡ‌ ۚ فَلَا تَلُوۡمُوۡنِيۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ‌ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصۡرِخِكُمۡ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُصۡرِخِيَّ‌ ؕ '' (ابراہیم۔ ۲۲) میں تم پر کوئی تسلط نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے (اپنی مرضی سے) قبول کر لی۔ لہٰذا مجھے ملامت مت کرو، اپنے آپ کو سرزنش کرو۔ نہ میں تمہارا فریادرس ہوں اور نہ تم میرے فریادرس ہو۔

اس کا کام حیوانی غرائز کی مدد کرنا ہے۔ اگر وہ انسان پر مؤثر ہونا چاہتا ہے تو مجبور ہے کہ انسان کے اندر موجود غرائز، وہم اور وسوسے کے ذریعے داخل ہو جبکہ دوسری طرف انسان میں موجود دو قوتیں عقل اور ضمیر ہمیشہ اُسے نیکی اور بھلائی کی دعوت دیتی رہتی ہیں۔ (شرح مثنوی، ج ۵، ص ۲۰۷)

پیغام:

۱۔ شیطان نیک افراد کا پیچھا کرتا ہے، انہیں بھی نہیں چھوڑتا۔ ''فَوَسۡوَسَ لَهُمَا '' لیکن مخلصین پر کسی بھی طرح سے مؤثر نہیں ہو سکتا۔ ''اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ﴿۴۰﴾ '' (حجر۔ ۴۰)

۲۔ شیطان کا آخری حربہ وسوسے پیدا کرنا ہوتا ہے کسی کو مجبور نہیں کر سکتا۔ وہ منحرف راستہ دکھاتا ہے، اصرار نہیں کرتا۔ ''فَوَسْوَسَ لَهُمَا''

۳۔ گناہ کا ارتکاب اور خلاف ورزی کا نتیجہ رسوائی ہوتا ہے۔ ''لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا''

۴۔ پردے اتار دینا، جنسی مسائل کو نمایاں کرنا، بے حیائی کا راستہ اختیار کرنا، شیطانی اہداف میں سے ہے۔ ''لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُرِيَ''

۵۔ شیطان، آرزوؤں کے ذریعے انسان کو دھوکہ دیتا ہے۔ ''مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ﴿۲۰﴾''

(انسان کی آرزو ہے کہ وہ فرشتوں کی طرح آرام وسکون کی ابدی زندگی کو حاصل کرلے۔ اسی لیے شیطان نے کہا: اگر اس درخت سے کھاؤ گے تو تم اپنی آرزو کو پالو گے، ابدی زندگی جو کہ زحمت اور پریشانی سے پاک ہوگی۔ شیطان نے انسان کے اندر موجود غرائز کی قوت اور آسائش وابدیت کی خواہش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، اسے وسوسہ کیا۔)

آیت نمبر ۲۱

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ﴿۲۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور اس (شیطان) نے (اس لیے کہ ان پر وسوسہ اثر کرے) ان کے سامنے یہ قسم کھائی کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ (۲۱)

نکات:

☆ ابتدا میں حضرت آدمؑ اور جناب حواؑ، ابلیس پر اعتماد نہیں کر رہے تھے، شیطان نے ان کا اعتماد حاصل کرنے کی خاطر ان کے سامنے قسم کھائی اور اس پر تاکید کی۔ (''قَاسَمَهُمَآ'' باب مفاعلہ سے ہے، شاید یہ تاکید کیلئے ہے۔)

امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت آدمؑ اور جناب حواؑ نے اس وقت تک خدا تعالیٰ کی نسبت جھوٹی قسم کبھی نہ سنی تھی۔ اسی وجہ سے انہوں نے اس پر اعتماد کر لیا اور اس درخت سے کچھ کھا لیا۔ البتہ یہ عمل حضرت آدمؑ کو منصب نبوت ملنے سے پہلے کا تھا۔ علاوہ ازاین یہ نہی تحریمی نہیں تھی اور یہ غلطی، گناہ کبیرہ نہ تھا جس کا نتیجہ استحقاق آتش ہے۔ (عیون الاخبار، ج ۱ ص ۱۹۶)

لہذا سب سے پہلی جھوٹی قسم شیطان نے کھائی۔

☆ قرآن فرماتا ہے: ''منافقین بھی جھوٹی قسمیں کھانے والے ہیں۔'' (توبہ۔۵۶، ۶۲، ۷۴اور ۱۰۷)

جو شخص بھی مسلسل قسم پر قسم کھاتا ہے، معاشرے کی قیادت کے لائق نہیں ہے۔ ''وَلَا تُطِعۡ کُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیۡنٍ ﴿۱۰﴾'' (قلم۔۱۰)

پیغام:

۱۔ جھوٹی قسمیں کھانا، شیطانی کام ہے۔ ''قَاسَمَهُمَاۤ''

۲۔ ہر قسم پر اعتماد نہیں کر لینا چاہیے۔ ''قَاسَمَهُمَاۤ''

۳۔ دشمن ہمارے عقائد اور ہمارے یقین سے اپنے مفادات اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ ''قَاسَمَهُمَاۤ''

۴۔ دشمن کے ہمدردانہ چہرے اور خیر خواہی کے بلند بانگ دعووں پر اعتماد، اسے ہمارے درمیان آنے کا موقع دیتا ہے اور ضرب لگانے کی فرصت ملتی ہے۔ ''اِنِّیۡ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیۡنَ ﴿۲۱﴾''

برادران یوسف نے بھی یوسف کو ختم کرنے اور باپ سے الگ کرنے کیلئے اپنے چہرے ہمدردانہ بنائے اور ان سے کہا: ''اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾'' ''ہم تو اس کیلئے خیر خواہ ہیں۔ (یوسف۔۱۱)

آیت نمبر ۲۲

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوۡرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا وَطَفِقَا یَخۡصِفٰنِ عَلَیۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمۡ اَنۡهَکُمَا عَنۡ تِلۡکُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلۡ لَّکُمَاۤ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَکُمَا عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور اس طرح (شیطان نے) ان کو دھوکا دے کر (ان کو مقام و مرتبہ) سے نیچے گرا دیا۔ اور جس وقت انہوں نے اس (منع شدہ) درخت سے چکھا، ان کا اندام (شرمگاہ) ان کے لیے

نمایاں ہوگیا اور انہوں نے درخت کے پتوں کو ایک دوسرے پر رکھنا شروع کیا تا کہ اس کو چھپائیں۔ ان کے پروردگار نے ندا کی ان کو کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟! (۲۲)

نکات:

☆ ''دَلّٰی'' کا لفظ ''تدلیہ'' سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے ''نزدیک کرنا'' اور یہ ڈول اور رسی کی طرف اشارہ ہے کہ جب پانی کے حصول کے لیے اسے کنویں میں چھوڑا جاتا ہے اور پھر کھینچا جاتا ہے۔ گویا شیطان نے دھوکے کی رسی سے آدم کو فریب کے کنویں کے قریب کر دیا۔

☆ ''یَخۡصِفٰنِ'' کا لفظ ''خصف'' سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے جمع کرنا، سینا، ٹانکنا، جوڑ لگانا۔

☆ پروردگار عالم نے انہیں ''ندا'' دی ''نَادٰىهُمَا'' فرمایا ہے جس کا معنی دور سے پکارنا ہے۔ گویا ممنوعہ درخت سے کھانے کے بعد آدم اور ان کی زوجہ قرب خداوندی سے دور ہو گئے تھے۔

☆ بعض مفسرین جیسے سید مرتضیٰ، طبرسی اور ابوالفتوح رازی کہتے ہیں: بہشت سے حضرت آدم کا اخراج اور زمین پر آنا عقوبت اور سزا کے عنوان سے نہیں تھا بلکہ مصلحت کے عنوان سے تھا۔ (تفسیر اثنی عشری)

پیغام:

۱۔ زن و مرد دونوں ہمیشہ شیطانی وسوسوں کے تیروں کی زد میں ہیں۔ ''فَدَلّٰىهُمَا''

۲۔ شیطان کا حربہ دھوکا اور فریب دینا ہی ہے۔ ''بِغُرُوۡرٍ''

۳۔ شیطانی وسوسوں کی طرف مائل ہونا، ایسی رسی کو تھامنا ہے جو باریک اور چھوٹی ہے، گناہ کے کنویں میں گرانے کیلئے کافی ہے۔ ''دَلّٰىهُمَا''

۴۔ الٰہی احکام اور فرامین پر عمل نہ کرنا، توجہ نہ کرنا اہم مسئلہ ہے، خطرناک ہے۔ خواہ کم ہو یا زیادہ ہو۔ ''فَلَمَّا ذَاقَا'' گناہ کے ارتکاب میں کم یا زیادہ کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ انسان کی جسارت اور گستاخی کو دیکھا جاتا ہے۔ لہٰذا کبھی چھوٹا گناہ بھی انسان کی رسوائی کا باعث بن جاتا ہے اور انسان پستی میں سقوط کر جاتا ہے۔

۵۔ عریانی ایک طرح کی الٰہی سزا ہے۔ (نہ کہ فیشن اور تمدن و ترقی کی علامت) ''فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا۔۔۔''

۶۔ کبھی تنزلی قدم بہ قدم ہوتی ہے۔ آغاز فکر کے انحراف سے ہوتا ہے۔ ''فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوۡرٍ'' پھر منکرات کی انجام دہی شروع ہوتی ہے اور اس کے بعد ممنوع چیزوں کو کھانے کا مرحلہ آتا ہے۔ ''فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ'' پھر انسان سقوط کر جاتا ہے

اور برہنہ ہوجاتا ہے۔ ''بَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا''

۷۔عریانی کی برائی اور حجاب کی شرافت، دونوں انسانی فطرت میں شامل ہیں۔ ''وَطَفِقَا يَخۡصِفٰنِ''

۸۔لباس اور حجاب ایک قابل قدر چیز ہے اگرچہ سادہ ترین چیز کے ساتھ ہو۔ ''وَّرَقِ الۡجَـنَّةِ ؕ''

۹۔الٰہی احکام، اوامر، نواہی، تنبیہ، خبردار کرتے رہنا، ہمیشہ انسان کی ہدایت وترقی کیلئے موجود ہیں۔ ''نَادٰٮهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمۡ اَنۡهَكُمَا''

۱۰۔ممنوعہ درخت سے پھل کھانے کے بعد حضرت آدمؑ اور حضرت حوا اپنے اعلیٰ مقام سے دور ہو گئے۔ ''تِلۡكُمَا الشَّجَرَةِ'' نہیں فرمایا کہ ''هٰذِهِ الشَّجَرَةِ''

۱۱۔اتمام حجت کے بغیر خدا تعالیٰ کسی کو سرزنش نہیں کرتا۔ ''اَلَمۡ اَنۡهَكُمَا عَنۡ تِلۡكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّـكُمَاۤ''

۱۲۔راہ خدا میں چلتے ہوئے ضروری ہے کہ دشمنوں کی پہچان رکھیں۔ ''عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ‏ ﴿۲۲﴾''

۱۳۔اس کے باوجود کہ شیطان کی دشمنی واضح ہے لیکن پھر بھی انسان اس خطرے، اس کی دشمنی سے غافل ہو جاتا ہے۔ ''عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ‏ ﴿۲۲﴾''

آیت نمبر ۲۳

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ۚ وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَـنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَـنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ‏ ﴿۲۳﴾

ترجمۃ الآیات

ان دونوں (حضرت آدمؑ اور اماں حواؑ) نے کہا: پروردگارا! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (۲۳)

نکات:

☆ شیطان اور آدم دونوں نے نافرمانی کی لیکن ان دونوں میں یہی فرق ہے کہ شیطان نے اپنے سجدہ نہ کرنے کی نافرمانی کے بارے میں خدا کے عدل اور کرم کی حکمت پر اعتراض کیا، تکبر کا مظاہرہ کیا، غرور کا اظہار کیا، اپنی غلطی پر ڈٹ گیا، قوم پرستی کو فروغ دیا، پشیمانی کا اظہار نہ کیا۔ دوسری طرف آدم نے اپنی اور اپنی بیوی کی خلاف ورزی کا اعتراف کیا، اپنی بخشش کا خدا

سے تقاضا کیا۔ یہ نہیں کہا کہ ''تو ہمیں بخش دے'' بلکہ کہا: اگر نہیں بخشے گا تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہونگے۔ (تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔ اپنے اوپر کرنے والے ہر ظلم سے نجات کیلئے خدا تعالیٰ سے مدد طلب کریں اور ان کا ازالہ کریں۔ ''قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ۔۔۔''

۲۔ آدم وحوا جس طرح خلاف ورزی میں شریک تھے اسی طرح گذشتہ کی تلافی اور عذرخواہی میں بھی شریک تھے۔ ''ذَاقَا، قَالَا رَبَّنَا''

۳۔ ہر خلاف ورزی، اپنے پر ظلم، چونکہ پروردگار کے فرمان کی مخالفت ہے اس لیے حقیقت میں یہ اپنے تکامل اور اپنی سعادت کی مخالفت ہے۔ ''ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا''

۴۔ پہلے خود اپنے گناہ کا اعتراف کرنا، دعا اور استغفار کے آداب میں سے ہے۔ ''قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا''

۵۔ بشر کی خدا تعالیٰ سے اولین درخواست عفو ورحمت کا تقاضا تھا۔ ''وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا''

۶۔ گناہگاروں کا سب سے اہم مسئلہ خدا کی مغفرت ہے اس کے بعد باقی درخواستیں ہیں۔ ''اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا۔''

۷۔ خداوند عالم کے ایک لمحہ کی رحمت اور عنایت، ابدی اور دائمی خساروں کے آگے بند باندھ دیتی ہے۔ ''اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾''

آیت نمبر ۲۴۔۲۵

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمۃ الآیات

(خدا نے) فرمایا: (اپنے مقام سے) نیچے اتر جاؤ، اس حال میں کہ تم (یعنی انسان اور

شیطان) ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لیے زمین میں (معین وقت تک)
ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک مدت کیلئے وسائل زندگی مہیا ہیں ۔ (۲۴)
(خدا نے) فرمایا: اسی (زمین) میں جیو گے اسی میں مرو گے اور اسی سے (بروز محشر حساب
کتاب کیلئے) باہر نکالے جاؤ گے ۔ (۲۵)

نکات:

☆ جملہ ''اهۡبِطُوۡا '' کے مخاطبین، جناب آدم وجناب حوا اور ابلیس ہیں یا جناب آدم وجناب حوا اور ان کی ذریت ہے ۔ البتہ ایک جگہ صرف ابلیس کو خطاب کیا گیا ہے ۔ ''فَاهۡبِطۡ مِنۡهَا '' (اعراف ۔ ۱۳) دوسری جگہ جناب آدم وجناب حوا کو خطاب کیا گیا ہے: ''قَالَ اهۡبِطَا مِنۡهَا جَمِيۡعًا '' (طٰہٰ ۔ ۱۲۳) اگر ان کے زمین پر اترنے کی جگہ ایک ہی ہو تو ممکن ہے کہ ''اهۡبِطُوۡا '' سے دونوں معنی مراد ہوں ۔

☆ ''ھبوط '' سے مراد زمین پر اترنا ہے، کیونکہ اس کے بعد فرمایا ہے: ''وَلَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ '' اور تمہارے لیے ہے کہ تم زمین میں قرار پاؤ ۔ (رہائش اختیار کرو) ۔

☆ اگر چہ خدا تعالیٰ نے جناب آدم وجناب حوا کی توبہ قبول کرلی ''فَتَابَ عَلَيۡهِ ؕ '' (بقرہ ۔ ۳۷) لیکن خلاف ورزی کا ایک طبعی اثر ہوتا ہے اور جناب آدم وجناب حوا کے اس ترک اولیٰ یا نافرمانی کا طبعی اثر بہشت سے خروج اور زمین پر نزول ہوگا ۔ ''اهۡبِطُوۡا ''

پیغام:

۱ ۔ خلاف ورزی اور گناہ کے طبعی اثر سے فرار ناممکن ہے ۔ ''قَالَ اهۡبِطُوۡا ''

۲ ۔ بسا اوقات والدین کے حکم اور نصیحت کی خلاف ورزی کا اثر اولاد بلکہ نسلوں کے ہبوط وسقوط میں بھی ہوتا ہے ۔ '' قَالَ اهۡبِطُوۡا ۔ ۔ ۔ ''

۳ ۔ جناب آدم وجناب حوا کی بہشت، زمین کے علاوہ کوئی دوسری جگہ تھی جو اس سے بالاتر اور برتر تھی ۔ ''اهۡبِطُوۡا ''

۴ ۔ دنیا: تنازع، چپقلش، مشکلات اور تضاد کا گھر ہے اور انسان اپنے مفادات کے حصول اور غرائز کی تسکین کے لیے آپس میں دست وگریبان رہتے ہیں ۔ ''بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ ''

۵ ۔ دنیاوی زندگی اور اس کے فائدے ومنافع ابدی نہیں ہیں ۔ ''اِلٰى حِيۡنٍ ۝۲۴ ''

۶ ۔ موت کے بعد انسان دوبارہ زندہ کیا جائے گا، ''مِنۡهَا تُخۡرَجُوۡنَ ۝۲۵ '' جناب آدم اس بات سے پریشان، فکر مند اور غمگین تھے کہ شاید اب دوبارہ جنت کے مقام اور ابدی زندگی نہیں مل پائے گی ۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا: دنیا کی زندگی کے بعد جنت

کی ابدی زندگی پاسکو گے۔

۷۔ دنیا کی زندگی کا اختتام اور اس کی مدت کے بارے میں انسان کو کچھ معلوم نہیں۔ (''حِيۡنٍ ۞'' نکرہ استعمال ہوا ہے۔)

آیت نمبر ۲۶

يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسًا يُّوَارِىۡ سَوۡاٰتِكُمۡ وَرِيۡشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقۡوٰى ۙ ذٰ لِكَ خَيۡرٌ ؕ ذٰ لِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ۞

ترجمۃ الآیات

اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لیے لباس نازل کیا تا کہ تمہارے بدن کے برہنہ اور بدنما حصوں کو چھپائے اور تمہارے لیے زینت بنے اور تقویٰ کا لباس اس سے بہتر ہے۔ یہ سب خدا کی آیتوں (نشانیوں) میں سے ہے شاید تم اس کی نعمتوں کو یاد کرنے والے بنو اور نصیحت پکڑو۔ (۲۶)

نکات:

☆ حضرت آدمؑ کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد خدا تعالیٰ نے اس سورۃ میں چار مقامات (اس آیت میں، ۲۷، ۳۱ اور ۳۵) پر بنی آدم اور نوع انسانی کو خطاب کرتے ہوئے کلی سفارشوں سے نوازا ہے جن کا تعلق عالم انسانیت سے ہے، مثلاً تدبیر تقویٰ کی حفاظت، شیطان کے فریب میں نہ آنا، اسراف نہ کرنا، کھانے، پینے اور پہننے کی چیزوں میں فضول خرچ سے بچنا اور انبیاء کی دعوت کو تسلیم کرنا وغیرہ۔

☆ ''ریش'' کا مطلب پرندوں کا پر ہے، جو کہ ان کیلئے لباس بھی ہے اور خوبصورتی کا باعث بھی ہے لہٰذا ایسا لباس جو بنی نوع انسان کیلئے خوبصورتی کا باعث ہو اسے بھی ''ریش'' کہا جا سکتا ہے۔

☆ تمام نعمتیں پروردگار عالم کے ہاتھ میں ہیں اور اسی کے غیبی خزانے سے جاری ہوتی ہیں، جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے

: ''وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۱ '' کوئی شے ایسی نہیں ہے کہ جس کا خزانہ ہمارے پاس موجود نہ ہو اور ہم کچھ نازل نہیں کرتے مگر ایک معلوم اندازے کے مطابق۔ (حجر۔۲۱) مزید فرمایا: ''وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ'' (حدید۔۲۵)، ''وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ۔ ۔ ۔ '' (زمر۔۶)

خدا تعالیٰ کی طرف سے لباس کے نازل کرنے سے مراد، اسے انسان کے اختیار میں قرار دینا ہے۔ ''اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا''

☆ ''لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ'' سے مراد ایسا لباس ہے جس کی بنیاد تقویٰ، تواضع، پاکیزگی، پاکدامنی پر ہو۔ علاوہ ازایں خشیت اللہ، طاعت اللہ، عفت، حیا اور عمل صالح کو بھی لباس التقویٰ کہا گیا ہے۔ (تفسیر منہج الصادقین)

پیغام:

۱۔ نعمات الٰہی پر توجہ کرنا، عشق خدا اور غفلت سے دوری کا موجب ہے۔ ''قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ۔ ۔ ۔ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۲۶''

۲۔ لباس، اس وقت نعمت الٰہی ہے، جب وہ جسم کو ڈھانپے۔ ''يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ''

۳۔ لباس کو مہیا کرنے کیلئے قدرتی عوامل کے علاوہ انسان بھی کوشش کرتا ہے لیکن یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ''اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا''

۴۔ ڈھانپنے کے ذرائع اور ڈھانپنا، سب خدا تعالیٰ کے کام ہیں۔ ''اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ'' جبکہ برہنگی اور برہنہ کرنا کار شیطان ہے۔ '' فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا '' (اعراف۔۲۰)

۵۔ لباس، نعمات الٰہی میں سے ہے۔ ''لِبَاسًا يُّوَارِيْ'' جبکہ برہنگی اور لباس کا اتر جانا، گناہ کی سزا ہے۔ ''فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا'' (سورہ اعراف۔۲۲)

۶۔ خود کو ڈھانپنا اور اچھے کپڑوں، خوبصورت لباس کے ساتھ آراستہ کرنا، پروردگار عالم کو مطلوب ہے اور اس کا پسندیدہ ہے۔ ''قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ'' خود کو آراستہ کرنا، سجانا، اچھے اور خوبصورت لباس زیب تن کرنا، یہاںتک کہ اسراف کے زمرے میں نہ آئے، کوئی حرج نہیں ہے۔

۷۔ مادیت کے ساتھ ساتھ معنویت ضروری ہے، زینت کے ہمراہ تقویٰ لازمی ہے۔ ''رِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ'' اگر ایسا نہ ہو تو لباس: اسراف، تکبر، فساد، برائی، خودنمائی، ماڈرن ازم، شہوت پرستی، بے جا فخر اور غرور وغیرہ کا موجب بن جاتا ہے۔

۸۔ جس طرح مادی لباس، عیب چھپاتا ہے، سردی گرمی سے محفوظ رکھتا ہے، خوبصورت دکھاتا ہے، اسی طرح تقویٰ کا

لباس بھی عیب چھپاتا ہے، گناہوں سے بچاتا ہے اور انسان کی معنویت روحانیت کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔ ''لِبَاسُ التَّقْوٰى ''

۹۔مٹی سے روئی اُگتی ہے، جانور سے اُون ملتی ہے، ایک کیڑے کی تھوک سے ریشم بنا تا ہے۔ یہ سب کچھ آیات الٰہی میں سے ہے، جس میں نصیحت اور انسان کیلئے بیداری ہے۔ ''ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۝۲۶''

آیت نمبر ۲۷

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝۲۷

ترجمۃ الآیات

اے اولاد آدم! شیطان تمہیں دھوکا نہ دے جس طرح تمہارے (اولین) ماں باپ کو دھوکا دے کر جنت سے نکال دیا اور (اس درخت کی نسبت وسوسوں کے ذریعے) ان کے لباس کو ان کے جسموں سے اتروا دیا تاکہ ان کی شرمگاہیں ان کو دکھا دے، کیونکہ وہ (شیطان) اور اس کے کارندے تمہیں دیکھتے ہیں اور تم انہیں نہیں دیکھتے۔ (لیکن یہ جان لو) ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا ولی قرار دیا جو ایمان نہیں لاتے۔(۲۷)

نکات:

☆ گذشتہ میں لباس کو ایک نعمت کے طور پر بیان کیا گیا ہے اس آیت میں خبردار کیا جا رہا ہے کہ ہوشیار رہو کہیں شیطان اس لباس، اس نعمت کو تم سے چھین نہ لے۔

☆ شیطان اگرچہ اہل ایمان کے دل میں بھی وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اور انہیں پھسلانے کی کوشش کرتا ہے لیکن مکمل طور پر ان پر تسلط قائم نہیں کرسکتا، ان کی سرپرستی حاصل نہیں کرسکتا، ''وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ'' (ابراہیم

۔ ۲۲) کیونکہ مومن توبہ کے ذریعے اور خدا سے پناہ حاصل کرنے کے ذریعے نجات پالیتا ہے اور شیطان صرف کافروں پر تسلط قائم کر پاتا ہے۔

☆ ہم شیطان کو نہیں دیکھ پاتے، اس سے ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ بھی ہمیں نہیں دیکھ سکتا، بلکہ اس کے اُلٹ ہر جگہ جہاں گناہ کا زمینہ فراہم ہو وہاں شیطان حاضر ہوتا ہے اور وہ فتنہ وفساد کی تلاش میں ہوتا ہے۔

پیغام:

ا۔ تاریخ اور دوسروں کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ ''كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ ''

۲۔ خود کو اس قدر محفوظ نہ سمجھیں اور گمراہی سے دور تصور نہ کریں، حضرت آدمؑ جو مسجود ملائکہ تھے، شیطان کے فریب کی وجہ سے اپنے مقام سے دور ہو گئے۔ ''اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ ۔ ۔ ۔''

۳۔ برہنہ ہو جانا اور حجاب کا ختم ہو جانا، قرب الٰہی کے مقام سے دوری کا موجب ہے۔ ''اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ ۔ ۔ ۔ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا''

۴۔ ہر ایسا پروگرام یا ایسی تبلیغ جس کا انجام عریانی ہو، وہ شیطانی عمل ہے۔ ''لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۔ ۔ ۔ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا''

۵۔ شیطان کا مقصد یہ ہے کہ وہ عورت اور مرد کو ایک دوسرے کے سامنے برہنہ کردے۔ ''لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ط ''

۶۔ شیطان اکیلا نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھی اور مددگار ہیں ''انه يرا كم هو و قبيله '' چنانچہ ایک دوسری جگہ پڑھتے ہیں ''وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ ''(شعراء۔ ۹۵)

۷۔ چونکہ ہم شیطان کو نہیں دیکھ پاتے، اُس سے غافل نہ رہیں اور ہمیشہ اس کے ساتھ مقابلے کیلئے تیار رہیں۔ ''لَا يَفْتِنَنَّكُمُ ۔ ۔ ۔ لَا تَرَوْنَهُمْ ط '' شیطان کا دھوکہ دے جانا، اس کے نظر نہ آنے کی وجہ سے بھی ہے۔

۸۔ برہنگی وعریانی، عدم ایمان اور شیطانی غلبہ کی علامت ہے۔ ''يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا ۔ ۔ ۔ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝۲۷ ''

۹۔ شیطان کا غلبہ، انسان کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ''اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝۲۷ ''

۱۰۔ خدائی طریقہ کار یہ ہے کہ کافروں اور منکروں پر شیطان کو حاکم قرار دیتا ہے۔ ''اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝۲۷ ''

۱۱۔ خدا تعالیٰ پر محکم ایمان ہونا، انسان پر شیطان کی ولایت اور حاکمیت کیلئے رکاوٹ ہے۔ ''اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝۲۷ ''

آیت نمبر ۲۸

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور جس وقت وہ برا کام کرتے ہیں تو (اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے) یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپوں کو یہی کرتے دیکھا ہے اور خدا نے ہمیں یہی حکم دیا ہے (اے ہمارے رسول) ان سے کہہ دو کہ خدا (ہرگز) کبھی کسی کو برے کام کا حکم نہیں دیتا، کیا اللہ کی طرف اس بات کی نسبت دیتے ہو جو تم نہیں جانتے ؟! (۲۸)

نکات:

☆ تفاسیر میں ہم پڑھتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین کی عریانی سے متعلق ہے خصوصاً طواف کی حالت میں، جس کا جاہلیت کے دور میں بھی رواج تھا۔ وہ لوگ یہ کام اپنے بڑوں کی تقلید میں کیا کرتے تھے لیکن دعویٰ کرتے تھے کہ پروردگار نے انہیں اس طرح طواف کرنے کا حکم دیا ہے۔

☆ بدکار لوگ پیروی تو اپنے باپ دادوں کی کرتے ہیں لیکن اپنے شرک کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف دیتے ہیں اور کہتے ہیں: "لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا" اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے (انعام۔ ۱۴۸) "لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ" اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے علاوہ کسی چیز کی عبادت نہ کرتے۔ (نحل۔ ۳۵) ان کے بقول یہ خدا کی مرضی تھی جو ہم مشرک ہو گئے ہیں وہ سمجھتے تھے چونکہ خدا نے انہیں مہلت دی ہوئی ہے لہٰذا ان کی برائیوں اور بدکاریوں پر بھی وہ راضی ہے، یا پھر یہ سب کچھ اُسی کے حکم سے انجام پا رہا ہے۔

☆ اس آیت میں پہلے انہوں نے اپنے بزرگوں کا طریقہ سامنے رکھا ہے "وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا" پھر حکم خدا کا ذکر کیا ہے "وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ" یہ شاید اس لیے ہے کہ ان کے نزدیک ان کے بزرگوں کا طرز حکم خدا سے زیادہ اہم ہے۔

پیغام:

۱۔گناہ کا عذر پیش کرنا، خود گناہ کرنے سے بدتر ہے، شیطان کے غلبہ اور نفوذ کی علامت ہے۔"اَوۡلِيَآءَ لِلَّذِيۡنَ ۔۔۔ قَالُوۡا وَجَدۡنَا عَلَيۡهَاۤ اٰبَآءَنَا" خواہ معاشرتی عذر تراشی (بڑوں کا بہانہ) ہو یا مذہبی عذر تراشی (خدا کا برائی پر حکم کرنے کا بہانہ) ہو۔

۲۔گذشتہ لوگوں کے غلط اور برے طریقہ کار پر پابند رہنا، دین میں بدعت، شیطان کی سرپرستی کو قبول کرنا اور عدم ایمان کی علامت ہے۔"اِنَّا جَعَلۡنَا الشَّيٰطِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ لِلَّذِيۡنَ ۔ ۔ وَاِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً قَالُوۡا وَجَدۡنَا عَلَيۡهَاۤ اٰبَآءَنَا ۔ ۔ ۔"

۳۔بعض اعمال اس قدر فاسد اور برے ہوتے ہیں، ان کی برائی اس قدر واضح اور روشن ہوتی ہے کہ انہیں "فَحۡشَآءِ" کہا جاتا ہے۔(فَحۡشَآءِ، ایسے گناہ کو کہا جاتا ہے جس کی برائی آشکار ہو۔)

۴۔کبھی کبھی انسان کی گمراہی، آئندہ نسلوں کیلئے ایک مثال بن جاتی ہے اور آنے والی نسلوں کے گناہوں کا بوجھ ایسے ہی گمراہ افراد کے کندھوں پر ہوتا ہے۔"وَجَدۡنَا عَلَيۡهَاۤ اٰبَآءَنَا"

۵۔گذشتہ لوگوں کا طریقہ کار ہمیشہ قابل فخر نہیں ہوا کرتا نیز سابقہ لوگوں کی تقلید ناجائز ہے۔"قَالُوۡا وَجَدۡنَا عَلَيۡهَاۤ اٰبَآءَنَا"

۶۔خدا تعالیٰ کبھی بھی برائی کا حکم نہیں دیتا۔"وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاۡمُرُ" (فعل ماضی کا جواب فعل مضارع کے ساتھ دیا گیا ہے تاکہ تسلسل اور استمرار پر تاکید کی جائے۔)

آیت نمبر ۲۹

قُلۡ اَمَرَ رَبِّىۡ بِالۡقِسۡطِ‌ قف وَاَقِيۡمُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمۡ تَعُوۡدُوۡنَ ؕ ﴿۲۹﴾

ترجمۃ الآیات

(اے میرے رسول) کہہ دو کہ میرے پروردگار نے عدالت کا حکم دیا ہے اور ہر مسجد میں (اور وقت عبادت) اپنی توجہ اس کی طرف رکھو، اسے پکارو اور اپنے دین کو اس کے لیے خالص کردو (اور یہ جان لو کہ) جس طرح اس نے تم کو آغاز میں پیدا کیا ہے (اسی طرح) تم حشر

کے روز اس کی طرف پلٹو گے۔(۲۹)

نکات:

☆''قسط''امتیازی سلوک کے مقابلے میں ہے یعنی ہر شخص کو جو اس کا حق بنتا ہے، دیا جائے نہ کہ کسی دوسرے کو۔

☆اس آیت میں متعدد موضوعات بیان ہوئے ہیں: مثلاً تربیت''رَبِّیۡ''، عدل وانصاف''اَلۡقِسۡطِ''، عبادت''اَقِیۡمُوۡا''، جماعت''وُجُوۡهَکُمۡ''، وحدت''مَسۡجِدٍ''، دعا''وَّادۡعُوۡهُ''، نیت اور خلوص''مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ''، معاد اور قیامت''تَعُوۡدُوۡنَ﴿۲۹﴾''

☆''وَّادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ''کو مرحوم طبرسیؒ نماز کے بعد دعا کرنے اور تضرع کے ساتھ اپنے رب کو پکارنے پر تاکید قرار دیتے ہیں۔امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ہر نماز کے بعد تسبیح حضرت زہرا (سلام اللہ علیہا) ہزار رکعت نماز سے بہتر ہے۔(تفسیر اثنی عشری)

☆معاد، جسمانی ہے، جس طرح خاک کے تمام ذرات، غذا کے ذریعے آپ میں جمع ہو چکے ہیں۔اسی طرح تمہاری گلی سڑی ہڈیاں بھی قیامت کے روز جمع ہو جائیں گی۔''کَمَا بَدَاَکُمۡ تَعُوۡدُوۡنَ﴿۲۹﴾''جس طاقت نے تمہیں ایک خلیے اور ایک سپرم سے پیدا کیا ہے، قیامت کے روز وہی تمہارے بقایاجات کو بھی زندہ کرے گا۔

روایت میں بھی ہم پڑھتے ہیں کہ''کَمَا بَدَاَکُمۡ تَعُوۡدُوۡنَ﴿۲۹﴾''سے مراد یہ ہے کہ جس عقیدے پر تم مرو گے اُسی عقیدے پر اٹھائے جاؤ گے؛ مومن ایمان کے ساتھ اور کافر اپنے کفر کے ساتھ''**المومن علی ایمانه و الکافر علی کفره**''(تفسیر مجمع البیان)

☆حدیث میں آیا ہے: قیامت میں لوگ عریان اور پابرہنہ محشور کیے جائیں گے۔بالکل جیسے ماں کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔(تفسیر فرقان)

پیغام:

۱۔انسان کو قسط و عدل کا حکم دیا گیا ہے:''اَمَرَ رَبِّیۡ بِالۡقِسۡطِ''جبکہ برے کام قسط و عدل کے دائرہ سے باہر ہیں۔''لَا یَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ ۔۔۔ اَمَرَ رَبِّیۡ بِالۡقِسۡطِ''

۲۔دین پر مخلص ہو کر پابند رہنا، قسط و عدل کی وسعت کا موجب ہے۔''اَمَرَ رَبِّیۡ بِالۡقِسۡطِ وَاَقِیۡمُوۡا وُجُوۡهَکُمۡ''

۳۔عبادت کے ساتھ ساتھ امتیازی سلوک سے روکنے کا ذکر ہوا ہے، گویا نماز و عبادت، قسط و عدل کے ہمراہ زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔''بِالۡقِسۡطِ وَاَقِیۡمُوۡا''

۴۔صحیح تربیت، عادلانہ نظام میں ہی ممکن ہے نیز قسط و عدل، الٰہی ربوبیت میں سے ہے۔''اَمَرَ رَبِّیۡ بِالۡقِسۡطِ''

۵۔ دین میں انسان کے معاشرتی، عبادی اور اعتقادی پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ''اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ ۔ ۔ ۔ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ''

٦۔ مسجد: صدق وصفا اور اخلاص کا مرکز ہے، شرک وریا کا نہیں۔ ''وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ''

۷۔ دعا کی شرائط میں سے ایک، نیت کا خالص ہونا ہے۔ ''وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ''

۸۔ معاد وقیامت کی طرف توجہ اور ایمان، قسط وعدل کی برقراری اور انسان کے اخلاص کا باعث ہے۔ ''كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ؕ﴿۲۹﴾''

۹۔ پہلی خلقت، معاد کی دلیل ہے۔ ''كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ؕ﴿۲۹﴾''

آیت نمبر ۳۰

فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمۃ الآیات

(خدا نے) کچھ لوگوں کی ہدایت کی اور کچھ لوگ (جن میں لیاقت نہیں ہے) ان کی گمراہی مسلم الثبوت ہے (یہ وہ لوگ ہیں کہ) جنہوں نے بجائے خدا کے شیطانوں کو اپنا ولی اور سرپرست بنایا ہے اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ (۳۰)

پیغام:

۱۔ ہدایت، خدا تعالی کا کام ہے۔ ''فَرِیْقًا هَدٰی'' لیکن گمراہی ہمارے اپنے غلط انتخاب سے ہوتی ہے۔ ''اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ''

۲۔ جب تک خدا سے کٹ نہیں جاتے، شیطانی وسوسے، پروردگار کی یاد اور توبہ کے ذریعے قابل علاج رہتے ہیں، ''مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا'' (اعراف۔ ۲۰۱) لیکن خدا سے کٹ جانا، شیطان کے جال میں گرفتار ہو جانا اور اس کی سرپرستی میں چلے جانا ہے، جو کہ ناقابل تلافی ہے۔ ''حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ''

۳۔ انسان آزاد ہے، چاہے تو خدا کی ولایت کو تسلیم کر لے یا اگر چاہے تو شیطان کی سرپرستی کو قبول کر لے۔ ''اِتَّخَذُوا الشَّیٰطِیۡنَ''

۴۔ گمراہ افراد کے نظریات حقیقت پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ خیال پردازیاں ہوتی ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ''یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ﴿۳۰﴾''

۵۔ فکری گمراہی اور جہل مرکب (گمراہ ہونے کے باوجود خود کو راہ حق پر سمجھنا) بدترین گمراہی میں سے ہے۔ ''یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ﴿۳۰﴾'' چنانچہ ایک اور جگہ پڑھتے ہیں کہ ''قُلۡ ہَلۡ نُنَبِّئُکُمۡ بِالۡاَخۡسَرِیۡنَ اَعۡمَالًا﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُہُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ ہُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا﴿۱۰۴﴾'' کہہ دو کہ کیا میں تمہیں ان لوگوں کے بارے میں بتاؤں جو اعمال کے لحاظ سے خسارے میں رہے، وہی تو ہیں جن کی تگ ودو اس دنیاوی زندگی میں اکارت گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ (کہف۔ ۱۰۳ اور ۱۰۴)

آیت نمبر ۳۱

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ﴿۳۱﴾

ترجمۃ الآیات

اے اولاد آدم! (نماز کے وقت) مسجد میں جاتے وقت (اپنے لباس کے ہمراہ) اپنی زینت اپنے ساتھ لے لو۔ کھاؤ، پیو اور اسراف نہ کرو کیونکہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۳۱)

نکات:

☆ شاید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جن آیات میں (یا بنی آدم!) کے ساتھ خطاب کیا جا رہا ہے ان کے مطالب کا تعلق تمام انسان، تمام ادیان اور ان کے مشترکات کے ساتھ ہے۔

☆ قرآن نے مال اور اولاد کو بھی ''زینت'' کہا ہے اور اس آیت سے مراد شاید یہ بھی ہو کہ مسجد جاتے وقت انہیں بھی ساتھ لے لیا کرو۔ ''اَلۡمَالُ وَ الۡبَنُوۡنَ زِیۡنَۃُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ'' (کہف۔ ۴۶)۔ مال کے ذریعہ مسلمانوں کی اقتصادی مشکلات میں ہاتھ بٹایا جا سکتا ہے اور اولاد کو مسجد یا اجتماعات میں لے جانا آنے والی نسلوں کی تربیتی مشکلات کو حل کرتا ہے۔

☆ روایات میں، عادل امام جماعت، ظاہری آراستگی، عطر لگانا، نماز کے وقت میں اچھا لباس پہننا، رکوع اور سجود کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنا، نماز عید اور نماز جمعہ میں شرکت کرنا، ان سب کو زینت کے مصادیق میں شمار کیا گیا ہے۔ (تفاسیر نور الثقلین، منہج الصادقین، اثنیٰ عشری)

☆ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نماز کے وقت اور مسجد میں جاتے ہوئے اپنا بہترین لباس زیب تن کیا کرتے تھے اور فرماتے: ''ان اللہ جمیل یحب الجمال فاتجمل لربی'' پروردگار خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے اور میں اپنا بہترین لباس اپنے پروردگار کیلئے پہنتا ہوں۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرماتے۔ (تفسیر مجمع البیان)

☆ خدا تعالیٰ خوبصورتی اور خوش نمائی کو پسند فرماتا ہے ورنہ اس بارے میں وہ فرمان جاری نہ فرماتا ''خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ'' نیز اسلام ایک فطری دین ہے اور انسان بھی فطری طور پر خوبصورتی اور خوش نمائی سے لذت حاصل کرتا ہے۔

☆ مصادیق زینت کو اپنے ہمراہ مسجد میں لے جانا، بندگان خدا اور عبادت خدا کے احترام کے مترادف ہے۔ دوسرے لوگوں کا مسجد و عبادت گاہ کی طرف آنے کے لیے باعث کشش اور عملی طور پر رغبت دلانے کا موجب ہے۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اموال، انسان کے ہاتھ میں اللہ کی امانت ہیں لہٰذا اس کے استعمال کرنے میں اسراف نہیں کیا جانا چاہیے۔ (تفسیر صافی)

☆ اگرچہ زینت اور کھانے پینے کی چیزوں سے استفادہ ایک فطری اور طبعی امر ہے لیکن خاص حالات میں جب معاشرے میں ضرورتمند اور محروم لوگ موجود ہوں تو پہلے ان کے ساتھ ہمدردی کرنی چاہیے۔ تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں جب لوگ عام طور پر آسائش میں زندگی گذار رہے تھے، آپؑ کا لباس بھی عام لوگوں کی طرح کا ہوتا تھا۔ اِسی طرح امام علی علیہ السلام کا لباس اُن کے دور میں رہنے والے فقراء غربا جیسا ہوا کرتا تھا۔ ان دو بزرگواروں کے لباس میں فرق تھا کیونکہ دونوں اماموں کے اجتماعی معاشرتی حالات و واقعات میں فرق تھا۔ (تفسیر اثنیٰ عشری)

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جس کسی کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو اور وہ قناعت نہ کرے، لوگوں سے سوال کرے ایسا شخص اسراف کرنے والوں میں سے ہے۔ (تفسیر فرقان)

☆ غذا میں اسراف، زیادہ کھانا، بہت سی جسمانی و روحانی بیماریوں کی جڑ ہے۔ سنگدلی اور عبادت کی لذت سے محروم ہونے کا باعث ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: ''المعدۃ بیت کل داء'' معدہ ہر بیماری کا مرکز ہے۔ ایک عیسائی ڈاکٹر نے اس آیت اور حدیث کو سننے کے بعد کہا: سارا علم طب اس آیت اور پیغمبرؐ کے اس قول میں پوشیدہ ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو چیز مال کے ضائع ہونے اور بدن کو نقصان پہنچانے کا موجب ہو، اسراف ہے۔ ''انما الاسراف فیما اتلف المال و اضر بالبدن'' (کافی، ج ۶، ص ۴۹۹)

ایک اور روایت میں ہے: راہ خدا میں جو چیز بھی استعمال کی جائے خواہ اس کا مصرف بہت زیادہ ہو، اسراف نہیں جبکہ

خدا کی معصیت میں جو چیز بھی خرچ کی جائے خواہ وہ بہت کم ہو، اسراف ہے۔ (تفسیر منہج الصادقین)

پیغام:

۱۔ مسجد جو مسلمانوں کا مورچہ ہے، اسے آراستہ، خوبصورت اور قابل دید ہونا چاہیے۔ ''خُذُوۡا زِيۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ''

۲۔ بہترین اور خوبصورت ترین لباس، بہترین جگہ کیلئے ہے۔ ''خُذُوۡا زِيۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ''

۳۔ اسلام، نماز کے باطن پر بھی توجہ رکھتا ہے، ''فِىۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۝۲'' (مومنون۔ ۲) نیز ظاہر پر بھی توجہ رکھتا ہے۔ ''زِيۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ'' جی ہاں! کیونکہ اسلام میں ظاہر و باطن، دنیا و آخرت اکٹھے ملے ہوئے ہیں۔

۴۔ فردی نماز میں بھی آرائش قابل قدر ہے لیکن دینی اجتماع اور مسجد میں اس کا الگ ہی ثواب ہے۔ '' عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ''

۵۔ اول نماز بعد طعام، ''عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّكُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا'' پہلے روح اور معنویت کی طرف توجہ پھر جسم کی طرف توجہ ہے۔

۶۔ کفایت شعاری، خدا تعالیٰ کا محبوب عمل ہے لہٰذا آرائش اور کھانا پینا، اسراف سے دور ہونا چاہیے۔ ''وَلَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ۝۳۱''

آیت نمبر ۳۲

قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِيۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِىۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ ؕ قُلۡ هِىَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا خَالِصَةً يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝۳۲

ترجمۃ الآیات

کہو کس نے حرام کیا ہے ان زینتوں کو جو خدا نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں اور پاک روزیوں کو؟ (اے رسول) کہو یہ (نعمات اور) زندگانی دنیا میں ان لوگوں کے لیے ہیں جو

ایمان لائے (اگرچہ کافر لوگ بھی ان کے شریک ہیں جبکہ) قیامت کا روز (مومنین کیلئے)
خالص ہوگا۔ایسی آیتوں کی تفصیل ہم ان لوگوں کے لیے پیش کرتے ہیں جو آگاہ ہیں۔(۳۲)

نکات:

☆ یہ آیت انسان کے لیے زینت کو حلال قرار دے رہی ہے۔قرآن مجید نور آسمان کے ستاروں کے ساتھ زینت کو بھی انسانوں کے لیے بیان کر رہا ہے، فرماتا ہے: ''زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ''(حجر۔۱۶) ہاں البتہ انسان کی زینت وآرائش سے محبت اسے ہلاکت اور تباہیوں کے گڑھوں میں نہ پھینک دے اگر زینت سے استفادہ کرنا چاہتا ہے تو مناسب طریقوں سے فائدہ اٹھائے۔لہٰذا قرآن مجید عورت کی زینت کو سوائے اپنے شوہر اور محرم رشتوں کے حرام جانتا ہے۔''لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ ''(نور۔۳۱)

☆ عثمان بن مظعون، حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اپنے عزائم پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں بیان کیے کہ مردانہ لذتوں کو خیر باد کہہ کر راہب بننا چاہتا ہے۔بیوی، عطریات اور معاشرہ وسماج کو چھوڑ چھاڑ کر جنگل کا رخ کرنا چاہتا ہے۔
آنحضورؐ نے اسے اس کام سے سختی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ''اپنی شہوت پر قابو پانے کے لیے روزے رکھو، رہبانیت اختیار کرنے کی بجائے مسجد چلے جاؤ، نماز کے انتظار میں بیٹھو اور جنگلوں بیابانوں کی خاک چھاننے کی بجائے محاذ جنگ و جہاد میں شرکت کرو، حج وعمرہ بجالاؤ۔اپنی عورت اور خوشبو سے فائدہ اٹھاؤ۔اپنے مال میں سے غریبوں کو دو۔حرام سے دور ہوجاؤ اور اس سے ہجرت کرلو۔یہ ہے میرا دین اور میری شریعت اور جو اس سے منہ موڑے گا اور توبہ نہ کرے، فرشتے اسے حوض کوثر پر آنے سے روک دیں گے۔''(تفسیر کبیر فخر رازی)

☆ عاصم بن زیاد نے بھی ارادہ کیا کہ اپنی زندگی کے طریقہ کار کو تغیر دے، حلال اور لذت سے کنارہ کشی کرلے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس کے اس طرز تفکر کی سخت مذمت کی۔جب آپؑ نے اس سے دریافت فرمایا تو وہ کہنے لگا: تو پھر آپؑ کیوں اس قدر سادہ ترین زندگی گذار رہے ہیں؟

امام علیؑ نے جواب میں فرمایا: میں معاشرے کا راہبر ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ائمہ اور راہبروں کے لیے لازم قرار دے دیا ہے کہ اپنی سطح زندگی، ملک کے غریب افراد کی سطح زندگی پر رکھیں اور دوسروں کے رنج وغم میں شریک رہیں۔(کافی، ج۱ص۴۱۰)

☆ حضرت علی علیہ السلام شدت پسند خوارج کے ساتھ رابطہ کرتے ہوئے، جب اپنے نمائندہ ابن عباس کو ان کی طرف بھیجا تو حکم دیا کہ بہترین لباس زیب تن کریں، عطر خوشبو لگائیں اور سب سے اچھے گھوڑے پر سوار ہوکر اُن کے پاس جائیں۔(تفسیر منہج الصادقین)

☆ بعض نے اس آیت کی یوں تفسیر کی ہے کہ دنیا کا رزق اور خوبصورتی، بہت سی تلخیوں اور مشکلات کے ساتھ ملی ہوئی

ہے، لیکن آخرت کا رزق اور خوبصورتی خالص اور بغیر تکلیف کے ہے۔

پیغام:

۱۔ پیغمبر، بدعتوں کے خلاف مقابلہ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ ''قُلْ مَنْ حَرَّمَ''

۲۔ اسلام ریا کارانہ زہد، ناجائز رہبانیت اور تقدس نمائی کا مخالف ہے۔ ''قُلْ مَنْ حَرَّمَ''

۳۔ زینتوں اور خوشبوؤں سے بہرہ مند ہونا، اصل میں مباح ہے مگر یہ کہ ان کے حرام ہونے پر کوئی خاص دلیل ہو۔ ''مَنْ حَرَّمَ''

۴۔ زینت سے مناسب استفادہ اور لوگوں کو اس کی طرف راغب کرنا قابل قدر ہے۔ ''زِيْنَةَ اللّٰهِ'' کیونکہ زینت و خوبصورتی کو خدا تعالیٰ سے نسبت دی گئی ہے۔

۵۔ خدا تک پہنچنے کا راستہ یہ نہیں ہے کہ انسان حلال اور پاکیزہ چیزیں بھی ترک کردے بلکہ ان کے ذریعہ سے گناہوں کا ارتکاب نہ کرے اور قسط و عدل قائم رکھے۔ ''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ۔ ۔ ۔''

۶۔ دین اسلام، فطری تقاضوں کے ہم آہنگ اور معتدل آئین کا ہم خواہ ہے اسی کے پاس فطری تقاضوں کا مثبت جواب اور جواز موجود ہے۔ مفید کو حلال اور مضر کو ناجائز اور حرام قرار دیتا ہے۔ ''مَنْ حَرَّمَ۔ ۔ ۔ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ''

۷۔ زینت، غذا کی طرح انسان کی ضرورت ہے۔ (زینتوں کو کھانے پینے کی چیزوں کے ہمراہ ذکر کیا ہے۔) ''زِيْنَةَ اللّٰهِ۔۔۔ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ''

۸۔ نعمات کو خلق کرنے کا اصل مقصد ان سے استفادہ کرنا اور مومنین کا انہیں پانا ہے، اگرچہ کافر بھی اس سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ ''قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا'' البتہ دوسری جگہ فرمایا: ''اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷'' بے شک جو کچھ روئے زمین پر ہے ہم نے اس کی زینت قرار دیا ہے تاکہ ہم انہیں آزمائیں ان میں سے کون سب سے بہترین عمل کرتا ہے۔ (کہف۔ ۷)

۹۔ دنیا کی نعمات سے استفادہ کرنے میں، ان سے بہرہ مند ہونے میں مومن اور کافر ایک جیسے ہیں لیکن قیامت کی کامیابی مومنین کیلئے مخصوص ہے۔ ''لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ''

۱۰۔ علم اور عالم کا خدا تعالیٰ کے ہاں ایک خاص مقام ہے، ''كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳۲''

آیت نمبر ۳۳

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۳۳﴾

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ خدا نے صرف برے کاموں کو چاہے وہ آشکار ہوں یا پنہاں، حرام کیا ہے اور (اسی طرح) گناہ و ناحق ستم کو (حرام کیا ہے) اور یہ کہ اس چیز کو اللہ کا شریک ٹھہراؤ جس کی کوئی دلیل خدا نے نازل نہیں کی اور اللہ کے متعلق وہ بات کہو جو نہیں جانتے (ان تمام باتوں کو) اس نے حرام کیا ہے۔ (۳۳)

نکات:

☆''فَوَاحِشَ ''جمع ہے''فاحشۃ '' کی اور وہ ایسا گناہ ہے کہ جس کی برائی ہر ایک پر آشکار ہوتی ہے جیسے زنا کرنا، چونکہ زمانہ جاہلیت میں چھپ کر زنا کرنے کو جائز سمجھتے تھے لہٰذا اس آیت نے اس کی حرمت کی دونوں صورتوں میں تاکید کردی ہے۔

☆''اِثْمَ '' وہ گناہ ہوتا ہے جس کے ارتکاب سے انسان پستی میں جا گرتا ہے۔''بَغْيَ '' دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کا نام ہے۔اس آیت میں اعتقاد سے اور زبان سے تعلق رکھنے والے گناہوں کی ایک مختصر فہرست موجود ہے۔

☆ روایات میں باطنی گناہ سے مراد ظالم راہبروں کی سرپرستی کو قبول کرنا شمار کیا گیا ہے۔(تفسیر نور الثقلین)

☆ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: جو کوئی علم و آگاہی کے بغیر کسی بات میں حکم جاری کرے تو زمین و آسمان کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔(تفسیر نمونہ)

☆ زرارہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: خدا تعالیٰ کے بندوں پر اس کی حجت کیا ہے؟ امامؑ نے فرمایا:'' ان یقولوا ما یعلمون و یقفوا عند ما لا یعلمون '' جو کچھ جانتے ہیں وہی کہتے ہیں اور اگر نہیں جانتے تو خاموش رہتے ہیں اور ٹھہر جاتے ہیں۔(تفسیر فرقان)

پیغام:

ا۔خداوند عالم کی طرف سے حرام کردہ چیزیں انسان کو تربیت اور اسے ترقی و کمال کی منزلوں تک پہنچانے کے لیے ہوتی ہیں۔ ''حَرَّمَ رَبِّیَ''

۲۔حلال چیزوں کے حکم زیادہ ہیں اور حرام کم اور محدود ہیں، جن کا ذکر قرآن مجید اور روایات میں کیا گیا ہے۔ ''اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ۔ ۔ ۔ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۳۳﴾''

۳۔گناہ گناہ ہے، اس کی برائی ذاتی اور عقلی ہے، خواہ لوگ نہ سمجھیں۔ ''وَمَا بَطَنَ''

۴۔مشرکین کے افکار کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ ''لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا''

۵۔تبلیغی رو سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کا طریقہ کار یہ ہے کہ پہلے مثبت نکات بیان کیے جائیں، حلال ذرائع اور معمولی راہ حل پیش کیے جائیں، پھر منکرات، حرام کام اور ان کے منفی اثرات کو پیش کیا جائے۔ (اس سے پہلی آیت میں حلال چیزوں کا تذکرہ تھا یہاں پر حرام اشیا کا ذکر ہے۔) ''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ۔ ۔ ۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ''

۶۔برہان و دلیل، لطف الٰہی اور اس کی عنائت ہے جو انسان کی عقل اور روح کو الہام کی جاتی ہے۔ ''لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا''

۷۔خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کی نسبت علم و دلیل کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ ''لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا'' ہر طرح کا دعویٰ خاص طور پر ہستی و وجود کے بارے میں کوئی بھی دعویٰ دلیل اور منطق کے بغیر نہیں ہونا چاہیے۔

آیت نمبر ۳۴

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ﴿۳۴﴾

ترجمۃ الآیات

ہر قوم و ملت کے لیے ایک (معین) مدت اور زمانہ ہے۔ جب بھی ان کی مدت ختم ہو جائے گی تو وہ لوگ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکیں گے نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ (۳۴)

نکات:

☆ قرآن مجید کی اس آیت کی بنیاد پر ''اَجَلٌ'' اور ایک زمانہ صرف افراد کیلئے نہیں ہے بلکہ حکومتوں، قوموں، اُمتوں اور تہذیبوں کے لیے بھی ہے۔

اجل چون فرو آید از پیش و پس
پس و پیش نگذاردت یک نفس

جب اِدھر اُدھر سے وقت آن پہنچتا ہے تو پھر ایک سانس بھی آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔

پیغام:

۱۔ دنیا اور اس کے موضوعات پر مغرور نہ ہوں اور محرمات سے پرہیز کریں۔ ''اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ۔ ۔ ۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ''

۲۔ اس کائنات میں کوئی بھی چیز، کوئی بھی تبدیلی، کوئی بھی حادثہ (اتفاق)، تدبیر الٰہی، منظم حساب کتاب سے باہر نہیں۔ اُمتوں پر بھی ایسے ہی قوانین حاکم ہیں۔ ''لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ''

۳۔ فرصتیں اور سہولیات جو ہمارے اختیار میں ہیں، سب ختم ہو جانے والا ہے لہٰذا جس قدر ہو سکے ان سے صحیح صحیح فائدہ اٹھائیں۔ ''لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ''

۴۔ ظالم لوگ خدا کی دی ہوئی مہلت کو اپنے اوپر مہربانی نہ سمجھیں۔ ''لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ'' کیونکہ ان کا وقت بھی آنا ہی چاہتا ہے۔ چنانچہ ہم دوسری جگہ پڑھتے ہیں: ''جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾'' ہم نے ان کی ہلاکت کیلئے وقت مقرر کر رکھا ہے۔ (کہف۔۵۹)

۵۔ راہ خدا میں برسر پیکار افراد کو طاغوت کے تسلط سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، کوشش جاری رکھیں، طاغوت نے آخر ایک دن مٹنا ہی ہے۔ ''لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ''

۶۔ ازل سے یہ سلسلہ چلا آرہا ہے کہ کچھ افراد برسر اقتدار آتے ہیں، حکومت کرتے ہیں پھر آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں اور وقت آنے پر صفحہ ہستی سے مٹ جاتے ہیں۔ ''فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾''

آیت نمبر ۳۵۔۳۶

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ

فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴿۳۵﴾
وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۳۶﴾

ترجمۃ الآیات

اے آدم کی اولاد! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں اور وہ میری آیتیں پڑھیں (تو ان کی پیروی کرنا) پس جو لوگ تقویٰ اختیار کریں اور عمل صالح بجالائیں تو ان کے لیے نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔(۳۵)

اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلے میں تکبر کریں گے، وہ دوزخی ہیں اور دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔(۳۶)

نکات:

☆"خوف" ایسا ڈر ہے جو آئندہ سے متعلق ہے، جس میں عدم امن اور آسائش کے کھو جانے کا ڈر پایا جاتا ہو۔ "حزن" ایسا غم ہے جس کا تعلق ماضی سے ہے، جسے انسان کھو چکا ہے اور یہ خوشی و شادمانی کے مقابلے میں ہے۔ (التحقیق فی کلمات القرآن)

پیغام:

۱۔ خدائی طریقہ کار کے مطابق وحی الٰہی کے بیان کی خاطر انبیاء مسلسل آتے رہے ہیں۔ "يَاْتِيَنَّكُمْ ۔ ۔ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ"

۲۔ انبیاء علیہم السلام کے کلام کی لوگوں میں تاثیر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کا تعلق وہاں کے لوگوں ہی سے ہوتا ہے۔ "مِّنْكُمْ"

۳۔ انسان آزاد ہے اور اختیار رکھتا ہے، اس کی تقدیر اور اس کا آئندہ اُس کے رجحانات اور اپنے اعمال پر منحصر ہے۔ "فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ"

۴۔ متقی کو دوسروں کی اصلاح کرنی چاہیے اور مثبت سرگرمیاں انجام دینی چاہئیں گوشہ نشینی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ "اتَّقٰى وَاَصْلَحَ"

۵۔اپنے لیے تقویٰ اور خود سازی، دوسروں کی اصلاح سے پہلے ہونی چاہیے نیز اصلاح کرنے والوں کو پہلے خود متقی ہونا چاہیے۔''اتَّقٰی وَاَصْلَحَ''

۶۔انبیاء پر حقیقی طور پر ایمان لانے والے وہ لوگ ہی ہیں جو تقویٰ اور اصلاح کے حامل ہوتے ہیں کیونکہ ''یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ۔۔۔فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ'' فرمایا ہے، نہیں فرمایا: ''فَمَنْ اٰمَنَ بِهِمْ''

۷۔حقیقی سکون واطمینان، تقویٰ اور اصلاح ہی کے زیر سایہ ہے۔''اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ''

۸۔انبیا کی تکذیب، ان کے احکام سے نافرمانی اور تکبر کا انجام ابدی عذاب اور جہنم ہے۔''اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۳۶﴾''

آیت نمبر ۳۷

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ﴿۳۷﴾

ترجمۃ الآیات

ان لوگوں سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو خدا پر بہتان باندھیں یا اس کی آیتوں کی تکذیب کریں؟ یہ لوگ جو کچھ کتاب (الٰہی میں) ان کے مقدر میں ہے (اس جہان کی نعمتوں میں سے) اس سے اپنا نصیب پائیں گے، یہاں تک کہ ہمارے فرستادہ (قبض ارواح کے فرشتے) انہیں لینے آجائیں گے اور جانوں کو قبض کریں گے اور ان سے پوچھیں گے، کہاں ہیں تمہارے معبود جنہیں تم خدا کے علاوہ پکارتے تھے (وہ آج تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتے؟) وہ کہیں گے کہ وہ (سب آج) گم ہوگئے (اور ہم سے دور ہوگئے) اور وہ اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔(۳۷)

نکات:

☆ قرآنی آیات میں عام طور پر 'خدا پر بہتان باندھنے' سے مراد شرک ہی ہوتا ہے۔ (تفسیر المیزان)
البتہ کسی چیز کو بغیر دلیل کے حلال یا حرام قرار دینا، بدعت اور خدا پر بہتان ہے چنانچہ انبیاء کی تکذیب بھی ایک طرح سے خدا پر جھوٹی نسبت دینا ہے۔

☆ قرآن مجید میں پندرہ مقام پر ایسے افراد کو ظالم ترین کہا گیا ہے جو خود پر، اپنی شخصیت پر ظلم کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ معاشرے پر بھی ظلم کرتے ہیں۔ ان تمام افراد کی اساس شرک، کفر اور کینہ پر ہے۔ (تفسیر نمونہ، ج ۵ ص ۱۸۴)

☆ ''نَصِيۡبُهُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ ؕ'' کی عبارت میں رزق و روزی، مرگ و حیات، دنیا کی خوشبختی اور بدبختی، اعمال کی جزا اور قیامت میں عقاب شامل ہے جسے الٰہی لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے۔ (تفسیر اثنی عشری)

پیغام:

۱۔ خدا کو جھٹلانا اور خدا پر بہتان باندھنا بہت بڑا ظلم ہے۔ ''فَمَنۡ اَظۡلَمُ ''

۲۔ ہر انسان کیلئے دنیا میں ایک حتمی مقدر اور طے شدہ استفادہ موجود ہے۔ ''يَنَالُهُمۡ نَصِيۡبُهُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ ؕ ''

۳۔ روح کو قبض کرنے کیلئے فرشتے مامور ہیں۔ ''رُسُلُنَا يَتَوَفَّوۡنَهُمۡ ۙ ''

۴۔ انسان کی تمام حقیقت، اس کی روح ہے۔ ''يَتَوَفَّوۡنَهُمۡ ۙ '' فرمایا ہے ''يَتَوَفَّوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ''نہیں فرمایا۔

۵۔ موت کے آثار دیکھ کر انسان خواب غفلت سے بیدار ہو جاتا ہے، اس حالت میں وہ روح کو قبض کرنے والے فرشتوں کے ساتھ بات کرتا ہے لیکن اس وقت کیا فائدہ؟ ''يَتَوَفَّوۡنَهُمۡ ۙ قَالُوۡۤا اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوۡا ''

۶۔ انسان سے سوال و جواب کا سلسلہ اُس کی موت کے پہلے لحظہ سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ ''اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ ''

۷۔ قیامت کے سوالات میں سے سب سے پہلا سوال معبود کے بارے میں ہے۔ ''اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَدۡعُوۡنَ''

۸۔ غیر خدا سوائے ایک سراب کے کچھ نہیں لہٰذا موت کے وقت مشرکین ایسے معبودوں کے ہیچ ہونے کو حقیقت میں جان جائیں گے اور اقرار کر لیں گے۔ ''قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا ''

۹۔ محشر میں قیامت کے دن اولین فیصلہ کرنے والا خود انسان کا ضمیر ہوگا۔ ''وَشَهِدُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰفِرِيۡنَ‏ ﴿۳۷﴾ ''

آیت نمبر ۳۸

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۸

ترجمۃ الآیات

(موت کے وقت میں اُن کے اعتراف کے بعد خداوند کریم ان سے) کہے گا: جنوں اور انسانوں میں سے جو تم سے پہلے تھے، ان کے ہمراہ تم بھی (آگ میں) داخل ہو جاؤ۔ جب بھی ایک گروہ (آگ میں) داخل ہوگا تو وہ اپنے جیسے دوسرے گروہ پر لعنت بھیجے گا تا کہ سب ذلت کے ساتھ اس میں باقی رہیں (اس ہنگام) کے بعد والا گروہ اپنے پہلے والے گروہ کے متعلق کہے گا: خدایا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ لہٰذا آگ کے عذاب کو ان کے لیے دگنا کر دے۔ (خود ان کی اپنی گمراہی پر اور دوسرا ہمیں گمراہ کرنے پر) خدا کہے گا کہ تم میں سے ہر ایک کیلئے دُگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ (۳۸)

نکات:

☆ قیامت کے دہلا دینے والے مناظر، جہنمیوں کی آپ کی گفتگو، مخصوصاً سرداروں اور پیشواؤں کے ساتھ گفتگو، جو ان کے جہنمی ہونے کا سبب بنے تھے۔ اسی بنا پر وہاں پر یہاں کے گہرے دوست، دشمن بن جائیں گے۔ ''اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۝۶۷ ''اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار (کہ وہ دوست ہی رہیں گے۔) (زخرف۔ ۶۷)

کبھی وہ یہ تقاضا بھی کریں گے کہ وہ گمراہ کرنے والوں کو دیکھنا چاہتے ہیں اور انہیں پاؤں تلے روندنا چاہتے ہیں۔'' اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا ''جن وانس میں سے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا، ہمیں اُن کو دکھادے، ہم انہیں اپنے پاؤں تلے رکھنا چاہتے ہیں۔(فصلت۔۲۹)

کبھی اپنے بڑوں کی پیروی کو اپنی تنزلی اور گمراہی کا سبب قرار دیں گے۔'' اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ کُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ''ہم نے اپنے بڑے بوڑھوں کی اطاعت کی اور پھر انہوں نے ہمیں گمراہ راستے پر ڈال دیا۔(احزاب۔۶۷)

انسان کو اختیار حاصل ہے اور اسے عمل میں آزادی دی گئی ہے، اسی بنا پر وہ اپنی گمراہی اور غلطی کو ہر مرتبہ دوسروں کی گردن میں نہیں ڈال سکتا۔

☆امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا ''میں قائدین سے مراد فاسد قائدین اور ظلم وجور کے امام ہیں۔(تفسیر نور الثقلین)

☆ قیامت کے دن ظالم پیشواؤں اور ان کے پیروکاروں کو دوہری سزا ملے گی کیونکہ گمراہ لوگوں کی طرف سے اپنے پیشواؤں کے عذاب کو دوگنا کرنے کے تقاضے پر قرآن نے فرمایا ہے: پیشواؤں کو بھی دوہری سزا ملے گی اور ان کے پیروکاروں کو بھی، ''لِكُلٍّ ضِعْفٌ '' پیشواؤں کو اس لیے کہ وہ خود بھی گمراہ تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ پیروکاروں کو اس لیے کہ وہ خود بھی گمراہ تھے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی پیروی وحمایت کے ذریعے باطل کے اماموں اور پیشواؤں کی دکانوں کو خوب چمکایا۔

پیغام:

۱۔بہشت میں نہ کینہ ہوگا اور نہ ہی دشمنی صرف صلح وصفا ہوگی جبکہ جہنم میں افراد ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔'' لَّعَنَتْ اُخْتَهَا '' چنانچہ سورت عنکبوت کی آیت ۲۵ میں ہم پڑھتے ہیں: ''يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ''

۲۔انسانوں کی طرح جنات بھی مکلف (احکام الٰہی کی پابندی کے ذمہ دار) ہیں اور ایک جیسے انجام سے دو چار ہوں گے، برائی کرنے والے ایک ہی جہنم میں ڈالیں جائیں گے۔'' الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ''

۳۔کفار ایک ہی دفعہ جہنم میں نہیں ڈالے جائیں گے بلکہ بالترتیب اور باری باری وارد جہنم ہونگے۔''كُلَّمَا دَخَلَتْ ''

۴۔غیر الٰہی محبتیں، دوستیاں، حمایتیں بروز قیامت کینوں اور نفرتوں میں عناد اور دشمنی میں بدل جائیں گی۔''لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ''

۵۔قیامت کے دن ہر ایک کی یہی کوشش ہوگی کہ اپنا گناہ دوسروں کے سر تھوپے یا اپنے لیے کسی ایک مجرم کو تلاش

کرے۔ ''هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا''

۶۔ بسا اوقات انسان کو ایسی سزائیں بھی ملیں گی جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہونگی۔ ''وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾''

آیت نمبر ۳۹۔۴۰

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

ترجمۃ الآیات

(عذاب کے وقت) پیشوا اپنے پیروکاروں سے کہیں گے تمہیں ہم پر کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے پس عذاب الٰہی کا مزہ اس (عمل) کے بدلے میں چکھو جو تم نے انجام دیا ہے۔ (۳۹)

وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ان کے مقابلے میں تکبر کیا، آسمان سے (رحمت کے) دروازے ان کیلئے نہیں کھولے جائیں گے اور (وہ کبھی) بہشت میں داخل نہ ہوں گے مگر یہ کہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے گذر جائے (یعنی کبھی ایسا نہیں ہوسکتا) اور مجرموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ (۴۰)

نکات:

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: مومنین کے اعمال اور ان کی ارواح آسمان کی طرف لے جائی جاتی ہیں، ان کیلئے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں؛ لیکن جب کافروں کے اعمال اور ان کی ارواح کو آسمان کی طرف اوپر لے جایا جاتا ہے تو اچانک آواز آتی ہے کہ ''اِهْبِطُوْا اِلَى السِّجِّيْنِ'' انہیں جہنم کی طرف نیچے لے جائیں۔ (تفسیر مجمع البیان)

☆اس آیت میں ''جَمَلُ '' سے مراد یا تو اونٹ ہے یا پھر وہ ضخیم رسہ ہے جس کے ساتھ کشتیوں اور جہازوں کو ساحل پر باندھتے ہیں ۔لیکن یہاں مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ کفار کا بہشت میں داخل ہونا محال ہے ۔لہٰذا ''جَمَلُ '' کا معنی اونٹ اور اس سوراخ سے اونٹ کا عبور کرنا، اس سے زیادہ نزدیک ہے ۔تفسیر نمونہ میں ہے کہ ''جمل'' کا لفظ زیادہ تر اونٹ کے معنی میں استعمال ہوا ہے، روایات کی طرف توجہ کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہی معنی زیادہ مناسب ہے ۔

علاوہ ازاین انجیل لوقا میں آیا ہے کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گذرنا آسان ہے لیکن دولتمند اور سرمایہ داروں کا ملکوت اعلیٰ تک پہنچنا مشکل ہے ۔(انجیل لوقا، باب ۱۸، آیت ۲۴)

☆ آیت ۴۰ سے شاید یہ استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ جنت آسمانوں میں ہے اور وہاں تک جانے کیلئے آسمانی دروازوں سے گذرنا ہوگا۔(تفاسیر المیزان وکبیر)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: آسمان کے دروازے پانچ موقعے پر کھلتے ہیں

۱۔جب مجاہدین اسلام جنگ کر رہے ہوتے ہیں،

۲۔بارش کے برسنے کے وقت،

۳۔قرآن مجید کی تلاوت کے موقعہ پر،

۴۔فجر کے وقت

۵۔اوراذان کی آواز بلند ہونے کے موقعہ پر۔(تفسیر نور الثقلین)

☆ جہاں باتقویٰ مومنین کے لیے خدائی رحمت کے آسمانی اور زمینی راستے کھلے ہوتے ہیں، ''وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ '' اگر آبادی والے ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کریں تو یقیناً ہم ان پر آسمان وزمین کی برکات کے دروازے کھول دیں گے ۔(اعراف ۔۹۶) اس کے برخلاف دشمنی رکھنے والے کفار اور جھٹلانے والوں کے لیے آسمان کے دروازے بند رہتے ہیں اور کبھی کھولے نہیں جائیں گے۔''لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ۔ ۔ ۔ ''

پیغام:

۱۔قیامت میں گمراہ پیشوا اپنے پیروکاروں کو اپنے عذاب میں شریک سمجھیں گے۔''قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ ۔ ۔ ۔ ''

۲۔اللہ کی رحمت کے نازل ہونے یا نازل نہ ہونے میں انسان کے اعمال اور اس کا کردار مؤثر ہوتا ہے ۔''كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ۔۔۔''

۳۔ آیات الٰہی کو جھٹلانا اور دینی معارف کو قبول نہ کرنا، رحمت کے تمام دروازے بند ہونے اور جنت میں داخل نہ ہوسکنے کا موجب ہے۔ ''لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ۔ ۔ ۔ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ''

۴۔ قیامت میں مجرموں کو اپنی رحمت سے محروم کرنا، خدائی طریقہ کار ہے۔ ''لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ۔ ۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ﴿۴۰﴾''

آیت نمبر ۴۱

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴿۴۱﴾

ترجمۃ الآیات

مجرموں کے لیے دوزخ (کی آگ) کے بستر ہوں گے اور ان کے اوپر اوڑھنا بھی (اسی کا) ہے اور ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ (۴۱)

نکات:

☆ اصل ''مِهَادٌ'' کا لفظ ''مھد'' سے ہے، جس کا معنی بستر ہے۔ ''مِهَادٌ'' کا لفظ جہنمیوں کیلئے مذاق اڑانا اور ان کا استہزا ہے یعنی اُن کی آرام گاہ جہنم ہے۔ (تفسیر فی ظلال القرآن)، ''غَوَاشٍ'' کا لفظ ''غاشية'' کی جمع ہے، جس کا معنی ہے ڈھانپ دینے والی چیز، اور خیمہ کو بھی غاشیہ کہتے ہیں۔

☆ خدا تعالیٰ نے ہر دشمن اور روگردانی کرنے والے گروہ کو اسی سورت کی ۳۷ ویں آیت میں ''کافر'' اور اسی آیت میں ''ظالم'' گروہ کے عنوان سے یاد کیا ہے جبکہ ۴۰ ویں آیت میں مجرم کہا ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ آیات الٰہی کی تکذیب کرتے ہیں لہٰذا ان کے شایان شان ہی یہی ہے کہ انہیں ایسے القاب کے ساتھ یاد کیا جائے۔ سورہ بقرہ کی آیت ۲۵۴ میں ہم پڑھتے ہیں ''وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۲۵۴﴾'' اور کافر ہی تو ظالم ہیں۔

☆ پیغمبر اکرمؐ نے اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: جہنم کے اوپر نیچے کے کئی طبقے ہیں، جس میں سے معلوم نہیں ہے کہ اوپری طبقے زیادہ ہیں یا نچلے طبقے زیادہ ہیں۔ انہی طبقات کے درمیان کافر ہوتے ہیں اور ان پر مسلسل دباؤ رہتا ہے۔ اسی طرح حضورؐ نے فرمایا: کافروں کی قبر میں ان کے اوپر بچھانے اور نیچے بچھانے کیلئے جہنم کی آگ ہے۔ (تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔جہنم کفار کے سارے وجود کو ہرطرف سے اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ ''لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ'' چنانچہ دوسری آیت میں پڑھتے ہیں: ''وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ'' ،اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔(عنکبوت۔۵۴) ''لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ'' یعنی انکے اوپر بھی آگ کے سائبان ہیں اور نیچے بھی ایسے ہی ہیں (زمر۔۱۶) ''يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ'' عذاب انہیں اوپر سے بھی ان کے پاؤں کے نیچے سے بھی ڈھانپ لے گا۔(عنکبوت۔۵۵)

آیت نمبر ۴۲

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمۃ الآیات

وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح انجام دیا ہے (وہ جتنا بھی عمل انجام دیں، ہم قبول کرلیں گے۔ کیونکہ) کسی پر ہم اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری عائد نہیں کرتے وہ اہل بہشت ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔(۴۲)

پیغام:

۱۔ہمیشہ کی جنت، ایمان وعمل صالح دونوں کی جزا ہے۔''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ''

۲۔اگرچہ بہتر تو یہ ہے کہ تمام اچھے اور نیک اعمال کو انجام دیا جائے''وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' لیکن ہر شخص اپنی توانائی کے مطابق اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا۔''لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ''

۳۔اسلام میں کوئی بھی فرض انسانی طاقت وتوانائی سے باہر نہیں۔''وُسْعَهَآ ۡ'' چنانچہ ہم ایک اور جگہ پڑھتے ہیں''وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ''(حج۔۷۸)اور''يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ''(بقرہ۔۱۸۵)

آیت نمبر ۴۳

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمۃ الآیات

اوران کے دلوں میں جو کینہ اور حسد ہے اسے ہم باہر نکال دیں گے (تاکہ صلح وصفائی کے ساتھ باہم زندگی بسر کریں) اوران کے (محلوں اور درختوں کے) نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی (اس وقت) وہ کہیں گے خدا کا شکر ہے جس نے اس (راہ) کی طرف ہماری ہدایت فرمائی اور اگر اللہ ہماری ہدایت نہ کرتا تو ہمیں (ان کی) راہ نہ ملتی بے شک ہمارے رب کے سارے رسول حق کے ساتھ آئے اور (اس وقت) انہیں (ہدایت پانے والوں کو) یہ ندا سنائی دے گی کہ یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، ان اعمال کے بدلے جو تم نے انجام دیئے ہیں۔ (۴۳)

نکات:

☆ ''غِلٍّ'' کے معنی خفیہ طور پر کسی چیز میں چپکے سے داخل ہوجانا ہے۔ اسی لیے خفیہ طور پر دل میں موجود حسد اور کینہ کو'' غِلٍّ'' کہتے ہیں۔

☆ گذشتہ آیات میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ جہنمی لوگ ایک دوسرے کو لعن اور نفرین کریں گے۔ جبکہ یہاں اللہ فرماتا ہے کہ اہل بہشت کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں کوئی کینہ اور حسد نہیں ہوگا۔ سب صلح وصفائی اور محبت بھرے ماحول میں مل جل کر رہیں گے۔ کوئی کسی کے مقام ومرتبہ سے بھی حسد نہیں کرے گا۔

☆ جنت کی نہریں پانی سے بھری ہوئی ہیں، کیونکہ خدا تعالیٰ نے پانی کے جریان کی جگہ فرمایا: نہریں جاری ہیں جبکہ

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: جنت کی نہریں رہائش کے نیچے سے جاری ہیں۔ (بحار، ج ۸،ص ۱۶۰)

☆ احادیث کے مطابق، ہر مومن اور ہر کافر کیلئے جنت اور جہنم میں ایک مقام ہے، جبکہ مومن جنت میں ہر کافر کے مقام کو وراثت میں لے گا اور کافر جہنم میں مومن کی جگہ کو وراثت میں لے گا۔ (تفسیر نور الثقلین)۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خوش بختی اور بدبختی کے دروازے ہر ایک کیلئے کھلے ہیں، کوئی بھی ابتدا سے جنت یا جہنم کیلئے خلق نہیں ہوا بلکہ ان کا عمل ان کے راستے کو اور ان کی تقدیر کو معین کرتا ہے۔ (تفسیر نمونہ)

☆ پیغمبر اکرمؐ نے غدیر خم کے مقام پر فرمایا: ''معاشر الناس سلموا علی علی بامرة المؤمنین'' اے لوگو! علی ابن ابی طالب کو امیر المومنین کی حیثیت سے سلام کرو اور کہو ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ ـ ـ'' (تفسیر نور الثقلین)

☆ امام ہادی علیہ السلام فرماتے ہیں: قیامت کے دن پیغمبر اکرمؐ، حضرت علیؑ اور تمام ائمہ معصومین لوگوں کے سامنے آئیں گے، اس موقعہ پر شیعہ کہیں گے: ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ ـ'' (تفسیر اثنی عشری؛ کافی، ج ۱،ص ۴۱۸)

پیغام:

۱۔ وہ زندگی جو کینہ سے پاک ہو، جنت کی زندگی ہے۔ ''مِّنۡ غِلٍّ''

۲۔ جنت میں باطنی اور ظاہری پاکیزگی ایک جگہ اکٹھی ہو جائے گی۔ ''وَنَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ ۚ''

۳۔ اہل بہشت، خدا تعالیٰ کے ذکر اور اس کی حمد و ثنا میں مشغول ہیں۔ ''قَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ''

۴۔ بہشتی، خدا کے لطف پر شکر گذار ہیں اور اس کی طرف سے ہدایت ملنے پر مغرور نہیں ہیں۔ ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟''

۵۔ بہشتی، اپنے اعمال اور نیک کاموں پر انحصار نہیں کرتے۔ ''هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ''

۶۔ عقل، علم اور کوشش کا ہونا کافی نہیں ہے، عنائت الٰہی اور نصرت خدا بھی ہدایت کیلئے لازمی ہے۔ ''لَوۡلَاۤ اَنۡ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ''

۷۔ انبیاء علیہم السلام ہدایت کا وسیلہ ہیں اور ان کی ہدایت حق کے ساتھ ہوتی ہے، یعنی وہ خود آپ، ان کی گفتگو، ان کے اعمال، ان کے طریقہ ہائے کار اور ان کے وعدے سب حق ہوتے ہیں۔ ''لَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ ؕ''

۸۔ بہشت عمل کے بدلے میں ہے، امید اور آرزو کی بنیاد پر نہیں۔ ''اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾''
حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ایسے لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو آخرت کو عمل کے بغیر آرزو کرتا ہے۔ ''لا تکن ممن یرجو الآخرة بغیر العمل'' (نہج البلاغہ، حکمت ۱۵۰)

آیت نمبر ۴۴

وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلۡ وَجَدْتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَـعَمۡ‌ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيۡنَهُمۡ اَنۡ لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ۙ‏ ﴿۴۴﴾

ترجمۃ الآیات

بہشت والے دوزخ والوں سے پکار کر کہیں گے کہ ہم نے اس وعدہ کو حق پایا، جو اللہ نے ہم سے کیا تھا (اور اس تک پہنچ گئے ہیں)، کیا تم نے بھی حق پایا اس وعدہ کو جو اللہ نے تم سے کیا تھا؟ (ہم خوب مزے میں اور نعمات میں ہیں، کیا تم رنج و تکلیف اور عذاب میں ہو؟) جواب دیں گے ہاں! ہم نے تمام باتیں حقیقت کی صورت میں دیکھ لیں، اسی اثنا میں ایک ندا کرنے والا ان کے درمیان یہ ندا کرے گا کہ خدا کی لعنت ہو ظالموں پر۔ (۴۴)

نکات:

☆ قیامت کے دن کون اعلان کرے گا، اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، منجملہ: خود پروردگار عالم، اسرافیل، جبرائیل، جہنم پر مامور فرشتے یا جنت کے مامور فرشتے ہونگے۔ شیعہ روایات میں اور بعض اہل سنت احادیث (جیسے حاکم حسکانی کی روایات) میں پڑھتے ہیں: وہ موذن حضرت علی علیہ السلام ہونگے۔ (تفسیر نور الثقلین)

حضرت علیؑ نے جس طرح دنیا میں سورت برائت کے ذریعے اسے مکہ میں پڑھ کر مشرکین سے اعلان برائت کیا تھا، اسی طرح آخرت میں بھی مشرکین کیلئے برائت کا عہد نامہ پڑھنا اور ظالموں پر لعنت کا اعلان بھی زبان علیؑ سے ہوگا۔ گویا خدا کی طرف سے مشرکین اور ظالمین کے خلاف نازل ہونے والی قرار دادوں کا پڑھنا علیؑ کا کام ہے۔ (تفسیر نمونہ) اسی طرح بہشتی بھی حضرت علیؑ پر سلام کریں گے۔ (تفسیر اثنی عشری)

☆ غزوہ بدر کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے مشرکین کے لاشوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلۡ وَجَدْتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمۡ حَقًّا ؕ'' اصحاب رسول نے سوال کیا: جو لوگ مر چکے ہیں آپؐ ان سے کیوں بات کر رہے ہیں؟

حضورؐ نے فرمایا: خدا کی قسم! وہ سب آپ سے زیادہ بہتر میری آواز سن رہے ہیں۔ حضرت علیؑ نے بھی خوارج کے قتل ہو جانے والے افراد کے ساتھ یہ آیت پڑھ کر خطاب کیا۔ (تفسیر اثنی عشری)

پیغام:

۱۔ آخرت میں بہشتی اور دوزخی لوگ آپس میں بات چیت کریں گے۔ ''وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ اَصۡحٰبَ النَّارِ۔ ۔ ۔'' جنت اور جہنم اس طرح ہونگے کہ جنتی لوگ جنت میں مقام پانے کے بعد جہنم والوں سے بات کر سکیں گے۔

۲۔ قیامت میں مومن بھی اور کافر بھی اپنے ساتھ خدا کے کیے ہوئے وعدے کو حق اور عملی صورت میں دیکھیں گے۔ ''قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا''

۳۔ اللہ تعالیٰ بہشتی لوگوں کے ذریعہ جہنمیوں سے اعتراف لے گا جس سے ان کی شرمندگی اور عذاب میں مزید اضافہ ہوگا۔ (تفسیر المیزان) ''قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ''

آیت نمبر ۴۵

الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ كٰفِرُوۡنَ ﴿۴۵﴾

ترجمۃ الآیات

(ظالم) وہ ہیں جو لوگوں کو خدا کے راستے سے روکتے ہیں اور (ان کے دلوں میں شبہات ڈال کر) اس (راستے) کو ٹیڑھا دکھلاتے ہیں اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔ (۴۵)

نکات:

☆ خدا کا راستہ، توحید و تسلیم، ایمان، ہجرت اور جہاد کا راستہ ہے۔ مگر ظالموں کا کام یہ ہوتا ہے کہ اس بارے میں شبہے اور وسوسے پیدا کر کے لوگوں کو اس سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پراپیگنڈا کر کے، مومنین کے دلوں میں کمزوری پیدا کر کے یا بدعتیں اور خرافات کو اس راہ پر ڈال کر گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں یا پھر الٰہی راہبروں کے مقابلے میں مایوسیاں پھیلا کر یا رخنہ اندازی کر کے یا روڑے اٹکا کر، خدا کے راستے سے لوگوں کو ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں یا پھر اس میں تبدیلی اور نئی

ایجاد کر دیتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ خدا کی راہ سے جس طرح بھی ہٹایا جائے، ظلم ہے "لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ۝ الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ ۔۔" بلکہ اس میں کجی اور انحراف پیدا کرنا بھی ستم ہے۔ نیز ثقافتی یلغار تو ایک ایسا ظلم ہے جس کا مقابلہ کسی طرح کا ظلم بھی نہیں کر سکتا۔ "وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ" (الانعام۔۲۱)

۲۔ اگر دشمن کے بس میں ہو تو کھلم کھلا اعلانیہ طور پر جنگ کر کے راہ حق کو مکمل طور پر بند کر دیتا۔ "يَصُدُّوۡنَ"، لیکن اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو پھر مختلف حیلوں بہانوں اور عیاریوں کے ساتھ راہ کو کج کر کے اس میں تبدیلیاں پیدا کر کے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ "يَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ۚ"

۳۔ ظالمین، راہ حق سے روکنے والے، دین میں خرابیاں پیدا کرنے والے اور قیامت کا انکار کرنے والے، سب جہنمی ہیں۔ (موجودہ اور گذشتہ آیت)

آیت نمبر ۴۶

وَبَيۡنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ يَّعۡرِفُوۡنَ كُلًّاۢ بِسِيۡمٰهُمۡ ۚ وَنَادَوۡا اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ ۟ لَمۡ يَدۡخُلُوۡهَا وَهُمۡ يَطۡمَعُوۡنَ۝

ترجمۃ الآیات

اور ان دونوں (جنت اور دوزخ والوں) کے درمیان ایک پردہ ہوگا اور اعراف (جہنم اور جنت کے درمیان ایک بلندی) پر کچھ (اولیا خدا میں سے) مرد ہونگے جو ان (جنت اور جہنم والوں) دونوں کو انکی علامتوں سے پہچانیں گے۔ وہ بہشتی لوگوں کو، جو ابھی بہشت میں داخل نہیں ہوئے ہونگے جبکہ اس کے امیدوار ہونگے، آواز دیں گے تم پر سلام ہو۔ (۴۶)

نکات:

☆ اس آیت میں ''حِجَابٌ'' سے مراد شاید وہی دیوار ہو، جس کا تذکرہ سورت حدید کی ۱۳ ویں آیت میں ہم یوں پڑھتے ہیں کہ ''فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ ''(سورہ حدید۔ ۱۳) ان کے درمیان ایک ایسی دیوار کھڑی کردی جائے گی کہ جس کا بیرونی حصہ عذاب الٰہی اور اندرونی حصہ رحمت الٰہی ہے۔(تفسیر المیزان)

☆ ''اَعْرَافِ'' جمع ہے ''عرف'' کی، جس کا معنی ہے بلند جگہ۔ اس سورت کو ''اَعْرَافِ'' اسی لیے کہتے ہیں کہ پورے قرآن مجید میں صرف اسی جگہ پر اعراف اور اہل اعراف کا تذکرہ آیا ہے۔

☆ اس بارے میں روایات اور تفاسیر میں مختلف آراء اور نظریات ملتے ہیں۔ کچھ تو وہ جو ''اولیاء اللہ'' کو اہل اعراف سمجھتے ہیں، جو کہ جنت اور جہنم کے درمیان بلند جگہ پر موجود ہوں گے۔ وہ تمام لوگوں کے چہروں سے وہیں ان کو پہچان لیں گے۔ اہل بہشت کو سلام اور مبارک باد سے نوازیں گے، جبکہ جہنمیوں کے بارے میں پریشان دکھائی دیں گے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد ضعیف اور کمزور لوگ ہیں جن کے گناہ بھی ہوں گے لیکن عبادت بھی ساتھ ہی ہوگی۔ خدا کے لطف و کرم کے منتظر ہونگے۔(جیسا کہ سورت توبہ کی آیت ۱۰۶ سے معلوم ہوتا ہے۔)

ان دونوں نظریات کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ اصل مراد تو اولیاء اللہ ہوں لیکن ان کے اطراف میں مذکورہ متوسط اور ضعیف افراد بھی ہوں جو اعراف میں گرفتار اور اپنے انجام کے منتظر ہوں۔ کیونکہ بہشتی، بہشت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے جبکہ متوسط اور ضعیف لوگ اپنے انجام کے منتظر ہونگے۔ اولیاء اللہ جو اعراف پر ہونگے ان کی مدد کرتے ہوئے ان کے حق میں شفاعت کریں گے۔ مفسرین اور روایات و احادیث نے بھی اسی طرح ان نظریات کو جمع کیا ہے۔

☆ روایات میں یہ بھی ہے کہ اہل اعراف ایسے شہدا ہیں جن کی فائل میں کچھ کمی ہے۔(تفسیر در المنثور)

یا ایسے افراد ہونگے جن کی نیکیاں اور برائیاں ایک مقدار میں ہونگی یعنی اگر خدا تعالیٰ انہیں جہنم میں ڈال دے تو وہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ہوگا اور اگر انہیں جنت میں بھیج دے تو وہ اس کی رحمت کی وجہ سے ہوگا۔(تفسیر نور الثقلین؛ کافی، ج ۲، ص ۳۸۱)

پیغام:

۱۔ دنیا کا کردار اور خصوصیات، انسان کے چہرے کو ایسا بنادیں گی کہ قیامت میں دوسرے لوگ اُسے دیکھتے ہی پہچان جائیں گے۔ ''يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰىهُمْ ۚ'' البتہ اس طرح کی پہچان دنیا میں بھی ممکن ہے، جیسا کہ پروردگار عالم نے منافقین کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ سے فرمایا: ''وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ''

اور اگر ہم چاہیں کہ انہیں تمہیں دکھائیں تا کہ آپ انہیں ان کے چہروں سے پہچان لیں، آپ ان کی گفتگو کے انداز سے پہچان سکتے ہیں۔ (محمد۔ ۳۰)

۲۔ جنت میں جانے کیلئے خدا کے لطف و کرم کی ضرورت ہے۔ ''اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ اَنۡ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ ۟ لَمۡ یَدۡخُلُوۡہَا وَ ہُمۡ یَطۡمَعُوۡنَ﴿۴۶﴾''

آیت نمبر ۴۷

وَ اِذَا صُرِفَتۡ اَبۡصَارُہُمۡ تِلۡقَآءَ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوۡا رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ﴿۴۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور جس وقت نہ چاہتے ہوئے ان (اہل اعراف جو ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے) کی نظر دوزخیوں پر پڑے گی تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہمیں ظالموں کے ساتھ نہ رکھنا۔ (۴۷)

نکات:

☆ اہل اعراف جب بہشتیوں کو دیکھیں گے تو انہیں پہچان لیں گے اور سلام کریں گے لیکن جہنمیوں کی طرف نہیں دیکھیں گے بلکہ نہ چاہتے ہوئے ان کی طرف نگاہ چلی جائے گی۔ ''صُرِفَتۡ اَبۡصَارُہُمۡ''

☆ اصحاب اعراف اپنی دعا میں یہ نہیں کہیں گے کہ ہمیں اہل جہنم میں سے قرار نہ دو بلکہ کہیں گے: ہمیں ظالمین میں سے قرار نہ دو۔ گویا ظالمین کے ساتھ رہنا، جہنمیوں کے ساتھ رہنے سے زیادہ برا ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

آیت نمبر ۴۸

وَ نَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا یَّعۡرِفُوۡنَہُمۡ بِسِیۡمٰہُمۡ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡکُمۡ جَمۡعُکُمۡ وَ مَا کُنۡتُمۡ تَسۡتَکۡبِرُوۡنَ﴿۴۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور اعراف والے (اولیاء خدا جو جنت اور جہنم کے درمیان ایک بلندی پر ہونگے) کچھ مردوں کو (دوزخیوں میں سے) جنہیں ان کی علامتوں سے پہچانتے ہوں گے، پکاریں گے اور کہیں گے کہ (دیکھنا) تم نے جن چیزوں کو اکٹھا کیا تھا (یعنی مال و دولت اور زوج و اولاد) اور جو تکبر کیا کرتے تھے (آج) یہ سب کچھ تمہارے کام نہ آیا۔ (۴۸)

نکات:

☆ جناب سلمان فارسیؒ کہتے ہیں: میں نے دس مرتبہ سے زیادہ رسول خداؐ سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: ''یا علی انك و الاوصیاء من بعدك اعراف بین الجنة و النار'' یا علی! آپ اور آپ کے بعد ائمہ، جنت اور جہنم کے درمیان اصحاب اعراف ہیں، جو کوئی آپ کی معرفت رکھتا ہوگا جنت میں داخل ہوگا اور جو کوئی آپ کی ولایت کا منکر ہوگا، جہنم میں ڈال دیا جائے گا (بحار، ج ۸، ص ۳۳۷؛ تفسیر اثنی عشری)

پیغام:

۱۔ قیامت کے دن جہنمیوں کو خدائی عذاب کے علاوہ انسانوں کی جھڑکیاں اور سرزنش بھی سننا پڑیں گی۔ ''قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ ۔ ۔ ۔''

۲۔ مال، اقتدار، دوست اور حمایتی، نجات کا موجب نہیں ہیں۔ ''مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ'' انسان خود بھی قیامت میں اس حقیقت کا اعتراف کرے گا۔ ''مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾'' (حاقہ۔ ۲۸)

آیت نمبر ۴۹

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

ترجمۃ الآیات

(تکبر کرنے والوں سے خطاب ہوتا ہے کہ) کیا یہ (جنتی) وہی لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق تم (دنیا میں) قسم کھایا کرتے تھے کہ خدا کی رحمت ہرگز انکے شامل حال نہ ہوگی؟ (اب دیکھو کہ ان سے کہا جائے گا) بہشت کے اندر داخل ہو جاؤ نہ تمہیں خوف ہوگا اور نہ تم غمگین ہو گے۔(۴۹)

نکات:

☆ دنیا میں مغرور کافر ایسے بھی تھے جو مومنین کی تحقیر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا کی رحمت ان کے شامل حال نہیں ہوگی حالانکہ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کا ایمان اور نیک اعمال ہی انہیں خدائی رحمت کے شامل حال قرار دے چکے ہوں گے اور ''اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ'' کا خطاب انہی سے ہوگا۔

☆ رحمت خداوندی کے حصول کیلئے مال و مقام نہیں بلکہ ایمان و عمل صالح ضروری ہے۔ نیز یہ کہ رحمت خدا، تکبر کرنے والوں کے ہاتھ میں نہیں ہے کہ جسے وہ چاہیں دے دیں۔ رحمت اس ذات کے قبضہ قدرت میں جو ہر شے پر قادر ہے۔ ''اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ'' آیا یہی لوگ تیرے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟ (زخرف۔۳۲)

پیغام:

۱۔ دنیا میں مومنین کی غربت اور گمنامی، قیامت کے دن رحمت خداوندی سے محرومیت کی علامت نہیں ہے۔ ''اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ۔۔۔''

۲۔ کون لوگ خدائی رحمت کے مستحق ہیں اور کون نہیں ہیں، اس بارے میں جلد فیصلہ نہ کر لیا کریں۔ ''اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ''

۳۔ جنت میں غم و اندوہ نہیں ہے۔ ''وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۝۴۹''

آیت نمبر ۵۰

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝۵۰

ترجمۃ الآیات

اور دوزخ والے جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ تھوڑا پانی یا خدا نے جو روزی بخشی ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی دے دو تو وہ (جنت والے اسکے جواب میں) کہیں گے کہ خدا نے اس کو کافروں پر حرام قرار دیا ہے۔ (۵۰)

نکات:

☆ قیامت کے منجملہ ناموں میں سے ایک نام "یَوۡمَ التَّنَادِ" (غافر۔ ۳۲) بھی ہے، یعنی جس دن آوازیں اور فریادیں بلند ہونگی اور ایک دوسرے کو مدد کے لے پکارا جائے گا۔ جنتی، جہنمی لوگ ایک دوسرے کو بلائیں گے۔

پیغام:

۱۔ آخرت میں جنتی اور دوزخی لوگ ایک دوسرے سے باتیں کریں گے، یعنی ایک دوسرے کی آواز سن سکیں گے۔" وَنَادٰی۔۔۔"

۲۔ جہنمیوں کی سب سے پہلی درخواست پانی کے بارے میں ہے۔"مِنَ الۡمَآءِ۔۔۔"

۳۔ جو دنیا میں رہ کر آخرت کے لیے توشہ تیار نہیں کرتے، قیامت کے دن ان کی ضرورت اور احتیاج کا ہاتھ ہر ایک کے آگے پھیلا ہوگا۔ "اَفِيۡضُوۡا عَلَيۡنَا مِنَ الۡمَآءِ۔۔۔"

۴۔ قیامت کے دن مجرمین کی آہ وزاری کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا"

۵۔ آخرت کی نعمتیں، مومنین کے ساتھ مخصوص ہیں۔"حَرَّمَهُمَا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ۞"

۶۔ نہ خدا بخیل ہے اور نہ ہی اہل بہشت بخیل ہیں لیکن ایسے کافر جو دنیا میں فقیر مومنین کو تکلیف دیا کرتے تھے، قیامت میں ان کو سزا نعمتوں سے محرومی کی صورت میں ملے گی۔"حَرَّمَهُمَا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ۞"

آیت نمبر ۵۱

الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ لَهۡوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا‌ ۚ فَالۡيَوۡمَ نَنۡسٰٮهُمۡ كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ يَوۡمِهِمۡ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوۡا

بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٥١﴾

ترجمۃ الآیات

(ایسے لوگ) جو (دنیا میں) خدا کے دین اور قانون کو کھیل تماشا سمجھتے تھے اور دنیوی زندگی نے انہیں مغرور کر دیا تھا پس آج کے روز ہم انہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور ہماری نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔(۵۱)

نکات:

☆ ''لَهْوًا'' یہ ہوتا ہے کہ انسان بنیادی کاموں سے غافل ہو جائے اور ''لعب'' یہ ہے کہ انسان خیالی پلاؤ پکاتا ہے اور غیر حقیقی دنیا میں رہتا ہے۔(تفسیر المیزان)

☆ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: ''نَنْسٰهُمْ'' یعنی ہم انہیں ترک کرتے ہیں، کیونکہ انہوں نے قیامت اور اس دن کی تیاری کو چھوڑ دیا اور ہم بھی انہیں اس دن ان کے حال پر چھوڑ دیں گے۔(تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ کافروں کی علامت ہے کہ وہ دین کو مذاق سمجھتے ہیں، دنیا پر مغرور ہوتے ہیں، آخرت کو بھول جاتے ہیں اور آیات الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔''الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا''

۲۔ کفار، دین کے احکام کو جو کہ ایک سنجیدہ حقیقت ہیں، انہیں کھیل تماشا سمجھتے ہیں۔''دِيْنَهُمْ لَهْوًا'' اس کے اُلٹ دنیا جو کہ ایک بازیچہ کے علاوہ کچھ نہیں اُسے سنجیدہ سمجھ لیتے ہیں۔

۳۔ دین کی تحقیر کرنے میں آخرت کی ذلت ہے، جو لوگ دین سے کھیلتے ہیں قیامت میں وہ التماس کرتے پھریں گے۔ ''اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا ۔ دِيْنَهُمْ لَهْوًا''

۴۔ دنیا کی زندگی فریب دینے والی ہے۔''غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا''

۵۔ دنیا پر فریفتہ ہو جانا، دین کو کھیل تماشا سمجھنے کا باعث ہے۔''لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ ۔۔۔''

۶۔ کیفر الٰہی ہمارے اعمال کے مطابق ہیں۔''نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا''

۷۔ مسلسل آیات الٰہی کا انکار، بہشت اور اس کی نعمات سے محروم ہونے کا موجب ہے۔''وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٥١﴾''

۸۔دنیا میں خدا کو بھول جانا، باعث ہے کہ قیامت میں ایسے انسان کو بھلا دیا جائے۔''نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا'چنانچہ ایک اور آیت میں خدا کی یاد، سبب بتایا گیا ہے کہ خدا بھی انسان کو یاد کرے۔''فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ''(بقرہ۔۱۵۲)

۹۔بغیر توبہ کے مسلسل انکار، انسان کی بدبختی اور ہلاکت کا راز ہے۔''كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ﴿۵۱﴾''

آیت نمبر ۵۲

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴿۵۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور حقیقت میں ہم انکے لیے ایک ایسی کتاب لائے جس کی ہم نے علم کے ساتھ شرح کی (ایک ایسی کتاب) جو ان لوگوں کیلئے سرمایہ ہدایت و رحمت ہے، جو ایمان لاتے ہیں۔(۵۲)

نکات:

☆ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:''ان الله سبحانه لم یعظ احدا بمثل هذا القرآن۔ ۔ ۔''خدا تعالیٰ نے کسی کو بھی قرآن سے بڑھ کر موعظہ نہیں کیا کیونکہ قرآن مضبوط رسی اور امن الٰہی ہے۔ دلوں کی بہار اور علم کا چشمہ ہے۔ انسان کے دل و روح کیلئے قرآن کے علاوہ کوئی نور نہیں، بس یاد رکھنے والے چلے گئے اور کچھ بھول جانے والے رہ گئے ہیں۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۶)

پیغام:

۱۔اللہ تعالیٰ نے کتاب کے ذریعے اتمام حجت کر دی، انسان کو دنیا کے بارے میں مغرور ہونے اور آخرت کو بھول جانے اور آیات کے انکار کرنے سے (گذشتہ آیت) سے نجات دلا دی۔''وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ''

صدها چراغ دارد و بیراهه می رود

بگذار تا بیفتد و بیند سزای خویش

سینکڑوں چراغ موجود ہیں پھر بھی غلط راستے کی طرف جاتا ہے تو اسے چھوڑ دو تاکہ یہ گر جائے اور اپنی سزا کو پا لے۔

۲۔ ہدایت و رحمت کی کتاب کو لانا خدا تعالیٰ کا کام ہے کہ جس نے اسے مختلف حصوں میں اور تدریجاً نازل فرمایا۔ ''لَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ''

۳۔ خدا تعالیٰ کی وحی، علم الٰہی کی اساس پر اور انسان و جہان کی ضرورت پر مبنی ہے۔ ''بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ''

۴۔ کتاب اور علم الٰہی دونوں ہی بہت عظیم ہیں۔ ''بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ'' دونوں لفظ نکرہ استعمال ہوئے ہیں۔

۵۔ قرآن مجید کے ذریعے، مومنین پر خدا تعالیٰ کی بے پناہ رحمت اور بڑی مہربانی ہے۔ ''هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۵۲﴾''

۶۔ قرآن، یقین رکھنے والوں کیلئے ہدایت کرنے والا ہے، ضدی اور بہانہ باز انسانوں کیلئے نہیں۔ ''لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۵۲﴾''

آیت نمبر ۵۳

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴿۵۳﴾

ترجمة الآيات

کیا ان (کافروں کو) کتاب کی تاویل (اور قرآنی وعدوں کے پورا ہونے) کے علاوہ کسی اور چیز کا انتظار ہے؟ جس دن کہ کتاب کی تاویلیں (اس کے حساب کتاب کی نشانیاں) پہنچ جائیں گی تو جو لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) اس (قیامت کے) دن کو بھلا چکے تھے کہیں گے: اس میں شک نہیں کہ اللہ کے رسول ہمارے پاس حق لے کر آئے (لیکن ہم نے ان سے منہ پھیرے رکھا) کیا آج کے روز ہمارے لیے کچھ ایسے شفاعت کرنے والے ہیں جو ہماری شفاعت کریں؟ یا (اس بات کا امکان ہے کہ) ہم دنیا میں دوبارہ پلٹا دیئے جائیں؟ اور وہ

اعمال بجالائیں جو ہم بجا نہ لائے تھے (لیکن یہ سب بے فائدہ حسرت ہے) یقیناً انہوں نے اپنے وجود کا سرمایہ اپنے ہاتھ سے کھو دیا ہے اور جو جھوٹے معبود انہوں نے بنائے تھے (اور جن بتوں کو اپنا شفیع جانتے تھے) وہ سب گم ہو گئے ہیں۔ (۵۳)

نکات:

☆ اس آیت میں بعد والے جملوں کے قرینہ کو دیکھتے ہوئے، تاویل سے مراد قیامت میں سزا و جزا کے حوالے سے الٰہی وعدوں کا پورا ہونا ہے۔

☆ اس سورت کی ۴۳ ویں آیت میں اہل بہشت کی زبانی کہا گیا ہے: ''لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ '' یہاں اہل دوزخ بھی یہی اقرار کر رہے ہیں۔

☆ چونکہ گذشتہ آیت ''کتاب'' کے نزول سے متعلق ہے، اس پر بعض مفسرین کا کہنا ہے: ''نَسُوْہُ'' سے مراد آسمانی کتاب کو بھلا دینا ہے۔

پیغام:

۱۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ منکرین کی مذمت کر رہا ہے کہ جب تک وہ الٰہی وعدوں کو پورا ہوتے ہوئے نہ دیکھ لیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ''هَلْ يَنْظُرُوْنَ۔۔۔''

۲۔ قیامت میں فریادیں، اعتراف اور آرزوئیں کہیں نہیں پہنچیں گی، لہٰذا دنیا میں قرآن کے خبردار کرنے کو سنجیدہ لیں۔ ''يَوْمَ يَأْتِيْ تَأْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ۔۔۔''

۳۔ سب سے بڑا نقصان، قرآن اور قیامت کو بھول جانے میں ہے۔ ''نَسُوْہُ''

۴۔ قیامت، آگاہی اور بیداری کا دن ہے۔ ''قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ''

۵۔ پیغمبروں کی رسالت انسانوں کی تربیت کرنا ہے اور یہ شان ربوبیت میں سے ہے۔ ''قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ''

۶۔ کافر لوگ، دین اور آخرت کو سنجیدہ مسئلہ نہیں سمجھتے لیکن جب قیامت میں اپنی غلطی کی طرف متوجہ ہونگے تو واپسی کی خواہش کریں گے اور اس وقت یہ آرزو بے فائدہ ہوگی۔ ''اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ'' دوسری جگہ فرمایا: اگر وہ واپس پلٹا دیے جائیں پھر بھی انہی کاموں کو آگے بڑھائیں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ ''وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ'' (انعام۔ ۲۸)

۷۔ شفاعت سب کیلئے نہیں ہے۔ ''فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ''

۸۔ قیامت کے دن طاغوتوں کی بتوں، مال و دولت کی اور اقتدار کا نام و نشان کیلئے جلوہ گری نہیں ہوگی۔ ''ضَلَّ عَنْهُمْ۔۔۔''

آیت نمبر ۵۴

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۣ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۵۴

ترجمۃ الآیات

تمہارا پروردگار وہ خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز (چھ ادوار) میں پیدا کیا اسکے بعد وہ (اقتدار اور) جہان کے انتظام کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ رات (کے تاریک پردے) سے دن کو ڈھانپ لیتا ہے اور رات تیزی کے ساتھ دن کے پیچھے پیچھے رواں دواں ہے۔ اور اس نے سورج، چاند اور ستاروں کو پیدا کیا۔ اس حال میں کہ یہ سب اسکے تابع فرمان ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ پیدا کرنا اور اس کا انتظام کرنا، اللہ کے لیے اور اسی کے حکم سے ہے۔ برکت والا (اور لازوال) ہے وہ خدا جو سارے جہانوں کا خدا ہے۔ (۵۴)

نکات:

☆ گذشتہ آیت میں قیامت کے روز سوائے خدا تعالیٰ کے ہر چیز اور سب کچھ فنا ہو جانے اور ختم ہو جانے کے بارے میں بیان ہوا ہے ''ضَلَّ عَنْهُمْ ۔ ۔ ۔'' یہاں حقیقی پروردگار کا تعارف کروایا جا رہا ہے۔

☆ ''يَوْمَ'' کا لفظ ''نَهَارَ'' سے علاوہ ہے کیونکہ ''نَهَارَ'' رات ''لَيْلَ'' کے مقابلے میں دن ہے لیکن ''یوم'' کے کئی معنی ہیں، کبھی دن ہے، کبھی رات دن، کبھی وقت اور دورانیہ کو یوم کہا جاتا ہے، اس آیت میں آخری معنی مراد لیا گیا ہے۔

☆ ''تبارك'' کا لفظ ''برکت'' کے مادہ سے ہے، جس کے معنی بقا اور باقی رہنا ہے۔ ''برک'' اونٹ کا سینہ ہے۔ جب اونٹ اپنا سینہ زمین پر لگاتا ہے تو وہ اس کے قرار اور ٹھہرنے کی علامت ہے۔ اس کے بعد ہر وہ صفت جو پائیدار ہو، جس میں دوام پایا جائے، ہر موجود جس کی عمر طویل ہو اور اس کے آثار وسیع ہوں، اسے برکت کہا گیا۔

''برکہ'' بھی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں طویل عرصے تک پانی جمع رہا ہو اور اس کا ذخیرہ کیا گیا ہو۔

☆ اس آیت میں اور دیگر آیات میں پائے جانے والے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ''خَلَق'' سے مراد پہلی خلقت ہے جبکہ ''امر'' سے مراد ہستی پر حاکم قوانین کا بنایا جانا ہے، وہ قوانین جو خلق کو ان کے راستے پر ہدایت کرتے ہیں۔ (تفسیر نمونہ)

☆ ''ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ'' اقتدار، تسلط، تدبیر، ہدایت اور جہان کو مکمل طور پر مدیریت کرنے پر ایک کنایہ ہے۔ فارسی اور اردو میں بھی تخت پر بٹھانا، تخت پر بیٹھنا، حالات و واقعات پر مسلط ہونا، حکومت اور اقتدار کو قبضہ میں لینا بھی اسی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ''عَرْش'' سے مراد ماوریٰ مادہ جہان کیلئے کنایہ ہو اور ''کرسی'' مادی جہان کیلئے کنایہ ہو۔ جیسا کہ آیت الکرسی میں پڑھتے ہیں: ''وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ'' (تفسیر نمونہ)

☆ جس طرح خدا تعالیٰ نے سورج، چاند اور ستاروں کو مخلوقات کی ہدایت اور استفادہ کیلئے بنایا ہے، ان کیلئے انہیں مسخر کیا ہے، اسی طرح رسالت، امامت اور اہل بیت علیہم السلام کو ان کی ہدایت اور بھلائی کے راستے پر قرار دیا ہے۔ چنانچہ شیعہ سنی روایات میں نقل ہوا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''النجوم امان لاهل الارض و اهل بيتي امان ولأمتي'' (تفسیر فرقان)

☆ اگرچہ خداوند عالم اس بات پر قادر ہے کہ تمام کائنات کو ایک ہی لحہ میں خلق فرما دے لیکن آرام اور سکون کے ساتھ کام کی بجا آوری ہی اس کا انداز کار ہے اور اسی میں لوگوں اور کائنات کی مصلحت ہے۔ لہٰذا ہستی کو چھ دورانیہ میں خلق فرمایا۔ عجلت، بلاوجہ جلد بازی شیطانی کام ہے اور یہ اس کے نفوذ اور تسلط قائم کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: ''التاني من الرحمن و العجلة من الشيطان'' صبر اور حوصلے کے ساتھ کام کرنا رحمان کا کام ہے اور عجلت اور جلد بازی شیطان کا کام ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو آنکھ جھپکنے سے پہلے آسمان و زمین کو خلق فرما دیتا لیکن اس نے ترتیب اور مراحل کو اپنے پر ایمان لانے والوں کیلئے مثال بنا کر پیش کیا اور اسے اپنی مخلوق پر حجت قرار دیا۔ (تفسیر اثنی عشری)

مولوی کہتا ہے:

مکر شیطان است تعجیل و شتاب
خوی رحمٰن است صبر و احتساب

عجلت اور جلد بازی شیطان کا مکر و فریب ہے اور صبر و حساب لینا رحمٰن کی صفت ہے۔

با تانی گشت موجود از خدا
تا بہ شش روز این زمین و چرخ ھا

خدا تعالیٰ کی طرف سے صبر و حوصلے کے ساتھ یہ موجودات پیدا ہوئے یہانتک کہ چھ روز میں یہ زمین اور یہ سارا جہان خلق ہو گیا۔

ورنہ قادر بود کز کُن فیکون
صد زمین و چرخ آوردی برون

ورنہ وہ تو اس بات پر قادر ہے کہ کُن فیکون کے ساتھ سینکڑوں زمین و آسمان بنا ڈالے۔

آدمی را اندک آن ھمام
تا چھل سالش کند مردی تمام

انسان کو بھی آہستہ آہستہ ایک مقام حاصل ہوتا ہے، یہانتک کہ چالیس سال کی عمر میں وہ ایک پختہ انسان بن جاتا ہے۔

این تانی از پی تعلیم توست
صبر کن در کار، دیر آی و درست

یہ صبر و حوصلے کا انداز تمہارے سمجھانے کیلئے ہے لہٰذا صبر سے کام لو کیونکہ کہتے ہیں دیر آید درست آید، جو دیر سے آیا ہے ٹھیک ہی آیا ہے۔

پیغام:

۱۔ کائنات کو پیدا کرنے والا ہی اس کی تدبیر کرنے والا اور اس کے بارے ارادہ کرنے کے لائق ہے۔ ''رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ۔۔۔''

۲۔ عرش، خدائی نظام اور الٰہی ارادوں و فیصلوں کا مرکز ہے۔ ''اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ''

۳۔ دن رات کا مسلسل ایک دوسرے کے پیچھے سے آنا، صرف زمین کے گول ہونے اور اس کی حرکت کی وجہ سے ہے ''یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا''

۴۔ کائنات میں ایک نظام بھی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے ارادے کے سامنے تسلیم بھی ہے۔ ''مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ''

۵۔ خلق کرنا بھی پروردگار عالم کے ہاتھ میں ہے، اور مخلوقات کی تدبیر اور ان کے بارے میں ارادہ بھی خالق کل کے دست قدرت میں ہے۔ ''لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ''

۶۔ خدا تعالیٰ کی ذات ہی تمام برکات کا سرچشمہ ہے۔ ''تَبٰرَكَ اللّٰهُ''

۷۔ برکات کا نازل ہونا، پروردگار عالم کی ربوبیت ہے۔ ''تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۵۴﴾''

۸۔ ساری کائنات تکامل کے مرحلے طے کر رہی ہے اور خدائی تربیت کے تحت چل رہی ہے۔ ''رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۵۴﴾''

آیت نمبر ۵۵

اُدۡعُوۡا رَبَّکُمۡ تَضَرُّعًا وَّ خُفۡیَۃً ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ﴿ۚ۵۵﴾

ترجمۃ الآیات

اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر اور تنہائی میں پکارو اور زیادتی سے ہاتھ اٹھالو کیونکہ وہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (۵۵)

نکات:

☆ ایک سفر میں حضرت رسول خداؐ نے اپنے بعض صحابہ کو دیکھا جو زور زور سے دعا کر رہے تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''آہستہ دعا مانگا کرو'' (تفسیر مجمع البیان، تفسیر کبیر فخر رازی)

حضرت زکریاؑ بھی پوشیدہ طور پر خلوص کے ساتھ خدا تعالیٰ کو پکارا کرتے تھے۔ ''اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ﴿۳﴾'' (مریم۔ ۳) کیونکہ یہ ادب کی علامت ہے۔ چنانچہ پروردگار عالم مومنوں سے فرماتا ہے: پیغمبرؐ کی آواز سے زیادہ اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو'' لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجۡہَرُوۡا لَہٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَہۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ '' اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے زیادہ بلند نہ کرو اور اس کے سامنے اونچی آواز سے نہ بولا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے (زور زور سے) باتیں کرتے ہو۔ (حجرات۔ ۲) ممکن ہے کہ عبادت اور دعا میں اونچی آواز تظاہر اور ریاکاری ہو۔

☆ دعا میں تضرع، نالہ وزاری کا اسی لیے حکم ہے تاکہ انسان اپنی ضروریات اور اپنے اندر ہر قسم کی کمی کو محسوس کرے اور غرور، تکبر اور خود خواہی جو اس کے اندر موجود ہے، اسے باہر نکال دے کیونکہ جو شخص خود کو بے نیاز اور طاقتور سمجھتا ہے وہ آہ وزاری نہیں کرتا۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: دعا میں ہاتھوں کو بلند کرنا ہی گڑگڑانا اور تضرع وزاری کرنا ہے۔ (کافی، ج ۲، ص ۴۸۱)

پیغمبر اکرمؐ بھی ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کیا کرتے تھے چنانچہ سلمان فارسی حضورؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: خداوند عالم کو ایسا ہاتھ خالی لوٹانے سے شرم آتی ہے جو دعا کے لیے اٹھایا جائے۔ (تفسیر قرطبی)

پیغام:

۱۔خدا کی معرفت کے بعد اس کی عبادت ضروری ہے۔''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ '' گذشتہ آیت میں خدا کی معرفت کے بارے بات ہوئی اور اس آیت میں خدا پرستی کو موضوع بنایا گیا۔

۲۔بہتر ہے کہ ''رَبّ'' کے لفظ کے ساتھ خدا سے مدد طلب کی جائے،اس کے ساتھ مخفی گریہ وزاری ہو۔''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ ''مخفی دعا کرنا ریا سے دور اور اخلاص سے نزدیک ہے۔

۳۔ہمیشہ دعا اس وقت مؤثر ہوتی ہے جب اخلاص کے ساتھ اور تضرع وزاری کے ہمراہ ہو۔''تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ''

۴۔پورے وجود کے ساتھ خدا کی عبادت کرو اور اس سے دعا مانگو،تمہاری زبان تمہارے وجود کی نمائندہ ہونی چاہیے۔''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا''

۵۔غرور،تکبر کرنے والے،اکڑنے والے اور دوسروں کے حقوق پر تجاوز کرنے والے خدا کے لطف اور اس کی محبت سے محروم رہتے ہیں۔''اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾''

۶۔سرے سے دعا ہی نہ مانگی جائے،اگر مانگی جائے تو اس میں تضرع وزاری نہ ہو،یا ریا کارانہ انداز میں مانگی جائے یا مخفی طور پر نہ مانگی جائے بلکہ زور زور سے اور بلند آواز کے ساتھ مانگی جائے تو یہ سب مورد ''تجاوز'' کے زمرے میں آئیں گے۔''الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾''

آیت نمبر ۵۶

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور زمین میں فساد نہ کرو جبکہ اسکی اصلاح ہو چکی ہے اور خدا کو خوف وامید کی حالت میں پکارو (خوف ذمہ داریوں کا،امید اس کی رحمت کی) کیونکہ اللہ کی رحمت نیکوکاروں سے نزدیک ہے۔(۵۶)

نکات:

☆ گذشتہ آیت میں انسان کا خدا سے تعلق بیان کیا گیا تھا اس آیت میں انسان کا لوگوں کے ساتھ رابطہ بیان ہوا ہے۔

☆ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''خدا تعالیٰ نے پیغمبرؐ اور قرآن کے ذریعے، اس زمین کی اصلاح کی اور فرمایا: اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو'' (کافی، ج۸، ص۵۸)

جی ہاں! ہر نبی کا آنا، معاشرے میں بڑی اصلاحی تحریک کا شروع ہونا ہے اور ان کے بتائے ہوئے قوانین اور احکام سے روگردانی کرنا، معاشرے میں بڑی تباہی و فساد لانے کے مترادف ہے۔

☆ اس آیت میں اور اس پہلی آیت میں دو مرتبہ ''اُدْعُوْا'' کا حکم ہے اور ان دونوں فرامین کے درمیان ''وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ'' کا حکم ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زبان کے ساتھ مانگی جانے والی دعا کے ساتھ ساتھ معاشرتی طور پر اصلاح طلبی کی سعی پیہم کو بھی ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ زبان سے تو دعا مانگی جائے لیکن عمل سے فساد اور معاشرے کی تباہی کا سامان مہیا کیا جائے۔

☆ اس آیت اور قبلی آیت میں دعا کی شرائط، آداب اور قبولیت کے اسباب کو بیان کیا گیا ہے جو درج ذیل ہیں:

الف: دعا گڑگڑا کر اور تضرع وزاری کے ساتھ مانگی جائے۔ ''تَضَرُّعًا''

ب: ریاکاری سے ہٹ کر مخفی انداز میں دعا کی جائے۔ ''تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ''

ج: حق کی حدود سے تجاوز کیے بغیر ہونی چاہیے۔ ''اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴿۵۵﴾''

د: امید اور خوف کے درمیان رہ کر دعا مانگی جائے۔ ''خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ''

ھ: فساد اور تباہی کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ ''لَا تُفْسِدُوْا''

و: دعا کے ہمراہ نیک عمل بھی ہونا چاہیے۔ ''الْمُحْسِنِيْنَ﴿۵۶﴾''

☆ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے! اگر مومن کے دل کو چیرو تو اس میں دو نور ہونگے؛ ایک خدا کے خوف کا اور دوسرا اس سے امید و رحمت کا نور ہوگا۔ یہ دونوں ایک جیسے ہیں۔ (تفسیر اثنی عشری)

پیغام:

۱۔ اصلاح شدہ اور صاف ستھرے معاشرے کو بھی خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔ ''وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا''

۲۔ اصلاح کرنے والے انقلابی افراد بھی دعا و مناجات سے بے نیاز نہیں ہوتے۔ ''وَادْعُوْهُ خَوْفًا ---''

۳۔ زمین پر موجود آبادیوں کو برباد نہ کرو۔ ''وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا''

۴۔انسان کو ہر وقت خوف اور امید کی حالت میں رہنا چاہیے، اسی اعتدال کو خداوند عالم نے ''احسان'' کا نام دیا ہے۔ ''قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۵۶﴾''

۵۔نیک وصالح افراد کی روش اور طریقہ کار فساد سے دوری ہے۔''لَا تُفْسِدُوْا ۔۔۔قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۵۶﴾''

٦۔احسان، خداوند عالم کی رحمت کے حصول کا ذریعہ ہے اور اس کے بغیر رحمت کا انتظار بے جا ہے۔''قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۵۶﴾''جی ہاں! دعا کی قبولیت نیک اعمال کے ہمراہ ہے۔

۷۔حق کی جانب دست نیاز دراز کرنا اور فساد سے دور رہنا ہی ''احسان'' ہے۔''وَلَا تُفْسِدُوْا ۔۔ وَادْعُوْهُ ۔۔ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۵۶﴾''

آیت نمبر ۵۷

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴿۵۷﴾

ترجمۃ الآیات

وہ خدا وہ ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت (کی بارش) کے آگے آگے بھیجتا ہے۔ یہانتک کہ جب بھاری بادلوں کو اپنے دوش پر اٹھالیتی ہیں تو ہم انہیں مردہ زمین کی طرف ہنکا دیتے ہیں پھر ان سے پانی برساتے ہیں۔ پھر ان کے ذریعے ہر طرح کے پھل اُگاتے ہیں۔ (تم جان لو کہ) اسی طرح ہم مردوں کو بھی (زندہ کر کے زمین سے) نکالیں گے (یہ مثال ہم نے اس لیے دی ہے) تاکہ تم (زمین کی موت کے بعد حیات کو دیکھ کر) نصیحت حاصل کرو۔ (۵۷)

نکات:

☆ گذشتہ آیات میں خداشناسی اور خدا پرستی کا ذکر تھا اور یہاں پر معاد کا تذکرہ ہے۔ مبداء اور معاد دونوں میں فطری مسائل اور نظام تخلیق کائنات سے استدلال کیا گیا ہے۔

☆ ''اَقَلَّتۡ'' سے مراد آسانی کے ساتھ اٹھائے رکھنا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوائیں اس قدر طاقتور ہیں کہ پانی سے بھرے ہوئے بھاری بادلوں کو آسانی کے ساتھ اٹھا کر اِدھر سے اُدھر لیے پھرتی ہیں۔

پیغام:

۱۔ طبعی اور فطری قوانین اپنی تمام تر پیچیدگی اور نظم و انتظام کے باوجود پروردگار عالم کے ارادہ و اختیار کے ماتحت ہیں لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ قوانین انسان کو مبداءِ ہستی یا خالق کائنات سے غافل کردیں۔ ''وَهُوَ الَّذِيۡ يُرۡسِلُ الرِّيٰحَ''

(سائنسی اور مادی فارمولوں کے چکر میں پڑ کر مادیات کے سمندر میں غرق نہ ہو جانا، ہوا کی حرکت اور اس کی ہدایت، بارش کا برسنا اور نباتات کا اگنا سب خداوند عالم کی تدبیر کے تابع فرمان ہیں۔)

۲۔ معاد (قیامت) کے منکرین کے پاس کوئی دلیل نہیں وہ صرف ''استبعاد'' یعنی بعید سمجھنے سے کام لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن منتشر اجزا اور پراگندہ ذرات کو یکجا کرنا بعید ہے۔ حالانکہ اس کائنات میں اس کے کئی ایک نمونے موجود ہیں، جیسے سیب، ناشپاتی اور انار کے ذرات جو کہ اس زمین میں منتشر اور ان کے اجزا جو کہ بکھرے ہوئے ہیں، انہیں جمع کر کے سیب، ناشپاتی اور انار کی صورت میں پیدا کرنے والی ذات مردوں کے ذرات اور اجزا کو جمع کرنے پر قادر ہے۔ یہی بات اس استبعاد کے دور کرنے کے لیے کافی ہے۔ ''كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰى''

۳۔ موت، عدم (نیستی) نہیں بلکہ حالت کی تبدیلی کا نام ہے جیسا کہ مردہ زمین، معدوم اور نابود چیز کا نام نہیں ہے۔ ''سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِهِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا ۔ ۔ ۔ كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰى''

آیت نمبر ۵۸

وَالۡبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخۡرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ‌ۚ وَالَّذِىۡ خَبُثَ لَا يَخۡرُجُ اِلَّا نَكِدًا‌ ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّشۡكُرُوۡنَ ۝۵۸

ترجمۃ الآیات

پاکیزہ (اور آمادہ) سرزمین کی زراعت اللہ کے حکم سے (خوب) اُگتی ہے اور خبیث (اور شور زدہ) زمین میں سوائے معمولی گھاس پھونس کے اور کچھ نہیں اُگتا۔ ہم اسی طرح سے آیتوں کو ادل بدل کے ان لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں جو شکر ادا کرتے ہیں۔ (۵۸)

نکات:

☆ ''نَكِدًا'' کے معنی وہ چیز ہے جس میں کوئی خیر نہ ہو۔ ''نبات نکد'' بے فائدہ اور معمولی گھاس پھونس کے معنی میں ہے۔

زمین شورہ سنبل بر نیارد
در او تخم و عمل ضایع مگردان

شورزدہ زمین سے سنبل کا پھول نہیں اگتا، اس پر بیج اور محنت ضائع مت کرو۔

☆ اگر وسعت نظری کے ساتھ اس آیت کو دیکھیں تو شاید پاک سرزمین کے مصادیق میں سے ایک مثال پاک خاندان کی ہو۔

گوہر پاک باید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ و گلی لؤلؤ و مرجان نشود

یہ پاک گوہر ہی ہوتا ہے جس پر فیض برستا ہے ورنہ ہر پتھر اور پھول قیمتی پتھر اور موتی نہیں ہوتا۔

☆ قرآنی آیات باران رحمت کی مانند ہیں اگر آمادہ دلوں پر پڑھی جائیں تو معرفت، عشق ایمان اور سعی مسلسل میں اضافہ ہوتا ہے، جبکہ نا اہل افراد کے لیے ہٹ دھرمی اور ضد کے علاوہ کسی چیز میں اضافہ نہیں ہوتا۔

ارشاد پروردگار ہے: ''وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَشِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾'' (اسراء۔۸۲)

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ زار، خس

بارش جس کی فطرت ایک ہی جیسی ہے وہ بارش جب باغ پر برستی ہے تو وہاں پھول اگتے ہیں اور وہی بارش جب شورزدہ زمین پر برستی ہے تو وہاں کانٹے اگتے ہیں۔

☆ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''مثل ما بعثنی الله من الهدی و العلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضاً ۔۔۔'' ''علم و ہدایت کے ساتھ لوگوں پر میرا مبعوث ہونا، بہت زیادہ بارش کے برسنے کی طرح ہے، جس میں کچھ زمین ایسی ہے جو اُسے جذب کر لیتی ہے اور کچھ زمین ایسی ہے جو جذب نہیں کرتی۔ لہٰذا کچھ افراد ایسے ہیں جو میرے احکامات کو سمجھ کر لیتے ہیں اور وہ عالم و فقیہ بن جاتے ہیں اور کچھ افراد ایسے ہیں جو بالکل توجہ نہیں کرتے اور ہدایت حاصل نہیں کر پاتے۔'' (تفسیر منہج الصادقین)

اسی لیے پاک دل پاک زمین کی مانند ہے اور خبیث دل ناپاک اور بنجر زمین کی مانند ہے۔

پیغام:

ا۔خوش بختی کیلئے صرف نزول رحمت ہی کافی نہیں، مکان ومحل کی قابلیت اور وسعت کے علاوہ اذن الٰہی بھی ضروری ہے ۔''وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ''

۲۔اگرچہ نظام فطرت اپنے خاص قوانین کی بنیادوں پر استوار ہے لیکن سب کچھ پروردگار عالم کی زیر نگرانی اور اس کے ارادہ واختیار کے تحت چل رہا ہے۔''بِاِذْنِ رَبِّهٖ ''

۳۔پاک ہونا اور پاکیزہ گی انسان کی اصل ہے جبکہ ناپاکی اور نجاست عارضی حالت ہے۔''وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ''

۴۔نہ ہی ایک دفعہ کا خبردار کرنا کافی ہے اور نہ ایک طرز سے خبردار کرنا فائدہ مند ہے بلکہ تبلیغ وہدایت اور تربیت کیلئے مختلف اور متعدد ذرائع استعمال کرنے چاہئیں تاکہ نتیجہ سے نزدیک ہوسکیں۔''نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ''

۵۔اگرچہ قرآن مجید تمام لوگوں کے لیے ہدایت اور بیان ہے لیکن اس سے صرف متقین اور شاکرین ہی فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔''نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۵۸''

آیت نمبر ۵۹۔۶۰

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۵۹

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۶۰

ترجمۃ الآیات

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اس (قوم) سے کہا کہ اے میری قوم صرف خدائے یگانہ کی پرستش کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے (اگر دوسرا راستہ اختیار کروگے تو) یقین جانو کہ میں تمہارے اوپر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔(۵۹)

(لیکن) ان کی قوم کے کچھ سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔(۶۰)

نکات:

☆ ''بلد خبیث '' (لفظ جو گذشتہ آیت میں استعمال ہوا) کا نمونہ حضرت نوحؑ کی قوم تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں جس قدر بھی تبلیغ کی انہوں نے اس سے کوئی اثر نہ لیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی داستان سورۃ احقاف، سورت صافات، اسراء، احزاب، یونس، مومنون اور سورۃ قمر میں ذکر ہوئی ہے۔

☆ ''خوف '' میں مثبت پہلو بھی پایا جاتا ہے جبکہ ''جُبن '' (بزدلی) میں منفی اور ناپسندیدہ پہلو پایا جاتا ہے۔ ''جبن '' اپنے بارے میں غلط فہمی اور خود کو کم سمجھنے کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ خوف کبھی حقیقت بینی اور خطرات سے ہوشیار رہنے کی خاطر ہوتا ہے۔

☆ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''جناب نوح سب سے پہلے اولوا العزم پیغمبر ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے عمومی رسالت پر فائز ہوئے ہیں۔'' (تفسیر در المنثور)

حضرت نوح کی دعوت عالمی سطح پر تھی کیونکہ تمام روئے زمین پر انہی کی قوم کے افراد پھیلے ہوئے تھے اور جناب نوح نے اپنی نفرین میں تمام روئے زمین کے کافروں کو نفرین کی ہے۔ ''وَقَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا ۲۶'' نوح نے عرض کی: پروردگارا! روئے زمین پر کفار میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ رہنے دے۔ (نوح۔ ۲۶) اس بنا پر تمام جہان کے لوگ غرق ہو گئے۔

☆ حضرت نوح علیہ السلام نے 950 سال لوگوں کو توحید کی دعوت دی۔ ''اَلۡفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمۡسِیۡنَ عَامًا ؕ'' (عنکبوت۔ ۱۴) وہ صرف ایمان ہی نہیں لائے بلکہ ان سے دور ہو گئے۔ ''فَلَمۡ یَزِدۡھُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ۶'' لیکن میری دعوت نے ان میں فرار کے علاوہ کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔ (نوح۔ ۶) لوگوں نے انہیں تکلیف اور اذیت دی، اتنا مارتے تھے کہ حضرت نوح بے ہوش ہو کر زمین پر گر جاتے اور جب ہوش میں آتے تو کہتے: اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون'' خدایا! میری قوم کی ہدایت فرما دے کیونکہ یہ نہیں جانتے۔

پیغام:

۱۔ جناب نوح کی رسالت عالمی سطح کی تھی اس کے باوجود انہوں نے ابتدا اپنی ہی قوم سے کی تھی۔ ''یٰقَوۡمِ ''

۲۔ توحید اور خدا پرستی کی طرف دعوت دینا تمام انبیا کی دعوت وتبلیغ کا سرنامہ تھا اور تمام ادیان الٰہی میں مشترک بات ہے۔ ''اعۡبُدُوا اللّٰہَ ''

۳۔ یکتا پرستی کی دلیل خدا تعالیٰ کا ایک ہونا اور لاشریک ہونا ہے۔ ''اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ''

۴۔ خدا شناسی اور خدا پر ایمان، ابتدا ہی سے تمام تاریخ میں یہ موضوع بحث رہا ہے۔ (حضرت نوح علیہ السلام جو کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام، جناب موسیٰ علیہ السلام و جناب عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے، انہوں نے لوگوں سے کہا: خدا کی عبادت کرو۔ یہ بات اس چیز کی علامت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے بارے میں جانتے تھے۔) ''یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ''

۵۔ انبیاء علیہم السلام عالم انسانیت کے حقیقی ہمدرد ہیں۔ ''یٰقَوْمِ ۔۔۔ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ''

۶۔ انبیاء کے مخالف ہمیشہ بڑے لوگ، اشراف، سردار، ثروتمند اور مالدار لوگ ہی ہوا کرتے تھے کہ جن کی دولت کی ''چمک'' لوگوں کی آنکھوں کو ''پُر'' کر دیتی تھی۔ ''الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ''

۷۔ ایمان نہ لانے سے زیادہ بدتر صورت انبیا کو گمراہ تصور کرنا ہے۔ ''اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾''

جب فطرت مسخ ہو جاتی ہے تو حقیقی راہنماؤں کو بھی گمراہ سمجھا جانے لگتا ہے۔ آج دنیا کے الحاد کو روشن فکر اور انبیاء اور مبلغین دین کو رجعت پسند، دقیانوسی اور سادہ لوح سمجھتے ہیں۔

۸۔ جو نظام توحید کے اجرا اور نظام شرک کی بیخ کنی کا داعی ہوتا ہے اسے ہر قسم کی تہمت، توہین، استہزاء اور مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ''لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾''

۹۔ مخالفین، تہمت لگانے میں بہت سنجیدہ اور سخت رویہ رکھنے والے ہیں۔ ''اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾''

آیت نمبر ۶۱ ۔ ۶۲

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

ترجمۃ الآیات

(نوح نے) کہا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی انحراف اور گمراہی نہیں ہے۔ بلکہ میں سارے جہانوں کے رب کا فرستادہ ہوں۔ (۶۱)

میں اپنے پروردگار کا پیغام تم تک پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا خیرخواہ و ہمدرد ہوں اور اللہ کی جانب سے میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (۶۲)

نکات:

☆ لغت میں ''نُصۡح'' کا معنی ہے خالص اور کسی قسم کی ملاوٹ کے بغیر ہونا۔ کسی بھی شخص کیلئے خلوص نیت کے ساتھ اور خیر خواہی کی بنیاد پر کہی گئی کوئی سی بات کو ''نصح'' کہتے ہیں۔ اسی لیے خالص شہد کو بھی ''ناصح العسل'' کہا جاتا ہے۔

پیغام:

۱۔ جاہلوں کی طرف سے ہونے والی توہین پر صبر کرنا چاہیے۔ ''لَیۡسَ بِیۡ ضَلٰلَۃٌ'' سب سے پہلے اولوالعزم پیغمبر نے لوگوں کی طرف سے لگنے والے گمراہی کے الزام پر بھی ان سے نرم ترین لہجے میں بات کی۔

۲۔ انبیاء کی رسالت، عالمین کی تربیت کا ہدف لیے ہوتی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی شان ربوبیت میں سے ہے۔ ''لٰکِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴿۶۱﴾''

۳۔ گمراہ عقائد جو یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کیلئے ایک رب ہے، ان کے برخلاف قرآن فرماتا ہے: ساری کائنات کا ایک ہی رب اور پروردگار ہے۔ ''رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴿۶۱﴾''

۴۔ اللہ کے پیغمبر معصوم ہیں۔ ''لَیۡسَ بِیۡ ضَلٰلَۃٌ وَّلٰکِنِّیۡ رَسُوۡلٌ''

۵۔ مربی اور مبلغ کو خیر خواہ و ہمدرد ہونا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ کافی حد تک علوم و معلومات سے بہرہ ور ہونا چاہیے۔ ''اَنۡصَحُ، اَعۡلَمُ''

۶۔ پیغمبر کی طرف سے خیر خواہی اور ہمدردی لوگوں کے فائدے کیلئے ہے، اپنے ذاتی مفاد میں نہیں ہے۔ ''اَنۡصَحُ لَکُمۡ''

۷۔ تمام انبیاء علیہم السلام، خداوند تعالیٰ کو ہی اپنے تمام علوم وآگاہی کا سرچشمہ اور منبع قرار دیتے ہیں۔ ''وَاَعۡلَمُ مِنَ اللّٰہِ''

۸۔ انبیا کرام، خداوند تعالیٰ کی طرف سے علم و معرفت کی ان حدود تک پہنچے ہوتے ہیں کہ جہاں پر عام انسان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴿۶۲﴾''

آیت نمبر ۶۳

اَوَعَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَکُمۡ ذِکۡرٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَلٰی رَجُلٍ مِّنۡکُمۡ

لِيُنۡذِرَكُمۡ وَلِتَتَّقُوۡا وَلَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ﴿۶۳﴾

ترجمۃ الآیات

کیا تم کو یہ تعجب ہے کہ تمہارے رب کی جانب سے یاد دہانی کے لیے تمہارے پاس آنے والا فرمان ایک ایسے شخص پر نازل ہوا ہے جو تم میں سے ہے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم ڈرو، شاید اس لیے کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۶۳)

پیغام:

۱۔ ''حجاب معاصرت'' (کسی کا ہم عصر ہونا) اس کی برحق اور منطقی باتوں کی قبولیت سے مانع ہوتا ہے۔ ''اَوَعَجِبۡتُمۡ'' حضرت نوح کی قوم بھی کہتی تھی کہ وہ کیونکر نبی ہوئے اور ان پر کس لیے وحی نازل ہوئی ہے جبکہ ہم اس چیز سے محروم ہیں؟ وہ وحی کی باتوں کو سمجھیں اور ہم محروم رہیں؟ وہ بھی تو ہمارے ہی جیسا ہے، ہم میں اور اُس میں آخر کیا فرق ہے؟!!

۲۔ وحی کا مقصد، انسان کی تربیت ہے۔ ''جَآءَكُمۡ ذِكۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ''

۳۔ الٰہی معارف کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے۔ ''ذِكۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ''

۴۔ پیغمبر، لوگوں میں سے ہی اٹھتے ہیں (مبعوث ہوتے) اور انہی کے ساتھ رہتے ہیں۔ ''رَجُلٍ مِّنۡكُمۡ''

۵۔ بعثت اور نبوت کے فلسفہ اور مراحل کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

الف: لوگوں کو خبردار اور متوجہ کرنا۔ ''لِيُنۡذِرَكُمۡ''

ب: گناہوں سے بچنا اور تقویٰ اختیار کرنا۔ ''لِتَتَّقُوۡا''

ج: خداوند تعالیٰ کے لطف و کرم اور رحمت کو وصول کرنا۔ ''وَلَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ﴿۶۳﴾''

۶۔ تقویٰ، رحمت خدا کے نزول کا موجب ہوتا ہے۔ ''لِتَتَّقُوۡا وَلَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ﴿۶۳﴾''

آیت نمبر ۶۴

فَكَذَّبُوۡهُ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ فِى الۡفُلۡكِ وَاَغۡرَقۡنَا الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا عَمِيۡنَ﴿۶۴﴾

ترجمۃ الآیات

پس ان لوگوں نے اس (نوح) کی تکذیب کی۔ پس ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس (نوح) کے ساتھ کشتی میں تھے، نجات دی اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، بے شک وہ لوگ ایک اندھی قوم تھے۔ (۶۴)

نکات:

☆ ''عَمِيْنَ'' جمع ہے ''عمی'' کی۔ عمی، اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی چشم بصیرت یا باطنی دید ختم ہو چکی ہو، جبکہ ''اعمی'' اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے باطن کی آنکھیں بھی جواب دے چکی ہوں اور ظاہری آنکھوں سے بھی نہ دیکھ سکتا ہو۔ (تفسیر المیزان، تفسیر نمونہ)

☆ امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام نے اس سوال کے جواب میں کہ جناب نوحؑ کے زمانے میں کیوں خدا تعالیٰ نے تمام دنیا والوں کو غرق کر دیا جبکہ ان کے درمیان بچے اور بے گناہ افراد بھی موجود تھے؟ فرمایا: ان کے درمیان بچے موجود نہ تھے کیونکہ وہ لوگ چالیس سالوں سے بانجھ ہو چکے تھے اور دوسری طرف بے گناہ لوگ گنہگاروں کے اعمال پر راضی اور خاموش ہو چکے تھے لہٰذا ان کا انجام بھی دوسروں کی مانند تھا۔ (تفسیر اثنیٰ عشری)

پیغام:

۱۔ ایمان، نجات کا باعث اور تکذیب کرنا، ہلاکت کا موجب ہے۔ ''فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا''

۲۔ واقعات کا رخ بدلنا، طبعی عمل کا ردعمل ہونا، تاریخی اتار چڑھاؤ، سب پروردگار عالم کے دست قدرت میں ہے۔ ان سب میں انسان کے افکار، اعمال اور اخلاق کا عمل دخل ہوتا ہے۔ ''فَاَنْجَيْنٰهُ۔۔ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ''

۳۔ دل کا اندھا پن، انبیا کی دعوت کی تکذیب کا اصل عامل ہے۔ ''عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾'' اس بنا پر ایمان اور انبیاء کی پیروی، بصیرت کی علامت ہے۔

آیت نمبر ۶۵

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ۝۶۵

ترجمۃ الآیات

اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود، کو بھیجا۔ اور انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، کیا تم تقوی اختیار نہیں کرتے؟ (۶۵)

نکات:

☆ اس سورۃ میں جو حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد کی داستان بیان ہوئی ہے، اس کی تفصیل دو سورتوں سورۃ شعراء اور سورۃ ہود میں آئی ہے۔

☆ قوم عاد، یمن کی سرزمین اور حجاز کے جنوبی علاقہ ''احقاف'' میں رہتی تھی۔ جسمانی لحاظ سے ہٹے کٹے لوگوں کی قوم تھی۔ افزائش حیوانات اور کاشتکاری کے لحاظ سے بھی مالدار قوم تھی۔ لیکن اخلاقی جرائم اور بت پرستی کی مصیبت میں گرفتار تھی، حضرت ہود علیہ السلام کا اس قوم سے رشتہ تھا۔ آپ اسے ڈرانے کے لیے مبعوث بہ نبوت ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرح سب سے پہلے انہیں توحید کی دعوت دی۔

پیغام:

۱۔ تمام انبیا کی دعوت کا سرنامہ ''توحید'' ہے۔ مختلف قسم کے شرک اور بت پرستی سے دوری اختیار کرنے پر تاکید ہے۔ ''اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ''

۲۔ انبیا علیہم السلام عوامی اور عوام کے بہت بڑے ہمدرد، خیر خواہ اور انسانیت کیلئے دلسوز افراد تھے۔ ''اَخَاهُمۡ''۔ تربیت کرنے والے افراد اور مبلغین کو لوگوں کی نسبت برادرانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے، ان سے محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔

۳۔ خدائے واحد پر ایمان، ہوشیاری، اطاعت، تقوی اور دین کی تکذیب سے پرہیز کا باعث بنتا ہے۔ ''اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ۝۶۵''

آیت نمبر ٦٦۔ ٦٧

قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىۡ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا

لَنَظُنُّكَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿٦٦﴾

قَالَ يٰقَوۡمِ لَيۡسَ بِىۡ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّىۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿٦٧﴾

ترجمة الآيات

(حضرت ہود کی دعوت کے جواب میں) ان کی قوم کے ایک گروہ نے جو کافر تھے یہ کہا کہ (اے ہود) ہم تم کو نادانی میں دیکھتے ہیں اور ہم تم کو یقیناً جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔ (٦٦)

(حضرت ہودؑ نے ان کی جسارت اور گستاخی کے جواب میں) کہا: اے میری قوم! مجھ میں کسی قسم کی نادانی نہیں ہے بلکہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں۔ (٦٧)

نکات:

☆ جناب ہودؑ کے مخالفین کی جسارت اور گستاخی، حضرت نوحؑ کے مخالفین کی گستاخی سے زیادہ تھی۔ حضرت نوحؑ کے دشمن انہیں گمراہ کہا کرتے تھے، ''فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿٦٠﴾'' جبکہ حضرت ہودؑ کے دشمن انہیں کم عقل اور جھوٹا شمار کرتے تھے۔ ''فِىۡ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿٦٦﴾''

پیغام:

ا۔ پیغمبران الٰہی بہت ہی سخت اور نہایت ہی واضح پراپیگنڈوں، مخالفتوں اور تہمتوں کا سامنا کرتے رہے ہیں۔ ''ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿٦٠﴾ ۔ فِىۡ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿٦٦﴾'' راہ خدا میں تبلیغ وارشاد کے سلسلہ میں لوگوں کی بدترین باتیں سننے کا تحمل ہونا چاہیے، برداشت اور بردباری ہونی چاہیے۔

٢۔ انبیا کی فراخدلی، وسعت ظرفی اور اخلاقی بزرگواری کا کمال یہ ہے کہ اس قدر گستاخانہ اور جسارت آمیز لہجے میں باتیں سننے کے بعد بھی کہتے ہیں: اے میری قوم! ''يٰقَوۡمِ''

٣۔ اپنی ذات پر لگنے والی تہمت کا ازالہ ضرور کریں لیکن یہ حق نہیں رکھتے کہ دوسروں کو بھی متہم کریں۔ ''لَيۡسَ بِىۡ سَفَاهَةٌ''

۴۔انبیاء کرام، کمترین سطح پر ایک لحہ کیلئے بھی ایسا کام انجام نہیں دیتے جو عقل کے منافی ہو۔ ''لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ'' (عربی ادبیات میں جب بھی نفی کے ساتھ نکرہ استعمال ہو، اس سے عموم نفی مراد لی جاتی ہے، یعنی کسی بھی وقت میں میرا کام بے وقوفی والا نہیں تھا۔)

۵۔جسے اپنے ہدف پر یقین ہے اور وہ خدائی پشت پناہی سے بھی بہرہ ور ہوتا ہے، وہ صبر وسکون کے ساتھ گفتگو کرتا ہے۔ ''لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ''

٦۔مربی اور مبلغ کو اپنا اصل فرض نہیں بھولنا چاہیے۔ ''لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ''

۷۔الٰہی احکام جو انبیاء کے توسط سے پہنچتے ہیں، وہ انسان کی تربیت کیلئے ہیں اور یہ ربوبیت الٰہی کا تقاضا ہے۔'' رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۶۷﴾ ''

آیت نمبر ٦٨

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ﴿۶۸﴾

ترجمۃ الآیات

میں اپنے رب کے پیغاموں کو تم تک پہنچاتا ہوں اور میں تمہارے لیے ایک امانت دار، نصیحت کرنے والا ہوں۔ (٦٨)

پیغام:

ا۔پیغمبروں کی باتیں خدائی رسالت واحکام کا بیان ہوتی ہیں، وہ اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہتے۔ ''اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ''

۲۔تمام انبیاء مسلسل خدائی نگرانی اور تربیت میں پروان چڑھتے ہیں لہٰذا ان کے احکام وفرامین، انسان کی ترقی اور تربیت کیلئے ہوتے ہیں۔ ''رِسٰلٰتِ رَبِّيْ'' وہ تبلیغ کے سلسلے میں اپنی نہایت کوشش کرتے ہیں اور کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔'' اُبَلِّغُكُمْ۔۔۔'' اس کے غیر سے کسی قسم کا خوف وڈر نہیں رکھتے۔ ''الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ ''(احزاب۔۳۹)

۳۔تربیت اور تبلیغ کرنے کیلئے دو اہم شرط ہیں: ایک ہمدردی کا جذبہ اور دوسرا امانتداری، رازداری۔

نَاصِحٌ اَمِيْنٌ۝﴿۶۸﴾ ۔ جی ہاں ! اگر ہمدردی، امانتداری کے ساتھ نہ ہو تو خطرناک ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہمدردی کی وجہ سے بعض کے حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے اور کچھ قوانین کو پامال کر دیا جائے۔

۴۔ اپنی مثبت صفات وخصوصیات کو ضرورت کے وقت بیان کرنا اور جب دوسروں کیلئے اس میں تربیتی پہلو موجود ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ''اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ۝﴿۶۸﴾'' (امام صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت کے مطابق ایسا کہنا صحیح ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

آیت نمبر ۶۹

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝﴿۶۹﴾

ترجمة الآيات

کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے یاددہانی آئے ایک ایسے مرد کے ذریعہ جو تم میں سے ہے تاکہ وہ تم کو (گناہوں کے نتائج اور گمراہی سے) ڈرائے؟ اور تم یاد کرو اس وقت کو جب کہ تم کو قوم نوح کا جانشین بنایا اور تم کو از روئے خلقت کشادگی دی (بدنی حیثیت سے مضبوط بنایا۔) پس اللہ کی نعمتوں کو دھیان میں لاؤ تا کہ تم فلاح پا جاؤ (کامیاب ہو جاؤ۔) (۶۹)

نکات:

☆ قوم عاد کی جسمانی طاقت اس حد تک تھی کہ وہ خود کہا کرتے تھے: ''مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً'' ہم سے بڑھ کر اور کون طاقتور ہو سکتا ہے؟ (فصلت۔ ۱۵)

☆ ''اٰلَآءِ'' کے معنی نعمت سے زیادہ وسیع ہیں، اس میں ہر ظاہری و باطنی، مادی یا معنوی نعمت شامل ہے۔ جیسا کہ سورۃ

الرحمن میں تکرار کے ساتھ آیا ہے۔اس میں حتیٰ عذاب اور جہنم بھی شامل ہے جو کہ عدل الٰہی کالازمہ ہے۔(التحقیق فی کلمات القرآن)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ''فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ'' کے بارے میں فرمایا: آلاء مخلوق خدا کیلئے خدا تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت، ہم اہلبیت علیہم السلام کی ولایت ہے۔(تفسیر اثنیٰ عشری)

پیغام:

۱۔پروردگار عالم کے احکامات، پیغمبر کے دستورات سب فطرت بشر کی طرف اشارہ ہیں جو کہ انسان کی ترقی اور تربیت سے متعلق ہیں اور یہ خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا تقاضا ہے۔''جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ''

۲۔پیغمبر عوام میں سے ہوتے ہیں اور عوام کے ساتھ رہتے ہیں۔''رَجُلٍ مِّنْكُمْ''

۳۔تاریخی اور معاشرتی حالات وواقعات میں ردوبدل، سب مشیت وارادہ الٰہی کے تحت ہے اور اسی کے طریقہ ازلی کی بنیاد پر ہے۔''جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ۔۔۔''

۴۔جسمانی وطاقت توانائی خدا کی ایسی نعمت ہے جسے صحیح راہ میں صرف کرنا چاہیے۔''زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا''

۵۔خدا کی نعمتوں کی یادآوری، کامیابی کی دلیل ہے۔''فَاذْكُرُوْٓا ۔۔لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۶۹﴾''اس لیے نعمتوں کی یادآوری سے حق ومحبت پیدا ہوتی ہے۔محبت کے ساتھ ساتھ اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اطاعت سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۷۰

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۷۰﴾

ترجمۃ الآیات

انہوں نے (قوم عاد کے افراد نے حضرت ہودؑ سے) کہا کہ کیا تم اس واسطے آئے ہو کہ ہم صرف ایک خدا کی پرستش کریں اور ان کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤاجداد عبادت کرتے چلے آرہے ہیں؟ اگر تم سچوں میں سے ہو تو تم جس (عذاب الٰہی) سے ہم کو ڈرا رہے ہو اس کو لے آؤ۔(۷۰)

پیغام:

۱۔ منطق کی بجائے تعصب کا اظہار قابل مذمت ہے۔ اسی طرح جاہل کا کسی جاہل کی اس لیے تقلید کرنا کہ وہ ان کا رشتہ دار ہے، قابل مذمت ہے۔ ”يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ“

۲۔ رسومات اور گذشتگان کی مقرر کی ہوئی سنتیں ہر جگہ پر قابل قدر نہیں ہوا کرتیں۔ ”يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ“

۳۔ تعصب اور اندھی تقلید، حقیقت کی معرفت کے مانع ہوتی ہے اور انسان کو عناد و دشمنی کی طرف لے جاتی ہے۔ ”فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ“

۴۔ بعض اوقات، عادت فطرت پر غالب آ جاتی ہے جیسے گذشتہ لوگوں کی بت پرستی والی عادت نئی نسل کی حق طلبی کی فطرت پر غالب آ گئی تھی۔ ”نَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ“

۵۔ انبیا نے ناجائز رسومات اور بے ہودہ سنتوں، خرافات اور گمراہی کی ہمیشہ بیخ کنی کی ہے۔ ”وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ“

آیت نمبر ۷۱

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمۃ الآیات

(حضرت ہودؑ نے قوم عاد کی ضد کو دیکھ کر) کہا کہ پلیدگی اور غضب تمہارے رب کی طرف سے تم کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے، کیا تم مجھ سے کچھ ناموں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے آبا و اجداد نے (بطور معبود کے) گھڑ رکھے ہیں؟ اللہ نے ان کی حقانیت کی کوئی دلیل بھی نہیں اتاری ہے۔ اچھا تو (خدائی قہر کا) انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوتا ہوں۔ (۷۱)

نکات:

☆ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر طرح کا منصب، لقب اور الٰہی عنوان جو اذن الٰہی کے بغیر ہو، خاص طور سے ولایت عامہ کا عنوان، وہ جھوٹ اور بہتان شمار کیا جائے گا۔ جیسا کہ امیر المؤمنین کا لقب کسی اور کیلئے نہیں بلکہ صرف حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے، لہٰذا جب امام جعفر صادق علیہ السلام کو امیر المؤمنین کے لقب سے مخاطب کیا گیا تو آپؑ نے اس کام سے منع کرتے ہوئے فرمایا: جو کوئی بھی علی علیہ السلام کے علاوہ خود کو اس عنوان سے متصف کرے، اس کا مقام آگ ہے۔
(تفسیر اثنیٰ عشری)

پیغام:

۱۔ضد، ہٹ دھرمی اور حق کے ساتھ الجھنے کا نتیجہ، کیفر الٰہی، ننگ و عار اور ہلاکت وتباہی ہے۔''قَدۡ وَقَعَ عَلَيۡكُمۡ''
(ضد ایک طرح کی معنوی نجاست ہے۔)

۲۔انسان ذاتاً فطرتاً مواحد (ایک خدا کو ماننا) اور توحید کو چاہتا ہے لیکن کبھی اس کی آنکھوں پر تعصب کی ایک عارضی پٹی چڑھ جاتی ہے۔''وَقَعَ عَلَيۡكُمۡ''

۳۔ پروردگار کی طرف سے کیفر وسزا، انسان کی تربیت کیلئے ہے اور یہ ربوبیت خدا کا تقاضا ہے۔''مِّنۡ رَّبِّكُمۡ''

۴۔ پتھر اور لکڑی کو خدا کا نام دینے سے کوئی خدا نہیں بن جاتا۔ (ہمارے دور میں بھاری بھر کم الفاظ اور بے مقصد نام رکھنا ایک وبائی صورت اختیار کر چکا ہے۔)''اَسۡمَآءٍ سَمَّيۡتُمُوۡهَآ''

۵۔مشرکین کے معبود ایسے لایعنی نام ہیں جن کی کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں ہے، نہ ہی وہ کوئی جواز رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے کسی بھی آئین و دین میں ان کے بارے میں حکم صادر نہیں کیا۔''اَسۡمَآءٍ ---مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ''

۶۔عقائد کو اختیار کرنے کیلئے ضرور کوئی عقلی دلیل ہونی چاہیے۔ حتیٰ بت پرستوں سے ان کے عقائد پر دلیل طلب کریں۔''مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ''(وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ بت، خدا تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ ہیں، ان سے پوچھا جائے کہ کیا تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل ہے کہ خدا نے اپنے قرب کے لیے بتوں کی پرستش کو وسیلہ قرار دیا ہو؟!)

۷۔ انبیاء کو اپنے ہدف اور کامیابی پر پورا پورا یقین ہوتا ہے اور دشمنوں کی شکست پر مکمل اطمینان ہوتا ہے۔''فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ﴿۷۱﴾''

آیت نمبر ۷۲

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ۝۷۲

ترجمۃ الآیات

پس ہم نے ہودؑ اور ان کے (عملی اور فکری) ساتھیوں کو اپنے لطف و کرم سے نجات دی اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور جو لوگ بے ایمان تھے، ہم نے ان کی بیخ کنی کر ڈالی۔ (۷۲)

نکات:

☆ ''دَابِرَ'' کا معنی ہے کسی چیز کا آخر یا پچھلا حصہ یا اختتام۔ ''قَطَعَ دَابِرَ'' کا معنی ہے کسی چیز کی بیخ کنی کرنا اور آخری فرد تک کو ہلاک کر دینا۔

☆ قوم عاد کی ہلاکت، پوری قوم کے افراد کو بانجھ کر دینے والے سلسلے، اکھاڑ دینے والے، تیز آواز، سرد اور زہریلے طوفان سے ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے اس طوفان کو مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک ان پر مسلط رکھا۔ اس طوفان نے یوں ان کا قلع قمع کیا کہ وہ سب کھجور کے درخت کے نچلے خشک پتوں کی طرح زمین پر گرے پڑے تھے۔ ''فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ۝۷'' (حاقہ۔ ۷)

پیغام:

۱۔ رحمت خداوندی صرف انبیاء اور ان کے ماننے والوں کے شامل حال ہوتی ہے اور انہی کیلئے خدائی نجات ہے۔ ''فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا''

۲۔ تاریخ سے عبرت حاصل کریں۔ ''قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا''

۳۔ جب لوگوں کی طرف سے ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہ رہے، اس وقت ان کیلئے سخت اور شدید ہلاکت ہی رہ جاتی ہے۔ ''وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ۝۷۲''

آیت نمبر ۷۳

وَاِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ بَیِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمۡ اٰیَةً فَذَرُوۡهَا تَاۡكُلۡ فِیۡۤ اَرۡضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ فَیَاۡخُذَكُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۷۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا (اور اس نے بھی حضرت نوح اور حضرت ہود کی طرح لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور) کہا: اے میری قوم! (صرف) خدا کی پرستش کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ ایک روشن دلیل تمہارے لیے تمہارے پروردگار کی طرف سے آئی ہے۔ یہ ناقہ (اونٹنی) اللہ کی طرف سے تمہارے لیے معجزہ ہے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ خدا کی زمین میں (جنگلی گھاس پھوس میں سے) چرے اور اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب آلے گا۔ (۷۳)

نکات:

☆ قرآن مجید میں سات مرتبہ ناقہ کا ذکر آیا ہے اور چھبیس مرتبہ قوم ثمود کا بیان ہوا ہے۔ قوم ثمود کی داستان سورۃ شعرا، قمر، شمس اور ہود میں آئی ہے۔

☆ معجزے کا دوسرے خارق العادت انسانی کاموں کے ساتھ چند چیزوں میں فرق ہوتا ہے۔ منجملہ:

الف: معجزہ کے لیے مشق، کسی سے سیکھنے یا تجربہ کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ دوسرے خارق العادت انسانی کاموں کے لیے مشق، تکرار اور سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ب: معجزہ معصوم اور باکردار افراد سے رونما ہوتا ہے جبکہ دوسرے شاذ و نادر اور خارق العادت کام، نااہل افراد سے بھی صادر ہو سکتے ہیں۔

ج: معجزے کا مقصد اتمام حجت، لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی ہوتا ہے جبکہ دوسرے افراد کا ہدف خود نمائی، شہرت، حصول مال و دولت اور سرگرمی ایجاد کرنا ہوتا ہے۔

د: معجزے میں انبیاء کا کام چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے، ان کا دعویٰ ایسا ہوتا ہے جسے دوسرے لوگ انجام دینے سے عاجز اور قاصر ہوتے ہیں، جبکہ نابغہ روزگار افراد، اختراع کنندگان (نئی ایجادات کرنے والے) اور ریاضت کرنے والوں میں اس چیز کا ہونا ضروری نہیں۔

☆ حدیث میں ہے کہ قوم ثمود نے جس اونٹنی کا تقاضا کیا تھا وہ سرخ رنگ کی تھی، اس پر بال تھے، وہ حاملہ تھی اور وہ عام اونٹنیوں سے بہت بڑی تھی۔ (تفسیر نور الثقلین)

لوگوں کا انبیاء سے تقاضا بعض اوقات ان کی فکری حیثیت اور عوامی و معاشرتی نیز اس وقت کے اقتصادی حالات کے پیش نظر ہوتا ہے۔ شاید اگر آج کوئی پیغمبر ظہور فرمائیں تو لوگ پہاڑ سے کسی ہوائی جہاز کے نکالنے کا تقاضا کریں گے۔

بہر حال اس اونٹنی کی بعض اپنی خصوصیات تھیں کہ جسے ناقۃ اللہ کہا جاتا تھا۔ کسی دوسرے اونٹ سے ملے بغیر حاملہ حالت میں پہاڑ کے اندر سے باہر آئی اور باہر آنے کے بعد بچے کو جنم دیا۔ ایک دن چھوڑ کر سارے شہر کا پانی پی جاتی تھی اور اس کے بدلے میں اس دن سارے شہر کو دودھ دیتی تھی۔ یہ خدائی معجزہ تھا کہ اس جیسی مثال اور نہیں لا سکتے تھے۔ یہ اتمام حجت تھی، جس کے بارے برا قصد کرنے پر خدا کا عذاب تھا۔ (تفسیر منہج الصادقین)

پیغام:

۱۔ حضرت صالح علیہ السلام کی رسالت صرف قوم ثمود تک کیلئے تھی۔ ''اِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا ‌ۘ''

۲۔ انبیاء لوگوں کے ساتھ بھائیوں کی طرح تھے۔ ''اَخَاهُمۡ''

۳۔ تبلیغ اور تربیت کے سلسلے میں احساسات و جذبات سے بھی استفادہ کیا جانا چاہیے۔ ''یٰقَوۡمِ''

۴۔ خدا پر ایمان، تاریخ میں گہری جڑیں رکھتا ہے۔ ''اعۡبُدُوا اللّٰهَ'' خدا کی عبادت کا حکم، ایمان کی علامت اور لوگوں کی پہچان کا ذریعہ ہے۔

۵۔ ایک خدا کی عبادت، تمام انبیاء کی دعوت کا محور ہے۔ ''اعۡبُدُوا اللّٰهَ''

۶۔ عمل کی سمتیں، عقیدہ اور تفکر کی بنیاد پر متعین ہوتی ہیں۔ ''اعۡبُدُوا اللّٰهَ'' اس لیے کہ ''مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ'' اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

۷۔ تمام الٰہی پیغمبروں کے اہداف و مقاصد ایک ہی ہیں۔ ''اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ'' کے جملے کو تمام انبیاء نے بیان کیا ہے۔

۸۔ انبیاء کی طرف سے دلیل اور معجزہ کا پیش کیے جانا، لوگوں کی تربیت کیلئے ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی شان ربوبیت ہے۔ ''بَيِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ‌ؕ'' البتہ بعض اوقات عوام کی درخواست کے مطابق بھی معجزات رونما ہوتے ہیں، جیسے شق القمر اور حضرت صالح کی ناقہ۔

۹۔ خداوند عالم کی خصوصی عنایت اور اس کا لطف وکرم جس چیز سے متعلق ہو جائے وہ چیز مقدس ہو جاتی ہے اس کا احترام ضروری ہے۔ ''نَاقَةُ اللّٰهِ''

۱۰۔ مقدسات الٰہی کی توہین اور انہیں خراب کرنے کی سزا، عذاب الٰہی ہے۔ ''لَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ فَيَاۡخُذَكُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴿۷۳﴾''

آیت نمبر ۷۴

وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَكُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡ سُهُوۡلِهَا قُصُوۡرًا وَّتَنۡحِتُوۡنَ الۡجِبَالَ بُيُوۡتًا‌ ۚ فَاذۡكُرُوۡۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ‏ ﴿۷۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے قوم عاد (کی ہلاکت) کے بعد تمہیں (ان کا) جانشین بنایا اور زمین میں تمہیں بسایا تاکہ اس کے نرم اور ہموار خطہ میں تم اپنے لیے محلات بناؤ اور پہاڑوں میں بھی اپنے واسطے گھر تراشو۔ لہٰذا تم اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ (۷۴)

نکات:

☆ ''تَعۡثَوۡا'' یعنی اعتدال کی حد سے نکل جانا۔ ''لَا تَعۡثَوۡا'' کے معنی ''لَا تُفۡسِدُوۡا'' ہیں۔ ''مُفۡسِدِيۡنَ'' کا لفظ یا تاکید کیلئے آیا ہے یا اس معنی میں ہے کہ فساد کرنا تمہارا شیوہ نہیں ہے۔ ''فِى الۡاَرۡضِ'' سے مراد حجاز اور شام کے درمیان کی سرزمین ہے۔

☆ قوم ثمود کا جغرافیائی خطہ دو حصوں صحرا اور پہاڑ پر مشتمل تھا۔ ''سُهُوۡلِهَا قُصُوۡرًا وَّتَنۡحِتُوۡنَ الۡجِبَالَ '' وہ مالدار اور تہذیب یافتہ لوگ تھے۔ وہ فن عمارت سازی کے ماہر تھے اور بڑے بڑے محل تعمیر کیا کرتے تھے۔ ''قُصُوۡرًا وَّتَنۡحِتُوۡنَ الۡجِبَالَ بُيُوۡتًا ۚ ''

پیغام:

۱۔ ہر طرح کا تاریخی وسماجی تغیر وتبدل، الٰہی قوانین وطریقہ ہائے کار کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ''اذۡكُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَكُمۡ ''

۲۔ ہماری زندگی کے تمام وسائل وذرائع خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ ''وَّبَوَّاَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ ''

۳۔ گذشتہ افراد کی تاریخ سے عبرت حاصل کریں۔ ''وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَكُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ عَادٍ ''

۴۔ ہر طبعی حالت سے انسان بہرہ مند ہوسکتا ہے۔ ''سُهُوۡلِهَا قُصُوۡرًا وَّتَنۡحِتُوۡنَ الۡجِبَالَ ''

۵۔ مکان، گھر خدا تعالیٰ کی خاص نعمات میں سے ہے۔ ''قُصُوۡرًا وَّتَنۡحِتُوۡنَ الۡجِبَالَ بُيُوۡتًا ۚ ۔۔۔ اٰلَاۤءَ اللّٰهِ''

۶۔ آسائش، مقام رہائش اور محلات اگر یاد خدا سے ہٹ کر ہوں تو فساد کا سبب بن جاتے ہیں۔ ''قُصُوۡرًا وَّتَنۡحِتُوۡنَ الۡجِبَالَ بُيُوۡتًا ۚ ۔۔۔ مُفۡسِدِيۡنَ۝۷۴''

۷۔ اگر نعمتوں کو خدا کی امانت سمجھو اور خود کو فانی، تو ہر قسم کے تجاوز اور فساد سے دوری اختیار کرو۔ ''وَاذۡكُرُوۡۤا ۔۔۔ لَا تَعۡثَوۡا ''

۸۔ اشرافیہ اور محل نشینوں کے لیے یاد خدا کی زیادہ ضرورت ہے، تاکہ فساد وتباہی کا شکار نہ ہوجائیں۔ ('' قصر'' کا لفظ دو جملوں کے '''' اذۡكُرُوۡۤا '' کے درمیان آیا ہے۔) (البتہ اگر قصر کا معنی آج کے دور میں لیا جانے والے معنی ہو، لیکن اگر ایک معمولی گھر کے معنی میں لیا جائے تو پھر یہ مراد نہیں لی جاسکتی۔)

آیت نمبر ۷۵۔۷۶

قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لِلَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِمَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ اَتَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرۡسَلٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلَ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ۝۷۵

قَالَ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا بِالَّذِىۡۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ۝۷۶

ترجمۃ الآیات

حضرت صالحؑ کی قوم کے متکبر سرداروں نے اس قوم کے مستضعف مومنین سے کہا: کیا تمہیں علم ہے کہ صالح اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجا گیا ہے؟ (مومنین نے ان کے شکوک و شبہات پیدا کرنے والے انداز گفتگو کے جواب میں) کہا: یقیناً ہم ان تمام چیزوں پر ایمان لا چکے ہیں جن کے ساتھ انہیں بھیجا گیا ہے۔(۷۵)

تو متکبرین نے کہا: ہم ان چیزوں کے کافر ہیں جن پر تم ایمان لا چکے ہو۔(۷۶)

پیغام:

۱۔ عام طور پر اشراف زادے اور صاحب حیثیت افراد ہی انبیاء کے راستے کے مخالف ہوتے ہیں اور مومنین کے درمیان شبہات کو پھیلانے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ ''قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا''

۲۔ نہ تو فقر و فاقہ اور کمزوری کی اہمیت ہے اور نہ ہی تونگری، قصرنشینی اور مالدار ہونا اہم ہے۔ اصل قدر و قیمت علم و آگاہی کے ساتھ خدا کے راستے کا انتخاب کرنے کی ہے، ایمان، تقویٰ، جہاد اور ہجرت کی اہمیت ہے۔

(گذشتہ آیت میں قصر سازی کو خدا تعالیٰ کی نعمت میں شمار کیا گیا ہے بشرطیکہ موجب فساد نہ بنے اور اس جگہ پر مستضعفین کے مومن گروہ کی ستائش کی گئی ہے نہ کہ سب کی۔) ''اٰمَنَ مِنْهُمْ''

۳۔ انبیاء کے بیشتر پیروکار مستضعفین اور پسے ہوئے لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ ''لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ''

۴۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر مستضعفین کے ایمان لانے کا عامل صرف مادی فکر نہیں ہوتا تھا کیونکہ بہت سے مستضعفین صاحب ایمان نہیں تھے۔ ''اٰمَنَ مِنْهُمْ''

۵۔ دلوں میں شک وشبہ ایجاد کرنا، ایمان کو کمزور کرنے کا ایک شیوہ ہے۔ ''اَتَعْلَمُوْنَ۔۔۔؟''

۶۔ کسی معاشرے کے راہبر کو کمزور کر دینا، دشمن کا اصل ہتھیار اور اس کے اصل اہداف میں شامل ہے۔ ''اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ''

۷۔ اگرچہ ماحول اور معاشرے کا بھی اثر ہوتا ہے لیکن ماحول اور معاشرہ کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ (غریب مستضعفین نے مالدار اور تونگر متکبرین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا: ''ہم صالح پر ایمان رکھتے ہیں۔'') ''اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴿۷۵﴾''

۸۔ مخالفین کے شبہات کا واضح طور پر حتمی انداز میں جواب دینا چاہیے۔ ''اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴿۷۵﴾''

۹۔ پیغمبر کے تمام احکام وفرامین پر ایمان رکھنا چاہیے۔ ''بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴿۷۵﴾''

۱۰۔ متکبرین اپنے کفر اور ضد کے علاوہ مستضعفین کے ایمان سے بھی نفرت کرتے ہیں۔ ''اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴿۷۶﴾'' نہیں کہا: ''اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴿۷۶﴾''

آیت نمبر ۷۷

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴿۷۷﴾

ترجمۃ الآیات

پس ان (متکبرین) نے ناقہ (صالح) کو پے کر کے قتل کر دیا اور اپنے پروردگار کے فرمان سے منہ موڑ لیا اور کہا: اے صالح! تم اگر خدا کے بھیجے ہوئے ہو تو جس عذاب کا تم وعدہ کرتے ہو، اُسے ہمارے لیے لے آؤ۔ (۷۷)

نکات:

☆ ''عَقَرَ'' کا معنی ہے ''پے کرنا'' یعنی ایسی مخصوص محکم ومضبوط رگ کو کاٹ دینا ہے جو اونٹ یا گھوڑے کے پاؤں کے پچھلے حصے میں ہوتی ہے اور ان کی حرکت کا اہم سبب ہوتی ہے۔ اگر اسے کاٹ دیا جائے تو جانور زمین پر گر پڑتا ہے اور چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہتا۔

☆ سورت قمر میں ''عَقَرَ'' مفرد کی صورت میں استعمال ہوا ہے کیونکہ قاتل ایک ہی شخص تھا۔ جبکہ یہاں (سورۃ شمس، شعراء اور ہود) میں جمع کی صورت میں آیا ہے، کیونکہ اس کے پے کرنے کی نسبت ان سب لوگوں کی طرف دی گئی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ تمام لوگ اس تجاوز پر سکوت اختیار کیے ہوئے تھے اور رضامندی کا اظہار کر رہے تھے لہٰذا وہ بھی شریک جرم محسوب ہونگے۔

حضرت علی علیہ السلام بھی اس بارے میں فرماتے ہیں: لوگوں کی تقدیر کے فیصلے میں ان کی رضایت اور دشمنی کا کردار بھی شامل ہے، جس طرح ناقہ صالح کو ایک شخص نے پے کیا تھا لیکن چونکہ باقی لوگ اس عمل پر راضی تھے لہٰذا ان کے گناہ میں شریک ہو گئے اور اس کے نتیجہ میں سب پر عذاب نازل ہوا۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۲۰۱)

پیغام:

ا۔ کفر، تجاوز کی راہ ہموار کرتا ہے۔ ''کٰفِرُوۡنَ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا۔۔۔''

۲۔ کسی گناہ پر خاموشی اختیار کر لینا اور اس پر راضی رہنا، خود گناہ میں شرکت حساب ہوتا ہے۔ ''عَقَرُوا'' اس کے باوجود کے قاتل صرف ایک ہی شخص تھا۔

۳۔ اونٹنی کا قتل کر دینا اتنا اہم نہیں تھا جتنا حق کے فرمان سے انکار اور نافرمانی کرنا اہم ہے۔ ''وَعَتَوۡا عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهِمۡ''

۴۔ الٰہی احکام کا منشا اس کی ربوبیت ہے۔ ''اَمۡرِ رَبِّهِمۡ''

۵۔ تکبر، جسارت اور گستاخی کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔ ''ائۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ''

آیت نمبر ۷۸

فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ﴿۷۸﴾

ترجمۃ الآیات

پس زلزلے نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، جب صبح ہوئی تو ان کی کیفیت یہ تھی کہ اپنے گھروں میں منہ کے بل اوندھے گرے مرے پڑے تھے۔ (۷۸)

نکات:

☆ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ قوم ثمود کی ہلاکت رجفہ، زلزلے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ جبکہ سورۃ فصلت کی آیت ۱۴ اور سورۃ ذاریات کی آیت ۴۴ میں ان کی ہلاکت کا موجب بجلی کی گرج چمک کو بتایا گیا ہے۔ ''فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ﴿۴۴﴾'' یعنی گرنے والی بجلی نے انہیں اس وقت تباہ کر دیا جب وہ دیکھ رہے تھے۔

شاید اس سے مراد یہ ہو کہ یہ قوم بیک وقت دو قسم کے عذابوں میں گرفتار ہوئی ہے اور شاید رجفہ سے مراد جسم پر لرزہ کا طاری ہونا ہے جس کی وجہ زلزلہ نہیں بلکہ اندرونی خوف ہو۔

☆ ''جٰثِمِ'' کا لفظ ''جثم'' سے ہے جو کہ ''خشم'' کے وزن پر ہے۔ اس کا معنی ہے کہ گھٹنے کے بل بیٹھ جانا یا سینے کے بل گر پڑنا۔ گویا رات کے وقت میں جب وہ آرام کر رہے تھے، عذاب نازل ہوا، وہ جاگے لیکن بھاگنے یا فرار کرنے کی

فرصت نہ ملی اور اسی نیم دراز حالت میں ہلاک ہو گئے۔ (تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔ خبردار رہیں کہ خدائی عذاب ناگہانی آتا ہے۔ ''فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ''

۲۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ قدرتی آفات اور زلزلے عذاب الٰہی ہوں۔ ''فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ''

۳۔ انبیاء کے وعدے ضرور پورے ہوتے ہیں لہٰذا ان کی تنبیہات کو مذاق نہ سمجھیں۔ (گذشتہ آیات میں تنبیہ کی گئی تھی) ''لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴿۷۳﴾'' اس ناقہ کو کوئی تکلیف نہ دو ورنہ تمہیں عذاب الیم اپنی گرفت میں لے لے گا۔ چنانچہ رجفہ اور وعید یہی زلزلہ ہے اور اسی میں ''عذاب الیم'' ہے۔ ''فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ''

آیت نمبر ۷۹

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ﴿۷۹﴾

ترجمة الآيات

پس (صالح نے) ان سے منہ پھیر لیا اور کہا: اے میری قوم! میں نے اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا اور میں نے تمہیں نصیحت کی لیکن تم ہمدرد اور نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ (۷۹)

نکات:

☆ حضرت صالحؑ کی اس گفتگو کے بارے میں دو احتمال ہیں: ایک تو یہ کہ ممکن ہے عذاب سے پہلے انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ یہ باتیں کی ہوں، جو کہ اتمام حجت کے عنوان سے ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ان کی ہلاکت کے بعد انہوں نے ایسا کہا ہو! جیسا کہ حضرت رسول خداؐ نے چاہ بدر کے کنارے پر کھڑے ہو کر مردہ کفار کے ساتھ باتیں کی تھیں۔ صحابہ نے پوچھا کہ آیا یہ لوگ سن رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں! آپ لوگ ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہیں۔ (بحار، ج ۶، ص ۲۰۷ اور ۲۵۴)

پیغام:

۱۔ کبھی غیظ و غضب اور رابطہ منقطع کرنا بھی تربیت و تبلیغ کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ ''فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ''

۲۔ خدائی سزائیں اتمام حجت کے بعد ہی ملتی ہیں۔ ''قَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ''

۳۔ انبیاء کا پروگرام، ہمدردی اور خیر خواہی پر مبنی ہوتا ہے، صرف خشک اور بے روح سرکاری دفتری حکم نامہ جاری کرنے کے انداز میں نہیں ہوتا۔ ''قَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ ۔۔۔ وَ نَصَحۡتُ لَکُمۡ''

۴۔ نصیحت کرنے والوں سے محبت کریں۔ معاشرے کے ہمدرد افراد کی باتوں سے لا پروائی، خدا کے قہر کو دعوت دینا ہے۔ ''وَ لٰکِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِیۡنَ﴿۷۹﴾''

۵۔ پیروی کرنے کیلئے محبت رکھنا ضروری ہے۔ ''وَ لٰکِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِیۡنَ﴿۷۹﴾''

آیت نمبر ۸۰۔۸۱

وَ لُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مَا سَبَقَکُمۡ بِہَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ﴿۸۰﴾

اِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَہۡوَۃً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ﴿۸۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور (یاد کرو کہ) لوط کو (لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ایسا برا فعل انجام دیتے ہو، جس کو تمام جہانوں میں کسی نے انجام نہیں دیا؟ (۸۰)

تم لوگ تسکین شہوت کے لیے مردوں کی طرف جاتے ہو نہ کہ عورتوں کی طرف (بلکہ) تم تجاوز کرنے والے لوگ ہو۔ (۸۱)

نکات:

☆ حضرت لوطؑ جناب ابراہیمؑ کے رشتہ دار تھے۔ وہ اکیلے شخص تھے جو اُن پر ایمان لائے اور ان کے ساتھ ہجرت کی۔ ''فَاٰمَنَ لَہٗ لُوۡطٌ ۘ'' (عنکبوت۔۲۶) حضرت ابراہیمؑ نے انہیں ایسے علاقے میں تبلیغ کے لیے بھیجا جہاں یہ برائی عام تھی۔ اس لیے حضرت لوطؑ کی اصل ذمہ داری جنسی برائی اور منکرات کے ساتھ مقابلہ کرنا تھا جو کہ معاشرے کی اہم مشکل تھی۔

☆ حضرت لوطؑ کی قوم کے افراد اپنے مہمانوں کے ساتھ لواط جیسا قبیح عمل انجام دیتے تھے تا کہ لوگ ان کا مہمان بننے سے ڈریں۔ قرآن مجید کے بقول حضرت لوطؑ نے انہیں اپنی لڑکیوں کے ساتھ شادی کرنے کی پیشکش کی لیکن انہوں نے اسے مسترد کر دیا۔

☆ ازدواج اور نکاح میں چند خوبیاں ہیں جو لواط اور زنا میں نہیں ہیں۔ منجملہ:

۱۔ انس ومحبت اور پیار ورحمت

۲۔ خانوادگی نظام کی تشکیل

۳۔ اولاد اور نسل کی بقا

۴۔ انسانی اور فطری طریقہ کار

☆ بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مغربی ممالک نے ہم جنس پرستی کو رسمی حیثیت دے دی ہے اور بعض ممالک نے اسے باقاعدہ قانونی شکل بھی دے دی ہے۔

☆ قوم لوط، لواط کے علاوہ جوا کھیلتی تھی، بدزبانی کرتی، یہ لوگ راہ گیروں کی توہین کرتے، مزاحمت ایجاد کرتے تھے اور عام لوگوں کے سامنے ننگے ہو جاتے تھے۔ (سفینۃ البحار)

☆ لواط کے فلسفہ حرمت کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: لواط کی وجہ سے شوہر اور بیوی کے درمیان عائلی رشتہ کمزور پڑ جاتا ہے، اولاد اور نسل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، فطری جنسی ملاپ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے فساد شروع ہو جاتے ہیں۔ (وسائل، ج ۱۴، ص ۲۵۲)

☆ اسلام میں ہم جنس پرستی اور لواط (خواہ فاعل ہو یا مفعول) دونوں کیلئے سزا پھانسی ہے۔

☆ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: خدا کی لعنت ہو ایسے مردوں پر جو خود کو عورتوں کے جیسے بناؤ سنگار کر کے ہوس پرست مردوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ (تفسیر نمونہ؛ وسائل، ج ۱۴، ص ۲۵۵)

امام جعفر صادقؑ نے بھی فرمایا: ہم جنس پرستی کرنے کے وقت عرش خدا لرز جاتا ہے۔ جبکہ قیامت کے دن ایسا فعل انجام دینے والے شخص ناپاک صورت میں محشور ہونگے اور غضب الٰہی کا شکار ہونگے اور ان کی جگہ ومقام جہنم ہے۔ (تفسیر نمونہ؛ وسائل، ج ۱۴، ص ۲۴۹)

پیغام:

۱۔ ہم جنس پرستی اور لواط کا عمل، کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور انتہائی قبیح فعل ہے۔ ''اَلۡفَاحِشَۃَ''

۲۔ اگر بت پرستوں کے پاس یہ بہانہ تھا کہ ان کے آباؤ واجداد ایسا کام کرتے تھے تو فحاشی اور بدکاری کے پیروکاروں

کے پاس یہ بہانہ بھی نہیں تھا، اس بدکاری اور گناہ کے موجد وہ خود آپ ہی تھے۔ ''مَا سَبَقَكُمْ''

۳۔ برے اعمال کو ایجاد کرنے والے، بڑے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور بیشترین مذمت و ملامت کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔ ''مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ۝۸۰''

۴۔ جو فطری راہوں کے استعمال کو چھوڑ کر دوسرے راستوں پر جاتا ہے وہ اسراف کرنے والوں میں سے ہے۔ ''مُّسْرِفُوْنَ۝۸۱'' شہوت کو غیر فطری طریقہ پر تسکین کرنا اسراف ہے۔

۵۔ لواط، معاشرے میں موجود عورتوں کے حقوق کو ضائع کرنا اور ان کے حقوق پر تجاوز کرنا ہے۔ ''دُوْنِ النِّسَآءِ ط بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ۝۸۱''

آیت نمبر ۸۲

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ۝۸۲

ترجمۃ الآیات

لیکن لوط کی قوم کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ ان (لوط اور ان کے ماننے والوں) کو اپنی آبادی سے باہر نکال دو، یہ لوگ اپنے آپ کو پاکدامن ظاہر کرنے والے ہیں۔ (یہ ہم میں سے نہیں ہیں۔) (۸۲)

نکات:

☆ بعض انبیاء کیلئے ''أخاهم'' کی تعبیر استعمال ہوئی ہے۔ لیکن حضرت لوطؑ کے بارے میں ایسی تعبیر استعمال نہیں ہوئی۔ شاید اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ حضرت لوطؑ ایک اور علاقے سے ان لوگوں کو تبلیغ کرنے کیلئے ہجرت کر کے آئے تھے۔ چنانچہ کفار بھی ''قَرْيَتِكُمْ'' کہہ کر لوگوں کو بتایا کرتے تھے کہ وہ مہاجر ہے اور آپ کے اپنے علاقے کا رہنے والا نہیں ہے۔ یا اس سے مراد یہ تھی کہ چونکہ وہ تمہارے رسم و رواج کو قبول نہیں کرتا، وہ خارجی ہے لہٰذا اسے اپنی سرزمین سے باہر نکال دو۔

پیغام:

۱۔ برائیوں میں سے ایک یہ ہے کہ نصیحت کرنے والوں کے ساتھ بے دلیل اور غیر منطقی رویہ اپنایا جائے۔ ''مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ ---''

۲۔ نہی عن المنکر کی راہ میں جلاوطنی اور مشکلات کے گھراؤ کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ ''اَخْرِجُوْهُمْ''

۳۔ مجرمین، پاکدامن لوگوں کے لیے معاشرہ میں زندہ رہنے کا حق بھی نہیں مانتے۔ ''اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ''

۴۔ جب کسی معاشرے میں بے حیائی عام ہوجاتی ہے تو اس میں نیک پاک لوگوں کو گوشہ گمنامی اختیار کردینے پر مجبور کر دیا جاتا ہے اور پاکیزگی جرم سمجھی جاتی ہے۔ ''اَخْرِجُوْهُمْ ---اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ﴿۸۲﴾''

۵۔ قوم لوط کو اس کے باوجود کہ گناہوں کی عادت ہوچکی تھی اور وہ خود گناہوں کی دلدل میں دھنس چکے تھے لیکن حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو پاک تصور کرتے تھے ''اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ﴿۸۲﴾''

۶۔ پاکیزگی سے زیادہ اہم، پاک رہنا اور نا اہل افراد کو اپنے کردار کے بڑھنے سے مایوس کر دینا ہے۔ ''يَّتَطَهَّرُوْنَ﴿۸۲﴾''(فعل مضارع ہے جو کہ استمرار کے معنی دیتا ہے۔)

آیت نمبر ۸۳

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴿۸۳﴾

ترجمۃ الآیات

پس ہم نے لوط اور اس کے خاندان کو نجات دی سوائے اس کی بیوی کے کہ وہ (خاکستر عذاب میں) باقی رہنے والی تھی۔ (۸۳)

نکات:

☆ ''غابر'' کا معنی باقیماندہ ہے۔ ایسا شخص جس کے ساتھی چلے جائیں اور وہ باقی رہ جائے۔ بنابرایں جناب لوطؑ اور ان کے ساتھی شہر سے باہر نکل گئے اور عذاب کے لیے راہ ہموار ہوگئی۔

☆ ''اہل'' قریبی ترین رشتہ داروں اور سچے پیروکاروں کو کہا جاتا ہے لیکن سورۃ ذاریات کی آیت ۳۶ کے مطابق جناب لوط کے قریبی ترین رشتہ داروں کے علاوہ کوئی ان پر ایمان نہیں لایا تھا۔

پیغام:

۱۔انسان آزاد ہے اور وہ اپنا راستہ خود انتخاب کرتا ہے۔(پیغمبر کی زوجہ اس کے باوجود کہ وحی کے گھر میں کھا پی رہی تھی ،اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ کفر کا راستہ انتخاب کرلے جبکہ فرعون کی زوجہ نے توحید کا راستہ چن لیا تھا۔)''اِلَّا امۡرَاَتَہٗ ''اس بنا پر ہر جگہ انسانی تفکر،اخلاقیات اور ارادے و فیصلے،معاشیات کے تحت یا کسی کے زیر کفالت ہونے کی وجہ سے متاثر نہیں ہوتے۔

۲۔اسلام میں انسان کی نجات کا سبب اس کا دینی تعلق ہے،رشتہ داری والا تعلق نہیں۔''اِلَّا امۡرَاَتَہٗ ''پس ہر کسی کے عمل کا نتیجہ خود اس کے عمل کی بنیاد پر ہے۔

۳۔الٰہی قائدین کے عزیز رشتہ داروں کا حساب،خود اُن کے حساب سے الگ ہوتا ہے۔''اِلَّا امۡرَاَتَہٗ ''

۴۔اسلام میں عورت بھی مرد کی مانند ایک الگ وجود ہے۔''اِلَّا امۡرَاَتَہٗ ''دوسری طرف کسی کی حیثیت اور اس کا تقدس قریبی رشتہ داروں کی خلاف کاریوں کیلئے جائز ہونے کی دلیل نہیں۔

آیت نمبر ۸۴

وَاَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہِمۡ مَّطَرًا ؕ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۸۴﴾

ترجمۃ الآیات

(پھر اس کے بعد)ہم نے ان پر خوب بارش برسائی(پتھروں کی بارش تاکہ ان کو نیست و نابود کردے)اب دیکھو مجرموں کا انجام کیا ہوا۔(۸۴)

نکات:

☆ قوم لوط کی ہلاکت ان کے سروں پر آسمانی پتھروں کی بارش سے ہوئی۔ایسے پتھر جو ڈھیلوں کی مانند نشان لگائے ہوئے تھے۔چنانچہ سورت ہود میں ارشاد ہوا:''وَاَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہَا حِجَارَۃً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۬ۙ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَۃً عِنۡدَ رَبِّکَ ؕ'' یعنی ہم نے اس بستی پر ڈھیلے نما پتھر برسائے جن پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نشان بنائے ہوئے تھے۔(ہود۔۸۲و۸۳)

پیغام:

۱۔فطری راہوں کو تبدیل کرنا (مردوں کے ذریعہ جنسی خواہش کی تکمیل کرنا یا ہم جنس بازی کرنا) خدا کے مقرر کردہ راستوں میں تبدیلی کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔اسی لیے اس کی سزا بھی بارش کے پانی کی بجائے پتھروں کی بارش ہوتی ہے۔''وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ''

دعائے کمیل میں ہم پڑھتے ہیں:''اللھم اغفرلی الذنوب التی تغیر النعم''

۲۔خدا تعالیٰ کا قہر وغضب صرف آخرت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ کبھی اسی دنیا میں بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔''اَمْطَرْنَا''

۳۔تاریخ اور گذشتہ لوگوں کی سرنوشت سے عبرت حاصل کریں۔''فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾''

۴۔خدائی قہر کسی خاص گنہگار طبقے سے مخصوص نہیں ہے، عذاب ہر گنہگار کے تعاقب میں ہے، اس لیے سب مجرمین کو خبردار رہنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے طریقہ کار میں تبدیلی اور چھوٹ نہیں۔''عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾''

آیت نمبر ۸۵

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور مدین (کے لوگوں) کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا)، اس نے کہا: اے میری قوم! (صرف) خدا کی پرستش کرو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تمہارے پروردگار کی جانب سے (معجزہ) روشن دلیل آچکی ہے۔ بنابریں (لین دین میں) جو پیمانہ

اور ترازو کا حق ہے اسے ادا کرو اور لوگوں کے مالوں میں سے کچھ کم نہ کرو۔ اور جبکہ (ایمان اور دعوت انبیاء کی وجہ سے) روئے زمین پر اصلاح ہو چکی، اس میں فساد نہ کرو، یہ تمہارے واسطے بہتر ہے اگر تم باایمان ہو۔ (۸۵)

نکات:

☆ اس سورۃ میں انبیاء کے بارے میں یہ پانچویں کہانی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی داستان متعدد سورتوں منجملہ سورۃ ہود اور شعرا میں بھی بیان ہوئی ہے۔

☆ مدین شام کے شہروں میں سے ایک تھا۔ جغرافیہ کے اعتبار سے آج یہ اردن کے نزدیک ہے اور اس کا نام معان ہے۔ سرسبز علاقہ تھا، یہاں کے لوگ بت پرست تھے، تقریباً سبھی لوگ مالدار اور خوشحال تھے لیکن معاملات میں اور ناپ تول میں کم فروش تھے۔ حضرت شعیبؑ ان کے درمیان مبعوث ہوئے لیکن آخرکار وہ قوم ضد اور نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہوگئی۔

اس کے بعد حضرت شعیبؑ ''ایکہ'' کی طرف مبعوث ہوئے اور ان کی رشد و ہدایت کرنے لگے۔ ان لوگوں نے بھی خدا تعالیٰ کے احکام کو قبول نہ کیا اور آخرکار ہلاک ہوگئے۔ ''كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ۔۔۔'' (شعراء۔۱۷۶۔۱۷۷)

البتہ اس چیز کا احتمال ہے کہ مدین وہی ایکہ ہو کیونکہ ایکہ ایسے علاقے کو کہتے ہیں جہاں گھنے درخت ہوں، نیزار اور نخلستان ہوں۔ یعنی جناب شعیب کے شہر کے دو نام تھے: مدین اور ایکہ۔

☆ بے ایمان انسان ہمیشہ گمراہی اور فساد کا شکار رہتا ہے۔ لیکن ہر زمانے میں مختلف طرح سے ہوتا ہے جیسے حضرت لوط کے دور میں لواط اور اخلاقی فساد میں گرفتار تھے جبکہ حضرت شعیبؑ کے دور میں کم فروشی اور معاشی فساد عام تھا۔

پیغام:

۱۔ حضرت شعیبؑ کا لوگوں کے ساتھ رویہ ہمدردانہ اور برادرانہ تھا، شاید اہل مدین کے ساتھ ان کی کوئی نسبت بھی تھی۔ ''اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ط''

۲۔ تبلیغ و تربیت ہمیشہ ہمدردی، پیار و محبت کے ہمراہ ہونی چاہیے۔ ''قَالَ يٰقَوْمِ''

۳۔ توحید اور یکتا پرستی، انبیاء کی دعوت کا مرکزی محور ہے۔ ''اعْبُدُوا اللّٰهَ۔۔۔''

۴۔ معجزہ اور انبیاء کے دلائل، لوگوں کی رشد و ہدایت کیلئے ہوتے ہیں اور یہ خدا تعالیٰ کی ربوبیت کے ساتھ وابستہ ہیں ۔''بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ''

۵۔ شرک اور اعتقادی انحراف کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا سب سے اہم مسئلہ اقتصادی گمراہی تھا۔''

اعْبُدُوا اللّٰهَ۔۔۔فَاَوْفُوا الْكَيْلَ‘‘

۶۔کم فروشی، لین دین میں جعل سازی اور معاشی واقتصادی خلل اندازی، لوگوں کی چیزوں کو کم اہمیت دیکھانا، حرام ہے اور فساد کے مصادق میں سے ہے۔’’لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا‘‘

۷۔انبیاء کرام معاشرے کے اقتصادی مسائل پر بھی نگران ہیں۔ وہ لوگوں کی مادی ترقی وخوشحالی بھی چاہتے ہیں۔اس مقصد کے حصول کے لیے بھی ہدایت دیتے ہیں۔’’لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ ‘‘ دین اور اس قسم کے پروگرام، دنیا کی زندگی سے الگ نہیں ہیں۔

۸۔کام چوری بھی کم فروشی کی طرح جرم ہے۔اسی لیے’’اَمْوَالَهُمْ ‘‘ کی بجائے’’اَشْيَآءَهُمْ‘‘فرمایا ہے تاکہ ہر چیز شامل ہوجائے۔

۹۔کامل ایمان اور متعادل اقتصاد ہوتو اس سے دین ودنیا کی سلامتی یقینی ہوجاتی ہے۔’’ذٰلِكُمْ خَيْرٌ‘‘

۱۰۔انبیاء کے احکام اوران کی طرف سے خبردار کرنا، ہرایک میں خیر پائی جاتی ہے جوکہ انسان کی سعادت وکامیابی کا باعث ہے۔’’ذٰلِكُمْ خَيْرٌ‘‘

۱۱۔کاروبار زندگی اور عدالت اجتماعی کا ضامن، ایمان ہے۔’’لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ۔۔۔اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۸۵﴾‘‘ انبیاء کے دور میں ہی نہیں بلکہ ہر دور میں ایمان کے اثرات ایسے ہی ہیں۔

آیت نمبر ۸۶

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴿۸۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہر راستے پر نہ بیٹھو تاکہ (باایمان لوگوں کو) دھمکیاں دو اور مومنوں کو راہ راست سے روکو اور (طرح طرح کے شبہے ڈال کر) اس راہ کو ٹیڑھا دکھلاؤ۔ اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ تم تھوڑے تھے، تم کو کثرت عطا کی اور دیکھو کہ مفسدوں کا کیا انجام ہوا! (۸۶)

نکات:

☆ ہر راہ پر بیٹھنے سے مراد ممکن ہے کہ راستوں، سڑکوں اور گلی کوچوں میں فتنہ برپا کرنے کی غرض سے بیٹھنے سے منع کیا گیا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فتنہ وفساد برپا کرنے کے لیے ہر راستہ اور ہر قسم کا طریقہ کار اختیار کرنا مراد ہو جیسا کہ آیت ۱۶ میں ہم نے پڑھا کہ شیطان نے قسم کھائی کہ انسان کو گمراہ کرنے کیلئے راہ حق پر کمین لگا کر بیٹھے گا" لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١٦﴾ "اس سے مراد ظاہری طور پر بیٹھنا نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔ حق کے دشمن راہ خدا سے لوگوں کو روکنے کیلئے ہر جگہ گھات لگائے بیٹھے ہیں، ہر راستے اور ہر طریقہ کار سے استفادہ کر رہے ہیں۔" وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ "

۲۔ لوگوں کو ڈرانا، وحشت زدہ کرنا اور ان کیلئے مزاحمت ایجاد کرنا، کسی قسم کی پریشانی کھڑی کرنا، ممنوع ہے۔" تُوْعِدُوْنَ "

۳۔ دشمن کوشش کرتا ہے کہ دین کے چہرے کو مسخ کردے اور لوگوں میں اسے برا بنا کر پیش کرے۔" تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ "

۴۔ آبادی میں کثرت بھی (نظم وانتظام اور منصوبہ بندی کے تحت) ایک اہمیت کی حامل ہے۔" فَكَثَّرَكُمْ "

۵۔ عوام کی تربیت اور ہدایت کے عوامل میں سے ایک یہ ہے کہ نعمات کی طرف متوجہ کیا جائے اور گذشتہ لوگوں کی یاد کو زندہ رکھا جائے۔" وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا "

۶۔ تاریخ کا مطالعہ اور اس سے درس عبرت لینا، خدائی حکم ہے۔" وَانْظُرُوْا كَيْفَ ---"

۷۔ لوگوں کی زندگی کا مطالعہ کرتے وقت ان کے انجام کو پیش نظر رکھا کرو کہ ان کا انجام کیا ہوگا؟ یہ نہ دیکھو کہ اس نے وقتی طور پر کیا کارنامے سرانجام دیے ہیں؟" عَاقِبَةُ "

۸۔ راہ خدا کو بند کرنا یا اس سے منحرف کرنا، ایک طرح کا فساد ہے۔" تُوْعِدُوْنَ --- عِوَجًا --- الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ "

آیت نمبر ۸۷

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ

يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٧﴾

ترجمة الآيات

اور اگر تم میں سے ایک گروہ اس چیز پر ایمان لے آیا ہے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا تھا، تو پھر بھی (جلد بازی سے کام نہ لو کہ خدا کا لطف وکرم یا اس کی سزا اور عذاب کا کیا بنا؟) صبر کرو تا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۸۷)

نکات:

☆ حضرت شعیب کے مخالفین بڑی جسارت کے ساتھ کہا کرتے تھے: اور کہاں ہے خدا کا قہر وغضب؟ جبکہ ان کے ماننے والے اور اطرافی لوگ خدائی امداد کے منتظر تھے۔ اسی لیے آیت دونوں تمناؤں کا جواب دے رہی ہے تا کہ نہ تو کفار مغرور ہو جائیں اور نہ ہی مومن مایوس ہوں۔

پیغام:

۱۔ پیغمبر کے فرائض، دستورات الٰہی اور دین کا ابلاغ ہے۔ ''اُرْسِلْتُ'' اس چیز کو قبول کرنے یا نہ کرنے میں لوگ بھی آزاد ہیں اور اختیار رکھتے ہیں۔ ''طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا''

۲۔ مکتب انبیاء یا دین الٰہی میں انبیاء کے ہدف اور مشن پر ایمان اہم ہوتا ہے، ''اُرْسِلْتُ'' یعنی اس چیز پر ایمان جس کیلئے میں آیا ہوں۔

۳۔ حق اور باطل کے طرفداروں کی تاریخ کو اس حوالے سے بغور مطالعہ کرنا چاہیے کہ ان کے کاموں کا انجام کیا ہوا؟ ''فَاصْبِرُوْا''

۴۔ لوگوں میں سے ایک گروہ کا کافر ہو جانا، ہمیں متزلزل نہ کر دے کیونکہ حقیقی حاکم خدا تعالیٰ ہے۔ ''فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ''

۵۔ جو یہ جانتا ہے کہ خداوند بہترین اور برترین فیصلہ کرنے والا ہے تو وہ صبر کرتا ہے، کیفر کردار اور پاداش عمل کیلئے بے تابی نہیں کرتا۔ ''فَاصْبِرُوْا --- وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٧﴾'' چنانچہ دوسروں کے حکم کرنے سے بھی نہیں گھبراتا، اسے دوسروں کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

پارہ نمبر ۹

آیت نمبر ۸۸

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمۃ الآیات

اس (شعیب) کی قوم کے طاقتور اور متکبر لوگوں نے کہا: اے شعیب ہم قسم کھاتے ہیں کہ تم کو اور جو لوگ تم پر ایمان لائے ہیں ان کو ہم اپنی آبادی سے باہر نکال دیں گے یا تم ہماری ملت کی طرف پلٹ آؤ۔ (شعیب نے) جواب دیا (تم چاہتے ہو کہ ہم کو پلٹاؤ) چاہے ہم اسے ناپسند کرتے ہوں؟ (۸۸)

نکات:

☆ دیس نکالے اور جلاوطنی کی دھمکی تقریباً ہر نبی کو ملتی رہی ہے۔ کافروں کی طرف سے اپنے پیغمبروں کو ایسی زور گوئیاں اور دھمکیاں اکثر دی جاتی رہی ہیں، ہم پڑھتے ہیں: ''قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ'' کفار اپنے انبیاء سے کہا کرتے تھے کہ یا تو ہماری ملت میں شامل ہو جاؤ ورنہ ہم تمہیں باہر نکال دیں گے۔ (ابراہیم۔ ۱۳)

☆ کوئی بھی نبی رسالت سے پہلے مشرک یا بت پرست نہ تھا۔ اس کے باوجود مشرکین کے ساتھ ان کا رویہ بہت نرم تھا۔ عملی طور پر رسالت کی ذمہ داری ملنے کے بعد عزم، ارادے اور مضبوط حوصلے کے ساتھ لوگوں کی ہدایت کیا کرتے تھے اور مشرکین کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے۔ لہٰذا ''لَتَعُوْدُنَّ'' کا خطاب انبیاء کے پیروکاروں کیلئے ہے، خود انبیاء کیلئے یہ خطاب نہیں ہے۔ (تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔ متکبر اشراف، انبیاء کے دشمن تھے۔ ’’قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ‘‘

۲۔ دلیل پیش کرنا اور منطق کے ذریعے بات کرنا، انبیاء کا شیوہ ہے۔ ’’جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ‘‘ (اعراف۔ ۸۵) لیکن کافروں کا طریقہ کار زور گوئی اور دھمکی ہے۔ ’’لَنُخْرِجَنَّكَ‘‘

۳۔ مبلغین کو دشمنوں کی دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس راستے میں قتل اور جلاوطن کر دینے کی دھمکیاں ہمیشہ رہی ہیں۔ ’’لَنُخْرِجَنَّكَ‘‘

۴۔ عقائد کو زبردستی ٹھونسنا، کفار کا شیوہ ہے اور زبردستی کے دین کا کوئی فائدہ نہیں۔ ’’لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ۟ۚ‘‘

۵۔ کفار کے جاہلانہ سلوک کے مقابلے میں ادب، نرم گفتاری اور حکمت بھرے کلام سے استفادہ کرنا چاہیے۔ ’’اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ۟ۚ‘‘

آیت نمبر ۸۹

قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ۟

ترجمۃ الآیات

(حضرت شعیب نے مخالفین سے کہا:) جب اللہ نے ہمیں تمہاری ملت سے نجات دی ہے، ہم دوبارہ اس میں لوٹ جائیں تو یقیناً ہم خدا پر جھوٹ باندھیں گے۔ یہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا کہ تمہارے دین کی طرف پلٹ جائیں۔ مگر یہ کہ خدا چاہے وہ ہمارا پروردگار ہے۔ (اور خدا بھی ہرگز نہیں چاہے گا۔) ہمارا پروردگار ہر چیز کا علمی احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہم خدا پر توکل کر چکے

ہیں ۔ پروردگارا! تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان برحق فیصلہ کر اور راستہ کھول دے، کیونکہ تو بہترین فیصلہ کرنے والا اور راستہ کھولنے والا ہے ۔

نکات:

☆ ''ملت'' کا معنی دین، آئین، مذہب اور دھرم ہے ۔ چنانچہ ہم پڑھتے ہیں: ''مِلَّةَ اَبِيۡكُمۡ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ '' (حج ۔ ۷۸)

☆ اس جیسے موارد میں ''فتح'' سے مراد قضاوت کرنا، کسی راہ حل کیلئے فیصلہ کرنا ہے یعنی آخری بات کو خدا تعالیٰ فرماتا ہے تا کہ راہ حل سجھائی نہ دینے والی حالت سے باہر نکلے اور کوئی راستہ دیکھائی دے ۔

☆ چونکہ حضرت شعیبؑ کے پیروکار دلیل و برہان کی بنیاد پر دین کو قبول کر چکے تھے ۔ ہوس اور کسی نفسانی خواہش کی بنیاد پر نہیں ۔ لہٰذا وہ اسے کسی صورت میں نہیں چھوڑ سکتے تھے ۔ خداوند عالم بھی انہیں کسی صورت میں کفر اور شرک کی طرف بازگشت کا حکم نہیں دے گا ۔ اس لیے کہ اگر وہ ایسا حکم دیتا ہے تو پھر یہ یوں تصور ہوگا کہ وہ اپنے ہی بنائے ہوئے قانون سے پسپائی اختیار کرتا ہے، اپنے کیے پر پشیمان ہے، جبکہ خدا تعالیٰ ہرگز ایسا نہیں ہے ۔

پیغام:

۱ ۔ ارتداد اور عقائد حقہ سے پلٹ کر عقائد باطلہ کو اپنانا، خدا تعالیٰ کیلئے شریک کا قائل ہونا، گویا خدا پر افترا پردازی اور اس کے ساتھ کیے ہوئے پیمان کو توڑنا ہے ۔ ''قَدِ افۡتَرَيۡنَا ۔ ۔ ۔ وَمَا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّعُوۡدَ''

۲ ۔ شرک سے دوری کے بعد اسیر ہونا اور توحید اختیار کرنا، نجات کا راستہ ہے ۔ ''بَعۡدَ اِذۡ نَجّٰٮنَا اللّٰهُ''

۳ ۔ مومن کسی بھی صورت میں عقائد کے بارے میں سودے بازی نہیں کرتا، راہ حق سے کبھی روگرداں نہیں ہوتا ۔ '' مَا يَكُوۡنَ لَنَاۤ ۔ ۔ ۔'' (اس کے نزدیک پچھلے پاؤں پلٹ جانا، رجعت پسندی شجرہ ممنوعہ ہے نیز ہر جگہ مصلحت اور خاموشی سے کام لینا بھی قابل قدر نہیں ہے ۔)

۴ ۔ ہدایت یا گمراہی، ارادہ الٰہی کے دائرہ میں ہے ۔ ''اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ''

۵ ۔ خدا تعالیٰ کے سامنے تسلیم ہونے اور اس کی ربوبیت کو قبول کرنے کی دلیل، اس کا لامتناہی علم ہے ۔ ''اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۔ ۔ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ؕ''

۶ ۔ خدا تعالیٰ پر ہمارے توکل کرنے کی دلیل بھی اس کا ہر چیز پر علم مطلق ہے ۔ ''وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡنَا ؕ ''

۷ ۔ ایمان میں پائیداری کیلئے خدا تعالیٰ سے مدد طلب کریں اور اُسی پر توکل کریں ۔ ''وَمَا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّعُوۡدَ فِيۡهَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡنَا ؕ ''

۸۔ایمان والوں کو دشمن کی ہر ناپاک اور سازش پر مبنی پیشکش کو ٹھکراتے ہوئے، توکل بر خدا کرتے ہوئے مضبوطی کے ساتھ کھڑے رہنا چاہیے۔''وَمَا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّعُوۡدَ فِيۡهَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡنَا ؕ''

۹۔خدا تعالیٰ پر اپنے تمام فیصلوں کو چھوڑ دینا، توکل، تسلیم و رضا کی ایک مثال اور مصداق ہے۔''عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡنَا ؕ رَبَّنَا افۡتَحۡ۔۔۔''

۱۰۔دعا میں اپنے مطالب اور اسمائے الٰہی کے درمیان تناسب کو ضرور پیش نظر رکھا جائے، چونکہ ایسے موقع پر''فتح'' کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا خدا کو''خَيۡرُ الۡفٰتِحِيۡنَ﴿۸۹﴾'' کہہ کر پکارتے ہیں۔''افۡتَحۡ۔۔۔ خَيۡرُ الۡفٰتِحِيۡنَ﴿۸۹﴾''

۱۱۔صحیح فیصلہ کرنے کیلئے ہر طرف کے علم و آگاہی کی ضرورت ہے۔فیصلہ کرنے کا حق اسی کا ہے جو ہر چیز سے آگاہ ہے۔''وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ؕ ۔۔۔رَبَّنَا افۡتَحۡ۔۔۔''

۱۲۔قضاوت اور فیصلہ دینا، خدا کی ربوبیت کا تقاضا ہے۔''رَبَّنَا افۡتَحۡ''

۱۳۔انبیاء کا مقصد اپنی بات کی بجائے حق بات کو ثابت کرنا اور اسے صحیح مقام تک پہنچانا ہے۔''افۡتَحۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَ قَوۡمِنَا بِالۡحَـقِّ''

آیت نمبر ۹۰۔۹۱

وَقَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لَـئِنِ اتَّبَعۡتُمۡ شُعَيۡبًا اِنَّكُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ﴿۹۰﴾

فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ﴿۹۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان (شعیب) کی قوم کے اس سردار گروہ نے کہا جو کافر ہو گئے تھے: اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو تم گھاٹے میں رہو گے۔(۹۰)

پس انہیں (ان کی دشمنی کی سزا میں) زبردست زلزلے نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تو جب انہوں نے صبح کی تو اپنے گھروں میں خاک ہلاکت میں منہ کے بل مرے ہوئے پڑے تھے۔(۹۱)

نکات:

☆ اس آیت میں ''الرَّجْفَةُ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جبکہ سورۃ ہود کی آیت ۹۴ میں ''الصَّيْحَةُ'' اور سورۃ شعراء آیت ۱۸۹ میں ''عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ.'' (ابر ہلاکت بار کا سایہ) مذکور ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسا زلزلہ تھا جس میں خطرناک آواز بھی تھی اور تباہ کن تاریک بادل بھی تھے۔ (تفسیر نمونہ)

یہ بھی ممکن ہے کہ ''الرَّجْفَةُ'' سے مراد ڈر وخوف کی وجہ سے جسم کا کانپنا اور مضطرب ہونا ہے نہ کہ زلزلے کی وجہ سے لرزہ طاری ہونا۔

☆ ۷۸ ویں آیت میں گذرا ہے کہ ''جاثم'' ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو منہ کے بل گرے یا گھٹنوں کے بل زمین پر گرے اور پھر اٹھنے کی سکت نہ رکھتا ہو۔

پیغام:

۱۔ انبیاء کے اکثر مخالف، طبقہ اشراف سے تھے۔ ''وَقَالَ الْمَلَاُ''

۲۔ لوگوں کو انبیاء کی پیروی سے روکنے کیلئے اقتصادی محاصرہ کی دھمکی دینا کفار کا قدیمی شیوہ چلا آ رہا ہے۔ (جب وہ دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان لانے سے باز نہیں آ رہے۔ تو وہ ایسی دھمکیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔) ''اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴿۹۰﴾''

کم فروشی کے ذریعے حاصل کیے گئے مال کو ہاتھ سے کھو دینا، کفار کی نظر میں ناقابل یقین اور ناقابل برداشت خسارہ ہے۔

۳۔ قہر الٰہی اور عذاب الٰہی زیادہ تر رات میں نازل ہوا کرتے ہیں۔ ''فَاَصْبَحُوْا'' رات کی تاریکی میں کوئی راز ہے کہ چونکہ وحی الٰہی بھی رات میں نازل ہوا کرتی تھی۔

آیت نمبر ۹۲

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ﴿۹۲﴾

ترجمۃ الآیات

جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی (وہ اس طرح نابود ہو گئے) گویا ان (گھروں) میں آباد

ہی نہ تھے۔ پس جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی وہی گھاٹا اٹھانے والے تھے۔ (۹۲)

نکات:

☆ ''یَغْنَوْا'' کا لفظ ''غنی'' سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے ''مکان میں رہنا ہے'' اور ''غنا'' کے معنی بے نیازی کے ہیں، یعنی جو شخص ایک پر آسائش اور مکمل طور پر آمادہ مکان میں رہتا ہے وہ بے نیاز ہے۔

☆ بہت بڑا خسارہ مشرکین کے لیے ہی ہے جو خداوند وحدہ لاشریک پر ایمان کی بجائے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور معصوم راہبر کی اطاعت کی بجائے غیروں کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ مطمئن زندگی کی بجائے خانہ خراب ہو چکے ہیں، بہشت کی بجائے جہنم جائیں گے اور رضوان کی بجائے غضب الٰہی کا شکار ہونگے۔

پیغام:

۱۔ کفار کی بری عاقبت پر توجہ کرنے سے درس عبرت حاصل ہوتا ہے۔ ''الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا''

۲۔ باطل پرستوں کی تمام نیرنگیاں نقش بر آب ہو جاتی ہیں۔ ''کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚ'' (کفار تو حضرت شعیبؑ کو اپنی آبادی سے باہر نکالنے کے درپے تھے لیکن خود ہی اپنے گھروں میں ہلاک ہو گئے۔)

۳۔ جب خدا کا قہر و عذاب نازل ہوتا ہے تب پتا چلتا ہے کہ حقیقت میں کون خسارے میں ہے اور کون لوگ نجات پا گئے ہیں۔ ''هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾''

(گذشتہ آیت میں حضرت شعیبؑ کی طرفداری کو کافر خسارہ شمار کر رہے تھے، یہاں خدا تعالیٰ فرما رہا ہے کہ وہ خود خسارے میں ہیں۔)

آیت نمبر ۹۳

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمۃ الآیات

لہٰذا اس (شعیب) نے ان لوگوں سے رخ پھیر لیا اور کہا: اے میری قوم! میں نے تم کو اپنے

رب کی رسالت پہنچا دی تھی اور تم کو نصیحت (بھی) کی تھی پس (اس حال میں) میں کافر قوم پر کیسے افسوس کروں!؟ (۹۳)

پیغام:

۱۔ اتمام حجت کے بعد قہر الٰہی نازل ہوتا ہے۔ ''فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ ۔۔۔ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ''

۲۔ نصیحت، تامل اور لوگوں کی طرف توجہ کرنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے، آخر ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ ان سے منہ پھیر لینا پڑ جاتا ہے۔ ''فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ''

۳۔ تبلیغ، مہربانی اور دل سوزی کے ساتھ ہونی چاہیے۔ ''اَبۡلَغۡتُكُمۡ ۔۔۔ نَصَحۡتُ''

۴۔ نصیحتوں اور خیر خواہی کو اپنے ذاتی مفادات کے ساتھ نہ ملائیں۔ ''نَصَحۡتُ لَكُمۡ''

۵۔ جب آپ نے اپنے فریضہ پر عمل کر لیا تو پھر اس بات سے نہیں گھبرانا چاہیے کہ انجام کیا ہوگا؟ ''اَبۡلَغۡتُكُمۡ ۔۔۔ كَيۡفَ اٰسٰی''

۶۔ بے جا افسوس اور بے محل ہمدردی، ممنوع ہے۔ ''فَكَيۡفَ اٰسٰی''

(بعض مواقع پر حضرت پیغمبر اکرمؐ سے خطاب ہوا ہے کہ ''لَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ'' ان لوگوں کیلئے غم کھانے کی ضرورت نہیں (حجر۔۸۸؛ نحل۔۱۲۷؛ نمل۔۷۰))

۷۔ جہاں کفر کا رویہ، ضد اور دشمنی حکمفرما ہو، انبیاء کی نصیحتیں بھی غیر مؤثر ہو جاتی ہیں۔ ''فَكَيۡفَ اٰسٰی عَلٰی قَوۡمٍ كٰفِرِيۡنَ﴿۹۳﴾''

آیت نمبر ۹۴

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ يَضَّرَّعُوۡنَ﴿۹۴﴾

ترجمۃ الآیات

ہم نے کسی شہر اور آبادی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کے رہنے والوں کو سختیوں اور تکلیفوں میں مبتلا کیا تاکہ وہ تضرع وزاری کریں (توبہ کریں، اور خدا کیطرف) پلٹیں۔ (۹۴)

نکات:

☆ ''بَأْسَآءِ'' ایسے حوادث ہوتے ہیں جو جان پر وارد ہوتے ہیں جیسے موت اور بیماری وغیرہ اور ''ضَرَّآءِ'' ایسے مصائب ہوتے ہیں جو مال کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں۔

پیغام:

ا۔ مصائب، تلخیاں اور ناخوشگواریاں تمام اقوام عالم کے لیے ازل سے چلی آرہی ہیں، یہ ایک خدائی طریقہ کار ہے۔'' مَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ ---''

۲۔ سختیاں اور مشکلات، انسان کی تربیت، غفلت دور کرنے اور اسے صحیح معنوں میں خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کا سبب ہوتی ہیں۔ ''لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ﴿۹۴﴾''

۳۔ ضروری نہیں ہے کہ مصائب و مشکلات ہمیشہ خدائی عذاب ہی ہوں بلکہ بعض اوقات بلا و مصیبت کی صورت میں خدا کا لطف و کرم بھی ہوتا ہے۔ ''لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ﴿۹۴﴾'' (جیسے لوہے کو بھٹی میں گرم کر کے اسے نرم کیا جاتا ہے اور پھر اسے ہر شکل دینے کے لیے موڑا جاتا ہے، اسی طرح حادثات بھی انسان کو نرم کر دیتے ہیں۔ مصائب انسان کو تضرع و زاری اور خدا سے نیاز مندی کیلئے آمادہ کرتے ہیں۔)

آیت نمبر ۹۵

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴿۹۵﴾

ترجمۃ الآیات

اس کے بعد ہم نے نیکی (اور نعمت کی فراوانی) کو بجائے بدی (اور تکلیف و اذیت) کے قرار دیا، اس طرح کہ ان میں ہر طرح کی (نعمت میں) زیادتی ہوگئی (اور وہ) کہنے لگے ہمارے آباواجداد کو (بھی) تکلیفیں اور راحتیں پہنچی تھیں، (اور یہ تلخ و شیریں حوادث، خدا کے غضب یا رحمت کے آئینہ دار نہیں تھے۔) پس ہم نے ان کو یکایک (اپنے قہر و غضب میں) پکڑ لیا،

ایسی حالت میں کہ انکو اس کا (پہلے سے) احساس نہ ہو۔ (۹۵)

نکات:

☆ ''عَفَوۡا'' کے معنی مال اور اولاد کی کثرت ہیں، یا اس کے معنی ترک کرنا اور منہ موڑنا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم انہیں وافر مقدار میں ملا لیکن انہوں نے اس کا کوئی احساس نہ کیا اور قدر کی نگاہوں سے نہ دیکھا، اور نہ ہی اس سے عبرت حاصل کی۔ اس سے ملتی جلتی ایک آیت سورۃ انعام میں آیت ۴۴ ہے کہ ''فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ شَىۡءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً'' یعنی چونکہ انہوں نے ہماری بار بار کی یاددہانیوں کو فراموش کر دیا تو ہم نے ان کے لیے اپنی ہر قسم کی نعمتوں کے دروازے کھول دیے اور کئی کامیابیوں کے بعد ہم نے انہیں ناگہانی طور پر اپنے قہر و غضب میں گرفتار کر لیا۔

بالکل ایسے بیمار کی مانند، ڈاکٹر جس کی زندگی سے ناامید ہو کر کہتا ہے، جو چاہتا ہے اسے کھانے پینے کو دو کیونکہ اب اس کا کام تمام ہے۔

☆ البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ آیت کے دوسرے بھی معنی ہوں جیسے بلا و مصیبت دور ہو جانے کے بعد آنے والی نسل کہنے لگی: تلخیاں تو ہمارے آباؤ اجداد کے ساتھ مخصوص تھیں ہم تو بالکل امن میں ہی ہیں۔ (ترجمہ، الٰہی قمشہ ای)

لیکن وہ اس بات سے غافل تھے کہ خدا کا ازل سے یہی طریقہ چلا آرہا ہے کہ وہ تمام نسلوں کو گرفتار کرنے پر قادر ہے اور اس قسم کی غفلت بھی قہر خداوندی کی علامت ہے۔

پیغام:

۱۔ بسا اوقات آسائش، غیر منطقی تجزیہ تحلیل اور غیر صحیح تفکر، بے شعوری اور تجاوز و سرکشی کی وجہ ہوتا ہے۔ ''قَدۡ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ''

۲۔ ضروری نہیں ہے کہ ہر قسم کی آسائش اور خوشی، خدا کے لطف و کرم کی علامت ہو، کبھی قہر خداوندی کا پیش خیمہ بھی ہو جاتی ہے۔ ''حَتّٰى عَفَوۡا وَّقَالُوۡا قَدۡ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً''

۳۔ اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں ناکام ہونے والے افراد کے درمیان محروم لوگوں کی بجائے مرفہ حال لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ ''حَتّٰى عَفَوۡا۔۔۔''

۴۔ خدائی قہر کسی کو بتا کر نہیں آیا کرتا، اچانک سر پر آن پہنچتا ہے۔ ''بَغۡتَةً''

۵۔ دنیا کی محبت میں غرق ہو جانا اور یاد خدا سے غافل ہونا، انسان کو ناگہانی اور غافل کر دینے والے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ''فَاَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۹۵﴾''

آیت نمبر ۹۶

وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡقُرٰٓى اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَـفَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ وَلٰـكِنۡ كَذَّبُوۡا فَاَخَذۡنٰهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۹۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر وہ لوگ جو شہروں اور آبادیوں میں رہتے ہیں، خدا پر ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کریں تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیں گے، لیکن انہوں نے (حقائق کی) تکذیب کی تو ہم نے بھی انہیں ان کے اعمال کی سزا دی۔(۹۶)

نکات:

☆ ''بَرَكٰتٍ'' جمع ہے ''برکت'' کی، جس کے معنی ہیں، اللہ تعالیٰ کی مستقل اور پائیدار نعمتیں جو کہ وقتی اور جلد ختم ہو جانے والی چیز کے مقابلے میں ہیں۔ اسی برکت کے معنی میں کثرت، خیر اور افزائش کا معنی بھی پایا جاتا ہے۔ برکات میں مادی اور معنوی برکتیں بھی شامل ہیں جیسے عمر، علم اور کتاب میں برکت وغیرہ۔

سوال: اگر ایمان اور تقویٰ نزول برکات کا سبب ہے تو پھر کافر ممالک ترقی کے لحاظ سے بہتر صورت حال میں کیوں ہیں اور اسلامی ممالک شدید مشکلات میں گرفتار کیوں ہیں؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ ممالک علم وصنعت کے اعتبار سے آگے ہیں۔ لیکن روحانی اور نفسیاتی اعتبار سے وہ سکون میں نہیں ہیں۔ جبکہ دوسری طرف اقتصادی حوالے سے وہ بھی بہت سی مشکلات کا شکار ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اکثر اسلامی ممالک کا صرف نام ہی اسلامی ہے، وہاں اسلامی قوانین اور دینی تعلیمات حکمفر ما نہیں ہیں۔

علاوہ ازایں مادی آسائش ایک طرح سے قہر الٰہی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ شَىۡءٍ ؕ'' جب انہوں نے تمام یادداشتیں فراموش کر دیں تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے

کھول دیے۔ تا کہ سرمست ہو جائیں۔(انعام۔۴۴)

☆ قرآن مجید میں دو طرح کی کشادگی کا ذکر ہے: الف: نیک افراد کیلئے آسائش و کشادگی جو کہ برکات کے ہمراہ ہے۔ ''فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ''

ب: کافر اور نا اہل افراد کیلئے آسائش اور کشادگی ہے کہ جس میں برکت نہیں ہے۔ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ '' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نعمات ناپائیدار ہوں، غفلت، غرور اور سرکشی کا سبب بن جائیں۔ خدا تعالیٰ نے کفار کی اس آسائش اور کشادگی کو ان کی مہلت اور ان کے پیمانہ کے لبریز ہونے کا باعث بنایا ہے۔ اس بنا پر ہر ظاہری نعمت پر بہت زیادہ خوش نہیں ہونا چاہیے۔ اگر یہ نعمات مومنین کیلئے ہوں تو وہ مایہ برکت ہیں اور اگر کافروں کیلئے ہوں تو ناپائیدار اور قہر الٰہی کا باعث ہیں۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: کبھی بندہ خدا تعالیٰ سے حاجت رکھتا ہے، کوئی تقاضا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کی دعا کو مستجاب کر لیتا ہے اور مقرر ہو جاتا ہے کہ اس کی حاجت کو پورا کر دیا جائے۔ لیکن اس کے بعد وہ بندہ کوئی گناہ انجام دیتا ہے جو اس کی وہ حاجت کے پورا ہونے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔(تفسیر اثنی عشری)

☆ اس آیت کے واضح ترین مصادیق میں سے حضرت مہدی (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ) کے ظہور کا دور ہے۔ روایات کے مطابق اس دور میں آسمان اور زمین سے برکات مسلسل ظاہر ہونگی۔(تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ کسی معاشرے کا ایمان لانا اور متقی ہونا بہت مشکل ہے ''لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا''(''لو'' کسی مشکل کام اور ناممکن کام کیلئے آتا ہے)

۲۔ الطاف الٰہی اور اجتماعی برکات الٰہی کے حصول کیلئے انفرادی ایمان اور تقویٰ کافی نہیں بلکہ معاشرے کی اکثریت کا اہل ایمان اور باتقویٰ ہونا لازمی ہے ''اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا''

۳۔ صرف ایمان ہی کافی نہیں بلکہ تقویٰ بھی لازمی ہے۔ ''اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا''

۴۔ معاشرے کی ثقافت اور معنوی تعلیم و تربیت پر سرمایہ خرچ کرنے سے اقتصادی اور مادی منافع بھی حاصل ہوتے ہیں۔ ''اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ''

۵۔ الٰہی وعدے کو سنجیدہ سمجھو، ایمان اور تقویٰ کے ذریعے برکات کا نزول یقینی ہے۔ ''لَفَتَحْنَا'' میں حرف لام اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے۔

۶۔ بند کرنا اور کھولنا، خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے، ''لَفَتَحْنَا''، لیکن کوئی بھی عکس العمل ہمارے ہی کسی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔

۷۔آسمانی ادیان، لوگوں کی اقتصادی و معاشی حالت کو بہبود دینا چاہتے ہیں۔ ''لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ''

۸۔فطری غرائز کے سبب انسان برکات اور خیرات کا حصول چاہتا ہے۔ اسی فطری اور طبیعی انسانی رجحان سے انبیاء انسانی ہدایت کیلئے استفادہ کرتے تھے۔ ''لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ''

۹۔برکات میں سے جتنا کچھ ہم وصول کرتے ہیں وہ برکات الٰہی کا ایک گوشہ ہے۔ ''بَرَكٰتٍ'' (برکات کا لفظ الف لام کے بغیر ہے، اس لیے اس میں تمام برکات شامل نہیں ہیں۔)

۱۰۔زمین و آسمان، برکات کا سرچشمہ ہیں۔ ''بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ''

۱۱۔برکات کا انسان تک پہنچنے میں آسمان کا عمل دخل زمین سے زیادہ ہے، نیز اولویت رکھتا ہے۔ ''بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ''

۱۲۔ایمان و تقویٰ، برکات کے نزول کا سبب ہوتے ہیں لیکن ہر نعمت اور آسانی کی وجہ ایمان اور تقویٰ نہیں ہوتے۔ ''اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ''

۱۳۔محرومیوں اور مشکلات کا عامل خود انسان کا کردار ہی ہوتا ہے۔ ''بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾''

۱۴۔گناہ پر ضد کرنا اور اڑے رہنا، عذاب اور قہر الٰہی کا سبب ہوتا ہے۔ ''فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾''

آیت نمبر ۹۷۔۹۸۔۹۹

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمۃ الآیات

کیا ان آبادیوں کے رہنے والے (خود کو امن میں سمجھ رہے ہیں اور) اس بات سے مطمئن و محفوظ ہیں کہ ہمارا عذاب دن کے وقت ان پر نازل ہو جائے جبکہ وہ (میٹھی) نیند کے مزے لے رہے ہوں؟ (۹۷)

کیا ان آبادیوں کے رہنے والے اس بات سے مطمئن و محفوظ ہیں کہ ہمارا عذاب دن کے

وقت ان پر نازل ہو جائے جبکہ وہ کھیل کود میں مشغول ہوں؟ (۹۸)
تو کیا یہ لوگ خدا کے مکر (ناگہانی عذاب) سے مطمئن ہو چکے ہیں؟ پس خدا کے مکر سے خسارہ اٹھانے والوں کے علاوہ کوئی اور مطمئن نہیں ہوتا۔ (۹۹)

نکات:

☆ اگرچہ ''مکر'' کا لفظ اردو اور فارسی میں ''نیرنگی'' ''مکاری عیاری'' اور غلط قسم کے حیلے بہانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس کا حقیقی اور لغوی معنی ''اصل مقصد سے روکنے کے لیے تدبیر اور چارہ سازی کرنا ہے۔'' خواہ وہ حق کیلئے ہو یا باطل کیلئے ہو۔ ''مکر خدا'' کا مطلب ہے کہ اس کی ایسی تدبیریں کہ جن سے کفار کے سارے منصوبے نقش بر آب ثابت ہو جائیں۔

☆ پیغمبر اور معصوم امام بھی خود کو امن و امان میں تصور نہیں کرتے تھے، مسلسل اپنے اعمال کے بارے فکر مند رہتے اور ان کی حفاظت کرتے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی لغزش ان سے سرزد ہو جائے۔ لہٰذا پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۵﴾ '' (انعام۔ ۱۵)

راوی کہتا ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا، امام نے نماز میں یہ جملہ کہا: اللهم لا تومنی مکرك '' خدایا! مجھے اپنے مکر سے غافل اور مطمئن نہ کردے۔ پھر امام نے فرمایا: ''فَلَا یَاۡمَنُ مَکۡرَ اللّٰہِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۹۹﴾ '' (تفسیر نمونہ)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: اس امت کے نیک افراد کو بھی خود کو امن و امان میں تصور نہیں کر لینا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَلَا یَاۡمَنُ مَکۡرَ اللّٰہِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۹۹﴾ '' (نہج البلاغہ، حکمت ۳۷۷)

حقیقت میں خود کو مکر الٰہی سے امان میں تصور نہ کرنے سے مراد، اپنی ذمہ داریوں، فرائض کی طرف توجہ کرنا ہے اور ان فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کرنے سے ڈرنا ہے۔

پیغام:

۱۔ ذمہ داری کے احساس کیلئے، خطرے کا احتمال اور گمان بھی کافی ہے۔ ''اَفَاَمِنَ۔ ۔ ۔ ''

۲۔ موجودہ پر امن اور پر آسائش نظام کی وجہ سے مغرور نہیں ہو جانا چاہیے اور خود کو ہرگز بھی امان میں تصور نہیں کر لینا چاہیے۔ ''اَفَاَمِنَ اَہۡلُ الۡقُرٰۤی۔۔۔''

یہ مت سمجھو کہ عذاب صرف گذشتہ اقوام کے ساتھ ہی مخصوص ہے، اللہ کا قانون تمام زمانوں کیلئے اور ہر قوم کیلئے ایک جیسا ہے۔

۳۔ اگر خدا چاہے تو اپنا قہر و غضب اس وقت نازل کر دے جبکہ کوئی چارہ کار موجود نہ رہے اور راتوں رات سب کو

ہلاک کر کے رکھ دے۔ ''بَیَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ﴿۹۷﴾''

۴۔ متوجہ کرنے اور غفلت کو دور کرنے کے ذرائع بیان کرنے کا مقصد، خطرے کا احتمال بیان کرنا ہے۔ ''اَفَاَمِنَ۔ اَوَاَمِنَ''

۵۔ بے ہودہ سرگرمیاں، قہر الٰہی کیلئے راہ ہموار کرتی ہیں۔ ''نَآئِمُوْنَ﴿۹۷﴾'' ''يَلْعَبُوْنَ﴿۹۸﴾''

۶۔ ایمان اور تقویٰ کے بغیر کی زندگی، ایک کھیل تماشے کے علاوہ کچھ نہیں۔ ''وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ﴿۹۸﴾''

۷۔ کبھی بھی خود کو عذاب و قہر الٰہی سے مبرا تصور نہ کریں۔ ''اَفَاَمِنَ۔۔۔اَوَاَمِنَ۔۔۔اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ'' خوف اور امید کے درمیان زندگی گذارنی چاہیے۔

۸۔ جو لوگ خدا کے قہر اور اس کے مکر سے بے خیال اور لا پرواہیں وہ خسارے میں ہیں۔ ''فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴿۹۹﴾''

۹۔ انسان اپنی ہر طرح کی تدبیر، خلاقیت اور ترقی کے ساتھ خود کو عذاب الٰہی سے پناہ میں نہ سمجھے۔ ''اَفَاَمِنَ' اَوَاَمِنَ''

آیت نمبر ۱۰۰

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴿۱۰۰﴾

ترجمۃ الآیات

کیا وہ لوگ جو پہلے لوگوں کے بعد روئے زمین کے وارث ہوئے اس بات سے عبرت نہیں لیتے کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی (اگلوں کی طرح) ان کے گناہوں کی پاداش میں سزا دے دیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں تا کہ (حق کی) آواز کو نہ سن سکیں۔ (۱۰۰)

نکات:

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: مومن کا دل ایک سفید کورے کاغذ کی مانند ہے، جب وہ گناہ کرتا ہے تو اس کاغذ پر ایک کالا نقطہ لگ جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کر لے تو وہ کالا نقطہ مٹ جاتا ہے لیکن اگر وہ گناہ کو کرتا رہے، نقطہ پھیلتا رہتا ہے

یہانتک کہ سارے دل کو سیاہ کر دیتا ہے اور خیر و نیکی کے وہاں پہنچنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ پھر سعادت کی طرف اس کیلئے کوئی راستہ نہیں رہتا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا: ''بَلْ ۜ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ''(مطففین۔ ۱۴) گناہ، بدی، اس کی طبیعت، عادت اور مہارت کا حصہ بن جاتی ہے۔(تفسیر اثنی عشری)

☆ جب انسان کسی غلط راستے پر قدم رکھتا ہے، اس پر اصرار کرتا ہے، گمراہ عمل کا تکرار کرتا ہے تو وہ برائی اس کے دل و جان پر ایسے نقش ہو جاتی ہے کہ پھر وہ اس کی عادت مہارت اور صفت بن جاتی ہے، پھر وہ کسی قسم کی ہدایت کو قبول کرنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے۔ اس تاثیر و نفوذ کو خدا تعالیٰ نے جو کہ سبب ساز اور سبب سوز ہے، یوں قرار دیا ہے، اس بنا پر انسان خود اپنے ارادے کے ساتھ خود کو اس مرحلہ تک پہنچا تا ہے۔(تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔ غافل لوگوں کیلئے تنبیہ کی ضرورت ہے اور وہ سرزنش کے مستحق ہیں۔''اَوَلَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ ---''

جو لوگ مسند اقتدار تک جا پہنچتے ہیں انہیں چاہیے کہ سابقہ حکومتوں اور ان کے اقتدار کے حصول سے بھی آگاہی حاصل کریں اور ان کے تلخ و شرین تجربوں سے فائدہ اٹھائیں۔

۲۔ خدائی سزا، انسان کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔''بِذُنُوْبِهِمْ ۚ'' گناہ دلوں پر مہر لگنے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ انسان کے صحیح درک میں رکاوٹ اور توفیق کے سلب ہو جانے کا سبب ہوتا ہے۔

۳۔ دینی حقائق کو درک نہ کرسکنا، خدائی سزا میں سے ہے۔''نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝۱۰۰''

۴۔ تاریخ پر حکم فرما الٰہی قوانین ثابت، مستقل اور پائیدار ہیں، اس لیے گذشتہ لوگوں کی تاریخ آئندہ والوں کے اعمال کے لیے راہنما ہو سکتی ہے۔ اَوَلَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ ------ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝۱۰۰

آیت نمبر ۱۰۱

تِلْكَ الْقُرٰی نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الْكٰفِرِیْنَ ۝۱۰۱

ترجمۃ الآیات

یہ وہ آبادیاں ہیں جن کے واقعات ہم تم سے بیان کرتے ہیں۔ وہ (اس قدر ہٹ دھرم تھے کہ) جب ان کے پاس رسول بینات لے کر آئے تو وہ چونکہ سابقاً (حق کی) تکذیب کر چکے تھے، اس لیے (ان پر) ایمان نہ لائے۔ اس طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہریں لگا دیتا ہے۔ (۱۰۱)

نکات:

☆ اس آیت میں "قُرٰی" سے مراد وہ بستیاں ہیں جن کے لوگوں کی ہدایت کے لیے حضرت صالح، جناب شعیب اور حضرت لوط و جناب ہود علیہم السلام مبعوث ہوئے تھے۔

پیغام:

۱۔ تاریخ کا وہ حصہ جو پند و نصائح پر مشتمل ہے، اسے بیان کیا جانا چاہیے۔ "نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآئِهَا‌ ۚ"

۲۔ تمام انبیاء معجزے کے حامل تھے۔ انہوں نے لوگوں کی ہدایت کیلئے کسی بھی واضح دلیل کو فروگذاشت نہیں کیا۔ "رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ‌ ۚ"

۳۔ لوگوں کے انکار کر دینے سے دینی مبلغین کے ارادوں میں تزلزل پیدا نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ تاریخ میں یہ سلسلہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ "لَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ ۔ ۔ ۔ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا"

۴۔ ضد، ہٹ دھرمی اور دشمنی، بے ایمانی اور کفر کی بنیادیں ہیں۔ "فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا ۔۔۔ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۱﴾"

۵۔ انبیاء کی دعوت اور ان کے معجزات کو قبول نہ کرنا، دلوں کے اندھا ہو جانے اور دلوں پر مہر لگ جانے کا موجب بن جاتا ہے۔ "فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا ۔۔۔ كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِ"

۶۔ لوگوں کی طرف سے کفر اور ضد اختیار کرنا، خدا کی طرف سے دلوں پر مہر لگنے کا باعث ہے۔ "يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۱﴾"

آیت نمبر ۱۰۲

وَمَا وَجَدۡنَا لِاَكۡثَرِهِمۡ مِّنۡ عَهۡدٍ‌ ۚ وَاِنۡ وَّجَدۡنَاۤ اَكۡثَرَهُمۡ

لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمة الآیات

اور ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں کو اپنے عہد کی پابندی پر باقی نہ پایا اور ہم نے ان میں سے اکثر کو فاسق اور نافرمان پایا۔(۱۰۲)

نکات:

☆ اس آیت میں ''عہد'' سے مراد یا تو خدا اور لوگوں کی صحیح وسالم فطرت کے درمیان باہمی رابطہ ہے ''اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ ۔۔۔'' (یٰس۔۶۰) یا انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور قوانین میں اور یا پھر وہ مخصوص عہد و پیمان ہے جو کہ لوگ انبیاء کے ساتھ برقرار کیا کرتے تھے کہ اگر فلاں معجزہ دکھائیں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے یا فلاں مستقل حل پیش کریں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے: '' لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ '' اگر تو ہم سے اس بدبختی کو ہٹا دے اور عذاب کو برطرف کردے تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ روانہ کردیں گے۔لیکن جونہی ہم نے ان کی مشکل حل کردی گئی تو انہوں نے اپنا کیا ہوا وعدہ توڑ ڈالا۔(اعراف۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵)

☆ خداوند عالم نے فطرت اور انبیاء کے ذریعے تمام حقائق، انسان کے لیے بیان فرمادیے ہیں تاکہ وہ ان کے ساتھ عہد و پیمان برقرار کرکے انہیں تسلیم کرلیں۔ جبکہ لوگوں نے اکثر فطرت اور انبیاء کی آواز کو بھلا کر حق کے مدار سے نکل جانے کا ارتکاب کیا اور فاسق ہوگئے۔

☆ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: اذا جاء الیقین لم یجز الشك، جب کسی چیز کے بارے میں یقین حاصل ہوجائے، پھر اس میں شک و تردید کرنا ٹھیک نہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔(کافی، ج۲،ص ۳۹۹)

شاید اس حدیث سے مراد یہ ہو کہ جب کوئی دلیل و برہان کے ساتھ حق کو پہچان لے اور پھر ہوائے نفس کے تحت اس میں شک کرے تو وہ مذکورہ بالا آیت کا مصداق قرار پائے گا اور اسے عہد شکن (وعدہ توڑنے والا) کہا جائے گا۔

☆ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں وفادار لوگوں کی تعریف کی ہے اور وعدہ توڑنے والوں کی مذمت کی ہے۔ وفاداروں کو ''مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ ''(مومنون۔۱)، ''مُتَّقِيْنَ ''(آل عمران۔۷۶)، ''اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ ''(رعد۔۱۹)، اور ''اَبْرَارَ'' (انسان۔۵و۷) کے القابات سے سراہا ہے۔

پیمان شکن افراد کو "فٰسِقِیۡنَ﴿۱۰۲﴾" (اعراف۔ ۱۰۲)، "کٰفِرِیۡنَ﴿۱۰۱﴾"، مُشۡرِکِیۡنَ" (توبہ۔ ۱۔ ۴)، "خٰسِرُوۡنَ﴿۲۷﴾" (بقرہ۔ ۲۷)، "شَرَّ الدَّوَآبِّ" (انفال۔ ۵۵)، "قُلُوۡبَہُمۡ قٰسِیَۃً ۚ" (مائدہ۔ ۱۳)، اور "لَہُمُ اللَّعۡنَۃُ وَلَہُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ﴿۲۵﴾" (رعد۔ ۲۵) جیسی صفات سے یاد کیا ہے۔ بعض مواقع پر ان کے ساتھ جنگ کو ضروری قرار دیا ہے۔ "اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّکَثُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ" (توبہ۔ ۱۳)

پیغام:

۱۔ گذشتہ اقوام کی ہلاکتوں کی وجہ ان کی عہد شکنی اور حقائق سے انکار تھی۔ (گذشتہ آیات میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔) "وَمَا وَجَدۡنَا لِاَکۡثَرِہِمۡ مِّنۡ عَہۡدٍ ۚ"

۲۔ فیصلہ کرتے وقت انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ "لِاَکۡثَرِہِمۡ" اکثر سے مراد سارے نہیں۔

۳۔ انبیاء کا ساتھ نہ دینے اور روشن دلائل کو قبول نہ کرنے کی بنا پر گذشتہ لوگوں کے تاریخی کارنامے سیاہ اور تاریک ہیں، لہٰذا اپنے دین اور ایمان پر مغرور نہیں ہونا چاہیے۔ "وَمَا وَجَدۡنَا لِاَکۡثَرِہِمۡ مِّنۡ عَہۡدٍ ۚ ---"

۴۔ پیمان شکنی، فاسق ہونے کی علامت ہے۔ "وَمَا وَجَدۡنَا لِاَکۡثَرِہِمۡ مِّنۡ عَہۡدٍ ۚ --- لَفٰسِقِیۡنَ﴿۱۰۲﴾"

آیت نمبر ۱۰۳

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ مُّوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۠ئِہٖ فَظَلَمُوۡا بِہَا ۚ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُفۡسِدِیۡنَ﴿۱۰۳﴾

ترجمۃ الآیات

پھر ہم نے ان سابق انبیا کے بعد موسیٰ کو اپنی آیات اور معجزات کے ساتھ فرعون اور اس (کی قوم) کے سرداروں کی طرف بھیجا، پس انہوں نے ہماری آیات کے ساتھ ظلم کیا (اور کفر اختیار کیا) پس دیکھو کہ مفسدین کا کیا انجام ہوا ہے؟ (۱۰۳)

نکات:

☆ یہ پہلی مکی سورت ہے جس میں حضرت موسیٰ کی داستان کا ذکر آیا ہے۔ حضرت موسیٰ کا نام ۱۳۶ مرتبہ قرآن مجید میں

آیا ہے، اتنی تعداد میں کسی اور کا نام مذکور نہیں ہے۔ تفسیر المیز ان کے بقول قرآن مجید میں جتنے حضرت موسیٰ کے معجزات بیان ہوئے ہیں، اتنے کسی اور نبی کے نہیں ہوئے۔

☆ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ کی بیان ہونے والی داستان پانچ مراحل میں تقسیم ہوسکتی ہے:

۱۔ ولادت اور بچپن کا دورانیہ۔

۲۔ اپنے شہر مصر کو خیر باد کہہ کر حضرت شعیب کے پاس مدین میں جا کر رہنے کا عرصہ

۳۔ بعثت اور فرعون کے ساتھ پنجہ آزمائی کا زمانہ

۴۔ اپنی اور قوم کی فرعون سے نجات کے بعد سے صحرائے سینا فلسطین میں واپسی کا دورانیہ

۵۔ بنی اسرائیل کے ساتھ نبرد آزمائی کا زمانہ

پیغام:

۱۔ حضرت موسیٰ، حضرت نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کے بعد بہت وقفے سے مبعوث ہوئے۔ ''ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ''

۲۔ انبیاء کی بعثت کے فلسفہ میں سے ایک طاغوت کے ساتھ مقابلہ ہے۔ ''اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ''

۳۔ معاشرے کی اصلاح کیلئے، معاشرے کے اہم اور اصل افراد کے پیچھے جانا چاہیے اور چشمہ کو اس کے پھوٹنے کی جگہ سے صاف کرنا چاہیے۔ ''اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ''

۴۔ پیغمبروں اور آیات الٰہی کی تکذیب، ظلم کے مصادیق میں سے ہے۔ ''فَظَلَمُوْا بِهَا''

۵۔ تاریخ کا تجزیہ تحلیل کریں اور اس سے عبرت حاصل کریں۔ ''فَانْظُرْ''

۶۔ اہم کسی بھی کام کا نتیجہ اور اس کام کی عاقبت ہے، زود گذر جلووں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ''عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴿۱۰۳﴾''

۷۔ ایمان، معاشرے کی اصلاح میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور کفر والحاد، اسے فساد کی طرف لے جاتے ہیں۔ ''الْمُفْسِدِيْنَ﴿۱۰۳﴾''

۸۔ جب معاشرے میں دین خدا کی جگہ طاغوت حاکم ہوجاتا ہے تو وہ خود کو باقی رکھنے کیلئے اور اپنی مضبوطی کیلئے ہر طرح کے فساد کو پھیلاتا ہے۔ ''الْمُفْسِدِيْنَ﴿۱۰۳﴾''

آیت نمبر ۱۰۴

وَقَالَ مُوۡسٰى يٰفِرۡعَوۡنُ اِنِّىۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَۙ ﴿۱۰۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور موسیٰ نے کہا: اے فرعون! بے شک میں سارے جہانوں کے پروردگار کا فرستادہ ہوں۔(۱۰۴)

پیغام:

۱۔ جناب موسیٰ اور فرعون کے درمیان پہلے کچھ ابتدائی باتوں کا ردوبدل ہوا اور اس کے بعد جناب موسیٰ نے اپنی رسالت کا اعلان کیا۔''وَقَالَ مُوۡسٰى''(حرف''واؤ'' کا مطلب یہ ہے کہ پہلے کچھ ابتدائی گفتگو ہوئی ہے اور اس کے بعد جناب موسیٰ نے اپنی رسالت کا اعلان کیا ہے۔)

۲۔ انبیاء کرام اپنی دعوت کے دوران بغیر کسی کمترین خوف اور کمزوری کے طاغوت کو مخاطب کرتے ہیں۔''وَقَالَ مُوۡسٰى يٰفِرۡعَوۡنُ''

۳۔ ایسا معاشرہ جس میں کوئی نہ کوئی نظام رائج ہے، اس میں سب سے پہلے اس کے سربراہ کی طرف جانا چاہیے۔''يٰفِرۡعَوۡنُ''

۴۔ انبیاء کرام سوائے حق کی طرف دعوت دینے کے کوئی دوسرا دعویٰ نہیں کرتے۔''اِنِّىۡ رَسُوۡلٌ''

۵۔ انبیاء کی رسالت کا تعلق ساری دنیا کی تدبیر کے ساتھ ہے۔''رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴿۱۰۴﴾''

۶۔ فرعون، خود کو سارے لوگوں کا پروردگار تصور کرتا تھا۔''اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى ﴿۲۴﴾''(نازعات۔۲۴) لہٰذا جناب موسیٰ نے بالکل واضح طور پر بہادری کے ساتھ خود کو''رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴿۱۰۴﴾'' کا بھیجا ہوا، کہا۔ تاکہ یہ بتا سکیں کہ تم بھی عالمین کے رب ہی کے تسلط میں ہو اور اسی کے ماتحت ہو۔''اِنِّىۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴿۱۰۴﴾''

آیت نمبر ۱۰۵

حَقِيۡقٌ عَلٰٓى اَنۡ لَّاۤ اَقُوۡلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ ؕ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِبَيِّنَةٍ

مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَرۡسِلۡ مَعِیَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۰۵﴾

ترجمۃ الآیات

میرے لیے یہی مناسب ہے کہ میں اللہ کی طرف سوائے حق کے کسی بات کو نسبت نہ دوں۔ میں تمہارے لیے تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل (معجزہ) لایا ہوں۔ لہٰذا تم بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو۔ (۱۰۵)

پیغام:

۱۔ انبیاء کرام سوائے سخن حق کے کوئی بات نہیں کرتے لہٰذا ابلاغ رسالت میں معصوم ہیں۔ ''لَّاۤ اَقُوۡلَ عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الۡحَقَّ ؕ''

۲۔ انبیاء کے پاس معجزہ ہونا چاہیے ''قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِبَیِّنَۃٍ'' وہ اپنی رسالت میں کسی بھی طرح کی حاکیت اور زبردستی نہیں کرتے۔

۳۔ سب لوگوں کا ایک ہی رب ہے پس اس کی طرف سے ربوبیت کا دعویٰ حق بجانب ہے۔ ''رَّبِّکُمۡ''

۴۔ جب تک لوگوں کو طاغوت سے پوری طرح چھٹکارا نہیں مل جاتا، اس وقت تک ان کے لیے صحیح معنوں میں تہذیبی اور تربیتی منصوبہ بندی نہیں کی جاسکتی اور صحیح تعلیم و تربیت کا بندوبست نہیں کیا جاسکتا۔ ''فَاَرۡسِلۡ مَعِیَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۰۵﴾''

۵۔ بنی اسرائیل کو آزادی دلوانا، فرمان الٰہی اور جناب موسیٰ کی رسالت میں شامل تھا، یہ بات ان کی ذاتی رائے نہیں تھی ''اِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۴﴾ --- فَاَرۡسِلۡ ---''

۶۔ انسان کو آزاد کروانا، انبیاء کے اہداف میں سے ہے۔ ''فَاَرۡسِلۡ مَعِیَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۰۵﴾'' ان کے علاوہ جو کوئی بھی اقتدار میں آئے لوگوں کو غلام بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''من نال استطال'' (نہج البلاغہ، حکمت ۲۱۶) جو کوئی حکومت پر آتا ہے اپنے اقتدار کو طول دینے کی کوشش کرتا ہے۔

آیت نمبر ۱۰۶۔ ۱۰۷

قَالَ اِنۡ كُنۡتَ جِئۡتَ بِاٰيَةٍ فَاۡتِ بِهَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۱۰۶﴾

فَاَلۡقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعۡبَانٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۰۷﴾

ترجمۃ الآیات

(فرعون) نے کہا: اگر تم سچے ہو (اور معجزہ لا سکتے ہو یا) معجزہ لے آئے ہو تو اسے پیش کرو۔ (۱۰۶)
اس پر انہوں (موسیٰ) نے اپنا عصا پھینکا تو وہ ایک نمایاں اژدہا بن گیا۔ (۱۰۷)

نکات:

☆ حضرت موسیٰ کے عصا سے اور بھی معجزات نمایاں ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ اژدہا بننے کے بعد جادوگروں کی تمام رسیوں کو کھا گیا تھا۔ ''تَلۡقَفُ مَا یَاۡفِکُوۡنَ ﴿۴۵﴾'' (شعراء۔ ۴۵) دریا کے پانی پر لگا تو اس کے دو حصے کر دیے، ''اَنِ اضۡرِبۡ بِّعَصَاكَ الۡبَحۡرَ ؕ فَانۡفَلَقَ'' (شعراء۔ ۶۳) پتھر پر لگا تو اس میں سے چشمے پھوٹ پڑے۔ ''اضۡرِبۡ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ'' (بقرہ۔ ۶۰)

☆ جناب موسیٰ کی موجودگی میں وہ عصا ایک چھوٹا سا سانپ بن گیا اور تیزی سے حرکت کرنے لگا، جناب موسی فرار کر گئے۔ ''جَآنٌّ وَّلّٰی مُدۡبِرًا'' (نمل۔ ۱۰) لوگوں کے درمیان بھی ایک عام سانپ کی طرح چلتا تھا۔ ''حَیَّةٌ تَسۡعٰی ﴿۲۰﴾'' (طہ۔ ۲۰) فرعون کے سامنے ایک بڑا سانپ اژدہا بن گیا۔ ''فَاِذَا هِیَ ثُعۡبَانٌ''

اس بنا پر تبلیغ اور تربیت کے سلسلے میں مخاطب کی نوعیت اور رجحان ملحوظ رہنا چاہیے، ہر ایک کو اپنی حیثیت کے مطابق مطمئن کرنا چاہیے۔

☆ امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت موسیٰ کے دور میں سحر و جادوگری کا بہت زیادہ رواج تھا، اس صورت میں حضرت موسیٰ نے ایسا معجزہ پیش کیا، جسے انجام دینے پر وہ لوگ قادر نہ تھے، اس ذریعے سے ان کا سحر باطل ہو گیا اور جناب موسیٰ کی طرف سے اُن پر اتمام حجت ہو گئی۔ (عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۸۰)

☆ عصا کو پھینکنے اور اس کے اژدہا بننے میں کوئی وقت نہیں لگا۔ ''فَاِذَا هِیَ ثُعۡبَانٌ''

پیغام:

۱۔ معجزہ، نبوت کی صداقت کی دلیل ہے۔ ''فَاۡتِ بِهَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾'' اس حق بات کو کہنے سے فرعون کی مراد باطل تھی، اس نے باطل ارادہ کیا تھا وہ تو کسی کو اپنے سے بالاتر تصور ہی نہیں کرتا تھا۔

۲۔ معجزہ سب کیلئے واضح ہونا چاہیے اور اس میں کوئی شک باقی نہیں رہنا چاہیے۔ ''مُّبِیۡنٌ ﴿۱۰۷﴾''

آیت نمبر ۱۰۸۔۱۰۹

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾
قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور (موسیٰ نے جب) اپنے ہاتھ کو (گریبان سے) باہر نکالا تو وہ (ہاتھ) دیکھنے والوں کے لیے سفید (اور درخشاں) ہوگیا۔(۱۰۸)

فرعون کے اصحاب اور اشراف نے کہا: بے شک یہ (موسیٰ) ایک جاننے والا ماہر جادوگر ہے۔(۱۰۹)

پیغام:

۱۔انبیاء کی طرف سے انذار (عصا کا اژدہا بننا جس میں خوف اور وحشت پائی جاتی تھی) کے ساتھ ساتھ بشارت بھی ہے، راہنمائی کیلئے نورانی ہاتھ بھی ہے۔ ''بَيۡضَآءُ''

(متکبر کے سامنے پہلے اس کے غرور کو توڑنا چاہیے، پھر اس کے بعد اپنا ہمدردی اور شفقت والا پہلو بھی بتانا چاہیے۔)

۲۔حضرت موسیٰ کے ہاتھ کا سفید ہوجانا، حضرت کا ایک اور معجزہ تھا، جو کہ غیر متوقع تھا اور سب کیلئے قابل رؤیت تھا'' فَاِذَا هِىَ بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾''

۳۔طاغوت کے حواری لوگ بھی ان کے جرائم میں شامل ہیں۔ ''قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ''

۴۔حواری لوگ حضرت موسیٰ کے کام کی عظمت کو قبول کرنے کے بعد بھی کوشش کر رہے تھے کہ فرعونی نظام باقی رہے۔ ''اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۹﴾''

۵۔متکبر، ضدی لوگ دلیل و منطق کے سامنے اور اپنی شکست کو دیکھتے ہوئے ہر بات کی حجت کرنے لگتے ہیں اور اپنے انکار پر زیادہ سخت ہوجاتے ہیں۔ ''اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۹﴾'' (''انّ'' اور حرف ''لام'' اور جملہ اسمیہ، تاکید کی علامت ہیں۔)

۶۔مخالفین کوشش کرتے ہیں کہ تہمت لگانے کے ذریعے انبیا کا عمومی چہرہ خراب کریں۔ ''لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۹﴾''

آیت نمبر ۱۱۰

يُّرِيۡدُ اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ‌ ۚ فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ‏ ﴿۱۱۰﴾

ترجمۃ الآیات

(انہوں نے کہا: موسیٰ) چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے باہر نکال دے (اور تمہاری زمین پر قبضہ کرلے)، (پس اس بارے میں) تمہاری رائے کیا ہے؟ (۱۱۰)

نکات:

☆ فرعون نے عوام الناس کو فریب دینے اور ان کے افکار کو گمراہ کرنے کے لیے حضرت موسیٰ پر ناروا تہمتیں لگائیں۔ اعتقادی لحاظ سے انہیں ''جادوگر'' کہا اور دوسرے اجتماعی، معاشرتی اور سیاسی نکتہ نظر سے انہیں ''فتنہ پرور'' اور ''آشوب گر'' کہا۔

پیغام:

۱۔ مردان حق اور فرستادگان خدا پر اقتدار حاصل کرنے کا اتہام اور بہتان طرازی، مخالفین کا ایک عملی ہتھیار ہے۔ ''يُّرِيۡدُ اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ''

۲۔ کبھی دشمن لوگوں کے احساسات اور جذبات سے فائدہ اٹھاتا ہے، جیسے وطن سے محبت کے عنوان کو استعمال کرتے ہوئے، مردان حق کے خلاف فضا بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ ''يُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ‌ ۚ''

۳۔ کافر سب کو اپنے ہی دین پر سمجھتا ہے۔ ''يُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ‌ ۚ'' چونکہ فرعون اپنی زمین اور مادی وسائل سے وابستگی رکھتا تھا اس لیے خیال کرتا تھا کہ جناب موسیٰ بھی اپنی سرزمین اور مال و دولت سے وابستگی رکھتے ہونگے۔

۴۔ طاغوت اپنے مکمل استبداد کے باوجود کبھی کبھار اس قدر سیاسی گرفتاری میں مبتلا ہو کر ایسا ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے اطرافیوں سے مشورے کرنے پڑ جاتے ہیں۔ ''فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ‏ ﴿۱۱۰﴾''

آیت نمبر ۱۱۱ ۔ ۱۱۲

قَالُوۡۤا اَرۡجِہۡ وَ اَخَاہُ وَ اَرۡسِلۡ فِی الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِیۡنَ ﴿۱۱۱﴾
یَاۡتُوۡکَ بِکُلِّ سٰحِرٍ عَلِیۡمٍ ﴿۱۱۲﴾

ترجمۃ الآیات

(فرعون کے اطرافیوں نے) کہا: اسے اور اس کے بھائی کو روکے رکھو اور نظر بند کردو (اور اس کے قتل میں جلدی نہ کرو) جادوگروں کو جمع کرنے والوں کو شہروں میں روانہ کرو۔ (۱۱۱)
(تاکہ) وہ تمام آزمودہ کار جادوگروں کو تمہارے پاس لے آئیں۔ (۱۱۲)

نکات:

☆ ''اَرۡجِ''، فعل امر ہے، یہ لفظ ''رجاء'' سے مشتق ہے، جس کا معنی نظر بند کرنا، قید کرنا اور تاخیر میں ڈالنا ہے۔ جناب موسیٰ کی دعوت تبلیغ کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا اور ان کے معجزات کی بازگشت دور دور تک تھی لہٰذا فرعون کے لیے ان کا قید کرنا مشکل ہو گیا تھا، وہ کوشش کے باوجود ایسا نہیں کرسکتا تھا اس لیے ''تاخیر میں ڈالنے'' کا معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

☆ اس آیت میں ''سٰحِرٍ عَلِیۡمٍ ﴿۱۱۲﴾'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جبکہ سورت شعراء کی آیت ۳۷ میں ''سَحَّارٍ عَلِیۡمٍ'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جادوگر بڑے تجربہ کار اور آزمودہ کار، ماہر فن تھے۔

پیغام:

۱۔ ہمیشہ فرعونی طاغوتی حکومتوں میں لوگوں کی روشن فکری اور ہر صدائے حق کیلئے سزا مقرر ہوتی ہے۔ ''قَالُوۡۤا اَرۡجِہۡ''

۲۔ قتل کرنے یا کسی کو سزا دینے سے زیادہ برا کسی کی شخصیت کو تباہ کردینا ہے۔ ''اَرۡجِہۡ''

(اس بنا پر کہ اگر ''اَرۡجِہۡ'' سے مراد جناب موسیٰ کی سزا کو تاخیر میں ڈالنے کی تجویز ہو تاکہ انہیں معاشرے میں رسوا کیا جائے، نعوذ باللہ)

۳۔ حق کو توڑنے کیلئے طاغوتی طاقتیں، ماہرین کی عالمی کانفرنسیں اور اجتماعات منعقد کرتی ہیں۔ ''یَاۡتُوۡکَ بِکُلِّ سٰحِرٍ عَلِیۡمٍ ﴿۱۱۲﴾''

۴۔ کفار بھی جانتے ہیں کہ ثقافتی کام کے مقابلے کیلئے اس سے زیادہ مضبوط ثقافتی کام ہی کرنا ہوتا ہے۔ ''بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾''

۵۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ علم وہنر، فن اور فنکاری، منحرف وگمراہ افراد کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں، جسے وہ حق کے ساتھ مقابلے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ ''يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾''

آیت نمبر ۱۱۳۔ ۱۱۴

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

ترجمة الآيات

(دعوت کے بعد سب) جادوگر فرعون کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہمیں کوئی بڑا معاوضہ ملے گا؟ (۱۱۳)

اس (فرعون) نے کہا: (ضرور ملے گا) اور (اس کے علاوہ) تم لوگ (میرے) مقرب ہو جاؤ گے۔ (۱۱۴)

پیغام:

۱۔ جو کوئی خدا تعالیٰ سے وابستہ نہ ہو، خدائی نظام سے وابستہ نہ ہو، ہر آواز کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ ''يَاْتُوْكَ ۔۔۔ جَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ''

۲۔ انبیاء اور جادوگروں میں ایک اہم فرق ان کے اہداف ومقاصد میں فرق ہوتا ہے۔ انبیاء لوگوں کی ہدایت کے لیے تگ ودو کرتے ہیں اور کوئی اجرت نہیں چاہتے۔ ''وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ'' (شعراء۔ ۱۰۹، ۱۲۷، ۱۴۵، ۱۶۴ اور ۱۸۰) جبکہ جادوگر صرف حصول دنیا اور مادی مفادات کیلئے کام کرتے ہیں۔ ''اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا''

۳۔ طاغوتی درباروں کی طرف رخ کرنے والوں کے دنیاوی مقاصد ہی ہونگے۔ ''اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا''

۴۔ طاغوت اور ستمگر، حق کے مخالف علما اور ماہرین کی حمایت کرتے ہیں، حق اور مردان حق کی سرکوبی کیلئے ان کی مدد کرتے ہیں اور سرمایہ خرچ کرتے ہیں۔ ''قَالَ نَعَمْ''

(کیا ہم کبھی باطل کی نابودی کیلئے دینی علما کے پیچھے گئے ہیں اور کیا ہم نے کبھی ان کی حمایت کی ہے!!)

۵۔ طاغوت اپنی حکومت واقتدار کو بچانے کی خاطر کبھی اتنا مجبور اور درماندہ ہو جاتا ہے کہ ہر قسم کے مطالبے کو تسلیم کر لیتا ہے اور ہر تجویز کو ماننے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ ''قَالَ نَعَمْ''

۶۔ دنیا پرست افراد کے نزدیک مال و دولت سے زیادہ سیاسی مقام و منصب اور معاشرتی قدر و منزلت زیادہ وقیع ہوتی ہے۔ ''لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴿۱۱۴﴾''

۷۔ انعام وصول کرنے کی خاطر فرعون سے وعدے لینا اور ہر طرح سے اس بات کو یقینی بنانا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ فرعون وعدہ توڑنے والا اور کنجوس شخص تھا ''اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا''

آیت ۱۱۵۔۱۱۶

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ﴿۱۱۶﴾

ترجمۃ الآیات

(جادوگروں نے) کہا: اے موسیٰ! آیا تو (اپنے جادو کے ذرائع کو) پھینکتا ہے یا ہم (اپنے جادو کے وسیلوں کو) پھینکیں؟ (۱۱۵)

(موسیٰ نے خدا کی نصرت پر یقین رکھتے ہوئے) کہا: تم ہی پھینکو۔ تو جونہی انہوں نے (اپنے جادو کے وسائل کو) پھینکا تو لوگوں کی آنکھوں کو موند دیا اور (اس چشم بندی کی وجہ سے) لوگوں کے اندر خوف اور وحشت پھیلا دی اور ایک بڑے جادو کو لوگوں کے سامنے لے آئے۔ (۱۱۶)

پیغام:

۱۔ جادوگر ایسا جادو لائے تھے جو ظاہری طور پر حضرت موسیٰ کے معجزے کی مانند تھا، جسے وہ زمین پر پھینکتے تھے تو وہ ظاہر ہوجاتا تھا۔ ''تُلۡقِیَ وَاِمَّاۤ اَنۡ نَّکُوۡنَ نَحۡنُ الۡمُلۡقِیۡنَ﴿۱۱۵﴾''

۲۔ معرفت حاصل کرنے کی راہوں میں صرف ظاہری حواس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ بعض اوقات آنکھیں دھوکہ کھا جاتی ہیں اور ان پر جادو کا اثر ہوجاتا ہے۔ ''سَحَرُوۡۤا اَعۡیُنَ النَّاسِ''

۳۔ جادوگروں کے جادو کا اثر لوگوں کی آنکھوں میں ہوتا ہے۔ حقیقت میں تبدیلی پیدا نہیں کی جاسکتی۔ جیسے سراب دور سے پانی نظر آتا ہے لیکن معجزات میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ حقیقت ہوتے ہیں۔ ''سَحَرُوۡۤا اَعۡیُنَ النَّاسِ'' جناب موسیٰ کا اژدہا حقیقت میں اژدہا بنا تھا صرف نظر کا دھوکہ نہیں تھا۔ انبیاء کا لوگوں کی بصیرت کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جبکہ جادوگر اور ساحروں کا کام لوگوں کی آنکھوں کو موندنا ہوتا ہے۔

۴۔ طاغوت اور باطل کے دعویدار ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ عوام کے اندر خوف و ہراس پیدا کر کے اپنا رعب ان پر باقی رکھیں۔ ''وَاسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ''

۵۔ دشمن کے کام کو اور دشمن کو چھوٹا اور سادہ نہ سمجھیں۔ ''جَآءُوۡ بِسِحۡرٍ عَظِیۡمٍ﴿۱۱۶﴾''

۶۔ ہر موقعہ پر حق کو ناکام بنانے کے لیے اسی جیسے وسائل سے کام لیا جاتا ہے۔ مذہب کے خلاف مذہب کے عنوان کو استعمال کیا جاتا ہے، علماء کے خلاف علماء نما کو لایا جاتا ہے اور یہاں معجزہ کے خلاف جادو کو استعمال کیا گیا۔ ''بِسِحۡرٍ عَظِیۡمٍ﴿۱۱۶﴾''

آیت نمبر ۱۱۷

وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَلۡقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلۡقَفُ مَا یَاۡفِكُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾ۚ

ترجمۃ الآیات

(اس وقت) ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنے عصا کو ڈال دو۔ (جونہی موسیٰ نے عصا ڈالا تو) وہ فوراً (ایک بڑے اژدہے کی شکل میں ہوگیا اور) ان جادوگروں کے جھوٹے وسیلوں کو نگلنے لگا۔ (۱۱۷)

نکات:

☆ ''تَلۡقَفُ'' کا لفظ ''لقف'' سے لیا گیا ہے، جس کا معنی ہے کسی چیز کو طاقت اور جلدی کے ساتھ پکڑنا چاہے دانتوں سے پکڑا جائے یا ہاتھوں اور انگلیوں سے۔ لیکن اس آیت میں اس کا معنی ''نگلنا'' ہے۔

''یَاۡفِکُوۡنَ﴿۱۱۷﴾'' کا کلمہ ''افك'' سے لیا گیا ہے اور ''افك'' کے معنی ہیں: ایسا جھوٹ جو سچ کے قالب میں ڈھالا گیا ہو، یا ایسا باطل جو حق کی صورت میں ہو۔

☆ اگر حضرت موسیٰ کا معجزہ وعصا جادوگروں کے بناوٹی جادو کو بے اثر کر سکتا ہے اور انہیں تباہ کر سکتا ہے تو آج پیغمبر اسلامؐ کے زندہ وجاوید معجزے سے مدد لینا یعنی قرآن پر عمل کرنا اور اس کی تلاوت کرنا یقیناً آج باطل کے پیروکاروں کی سازشوں کو ناکام بنا سکتا ہے۔

پیغام:

۱۔ بحرانی حالات میں انبیائے الٰہی کی غیب سے براہ راست مدد ہوتی ہے۔ ''اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَلۡقِ عَصَاكَ ۚ'' بالکل ایسا ہی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو بین الاقوامی معاشروں میں اور دشمنوں کے درمیان مدد فرماتا ہے اور انہیں غالب کرتا ہے۔

۲۔ جو باطل قوت لوگوں کی آنکھوں کو خطاوار اور ان کے دلوں پر اثر انداز ہو کر انہیں لرزہ براندام کر دے۔ ''سَحَرُوۡۤا اَعۡیُنَ النَّاسِ وَاسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ'' وہ خدائی قدرت کے ذریعہ اور انبیاء کے توسط سے سرکوب ہو جاتی ہے۔ ''تَلۡقَفُ مَا یَاۡفِکُوۡنَ﴿۱۱۷﴾''

آیت نمبر ۱۱۸۔۱۱۹۔۱۲۰

فَوَقَعَ الۡحَقُّ وَبَطَلَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۱۸﴾ۚ

فَغُلِبُوۡا هُنَالِكَ وَانۡقَلَبُوۡا صٰغِرِیۡنَ﴿۱۱۹﴾ۚ

وَاُلۡقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیۡنَ﴿۱۲۰﴾ۚۖ

ترجمۃ الآیات

پس (اس طرح) حق آشکار اور ثابت ہو گیا (اور موسیٰ کی نبوت واضح ہوگئی) اور جادوگروں

کے تمام کارنامے باطل اور محو ہو گئے ۔(۱۱۸)

پس (جادوگر اور فرعونی) اسی جگہ پر ہی مغلوب ہو کر ذلیل اور خوار ہو گئے ،(۱۱۹)

اور جادوگر سب کے سب سجدہ میں گر گئے ۔(۱۲۰)

نکات:

☆ حضرت موسیٰ کے معجزہ کی کامیابی کے ساتھ فرعونی نظام کو سخت دھچکا لگا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ تمام جادوگر بیک وقت موسیٰ پر ایمان لے آئے اور فرعون کی عزت اندرونی طور پر خاک میں مل گئی ۔

☆ ''مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۱۸﴾'' کی ضمیر کا مرجع جادوگر ہیں یا فرعونی لوگ ہیں ۔ دونوں بھی ہو سکتے ہیں اس لئے آیت کا معنی تین طرح سے کیا جا سکتا ہے ۔

پیغام:

۱۔ حق غالب اور باطل مغلوب اور نابود ہونے والا ہے ۔''فَوَقَعَ الْحَقُّ''

باطل انسانوں کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز ہے جو حق کے سامنے مقابلے کی تاب نہیں لا سکتا ۔

۲۔ تبلیغ کے موقع پر حق کو بیان کر کے اور حقیقت کو آشکار کر کے باطل کو میدان سے دور بھگایا جا سکتا ہے ۔''فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۱۸﴾''

۳۔ حق کا صرف ایک ہی جلوہ ، باطل کی ساری چکا چوند کو ختم کر دیتا ہے ۔''فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۱۸﴾'' جناب موسیٰ کے معجزے کا مقابلہ کرنے کیلئے انہوں نے پہلے بہت طویل عرصہ تیاری کی اور کئی ایک جادو تیار کر رکھے تھے لیکن وہ سب بے سود ہو گیا ۔

۴۔ شکست کے بعد جادوگر ، فرعونیوں کے ہمراہ ذلت و خواری کے ساتھ سر جھکائے میدان سے چلے گئے ۔''انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ﴿۱۱۹﴾''

۵۔ کامیابی کے دعویدار ''نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ﴿۱۱۳﴾'' (اعراف ۔ ۱۱۳) تاریخ میں مغلوب ہو گئے ۔''فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ﴿۱۱۹﴾''

۶۔ معجزے الٰہی کی عظمت ایسی تھی کہ جادوگر نا چاہتے ہوئے اور بے اختیار سجدے میں گر گئے ۔''اُلْقِيَ'' مجہول صورت میں آیا ہے ۔

۷۔ حق کی پہچان انسان میں خضوع اور تسلیم کی راہ ہموار کرتی ہے ۔''اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ﴿۱۲۰﴾'' شناخت و معرفت کے سایہ میں ایک ہی لحہ میں عقیدے کو تبدیل کر کے خوش بختی حاصل کی جا سکتی ہے ۔

۸۔ تسلیم ہو جانے کا اظہار سجدے سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا، اس کی طویل تاریخ ہے۔ ''سٰجِدِیۡنَ ﴿۱۲۰﴾ ''

آیت نمبر ۱۲۱۔ ۱۲۲

قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۱﴾

رَبِّ مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمۃ الآیات

(جادوگروں) نے کہا: ہم تو جہانوں کے پروردگار پر ایمان لاتے ہیں۔ (۱۲۱)

(وہی) جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے۔ (۱۲۲)

نکات:

☆ جو جادوگر حضرت موسیٰ کو رسوا کرنے، مال و دولت اور فرعون کا تقرب حاصل کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے، جناب موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئے اور علی الاعلان اس کا اظہار کر دیا۔ اپنے اس اعلان میں انہوں نے تینوں اصول توحید، نبوت اور معاد کا اقرار کر لیا۔ توحید اور نبوت کا ''اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ '' کے جملے کے ساتھ اظہار کیا اور معاد پر ایمان کا اظہار ۱۲۵ ویں آیت کے جملے ''اِلٰی رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾ '' کے ساتھ کیا۔

حقیقت میں فرعون اس چیز کا باعث بنا کہ وہ جادوگروں کو ایک جگہ اکٹھا کرے اور پھر وہ سب جناب موسیٰ پر ایمان لائیں۔ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو دشمن ہی خیر کا سبب بن جاتا ہے۔

☆ جادوگر، جناب موسی و ہارون کا ذکر ایک ساتھ کیا کرتے تھے اور کہتے: ''رَبِّ مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ '' کیونکہ جناب ہارون، حضرت موسیٰ کے ہمراہ ان کی ہدایت و ارشاد کا کام انجام دیا کرتے تھے۔ اگر کہتے: ''رَبِّ مُوۡسٰی '' تو فرعونیوں کی طرف سے غلط استفادہ کا احتمال پایا جاتا تھا کہ شاید یہ کہا جائے کہ موسیٰ کا رب، فرعون ہے۔ کیونکہ وہ بڑے ہونے تک کئی سال فرعون کے گھر میں رہتے رہے تھے۔ اس لیے خود فرعون نے جناب موسیٰ سے کہا: کیا ہم نے تمہارے بچپن میں تمہاری سرپرستی نہیں کی؟ ''اَلَمۡ نُرَبِّکَ فِیۡنَا وَلِیۡدًا '' (شعراء۔ ۱۸) جادوگروں نے بھی اس سازش کو نقش بر آب کر دیا اور کہا: ''رَبِّ مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ ''

☆ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''کُن لما لا ترجو ارجی منك لما ترجو '' جس چیز پر آپ کو اُمید نہیں ہے، اس کی زیادہ اُمید رکھو تاکہ اس چیز تک پہنچ جاؤ جس میں امید ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے تاکہ گھر والوں کے لیے

آگ لاسکیں لیکن جب واپس آئے تو منصب رسالت لے کر لوٹے۔ ملکہ سبا حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملنے کیلئے شہر سے نکلی، لیکن مومنہ ہو کر واپس آئی۔ جادوگر فرعون کے دربار میں مقام و منصب حاصل کرنے کیلئے پہنچے لیکن باایمان ہو کر مومن بن کر پلٹے۔

(تفسیر اثنی عشری؛ تحف العقول، ص ۲۰۸)

پیغام:

۱۔ مقابلے سے پہلے جادوگروں نے جناب موسیٰ کی دعوت کو سن رکھا تھا۔ لہٰذا جناب موسیٰ کے معجزے کو دیکھنے کے بعد انہوں نے انہی سنی ہوئی باتوں کا اقرار کیا۔ ''قَالُوۡۤا اٰمَنَّا''

۲۔ انسان اثرات کو قبول کرنے والا ہے اور اسے آزادی حاصل ہے اور وہ حق کو سمجھ لینے کے بعد اپنے عقیدے اور تفکر کو تبدیل کر سکتا ہے۔ ''قَالُوۡۤا اٰمَنَّا''

۳۔ فکری گمراہی اور شرک سے توبہ کا نام ایمان ہے۔ ''اٰمَنَّا''

۴۔ معجزے اور جادو میں فرق کو جادوگر دوسروں سے زیادہ بہتر جان گئے تھے اسی لیے وہ بہت جلد ایمان لے آئے۔ ''اٰمَنَّا''

۵۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حق صحیح بیان نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ایمان نہیں لاتے لیکن جونہی حق روشن ہوتا ہے، کئی لوگ ایمان لے آتے ہیں۔ ''اٰمَنَّا''

۶۔ غلط استفادہ ہونے سے روکنا چاہیے، اس لیے کہ فرعون یہ نہ کہے: میں وہی ''رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۱۲۱'' ہوں، جادوگروں نے کہا: ''رَبِّ مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ ۱۲۲''

۷۔ خدا تعالیٰ کی خالقیت پر کوئی بحث و گفتگو نہیں، جھگڑا ربوبیت خدا اور اس بات پر ہے کہ تدبیر جہان اس کے دست قدرت میں ہے۔ ''رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۱۲۱ رَبِّ مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ ۱۲۲''

آیت نمبر ۱۲۳

قَالَ فِرۡعَوۡنُ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَکُمۡ ۚ اِنَّ ہٰذَا لَمَکۡرٌ مَّکَرۡتُمُوۡہُ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ لِتُخۡرِجُوۡا مِنۡہَاۤ اَہۡلَہَا ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۱۲۳

ترجمۃ الآیات

فرعون نے (جادوگروں سے) کہا: تم اس (موسیٰ) پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اس کی اجازت دوں؟ یقیناً یہ ایک (زبردست) سازش ہے جو تم لوگوں نے اس شہر میں تیار کی ہے تاکہ (اس علاقہ کو اپنے قبضہ میں لے کر) اس سے اس کے رہائشیوں کو نکال باہر کرو۔ (اچھا) تمہیں کچھ دیر کے بعد پتہ چلے گا (کہ تمہارا مقابلہ کس کے ساتھ ہے اور تمہیں کیا سزا ملے گی؟) (۱۲۳)

پیغام:

۱۔ استعماری حکومتوں کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ لوگوں کے عقیدہ کے حق انتخاب اور آزادی افکار پر پہرے بٹھا دیے جائیں اور ان کی فکر سلب کر لی جائے۔ ''قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ''

۲۔ طاغوت کا ایک طریقہ کار یہ بھی ہے کہ وہ مردان حق پر تہمتیں لگاتا ہے۔ ''اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ'' حتیٰ اپنے ہی کارندوں اور ملازموں پر اعتماد نہیں کرتا۔ ہر معنوی و روحانی سلسلہ کو بھی سیاسی قرار دیتا ہے، جیسا کہ ہم قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ پڑھتے ہیں کہ فرعون، جادوگروں کو جناب موسیٰ کے شاگرد شمار کرتا ہے۔ ''اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ'' (طٰہٰ۔۷۱)

۳۔ طاغوتی طاقتیں اپنے ناپاک عزائم کو پورا کرنے کی خاطر لوگوں کے جذبہ حب الوطنی اور دیگر احساسات سے غلط استفادہ کرتے ہیں۔ ''لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ''

۴۔ قتل کی دھمکی اور قید و بند کے ڈراوے دینا، طاغوتی تسلط کے ہتھیاروں میں سے ہے۔ ''فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾''

آیت نمبر ۱۲۴۔۱۲۵

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

ترجمۃ الآیات

میں قسم کھاتا ہوں کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں ایک دوسرے کے الٹ (یعنی ایک طرف کا ہاتھ تو دوسری طرف کا پاؤں) کاٹ ڈالوں گا۔ اس کے بعد تم سب کو ضرور سولی پر لٹکا دوں گا۔ (۱۲۴)

(ساحروں نے جواب میں) کہا: (یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے جو چاہتے ہو کرو) ہم اپنے پروردگار کی طرف پلٹ جائیں گے۔ (۱۲۵)

نکات:

☆ ان آیات سے ملتی جلتی آیات سورت طٰہٰ میں بھی ہم پڑھتے ہیں۔ البتہ قرآن مجید میں ان دھمکیوں پر عمل درآمد کرنے کی طرف اشارہ نہیں ہے لیکن روایات میں اور تاریخ بتاتی ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے درخت خرما کی شاخوں پر لٹکا دیا تھا۔ مؤرخ طبری کے بقول: ''کانوا اول النھار کفارا سحرۃ و آخر النھار شھداء بررۃ'' وہ دن کے پہلے حصے میں کافر جادوگر تھے اور آخری حصے میں نیک پاک شہید تھے۔

☆ فرعون اور فرعونیوں کے اس قدر انتظامات اور شور شرابے کے باوجود آخرکار وہ رسوا ہو گئے۔ ''انۡقَلَبُوۡا صٰغِرِيۡنَ ﴿۱۱۹﴾'' (سورہ اعراف۔ ۱۱۹) جبکہ جادوگر اپنے ایمان کی وجہ سے سعادت اور شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز ہوئے۔ انہوں نے حق عقیدے کیلئے موت کو فرعون کے زیر تسلط زندگی پر ترجیح دی۔ ''اِلٰى رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾''

پیغام:

۱۔ دھمکی اور دھونس، صاحبان اقتدار کے حربوں میں سے ہے۔ ''لَاُقَطِّعَنَّ''

۲۔ اصلاحی اور انقلابی افکار کے اثر و رسوخ کو روکنے اور اس کے آگے بند باندھنے کے لیے طاغوت اور طاغوتی طاقتیں انقلابی راہنماؤں کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔ ''لَاُصَلِّبَنَّكُمۡ''

۳۔ انسان کسی نظام یا ماحول کا محکوم نہیں، ایمان اور ارادے کے ساتھ ہر طرح کے نظام اور ماحول کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ''لَاُقَطِّعَنَّ۔ قَالُوۡۤا''

۴۔ جو شخص بصیرت کے ساتھ ایمان لاتا ہے، حالات کے بدلنے کی وجہ سے ایمان سے پیچھے نہیں ہٹتا اور کسی دھمکی میں نہیں آتا۔ ''قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا'' جی ہاں! ایمان انسان کے حالات بدل دیتا ہے، اس کی ظرفیت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ وہ جادوگر جو کل تک فرعون سے پاداش کے انتظار میں تھے، آج ایمان کی خاطر ان کیلئے یہ چیزیں اہمیت نہیں رکھتیں۔

۵۔ راہ حق میں موت کا آنا، باطل راستے میں زندگی گذارنے سے بہتر ہے۔ ''اِلٰى رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾''

۶ ۔ برے ماضی کو معیار نہ بنائیں، کیونکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی کچھ جادوگر اور کافر لوگ ایمان لے آئیں اور دوسرے مومنین سے سبقت حاصل کرلیں۔ ''اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾''

۷ ۔ تبلیغی دورانیے میں زمانہ ماضی کے جوانمردوں کی تاریخ کو بھی دہرانا چاہیے۔ ''قَالُوْٓا ۔۔۔''

۸ ۔ معاد اور قیامت پر ایمان انسان کو ہر قسم کے خوف وخطر سے محفوظ رکھتا ہے۔ ''اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾'' چنانچہ فرعون سے اسی لیے کہا کہ تو کچھ بھی کرلے تیرا تسلط اسی دنیا تک محدود ہے۔ ''فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾'' (طٰہٰ ۔ ۷۲)

۹ ۔ گمراہ اور منحرفین کی ہدایت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے حتیٰ ان کے قائدین کی ہدایت سے بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ توبہ کرلیں اور ایک ہی مرتبہ میں بدل جائیں۔ ''قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾''

آیت نمبر ۱۲۶

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اے فرعون!) تو ہم میں کوئی عیب اور برائی تلاش نہیں کر سکتے سوائے اس کے کہ ہم اپنے رب کی آیات (ومعجزات) پر ایمان لائے، جب وہ ہمارے پاس آ گئیں۔ اے ہمارے پروردگار! تو ہم کو صبر وشکیبائی فراوانی کے ساتھ عطا فرما اور ہمیں اپنا فرمانبردار اور مسلمان بنا کر موت دے۔ (۱۲۶)

نکات:

☆ یہ آیت اس مذموم ومسموم پراپیگنڈے کا جواب ہے جو فرعون کی طرف سے جناب موسیٰ پر ایمان لانے والوں کے خلاف کیا جارہا تھا اور سابقہ آیات میں جس کی طرف اشارہ بھی ہو چکا ہے۔ جیسا کہ اس میں کہا گیا کہ تم سازش کرنے والے ہو، اس سرزمین پر لوگوں کے گھروں پر قبضہ کرنا چاہتے ہو، انہیں ان کے گھروں سے نکال دینے کا ارادہ رکھتے ہو۔ ادھر سے جواب دیا گیا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ ہمارا قصور سوائے ایمان کے کچھ نہیں ہے، ایسا کچھ بھی نہیں ہے جو تم لوگ الزام لگا رہے ہو۔

☆امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو کوئی خود کو دوسروں سے برتر تصور کرتا ہے وہ متکبر ہے۔ کہا گیا کہ کبھی انسان اس لیے خود کو برتر تصور کرتا ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ دوسرے لوگ گناہ کر رہے ہیں اور وہ نہیں کر رہا۔ امامؑ نے فرمایا: شاید گناہ کرنے والے نے توبہ کر لی ہو اور تم اس بارے میں خبر نہ رکھتے ہو اور اب بھی اس کے بارے میں تم ویسا ہی سوچتے ہو۔ کیا تم نے جادوگروں کی داستان نہیں سنی جو جناب موسیٰ کو شکست دینے کی نیت سے آئے لیکن انہوں نے توبہ کی، ہدایت یافتہ ہو گئے اور عاقبت بخیر رہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

ا۔ خدا پر ایمان اور طاغوت کی نافرمانی کی قیمت تو چکانی ہی پڑتی ہے، مشکلات کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ حرف ثابت قدم رہنا لازمی ہے۔ ''وَمَا تَنۡقِمُ''

۲۔ ایسا ایمان جو دلیل کو پالینے اور حقیقت کی علائم دیکھنے کے بعد اختیار کیا جائے، اس کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہے۔ ''اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتۡنَا ؕ''

۳۔ طاغوت، توحیدی فکر اور عقیدہ توحید کا مخالف ہے، وہ لوگوں کا مخالف نہیں ہے۔ ''اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا''

۴۔ سچے پکے مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ مشکل حالات میں آرام وسکون، صبر و پائیداری، صراحت اور وضاحت، شجاعت وشہامت، تضرع اور دعا سے کام لیتا ہے۔ ''اٰمَنَّا۔۔۔ رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا''

۵۔ دعا کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی ربوبیت سے توسل کریں۔ ''رَبَّنَا''

۶۔ طاغوت کی دھمکیوں کے مقابل میں بہترین طریقہ خدا سے دعا کرنا، خدا پر توکل، ایمان کی حفاظت اور ایمان پر قائم رہنا ہے۔ ''رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ﴿۱۲۶﴾''

۷۔ دھونس اور دھمکیاں جس قدر زیادہ ہوں اس قدر، صبر و جرأت کی بھی ضرورت ہوگی۔ جادوگروں نے کہا: ''اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا'' ہمارے دل کو صبر سے بھر دے، انہوں نے یہ نہیں کہا: ''اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا'' ہم پر صبر نازل فرما۔

۸۔ عاقبت کے بخیر ہونے کیلئے، دعا، استمداد اور توفیق الٰہی کی ضرورت ہے۔ ''رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ﴿۱۲۶﴾''

آیت نمبر ۱۲۷

وَقَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اَتَذَرُ مُوۡسٰى وَقَوۡمَهٗ لِيُفۡسِدُوۡا فِى

الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ
نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

ترجمۃ الآیات

قوم فرعون کے سرداروں نے اس سے کہا: کیا تو موسیٰ اور ان کی قوم کو آزاد چھوڑ دے گا کہ وہ زمین میں فساد پھیلاتے پھریں اور (موسیٰ) تجھے اور تیرے خداؤں کو ترک کر دے؟ (فرعون نے) کہا: عنقریب میں ان کے لڑکوں کو قتل کر دوں گا اور لڑکیوں کو (کنیزی کیلئے) زندہ چھوڑ دوں گا (تا کہ وہ ہماری خدمت کریں) اور ہم پورے طور پر ان پر مسلط رہیں۔ (۱۲۷)

نکات:

☆ فرعون نے جناب موسیٰ کے سامنے شکست کے بعد اُن سے اور بنی اسرائیل سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت موسیٰ کے پیروکاروں کی تبلیغات کا دائرہ وسیع ہونے لگا، جس سے قوم فرعون کے سرداروں کو فرعون کی خاموشی پر خطرہ محسوس ہوا اور انہوں نے فرعون سے اس پر فوراً پابندی کا مطالبہ کیا۔

☆ فرعون خود کو خالق تصور نہیں کرتا تھا بلکہ ''رب'' سمجھتا تھا اور کہا کرتا تھا: ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾'' (نازعات۔ ۲۴) یعنی میں تمہارا بہت بڑا رب ہوں۔ وہ کہتا کہ میں اپنے علاوہ تمہارے لیے کسی دوسرے معبود کو نہیں جانتا، ''مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ'' (قصص۔ ۳۸) لیکن خود اس کا اپنے لیے ایک معبود تھا، اور لوگوں کے کئی معبود تھے، وہ لوگ انہیں مظاہر خالق کے طور پر پوجتے تھے۔ ''اٰلِهَتَكَ''

پیغام:

۱۔ طاغوت کی کچھ خرابیاں ان کے چیلے چانٹوں کی وجہ سے بھی ہوتی ہیں۔ ''وَقَالَ الْمَلَاُ''

۲۔ باطل طاغوتی حکومتیں، حق اور مردان حق کا مقابلہ کرتے ہوئے متضاد اور مخالف قسم کے اقدامات و فیصلے کرتے ہیں جو کہ ان کے حواس باختہ ہونے کی علامت ہیں۔ لہٰذا کبھی فرعون جناب موسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا تھا ''ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى'' (غافر۔ ۲۶) تو کبھی انہیں آزاد چھوڑا جاتا ہے اور اس حد تک آزادی دی جاتی ہے کہ خود فرعون کے طرفداروں کو احتجاج کرنا پڑتا ہے۔ ''اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ''

۳۔ انبیاء کے انقلابی اور اصلاحی اقدامات طاغوتی طاقتوں کی نظر میں فتنہ وفساد، گڑ بڑ اور امن عامہ میں خلل اندازی ہوا

کرتے ہیں۔ ''لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ''

۴۔لڑکوں کو مار ڈالنا اور لڑکیوں کو چھوڑ دینا، ایک فرعونی سیاست ہے تا کہ مردوں میں سے جوانمردی اور غیرت چلی جائے اور عورتیں ان کی سیاست کو بڑھانے کا ذریعہ بنیں۔ جیسے آج کی استعماری سیاست ہے۔ ''سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ''

۵۔انبیاء ک مخالفین معاشرے میں نوجوان لڑکے لڑکیوں کیلئے پروگرام بناتے ہیں۔ ''سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ''

۶۔خود کو بچانے کی خاطر کھوکھلے نعروں کا سہارا لینا، اصل میں فرعونی سیاست ہے ''وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ ''(یہ جملہ مکمل تسلط کا اظہار کر رہا ہے۔)

آیت نمبر ۱۲۸

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

ترجمۃ الآیات

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد چاہو اور صبر اختیار کرو، کہ زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور نیک انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔(۱۲۸)

نکات:

☆ اس آیت میں دو فرمان اور دو طرح کی خوشخبری بیان کی گئی ہے۔فرمان یہ کہ خدا سے مدد اور صبر طلب کیا جائے اور خوشخبری یہ کہ زمین کی ولایت اور نیک انجام، متقین کے لیے ہے۔

☆ امام محمد باقر علیہ السلام حضرت علی علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں، کہ فرمایا: میں اور میری اہلبیت اس آیت کے مصداق ہیں۔اس آیت کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''فما كان لله فهو لرسوله وما كان لرسول الله فهو للامام بعد رسول الله'' جو کچھ اللہ کیلئے ہے تو پس وہ اس کے رسول کیلئے ہے اور جو کچھ رسول اللہ کیلئے ہے تو پس رسول اللہ کے بعد وہ امام کیلئے ہے۔(تفسیر نور الثقلین)

اس بنا پر اگر آیت فرماتی ہے: زمین خدا تعالیٰ کیلئے ہے تو یعنی رسولخداؐ اور ائمہ معصومین، خدا تعالیٰ کی طرف سے زمین کے وارث ہیں۔

پیغام:

۱۔حساس مواقع پر راہبر کو چاہیے کہ وہ اپنی قوم کی دلجوئی کرے۔''قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ ۔۔۔'' حضرت موسیٰ نے فرعونیوں کی نابودی اور مومنین کے غلبے اور ان کے دوستوں کی کامیابی کی خوشخبری دی۔

۲۔آخری کامیابی کے حصول اور دھمکیوں سے محفوظ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ خدا سے مدد طلب کی جائے، اس پر توکل کیا جائے اور تقویٰ اور پائیداری اختیار کی جائے۔''اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ''(اس سے مدد بھی طلب کریں اور خود صبر بھی کریں۔)

۳۔ظالم حکومتوں کی نابودی اور صابر مومنین کی جانشینی، خدا تعالیٰ کے ارادے اور مشیئت کے ساتھ یقینی ہے۔'' يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ ''

۴۔حکمرانی واقتدار تک پہنچنے کی شرط: صبر، استقامت اور خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرنا ہے۔''اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ ''

۵۔خدا تعالیٰ سے مدد چاہنا اور صبر کرنا، تقویٰ اور پرہیزگاری کی علامت ہے۔''اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ ۔۔۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾''

۶۔متقی افراد کا دنیا میں بھی انجام اچھا ہوتا ہے،''يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ' اور آخرت میں بھی اصل فتح پانے والے وہی ہوتے ہیں۔''وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾''

۷۔روشن مستقبل کی امید، اسلام سمیت تمام آسمانی و الٰہی ادیان کے وعدوں میں شامل ہے۔''وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾''

آیت نمبر ۱۲۹

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ

فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

ترجمة الآيات

(قوم موسیٰ) نے کہا: تمہارے آنے سے قبل بھی ہم نے بہت اذیتیں دیکھی ہیں اور اب تمہارے آنے کے بعد بھی ہم دکھ جھیل رہے ہیں (آخر ان مصائب کا کب خاتمہ ہوگا؟) موسیٰ نے کہا: مجھے امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور تمہیں زمین میں اس کا جانشین بنادے گا تاکہ وہ دیکھے کہ تم کس طرح کا عمل کرتے ہو۔(۱۲۹)

نکات:

☆ بنی اسرائیل کو یہ توقع تھی کہ حضرت موسیٰ کے قیام اور انقلاب کے بعد سارے کام ایک ہی رات میں ٹھیک ہو جائیں گے۔ سارے وسائل کے ساتھ مصر کی حکومت ان کے قبضہ قدرت میں آجائے گی اور فرعونی تباہ و برباد ہوجائیں گے۔ اسی لیے وہ اس بات کے مدعی تھے کہ جناب موسیٰ کے انقلاب نے ان کے لیے آسائش فراہم نہیں کی۔ خدا تعالی نے جواب میں فرمایا: کامیابی کی کچھ شرائط ہوتی ہیں، مثلاً صبر، استقلال، سعی و کوشش اور توکل برخدا، اگر یہ فراہم ہوجائیں پھر خدائی امداد پہنچتی ہے۔

پیغام:

۱۔حکومتوں سے عوام کی سب سے پہلی خواہش آسائش اور امن ہوتی ہے۔"قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا ۔۔۔"

۲۔ضعیف الاعتقاد لوگ، ہر قسم کے حالات میں انبیاء سے آسائش کی توقع رکھتے ہیں اور اس توقع کے پورے نہ ہونے کی صورت میں ہدف تنقید بنالیتے ہیں۔"قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ ۔۔۔"

۳۔الٰہی راہبر بعض اوقات اپنے ہی کم ظرف اور کم ہمت دوستوں کی تنقید کا نشانہ بن جاتے ہیں۔"قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ"

۴۔اکثر لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ راحت اور آسائش و آرام ہی سعادت اور خوش بختی ہے اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ حالانکہ وہ اس بات سے غافل ہوتے ہیں کہ آسمانی ادیان لوگوں کی زندگی کو منظم کرنے اور صحیح سمت کی طرف راہنمائی کرنے کے لیے ہوتے ہیں ان کی تمامتر دنیاوی مشکلات ختم کرنے کے لیے نہیں ہوتے۔"مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ ۔۔۔"

۵۔قدرتی آفات سے مقابلہ اور معاشرتی مشکلات کا حل طبعی طریقہ سے اور تدبیر کے ساتھ کرنا چاہیے، معجزے سے

نہیں۔(گذشتہ آیت پر توجہ کرتے ہوئے ''اصْبِرُوْا'' اور جملہ ''بَعْدِ مَا جِئْتَنَا'')

۶۔قائد کو ہر طرح کی تنقید کا سامنا کرنا چاہیے اور عوام کو امید افزا پیغام ہی دینا چاہیے۔''عَسٰی رَبُّكُمْ''

۷۔اس بات پر ایمان کہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے، انسان کے کام میں عمق اور پرہیزگاری عطا کرتا ہے۔ ''يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ''

۸۔لوگوں پر حکومت مل جانا، آزمائش کا ذریعہ ہے نہ کہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا وسیلہ ہے۔لہٰذا حکومت ایک ذمہ داری ہے۔ ''فَيَنْظُرَ كَيْفَ''

۹۔حکومت کی نسبت عوام بھی ذمہ دار ہیں اور اس کے ذریعے وہ بھی آزمائے جائیں گے۔''كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴿۱۲۹﴾'' فرمایا ہے،''کیف اعمل''نہیں فرمایا۔

آیت نمبر ۱۳۰

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴿۱۳۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے قوم فرعون کو خشک سالی اور میووں کی کمی میں مبتلا کیا تا کہ وہ بیدار ہو جائیں۔(اور اپنے گمراہی کے راستوں سے باز آجائیں۔)(۱۳۰)

نکات:

☆''سِنِيْنَ'' کا لفظ جمع ہے''سنة'' کی، جس کے معنی''سال'' ہیں، لیکن جب یہ لفظ''اَخَذَ'' کے ساتھ استعمال ہو تو اس کا غالب طور پر معنی''قحط اور خشک سالی میں گرفتاری'' ہوتا ہے۔لہٰذا''نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ'' کا ذکر کرنا، قحط کے واضح مصداق کو بیان کرنے کی خاطر ہے۔

☆کبھی کبھی مصائب اور مشکلات، انسان کو بیدار کرنے یا امتحان کیلئے ہوتی ہیں اور کبھی اس کیلئے ہلاکت کا سبب ہو جاتی ہیں۔''وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ''(بقرہ۔۱۵۵)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: زرعی محصولات کے کم کرنے، برکات کو روکنے اور نیکی و خیر کے دروازے بند کرنے

سے خداوند تعالی گنہگاروں کو آزماتا ہے تاکہ وہ متوجہ ہو جائیں، انہیں کچھ یاد آ جائے اور وہ توبہ کر لیں اور گناہوں کو ترک کر دیں۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۴۳)

پیغام:

۱۔ تربیت کے لیے بعض اوقات سختی اور دباؤ سے بھی کام لینے میں کوئی حرج نہیں۔ ''وَلَقَدۡ اَخَذۡنَاۤ''

۲۔ طبعی عوامل و اسباب پر خداوند تعالی کا ارادہ حاوی اور حاکم ہے۔ ''اَخَذۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ بِالسِّنِیۡنَ''

۳۔ قحط اور خشک سالی یا کیفر الٰہی ہے یا خبردار کرنا ہے یا بیدار کرنے کی گھنٹی ہے۔ ''بِالسِّنِیۡنَ وَنَقۡصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ﴿۱۳۰﴾'' جی ہاں! کائنات میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے پیچھے کوئی ہدف ہے۔

۴۔ غور کریں تو ہدایت و سعادت کی راہیں، متکبر ترین گھرانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ''اٰلَ فِرۡعَوۡنَ۔ لَعَلَّهُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ﴿۱۳۰﴾''

۵۔ ہوسکتا ہے کہ بہت کوشش کے باوجود بعض لوگوں کی تبلیغ و ہدایت کے واسطے کوئی بھی ذریعہ مؤثر نہ رہا ہو کیونکہ انسان ہدایت کو قبول کرنے میں آزاد ہے، اس کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ''اَخَذۡنَا۔۔۔ لَعَلَّهُمۡ''

آیت نمبر ۱۳۱

فَاِذَا جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ قَالُوۡا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوۡا بِمُوۡسٰی وَمَنۡ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴿۱۳۱﴾

ترجمۃ الآیات

لیکن جب انہیں کوئی اچھائی (اور نعمت) ملی تو وہ کہتے تھے: یہ تو (ہمارا حق) خود ہماری (صلاحیت کی) وجہ سے ہے۔ پھر جب کوئی برائی (اور مصیبت) آتی تھی تو کہتے تھے کہ یہ موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست سے ہے۔ کہہ دو کہ ان تمام بدفالیوں کا سرچشمہ اللہ کے پاس ہے (وہ تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے تم کو سزا دیتا ہے) لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔ (۱۳۱)

نکات:

☆ ''یَطَّیَّرُوۡا '' کا صیغہ ''تَطیُّر '' سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں بدفالی اور نحوست سمجھنا، چونکہ عام طور پر عرب لوگ کسی پرندے کی پرواز اور اس کی آواز سے بدفالی لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد ہر قسم کی بدفالی کو ''طیرہ'' کہا جانے لگا۔ (تفسیر نمونہ)

☆ قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی پیغمبروں سے متعلق بدفالیوں کا ذکر ملتا ہے، حتیٰ رسولخداؐ کے بارے میں ایسی نسبت موجود ہے۔ (نساء۔ ۷۸، نمل۔ ۴۷، یس۔ ۱۸)

☆ حوادث اور واقعات کے معرض وجود میں لانے کے لیے بدفالی کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ البتہ اس سے ایک نفسیاتی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو بدگمانی اور کام کے ٹھپ ہو جانے کا سبب بن جاتی ہے اس بنا پر بدفالی لینے سے منع کیا گیا ہے۔ روایت میں ہے کہ ''بدفالی ایک طرح سے خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے اور جب کسی موقع پر بری فال لو تو فوراً اس کام کو کر گذرو اور بد فالی کی پروا نہ کرو۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بدفالی کا اثر اُسی قدر ہے جس قدر اُسے قبول کرلو گے۔ اگر اُسے کمتر سمجھو گے تو کم اثر ہوگا اور اگر اسے مضبوط و محکم تصور کرو گے تو اس کا زیادہ اثر ہوگا۔ اگر بالکل پروا نہیں کرو گے تو کچھ اثر نہیں ہوگا۔ (تفسیر نمونہ اور تفسیر المیزان)

بدفال کا رواج قدیم اقوام میں بھی پایا جاتا تھا اور آج کی متمدن قوموں میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہ بدبینی اور کاموں میں جمود کا باعث بنتی ہے، اس لیے بدفالی سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن نیک فال چونکہ امید، عشق اور تحرک کا موجب ہوتی ہے لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔ (تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔ فرعونی لوگ صرف خود کو لائق و باصلاحیت جانتے تھے اور کامیابی کا حق صرف اپنے لیے مخصوص سمجھتے تھے۔ ''قَالُوۡا لَنَا هٰذِهٖ ''

۲۔ آسائش اور کامیابیاں، فرعونیوں کیلئے روزمرہ کی معمولی باتیں تھیں، وہ اس کے عادی تھے۔ لیکن سختیاں اور تلخیاں ان کیلئے عادی بات نہیں تھی، ایسے حالات ان کیلئے ناقابل یقین تھے۔ (''الۡحَسَنَةُ '' الف لام کے ساتھ اور اس کے ہمراہ ''اِذَا'' جاننے کی علامت ہے جبکہ ''سَیِّئَةٌ '' الف لام کے بغیر اور اس کے ساتھ ''اِن'' کا آنا نہ جاننے اور ناقابل یقین ہونے کی علامت ہے۔)

۳۔ قحط اور خدائی تنبیہ سے بیدار ہونے کی بجائے اکثر فرعونی غلط تجزیہ و تحلیل کرنے لگے اور اس کی نسبت جناب موسیٰ کے ساتھ دینے لگے۔ ''یَطَّیَّرُوۡا بِمُوۡسٰی ''

۴۔اچھائیوں کی نسبت اپنی طرف اور برائیوں کی نسبت دین اور انبیاء کی طرف یہ اس انسان کے مغرور، متکبر اور جاہل ہونے کی علامت ہے۔''فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى ۔۔۔ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۱۳۱﴾''

۵۔خرافات اور بدفال کی جڑ اصل میں جہالت اور لاعلمی ہے۔''يَّطَّيَّرُوْا ۔۔لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۱۳۱﴾''

آیت نمبر ۱۳۲

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۳۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور انہوں (فرعونیوں) نے کہا: (اے موسیٰ) جب تم کوئی ایسی آیت ہمارے پاس لاؤ کہ اس سے تم ہم پر جادو کر دو تو ہم پھر بھی تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔(۱۳۲)

نکات:

☆ یہ کہ حضرت موسیٰ سے کہا، ہر طرح کی آیت لے آؤ، معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کو بھی علم تھا کہ موسیٰ کا کام جادو نہیں بلکہ آیت اور معجزہ الٰہی ہے لیکن اپنے تکبر، ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر ایمان نہیں لاتے تھے۔لیکن صرف فن جادو کے ماہرین نے چونکہ اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ موسیٰ کا کام جادو نہیں ہے لہٰذا ضد کے بغیر ایمان لے آئے تھے۔فرعونیوں کی طرف سے جناب موسیٰ کے کام کو آیت کہے جانا شاید اس لیے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ استہزا کرنے یا تمسخر کی نیت رکھتے ہوں۔

پیغام:

۱۔کبھی انسان اتنا گر جاتا ہے کہ پیغمبروں اور خدائی راہبروں سے ملنے، ہدایت کے علائم دیکھنے کے بعد بھی منحرف رہتے ہیں، انہیں ہر چیز ٹیڑھی اور تاریک نظر آتی ہے۔فکری کجی دور نہیں ہو پاتی۔''وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا''

۲۔انبیاء کے ہر کام کو جادو کی تہمت لگانا، قدیم زمانے سے رائج ترین تہمت تھی۔''لِّتَسْحَرَنَا'' دوسری جگہ ہم پڑھتے ہیں:''كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ﴿۵۲﴾''رسول ان کیلئے کچھ بھی کرتے،

لوگ انہیں جادوگر اور دیوانہ ہی کہتے۔ (ذاریات۔ ۵۲)

۳۔ انسان عقیدہ کے انتخاب میں آزاد ہے۔ انبیاء لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتے، اسی لیے بعض لوگ ان کے معجزات کے سامنے بھی ضد کرتے تھے اور ایمان نہیں لاتے تھے۔ ایسا وہ صرف ظاہری دنیا کے چلے جانے کے ڈر سے کرتے تھے۔ ''فَمَا نَحۡنُ لَكَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ﴿۱۳۲﴾''

آیت نمبر ۱۳۳

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَالۡجَـرَادَ وَالۡقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ﴿۱۳۳﴾

ترجمۃ الآیات

پس ہم نے ان پر (لگاتار بلائیں نازل کیں) طوفان، ٹڈیاں، زراعتی آفت، مینڈک اور خون، جو الگ الگ نشانیاں تھیں، بھیجیں، (پھر بھی بیدار نہ ہوئے) اور انہوں نے تکبر کیا اور وہ گناہ گار لوگ تھے۔ (۱۳۳)

نکات:

☆ ''طوفان'' فارسی اور اردو میں اس کا معنی ہے تیز اور تند ہوا اور آندھی کا جھکڑ وغیرہ لیکن عربوں میں اسے ''تباہ کن سیلاب'' کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ مفردات راغب میں ہے کہ بعض افراد کے نزدیک ''ہر عمومی اور وحشت ناک حادثہ کو طوفان کہا جاتا ہے۔''

''قُمَّل'' چھوٹے چھوٹے جانوروں مثلاً جوئیں، چیونٹیاں، سنڈیاں، زرعی آفات اور حشرات کے لیے بولا جاتا ہے۔

☆ خون، بنی اسرائیل کی قوم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے عذاب بن کر نازل ہوا تھا۔ کبھی پانی خون ہو جاتا اور کبھی ہر شخص کے ناک اور منہ سے خون بہنے لگ جاتا تھا۔

☆ طوفان، خون، ٹڈیوں کا حملہ وغیرہ کے عذاب فرعونیوں کے لیے تھے اور بنی اسرائیل ان سے بچے ہوئے تھے۔ ان عذابوں کی کہانی تورات میں بھی آئی ہے۔ (پانی کا خون بن جانا، تورات کے سفر خروج، باب ۷، آیت ۲۰ میں ہے، مچھروں کا حملہ، باب ۸ آیت ۷ میں، اولوں کی بارش، باب ۹، آیت ۲۵ میں، ٹڈیوں کا حملہ، باب ۱۰، آیت ۱۴ میں آیا ہے۔)

جب بھی ان پر کوئی مصیبت آتی تو جناب موسیٰ کے پاس ہی دوڑے آتے اور وعدہ کرتے کہ اس دفعہ یہ مصیبت ٹل جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ جناب موسیٰ قبول کر لیتے اور خدا تعالیٰ سے دعا کرتے، مصیبت دور ہو جاتی لیکن وہ لوگ پھر کفر کرتے اور اپنی ضد پر پلٹ جاتے، جیسا کہ بعد والی آیت میں بھی بیان ہوا ہے۔

پیغام:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار کی تنبیہ ہونا اور پھر اس کے بندوں کی طرف سے ضد اور لاپرواہی کیے جانا، اس بات کا موجب بن جاتا ہے کہ سخت سے سخت عذاب نازل ہو۔ گذشتہ آیات کے بعد فرمایا: ''فَاَرْسَلْنَا عَلَیْہِمُ ۔۔۔''

۲۔ جو کچھ بھی رحمت ہے، سب الٰہی ارادہ کے تحت ہے۔ اگر وہ چاہے تو پانی کو رحمت کا ذریعہ بنا دے اور اگر چاہے تو عذاب کا وسیلہ قرار دے۔ ''فَاَرْسَلْنَا عَلَیْہِمُ الطُّوْفَانَ''

۳۔ جانور بھی حکم الٰہی کے پابند ہیں، کبھی تو رحمت کے حکم کی پابندی کرتے ہیں جیسے پیغمبر اکرمؐ کی حفاظت کے لیے مکڑی کا غار کے منہ پر جالا بنانا اور کبھی عذاب کے اجرا کے پابند ہوتے ہیں جیسے ابابیل، مینڈک اور ٹڈی دل وغیرہ۔ ''فَاَرْسَلْنَا عَلَیْہِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ'' حقیقت میں ساری کائنات پروردگار عالم کے تحت فرمان ہے۔ ''وَلِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط'' (فتح۔ ۴و۷)

۴۔ مصیبتیں عام طور پر تربیتی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ ہر سزا کے بعد مہلت ملتی ہے تا کہ انسان سوچ و بچار کرے اور خدا کی طرف پلٹ آئے۔ ''مُّفَصَّلٰتٍ''

۵۔ گناہ، تکبر کی راہ ہموار کرتا ہے اور تکبر، انکار کی راہ ہموار کرتا ہے۔ ''فَاسْتَکْبَرُوْا وَکَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ﴿۱۳۳﴾''

آیت نمبر ۱۳۴ ۔ ۱۳۵

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَیْہِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا یٰمُوْسَی ادْعُ لَنَا رَبَّکَ بِمَا عَہِدَ عِنْدَکَ ۚ لَئِنْ کَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَکَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَکَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۳۴﴾

فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْہُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓی اَجَلٍ ہُمْ بٰلِغُوْہُ اِذَا ہُمْ

یَنۡکُثُوۡنَ﴿۱۳۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب ان پر بلا نازل ہوتی تھی تو (موسیٰ کے پاس آکر) کہتے تھے: اے موسیٰ! اپنے اس عہد کی وجہ سے جو خدا نے تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے (اور تمہاری دعا کو قبول کرتا ہے) ہمارے لیے دعا مانگو کہ اگر اس مصیبت کو ہم سے دور کر دیا تو ہم یقیناً تم پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی یقینی طور پر (رہا کر کے) تمہارے ساتھ روانہ کر دیں گے۔ (۱۳۴)

پس جب ہم نے ان سے ایک مقررہ مدت تک کے لیے کہ جن تک انہیں پہنچنا چاہیے تھا عذاب کو دور کر دیا تو پھر وہ عہد شکنی کے مرتکب ہونے لگ گئے۔ (۱۳۵)

نکات:

☆ ''نَکۡث'' کے معنی ہیں بٹی ہوئی رسی کو کھولنا، ایسی رسی جس کے دھاگوں کو بل دے کر طے کیا گیا ہو، بعد میں اس لفظ کا اطلاق عہد شکنی پر ہونے لگا۔

☆ اس آیت میں ''اَجَلٍ'' سے مراد ممکن ہے وہ مدت ہو جو حضرت موسیٰ انہیں مہلت کے طور پر دیا کرتے تھے کہ مثلاً فلاں دن یا فلاں وقت عذاب برطرف ہو جائے گا، تاکہ انہیں اچھی طرح یہ یقین ہو جائے کہ یہ خدائی سزا ہے کوئی اتفاقی سانحہ نہیں ہے۔

ہوسکتا ہے کہ یہ مراد بھی ہو کہ یہ ضدی اور ہٹ دھرم قوم آخر کار خداوند عالم کے حتمی قہر و غضب کا شکار ہو کر رہے گی لیکن اس حتمی اور یقینی مقرر کردہ مدت کے پہنچنے اور دریا میں غرق ہونے سے پہلے وقتی طور پر ان سے عذاب کو اٹھالیا گیا ہے۔

☆ یہاں عہد سے مراد یا جناب موسیٰ کی دعا کا استجاب ہونا ہے یا اس سے منظور ان کا مقام نبوت و رسالت ہے۔ (از تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔ ضرورت اور پریشانی، انسان کے غرور کو توڑ دیتا ہے۔ ''وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيۡهِمُ الرِّجۡزُ قَالُوۡا ۔۔۔''

آنچہ شیران را کند رو بہ مزاج

احتیاج است ، احتیاج است ، احتیاج

جو شیروں کو سدھا دے، ان کی تربیت کر دے، وہ ضرورت ہے، ضرورت ہے ضرورت

۲۔ کافر بھی اولیائے خدا کے ساتھ توسل کے ذریعے، کچھ پاتے ہیں۔ ''یٰمُوۡسَی ادۡعُ لَنَا''

۳۔ فرعونی بھی ایسے خدا پر ایمان رکھتے تھے جو حضرت موسیٰ کے کام آتا تھا، ہر مشکل میں ان کی سنتا تھا۔ ''یٰمُوۡسَی ادۡعُ لَنَا رَبَّکَ''

۴۔ رحمت خدا کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور مصائب کو دور کرنے اور سختیوں کو ختم کرنے کیلئے دعا سب سے زیادہ مؤثر ہے۔ ''ادۡعُ لَنَا رَبَّکَ''

۵۔ انسانوں کو آزاد کرنا، انبیاء کی رسالت میں سے ہے۔ ''لَنُرۡسِلَنَّ مَعَکَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ﴿۱۳۴﴾''

۶۔ عذاب وقہر الٰہی کو دور کر دینا، صرف اُسی کے دست قدرت میں ہے۔ ''فَلَمَّا کَشَفۡنَا''

۷۔ لوگوں کے ایسے وعدوں پر کچھ خاص یقین نہیں کرنا چاہیے جو اضطراری اور مجبوری کی حالت میں کیے جاتے ہیں۔ ''فَلَمَّا کَشَفۡنَا ۔۔۔ یَنۡکُثُوۡنَ﴿۱۳۵﴾''

۸۔ عام طور پر انسان اس وقت سرکشی پر اتر آتا ہے جب وہ رفاہ اور آسائش کی حالت میں ہوتا ہے۔ ''کَشَفۡنَا ۔۔۔ یَنۡکُثُوۡنَ﴿۱۳۵﴾'' چنانچہ ایک اور جگہ پڑھتے ہیں: ''اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَیَطۡغٰۤی ۙ﴿۶﴾ اَنۡ رَّاٰہُ اسۡتَغۡنٰی ؕ﴿۷﴾'' جب انسان خود کو تونگر سمجھنے لگتا ہے تو سرکشی پر اتر آتا ہے۔ (علق۔۶۔۷)

۹۔ خوشگوار واقعات اور ناخوشگوار حوادث کی اس نظم کائنات میں ایک مدت مقرر ہے۔ ''اِلٰۤی اَجَلٍ''

آیت نمبر ۱۳۶

فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡہُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰہُمۡ فِی الۡیَمِّ بِاَنَّہُمۡ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ کَانُوۡا عَنۡہَا غٰفِلِیۡنَ﴿۱۳۶﴾

ترجمۃ الآیات

آخر کار ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان سب کو دریا میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور ان سے غافل رہے تھے۔ (۱۳۶)

نکات:

☆ ''انتقام'' کے معنی کینہ پروری نہیں بلکہ سزا و کیفر ہیں۔

☆ ''یَمِّ'' قدیم مصر میں سمندر اور دریا کو کہتے تھے چونکہ اس داستان موسیٰ اور فرعون وفرعونیوں کے غرق ہونے کا تعلق مصر سے ہے لہٰذا وہی پرانی لغت کو قرآن میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔(تفسیر نمونہ)

آن گذشت از نیل ، با یاران چو برق
وین بہ خواری گشت در رودابہ غرق

موسیٰ اپنے ساتھیوں سمیت دریائے نیل سے ایسے گذر گئے جیسے بجلی گذرتی ہے۔لیکن فرعون بڑی ذلت اور خواری کے ساتھ دریائے نیل کے پانی میں غرق ہو گیا۔

ناظران بینند با چشم شہود
کان کجا رفت ، این کجا ماند از جحود

دیکھنے والوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ موسیٰ کہاں پر جا پہنچے اور فرعون ، نافرمانی اور ضد کا ارتکاب کر کے کہاں پر رہ گیا۔

پیغام:

ا۔خدا تعالیٰ کے انتقام لینے کی طرف متوجہ رہنے سے انسان متذکر رہتا ہے اور گناہوں کو ترک کر دینے کی راہ ہموار ہوتی ہے۔''فَانْتَقَمْنَا'' خدا تعالیٰ ارحم الراحمین بھی ہے، بہت مہربان بھی اور انتقام لینے والا بھی ہے۔

۲۔ ہماری تقدیر، ناخوشگواریوں اور بلاؤں کی اصل وجہ خود ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔''فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا''

۳۔آیات الٰہی سے غفلت برتنے کا سنگین تاوان دینا پڑتا ہے۔''فَاَغْرَقْنٰهُمْ ۔۔۔وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۝۱۳۶''

آیت نمبر ۱۳۷

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ۝۱۳۷

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے مشرق اور مغرب کی زمینوں (فلسطین) کا وارث بنایا جس میں ہم نے برکت قرار دی، اس قوم کو جسے (ظلم وستم کی زنجیروں میں جکڑ کے) کمزور کر دیا گیا تھا۔ اور بنی اسرائیل نے چونکہ صبر کیا تھا، اس لیے تیرے پروردگار کا (کامیابی کے بارے) نیک وعدہ ان کے لیے پورا ہوا۔ اور جو (قصر مجلل) فرعون اور اس کی قوم نے بنائے تھے اور جو مچان دار باغات انہوں نے تیار کئے تھے ان سب کو ہم نے مسمار کر دیا۔ (۱۳۷)

نکات:

☆ ''ارث'' ایسے مال ومنال کو کہا جاتا ہے جو بغیر کسب وکار اور بغیر کسی معاملہ کے انسان کو مل جائے۔ خواہ وہ چیز مردوں سے ملے یا زندوں سے حاصل ہو۔ (تفسیر نمونہ)

☆ حضرت موسیٰ اور ان کے پیروکاروں کا دریا سے عبور کرنا، فرعونیوں کا غرق ہونا اور ان پر عذاب آنا، قیامت کا ایک مختصر منظر ہے کہ جہاں سب جہنم میں جائیں گے اور متقین نجات حاصل کریں گے۔ ''وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ ... ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا۝'' (مریم۔۷۱۔۷۲)

☆ فرعونیوں کے اختیار میں جو سرزمین تھی، وہ بہت وسیع تھی، اس کے کئی افق تھے، اس میں کئی طلوع اور غروب تھے۔ ''مَشَارِقَ الۡاَرۡضِ وَمَغَارِبَهَا'' اسی طرح محصولات بھی وافر تھیں، مادی معنوی برکات کا نزول تھا کیونکہ بہت سے انبیائے الٰہی کی بعثت اور مدفن کا مقام تھا۔

☆ انسان کے کشف کرنے سے پہلے قرآن مجید نے بتایا کہ زمین کرہ کی شکل میں ہے کیونکہ طلوع کا زیادہ ہونا یعنی تعدد مشرق ''مشارق'' اور تعدد مغرب ''مغارب'' کے ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ زمین گول ہو اور اپنے مدار کے گرد حرکت کرتی ہو۔

☆ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے پیغمبر اسلامؐ کو بھی کامیابی کی خوشخبری دی ہے، ''وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ'' میں ''رَبِّكَ'' کا لفظ استعمال کرنا، معنی دیتا ہے کہ تم بھی ہماری حمایت میں شامل ہو۔

پیغام:

۱۔ پروردگار کی طرف سے مستضعفین کی حمایت صرف بنی اسرائیل سے مخصوص نہیں ہے بلکہ پروردگار کا ایک ازلی طریقہ ہے۔ ''اَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ الَّذِيۡنَ كَانُوۡا يُسۡتَضۡعَفُوۡنَ'' نہیں فرمایا: ''اَوۡرَثۡنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ''

۲۔ بنی اسرائیل، طویل عرصے تک فرعونیوں کے ہاتھوں ظلم وستم کا شکار رہے اور ہر شعبے میں انہیں کچلا گیا۔ كَانُوْا

یُسۡتَضۡعَفُوۡنَ ‘‘

۳۔ انبیاء کی حکومت، مستضعفین کی حکومت ہے۔ ’’یُسۡتَضۡعَفُوۡنَ

۴۔ کامیابی کی شرط، صبر اور استقامت ہے۔ ایسے مستضعفین اور ایسی ملت جو صبر کرنے والی اور استقامت کرنے والی ہو، زمین کی وارث ہوگی۔ ’’اَوۡرَثۡنَا ۔۔۔ بِمَا صَبَرُوۡا ؕ ‘‘

۵۔ خدا تعالیٰ بغیر کسی کمی بیشی کے اپنے وعدے پر عمل کرتا ہے۔ ’’وَ تَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ ‘‘

۶۔ فرعونیوں کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کا اقتدار حاصل کرنا، پروردگار کے خوبصورت بیان اور وعدوں میں سے ہے۔ ’’کَلِمَتُ رَبِّکَ الۡحُسۡنٰی ‘‘

۷۔ معاشرتی و تاریخی تغیر و تبدل، سب خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ ’’اَوۡرَثۡنَا ۔۔۔ وَ دَمَّرۡنَا ‘

۸۔ طاغوتی جاہ و حشمت کے سارے نشان معاشرے سے مٹا دیے جانے چاہئیں۔ ’’دَمَّرۡنَا ‘‘

۹۔ صنعت و حرفت اور فن تعمیر کے لحاظ سے قوم فرعون بہت ترقی کر چکی تھی۔ ’’یَصۡنَعُ ۔۔۔ یَعۡرِشُوۡنَ ﴿۱۳۷﴾‘‘ لیکن ہر ترقی اور وسعت جو دین اور ایمان سے الگ ہو اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔

آیت نمبر ۱۳۸ ۔ ۱۳۹ ۔ ۱۴۰

وَ جٰوَزۡنَا بِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡبَحۡرَ فَاَتَوۡا عَلٰی قَوۡمٍ یَّعۡکُفُوۡنَ عَلٰۤی اَصۡنَامٍ لَّہُمۡ ۚ قَالُوۡا یٰمُوۡسَی اجۡعَلۡ لَّنَاۤ اِلٰـہًا کَمَا لَہُمۡ اٰلِـہَۃٌ ؕ قَالَ اِنَّکُمۡ قَوۡمٌ تَجۡہَلُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾

اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا ہُمۡ فِیۡہِ وَ بٰطِلٌ مَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۹﴾

قَالَ اَغَیۡرَ اللّٰہِ اَبۡغِیۡکُمۡ اِلٰـہًا وَّ ہُوَ فَضَّلَکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۴۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور بنی اسرائیل کو ہم نے دریا سے صحیح و سالم، پار لگا دیا۔ پس وہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرے جو اپنے بتوں کے چاروں طرف تعظیم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں (بنی

اسرائیل) نے (یہ منظر دیکھنے کے بعد) کہا: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایسے ہی معبود (بت) بنا دو جیسے معبود ان لوگوں نے بنا رکھے ہیں۔ موسیٰ نے کہا: تم جاہل و نادان ہو۔ (۱۳۸)

(موسیٰ نے کہا:) ان لوگوں کا (جنہیں تم دیکھ رہے ہو، کفر و شرک کی وجہ سے ان کا) انجام نابودی ہے اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ سب باطل اور لغو بات ہے۔ (۱۳۹)

(اس کے بعد موسیٰ نے) کہا: کیا میں خدائے برحق کے علاوہ کوئی دوسرا معبود تمہارے لیے چاہوں، ایسا خدا جس نے تمہیں تمہارے زمانہ کے لوگوں پر برتری عطا کی ہے؟! (۱۴۰)

نکات:

☆ ''متبر'' کا لفظ ''تبار'' سے ہے جس کے معنی ہلاکت ہیں۔

☆ وہ لوگ جو ایک عمر تک سحر و جادو سے مانوس رہے تھے، ایک معجزہ دیکھنے کے بعد ایسے مومن ہوئے کہ فرعون کی دھمکیاں بھی انہیں لرزا نہ سکیں۔ لیکن حضرت موسیٰ کے طرفداروں نے تمام معجزات دیکھنے کے باوجود، فرعون پر کامیابی پانے کے بعد بھی ان کے اندر موجود قومی انحراف اور بت پرستی کی حس نے انہیں گمراہ کر دیا اور یہانتک کہ انہوں نے جناب موسیٰ سے بت بنانے کا تقاضا بھی کر دیا۔

☆ ایک دن کسی یہودی نے مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: تم مسلمانوں نے ابھی اپنے پیغمبر کا جنازہ دفن نہیں کیا تھا کہ اختلاف شروع کر دیا۔ اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا: ہمارا اختلاف تو حضرت پیغمبر خداؐ کی باتوں کے سلسلے میں تھا نہ تو خود پیغمبر کے بارے میں اور نہ ہی خدا کے بارے میں تھا۔ جبکہ تمہارے پاؤں ابھی دریا کے پانی سے خشک نہیں ہوئے تھے کہ تم نے موسیٰ سے بتوں کا تقاضا شروع کر دیا۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۳۱۷)

پیغام:

۱۔ (حق یا باطل) کی پرستش، بشری تاریخ میں ہمیشہ سے رہی ہے۔ ''یَّعۡکُفُوۡنَ عَلٰۤی اَصۡنَامٍ لَّهُمۡ'' (حضرت موسیٰ کے دور میں بھی بت پرست لوگ موجود تھے۔)

۲۔ ماحول مجبور نہیں کرتا لیکن اثر انداز ضرور ہوتا ہے۔ ''فَاَتَوۡا عَلٰی قَوۡمٍ۔۔۔'' لہٰذا جب تک انسان کا ایمان و عقیدہ پختہ نہ ہو جائیں اسے اس وقت تک گمراہ کن اور خطرناک ماحول سے دور رہنا چاہیے۔ کبھی ایک منظر دیکھ لینے سے (خواہ وہ منظر فلم کی صورت میں ہو یا تصویر کی، ڈش انٹینا کی صورت میں ہو، مجلس یا محفل ہو) اس طرح انسان پر اثر انداز ہوتا ہے کہ تربیت کرنے والوں کی تمام زحمات پر پانی پھر جاتا ہے، وہ شخص متزلزل اور فاسد ہو جاتا ہے۔

۳۔ کبھی انسان اپنے پاس موجود اہم ترین نعمات سے غفلت برتا ہے اور ان کی نسبت ناسپاس ہو جاتا ہے۔ ''جٰوَزۡنَا۔

--اجْعَلْ لَّنَآ''

۴۔کبھی انسان اس قدر کج اندیش ہوجاتا ہے کہ الٰہی راہبروں سے بھی ناروا قسم کی درخواستیں کرنے لگتا ہے۔''يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ''

۵۔افراد اور اقوام دونوں ہر لمحہ انحراف و گمراہی کے خطرات سے دوچار ہیں۔''قَالُوْا يٰمُوْسَى ---''

۶۔سطحی ایمان، بہت جلد چلا جاتا ہے۔''وَجٰوَزْنَا---قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ''

۷۔بیرونی اور اجنبی دشمن سے بدتر اندرونی نادان دوست ہوتے ہیں۔''جٰوَزْنَا---قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ ---''

۸۔لوگوں کے مطالبات ہمیشہ صحیح نہیں ہوتے۔ ہر جگہ پر اکثریت اور اس کے مطالبے اہم نہیں ہوا کرتے۔''قَالُوْا -- -اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ''

۹۔کسی کو اپنے لیے نمونہ عمل قرار دینا، تقلید کرنا، نقل کرنا، انسانی خصائل میں شامل ہے۔''اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ''

۱۰۔بت پرستی کی جڑ، جہالت ہے۔ بت پرستی عقل سے دور فعل ہے۔''تَجْهَلُوْنَ ۝۱۳۸''قرآنی بیان میں جہل، عقل کے مقابلے میں ہے، علم کے نہیں، یعنی غیر عقلی کام کو جہل کہا جاتا ہے۔

۱۱۔محسوس خدا، جسے لمس کیا جا سکے (جیسے بت)، اس قسم کے خدا کا تقاضا، وہ بھی موسیٰ جیسے بزرگوار پیغمبر سے کہنا، گہری اور ریشہ دار جہالت کی علامت ہے۔''تَجْهَلُوْنَ ۝۱۳۸''

۱۲۔فکری انحراف بھی ختم ہوجانے والا ہے اور عملی انحراف بھی ختم ہوجاتا ہے۔''مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۳۹''جس میں یہ ہیں وہ تباہی ہے اور جو کچھ یہ انجام دے رہے ہیں وہ باطل ہے۔ باطل کا اختتام نابودی ہے۔ لہٰذا اس کے ظاہر سے بچ کر رہیں کہیں وہ ہمیں فریب نہ دے۔

۱۳۔عبادت ہمیشہ عقل و شکر کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔''اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ''خدا تلاش کرنے سے ملتا ہے، بنانے سے نہیں بنتا۔''اَبْغِيْكُمْ''اس لیے غیر خدا کی عبادت کرنا انسان کی عقل کے خلاف ہے اور انسانی شکر گزاری کی روح اسے قبول نہیں کرتی۔

آیت نمبر ۱۴۱

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ

يُقَتِّلُوۡنَ اَبۡنَآءَكُمۡ وَيَسۡتَحۡيُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ‌ ؕ وَفِىۡ ذٰلِكُمۡ بَلَاۤءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَظِيۡمٌ ﴿۱۴۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور یاد کرو اس زمانہ کو جب ہم نے تمہیں فرعون والوں (کے پنجہ ظلم) سے نجات دی۔ وہ تم پر مسلسل ظلم کر رہے تھے، تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے اور لڑکیوں کو (اپنی خدمت اور کنیزی کیلئے) زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس (مصیبت) میں تمہارے رب کی طرف سے (تمہاری) بڑی آزمائش تھی۔ (۱۴۱)

نکات:

☆ ''يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ'' کا کلمہ ''سوم'' سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کے پیچھے جانا، یا کسی پر کوئی چیز زبردستی لاگو کر دینا، لاد دینا۔

☆ گذشتہ آیت میں بنی اسرائیل کی برتری اور فضیلت کے بارے میں بیان آیا تھا۔ اسے صرف خدا تعالیٰ کے ساتھ نسبت دی اور فرمایا: ''هُوَ فَضَّلَكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾'' لیکن اس آیت میں فرمایا: ''اَنۡجَيۡنَا'' ہم نے تمہیں نجات دی۔ یہاں مفرد اور جمع میں فرق شاید اس لیے ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے دی جانے والی نجات، خود بنی اسرائیل کے لوگوں کے صبر و استقلال اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی راہبری کی وجہ سے تھی، اور معمولاً جب لطف الٰہی کسی واسطہ سے انجام پائے تو جمع کی ضمیر استعمال کی جاتی ہے، مثلاً بارش کے بارے میں فرمایا: ''اَنۡزَلۡنَا'' (مومنون۔ ۱۸) کیونکہ اس میں دریا، گرمی، بادل، ہوا اور بعض دوسرے اسباب نے آپس میں مل کر بارش کیلئے راہ ہموار کی۔

پیغام:

۱۔ حقیقت میں اصل نجات دینے والی ذات صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ خواہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے قائد ہی کی قیادت میں نجات ملی ہو۔ ''اَنۡجَيۡنٰكُمۡ''

۲۔ خدا تعالیٰ کی نعمات کو یاد کرنا، پائیداری، استقلال اور شرک سے پرہیز کا سبب بنتا ہے۔ ''اَغَيۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِيۡكُمۡ ـ ـ ـ وَاِذۡ اَنۡجَيۡنٰكُمۡ''

۳۔ قائدین کو مسلسل نعمات الٰہی کی یاد آوری کرتے رہنا چاہیے تا کہ لوگ کسی غفلت کا شکار نہ ہو جائیں۔ ''وَاِذۡ

اَنْجَيْنٰكُمْ''

۴۔ اطرافیوں اور یاروں کے بغیر طاغوت کا بھی کوئی زور نہیں ہوتا۔''اٰلِ فِرْعَوْنَ''

۵۔ طاغوتی طاقتیں اپنی حکومتوں کو بچانے کی خاطر بے گناہوں کا خون بہادیا کرتی ہیں۔''يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ''

۶۔ عورتیں اور جوان، طاغوت کے نشانے ہوتے ہیں، انہی کے بارے میں طاغوت زیادہ نقشے بناتا ہے۔''يُقَتِّلُوْنَ ---يَسْتَحْيُوْنَ---''

۷۔ ایسی ماؤں کو زندہ رکھنا جن کے بچوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا گیا ہو، بدترین سزا ہے۔''سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ط''

۸۔ کبھی ناگوار اور تلخ حوادث، آزمائش الٰہی کا ذریعہ ہوتے ہیں۔''بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ''

۹۔ سختیاں اور مشکلات جتنی بھی بڑی ہوں، انہیں انسانی تربیت اور امتحان الٰہی کا ذریعہ قرار دیں۔''وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾''

آیت نمبر ۱۴۲

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے موسیٰ سے (کوہ طور میں تورات اور آیات الٰہی کے نزول کیلئے) تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا، اس کے بعد (مزید) دس راتوں سے اس کی تکمیل کر دی۔ اس طرح اس کے پروردگار کا اس سے وعدہ چالیس راتوں کی صورت میں پورا ہوا۔ موسیٰ نے (اس وعدہ گاہ پر جانے سے پہلے) اپنے بھائی ہارون سے کہا: تم میری قوم میں میرے جانشین ہو جاؤ اور (ان کی) اصلاح کرو اور مفسدوں کی راہ پر نہ چلنا۔ (۱۴۲)

نکات:

☆ سورت بقرہ کی ۵۱ نمبر آیت میں جناب موسیٰ کے ساتھ چالیس شب کے وعدے کا ذکر ہے: ''وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ''، لیکن یہاں تیس شب میں دس شب کے اضافہ کے ساتھ بیان ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام کے فرمان کے مطابق اس طرح سے بنی اسرائیل کی آزمائش مقصود تھی۔ روایات میں ہے کہ اس کی پہلی تیس راتیں ماہ ذی القعدہ کی ہیں اور بعد والی دس راتیں اول ماہ ذی الحجہ کی ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

اگرچہ حضرت موسیٰ مکمل طور پر چالیس شبانہ روز کوہ طور پر رہے (جیسا کہ تورات کے سفر خروج میں بھی آیا ہے۔) لیکن اس کے باوجود لفظ ''لَيْلَةً'' استعمال کیا گیا ہے اور یہ شاید اس لیے ہے کہ غالب طور پر مناجات رات میں کی جاتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ قدیم زمانے میں کیلنڈر کی بنیاد چاند پر رکھی جاتی تھی، اور چاند رات کو ہی آشکار ہوتا ہے، اسی لیے دنوں کی گنتی کرنے کیلئے بھی رات ہی کو عنوان بنایا جاتا تھا۔

☆ خدائی پروگرام میں تبدیلی حکمت کی بنیاد پر ہے جیسے کوئی ڈاکٹر بعض خاص حالات و کیفیات میں بیمار کا نسخہ بدل دیتا ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں، لہٰذا تیس رات میں دس راتیں اضافہ کرنے سے چالیس راتیں پوری کر دی گئیں۔

خدا تعالیٰ کے بارے میں ''بدا'' کے حوالے سے کہا جاتا ہے، اس کے معنی پروگرام کو شرائط کے تبدیل ہونے کی بنیاد پر تبدیل کرنا ہے۔ البتہ ان تمام تبدیلیوں کا علم خدا تعالیٰ کے پاس پہلے سے موجود ہے۔ جیسے ڈاکٹر جانتا ہے کہ آپریشن کے دو دن بعد بیمار کی طبیعت میں تبدیلی ہوگی، اس وقت اسے اس نسخہ کے علاوہ دوسری دوائی اور دوسرے نسخہ کی ضرورت پیش آئے گی۔

خدا تعالیٰ کے بارے میں ایسی کسی تبدیلی کے حوالے سے ہرگز یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں پشیمانی ہوگئی ہے یا ہدف بدل گیا ہے یا کسی نئی بات کا علم ہوا ہے یا کوئی کیفیت میں تبدیلی آگئی ہے، ایسی کوئی بھی نسبت خدا تعالیٰ کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں جہالت اور محدودیت کے معنی پائے جاتے ہیں جو کہ انسان کا خاصہ ہیں۔ خدا تعالیٰ انسان کی تربیت اور امتحان کی خاطر ان تبدیلیوں کو انجام دیتا ہے۔

☆ ''اَرْبَعِيْنَ'' اور چالیس کے عدد میں کچھ راز ہیں۔ ادیان میں اور اسلامی روایات میں اس عدد کا خاص مقام ہے، چنانچہ ہم پڑھتے ہیں:

۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں کافروں پر عذاب کی خاطر چالیس دن تک بارش ہوتی رہی۔

۔ چالیس سال تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم صحرا اور بیابانوں میں دربدر آوارہ پھرتی رہی۔

۔ پیغمبر اکرمؐ چالیس دن تک جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا سے الگ رہے، اعتکاف میں بیٹھے رہے یہانتک کہ آسمانی کھانا نازل ہوا، جو کہ جناب زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت کی بنیاد بنا۔

۔رسول خداؐ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔

۔چالیس سال تک روحانی اور معنوی بالیدگی کے اسباب مہیا ہوتے رہتے ہیں اس کے بعد کام مشکل اور حساب سخت ہو جاتا ہے۔

۔چالیس دن اخلاص کے ساتھ عمل کرنے سے انسان کا دل حکمت سے لبریز ہو جاتا ہے اور اس کی زبان سے حکمت کے سرچشمے جاری ہونے لگتے ہیں۔

۔مشکلات سے آسانی کیلئے اور پریشانیوں کو دور کرنے کیلئے بعض سورتوں اور دعاؤں کو چالیس مرتبہ پڑھنے کی سفارش کی گئی ہے۔

۔چالیس دن تک اعمال کا قبول نہ ہونا منجملہ نماز کا قبول نہ ہونا، بعض گناہوں کے تکرار کی وجہ سے ہے۔

۔اگر کسی کے جنازے پر چالیس مومن اس کی نیکی کی گواہی دے دیں تو خداوند عالم اسے بخش دیتا ہے۔(سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۵۰۴۔۵۰۵) بعض کتابیں عدد چالیس کی بنیاد پر لکھی گئی ہیں، جیسے چہل حدیث۔(تفسیر فرقان و اربعین در فرہنگ اسلامی، سید رضا تقوی)

☆ کس طرح مان لیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وقتی طور پر غیبت پر جانے کیلئے جانشین مقرر فرمائیں لیکن خاتم النبیینؐ اپنی ابدی غیبت پر جاتے ہوئے اپنا کوئی جانشین مقرر نہ فرمائیں؟! جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں حدیث منزلت میں پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ''انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ'' یعنی اے علی! تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کیلئے ہارون تھے۔ یہ حدیث تواتر کے ساتھ اہل سنت کی معتبر کتابوں میں ذکر ہوئی ہے۔(صحیح بخاری، ج ۶، ص ۳؛ صحیح مسلم، ج ۴، ص ۱۸۷؛ سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۴۲ اور مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۲)

۔ہم سوال یہ کرتے ہیں کہ کیا امام زمانہؑ کے دور میں ان کی غیبت میں لوگوں کو یونہی بغیر راہبر کے رہا کر دیا گیا ہے؟ یا کوئی نظام متعارف کروایا گیا ہے؟

☆ قوم موسیٰ کیلئے دو طرح کی آزمائش ہوئی: ایک حضرت موسیٰ کا وعدہ گاہ میں دس دن زیادہ رکنا اور دوسری آزمائش سامری کا بچھڑا تھا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝۸۵ ''(طٰہٰ۔۸۵) جناب موسیٰ نے فرمایا: میں آیات الٰہی کے حصول کی خاطر تیس راتیں میعاد گاہ میں جاؤں گا، اور پھر تیس راتیں جب گذر گئیں اور جناب موسیٰ واپس نہ آئے۔ لوگوں نے کہا: موسیٰ نے وعدہ خلافی کی ہے۔ انہوں نے اپنی امیدیں ختم کر دیں اور گمراہی کے راستے پر چل پڑے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جناب موسیٰ کے کوہ طور پر چلے جانے سے، ان کا خدا تو ان کے درمیان سے نہیں چلا گیا تھا کہ لوگ اسے چھوڑ کر بت پرستی کی طرف چلے جاتے۔

☆ آیت میں اصلاح سے مراد، معاشرتی مسائل اور پورے معاشرے کی اصلاح ہے، انفرادی اور شخصی اصلاح مراد

نہیں ہے۔(''اَصْلِحْ '' کا لفظ ''اخْلُفْنِیْ '' کے بعد آیا ہے۔)

☆ حضرت موسیٰ کے دور میں بھی ہر زمانہ کی طرح سازش کرنے والے مفسدین موجود تھے۔ جناب موسیٰ ان سے پریشان تھے اور جناب ہارون سے ان کے بارے میں تاکید کیا کرتے تھے کہ انہیں موقعہ نہ دو کہ معاملات کا اختیار ان کے ہاتھ میں چلا جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے (حالات سے مجبور ہو کر) ان کے پیچھے چل پڑو۔''وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴿۱۴۲﴾ ''

پیغام:

۱۔کسی مقدماتی کام خودسازی اور عبادت کے بغیر کسی پیغمبر پر آسمانی کتاب نازل نہیں ہوتی۔ بلکہ اس مقصد کیلئے شخصی صلاحیت کے ساتھ ساتھ مخلصانہ عبادت اور شبانہ وعارفانہ مناجات لازمی ہیں۔''وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً ۔۔۔''

۲۔ذمہ داریاں خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہوں اور خواہ راہبر کی ذات سے ہی کیوں نہ متعلق ہوں انہیں عبادت، اعتکاف اور خدا کے ساتھ راز و نیاز سے مانع نہیں ہونا چاہیے۔''وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ۔۔۔''

۳۔انبیا کے ساتھ خدا تعالیٰ کی معیادگاہ کوہ طور اور غار حرا جیسی ہوتی ہے، جبکہ خدا کی طرف سے اپنے صالح بندوں کی ضیافت دعا و مناجات کے ذریعے ہے۔''وٰعَدْنَا ۔۔۔''

۴۔مناجات کیلئے بہترین وقت رات کا وقت ہے۔''لَيْلَةً ''

۵۔پوری چالیس راتوں کی عبادت کے خاص اثرات ہوتے ہیں۔''وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ ''

۶۔کاموں کیلئے ایک مدت، ایک خاص وقت کا تعین ہونا چاہیے۔''اَرْبَعِيْنَ ''

۷۔نئے راہبر کو تجربہ کار پرانے راہبر کے شانہ بشانہ تحریک کے ہر ایک نشیب و فراز میں ساتھ رہنا چاہیے۔''قَالَ مُوْسٰی لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ ۔۔۔''

۸۔معاشرے کو بغیر راہبر کے نہیں چھوڑنا چاہیے۔معاشرے میں کوئی نہ کوئی راہبر ہونا چاہیے۔''اخْلُفْنِيْ ''

۹۔اذن الٰہی کے ساتھ انبیاء کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا اختیار ہے۔''اخْلُفْنِيْ ''

۱۰۔لوگوں کے راہبر و امام کا تقرر خدائی تاکید اور پیغمبر کے ذریعے ہونا، صحیح ہے۔''اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ '' یہ جانشینی لوگوں کی اصلاح کے مقصد سے ہو،''اصلاح'' اور انحراف وگمراہی سے دور ہو،''وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴿۱۴۲﴾ ''

۱۱۔ایک ہی دور میں بیک وقت دو راہبر نہیں ہو سکتے، جب تک پیغمبر حضرت موسیٰ موجود ہیں، جناب ہارون نے نبی ہونے کے باوجود راہبری کی باگ دوڑ کو ہاتھ میں نہیں لیا۔''اخْلُفْنِيْ ''

(امامت وراہبری، نبوت کے علاوہ ہے، لہٰذا جناب موسیٰؑ نے اپنی غیبت کے دوران کیلئے جناب ہارون کو اپنا جانشین

اور قوم کا راہبر مقرر فرمایا۔)

۱۲۔انبیاء اس قدر عوام کے خیر خواہ ہوتے ہیں کہ اپنی چند دن کی غیر موجودگی میں بھی اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے لوگوں کو بغیر سرپرست کے نہیں چھوڑتے۔ ''اخْلُفْنِيْ''

۱۳۔کسی بھی معاشرے کے راہبر کا اصلی فرض، امت کی اصلاح کرنا ہے۔ ''اَصْلِحْ''

۱۴۔اگر عوام الناس خود بخود فساد وخرابی کی طرف جھک جائیں یا اس کے خواہاں ہو جائیں تو راہبر کو اپنے فریضہ سے سے ہاتھ نہیں اٹھالینا چاہیے، اسے کسی سے نہیں گھبرانا چاہیے۔ ''وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴿۱۴۲﴾''

۱۵۔دہرانا اور یاددہانی ہر صورت میں مفید ہے۔اس کے باوجود کہ جناب ہارون علیہ السلام پیغمبر اور معصوم تھے، پھر بھی جناب موسیٰ علیہ السلام نے انہیں دو اہم فرائض اصلاح کرنے اور فساد سے دور رہنے کی طرف متوجہ فرمایا۔ ''اَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ ۔۔۔''

۱۶۔فساد پھیلانے والوں کی موجودگی اور ان کی پیروی کرنے والوں کے ہوتے ہوئے معاشرے کی اصلاح کا مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ ''اَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴿۱۴۲﴾''

۱۷۔معاشرے کو اصلاح کرنے والے راہبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ ''اَصْلِحْ'' ایسی قیادت جو ہرگز بھی فساد پھیلانے والوں کی آراء اور سازشوں کے سامنے تسلیم نہ ہو جائے۔

۱۸۔اللہ کا قانون اس قدر قداست اور پاکیزگی رکھتا ہے کہ اسے وصول کرنے کیلئے مکمل طور پر روحانی آمادگی کی ضرورت ہے۔ ''وٰعَدْنَا''

آیت نمبر ۱۴۳

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۴۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور جس وقت موسیٰ ہماری میعادگاہ میں آئے اور انکے پروردگار نے ان سے بات کی انہوں نے عرض کی، اے پروردگار! تو اپنے کو مجھے دکھلا دے تاکہ میں تجھے دیکھ لوں (پروردگار نے) کہا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ پاؤ گے۔ لیکن (ذرا) پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے لیکن جب موسیٰ کے پروردگار نے پہاڑ پر (اپنا) جلوہ کیا (اور اپنی عظمت کا پرتو پہاڑ پر ڈالا) تو اسے (گرا کر) زمین کے برابر کر دیا۔ موسیٰ بیہوش ہو کر گر گئے، جب وہ ہوش میں آئے تو انہوں نے عرض کی: خدایا، تو اس بات سے منزہ ہے (کہ تجھے کوئی دیکھ سکے) میں توبہ کرتا ہوں اور تیری جانب واپس آتا ہوں اور میں مومنوں میں پہلا ہوں۔ (۱۴۳)

نکات:

☆ ''دَکًّا'' کے معنی ہیں صاف اور چٹیل زمین۔ ''جَعَلَهٗ دَكًّا'' یعنی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا حتیٰ کہ چٹیل میدان بن کر رہ گیا۔

☆ ''خَرَّ'' کے معنی سقوط کرنا اور گرنا ہیں۔ ''صَعِقًا'' کے معنی خوفناک آواز سن کر بیہوش ہو جانا ہیں۔

☆ وہ خدائی طاقت جو پہاڑ پر وارد ہوئی، کیا وہ ایٹم کی عظیم طاقت تھی، یا آواز کی مضبوط لہریں تھیں یا کوئی اور پوشیدہ طاقت تھی؟ جو کوئی بھی تھی اس نے پہاڑ کو پھاڑ دیا۔ وحشت ناک آواز کے ساتھ پہاڑ کے ریزہ ریزہ ہو کر ٹوٹنے کے اثر سے (یا مکاشفہ دیکھنے یا باطنی جذبہ کی وجہ سے) جناب موسیٰ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ (تفسیر نمونہ)

خدا تعالیٰ کو دیکھنے کا جاہلانہ مطالبہ بنی اسرائیل کی طرف سے تھا۔ وہ جناب موسیٰ سے مطالبہ کر رہے تھے کہ وہ چاہتے ہیں اپنی آنکھوں کے ساتھ خدا کو دیکھیں اور موسیٰ انہیں اسی طرح خدا کو دکھائیں۔ (آیت ۱۵۵) وہ کافر اس بات سے غافل ہیں کہ وہ اپنی آنکھوں سے خدا تعالیٰ کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ'' (انعام۔ ۱۰۳) بلکہ خدا تعالیٰ کو دل کی نورانی آنکھ سے دیکھو اور اس پر ایمان لاؤ، جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''رأته القلوب بحقایق الایمان'' (تفسیر صافی)

چشم دل باز کن کہ جان بینی

آنچہ نا دیدنی است آن بینی

دل کی آنکھ کو کھولو تا کہ اپنی جان کو دیکھ پاؤ جو کچھ نظر نہ آنے والا ہے وہ دیکھ پاؤ

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام ''اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' کے بارے فرماتے ہیں: ''انا اول من آمن و صدق

بانك لا تُری ''یعنی میں اس بات پر سب سے پہلے ایمان لانے والا اور تصدیق کرنے والا ہو جاؤں کہ خدا تعالیٰ اس ظاہری آنکھ سے قابل رؤیت نہیں ہے۔ (تفسیر اثنی عشری)

☆ ایک محفل میں مامون نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا: کیا آپ نہیں کہتے کہ انبیاء معصوم ہیں، تو پھر کیوں جناب موسیٰ نے خدا تعالیٰ سے اُسے دیکھنے کی درخواست کیوں کی؟ ''اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ ؕ '' کیا موسیٰ نہیں جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ قابل رؤیت نہیں؟

امامؑ نے جواب میں اسے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ اس ظاہری آنکھ سے قابل رؤیت نہیں ہے مگر جب جناب موسیٰ سے خدا تعالیٰ نے گفتگو کی اور جناب نے لوگوں میں اس بات کا اعلان کیا، لوگ کہنے لگے: ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم خود اللہ کا کلام نہ سنیں گے۔

بنی اسرائیل میں سے ستر لوگ انتخاب کیے گئے اور وہ کوہ طور کی معیادگاہ پر پہنچے۔ حضرت موسیٰ نے خدا تعالیٰ کے سامنے ان کی درخواست کو رکھا۔ اس موقعہ پر انہوں نے تمام اطراف سے خدا تعالیٰ کے کلام کو سنا، لیکن کہنے لگے ہم پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم خود خدا کو کلام کرتے ہوئے دیکھ نہ لیں۔ وہاں آسمان سے بجلی نازل ہوئی اور وہ سب کے سب وہیں ہلاک ہو گئے۔

حضرت موسیٰ نے خیال کیا کہ اگر میں اس صورت حال میں یہاں سے واپس گیا تو لوگ کہیں گے کہ تم اپنی بات میں سچے نہیں ہو، تم نے دوسروں کو قتل کر دیا ہے۔ اذن الٰہی کے ساتھ وہ سب دوبارہ زندہ ہو گئے۔ اس مرتبہ وہ کہنے لگے اگر تم اکیلے ہی خدا کو دیکھ لو تب بھی ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ جناب موسیٰ نے کہا: ''ان الله لا یُری بالابصار و لا کیفیة له و انما یعرف بآیاته و یکلم باعلامه'' خدا تعالیٰ کو ان آنکھوں کے ساتھ نہیں دیکھا جا سکتا، اسے تو صرف نشانیوں اور علائم کے ساتھ درک کیا جا سکتا ہے۔

وہ لوگ ضد کرنے لگے تو بارگاہ حق سے خطاب آیا: موسیٰ! مجھ سے وہ پوچھو جو یہ پوچھتے ہیں اور ہم تمہیں ان کی جہالت کی وجہ سے مواخذہ نہیں کریں گے۔ حضرت موسیٰ نے کہا: ''رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ ؕ '' جواب آیا: ''لَنۡ تَرٰىنِیۡ '' ہرگز نہیں، لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر یہ باقی رہ گیا تو تم بھی مجھ دیکھ پاؤ گے۔

ایک الٰہی اشارے کے ساتھ وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور میدان بن گیا، جناب موسیٰ کو جب ہوش آیا تو کہنے لگے: ''سُبۡحٰنَكَ تُبۡتُ اِلَیۡكَ' خدایا! میں لوگوں کی اس جہالت اور غفلت سے پلٹ کر تیری شناخت اور معرفت کی طرف آتا ہوں جو میں پہلے سے رکھتا تھا، میں پہلا وہ شخص ہوں جو یہ اعتراف کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو سر کی آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ مامون یہ جواب سن کر شرمندہ سا ہو گیا۔ (تفسیر نور الثقلین اور تفسیر فرقان)

حقیقت میں جناب موسیٰ اس جملہ ''اَرِنِیۡۤ '' اور اس کے جواب ''لَنۡ تَرٰىنِیۡ '' کے ذریعہ چاہتے تھے کہ لوگوں کو بتائیں

کہ خدا تعالیٰ میرے لیے بھی قابل رؤیت نہیں ہے، چہ رسد باقی سب لوگ۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا: اگر خدا تعالیٰ قابل رؤیت نہیں ہے تو پھر ان روایات کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، جو بتاتی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے خداوند عالم کو دیکھا یا بہشت میں مومنین خداوند عالم کو دیکھیں گے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا: بہت برا ہے کہ ایک شخص ستر، اسی سال خدا تعالیٰ کی زمین پر زندگی گذارے، اس کے دیے ہوئے رزق و روزی سے استفادہ کرے، اور جس طرح اسے جاننا چاہیے نہ جانے۔ پیغمبر اکرمؐ نے خدا تعالیٰ کو آنکھ سے نہیں دیکھا، اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا اور کافر ہے، جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا: ''مَن شبه الله بخلقه فقد کفر'' جو کوئی خداوند عالم کو مخلوقات کی صفات کے ساتھ تشبیہ دے، وہ کافر ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس سوال کے جواب میں کہ اے برادر پیغمبر! کیا آپ نے خداوند عالم کو دیکھا ہے؟ فرمایا: ''لم اعبد ربا لم اره و لم تره العیون بمشاهدة الاعیان و لکن تراه القلوب بحقایق الایمان'' جس خدا کو میں نہیں دیکھا، میں اس کی عبادت نہیں کرتا۔ لیکن اسے سر کی آنکھوں کے ساتھ نہیں دیکھا جاسکتا، اسے تو حقائق ایمان کے ساتھ دل دیکھ پاتے ہیں۔ (تفسیر فرقان ؛ معانی الاخبار)

دوسری جگہ فرمایا: ''ما رائتُ شیئا الا و قد رأئتُ الله قبله و بعده و معه و فیه'' میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ اس میں، اس سے پہلے، اس کے بعد اور اس کے ہمراہ خداوند عالم کو دیکھا ہے۔ (تفسیر فرقان)

آنکھ اسے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی، ''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ'' (انعام۔ ۱۰۳) لیکن دل کی آنکھ سے پروردگار کو درک کیا جاسکتا ہے، چنانچہ قرآن مجید نے فرمایا: ''وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾'' (نجم۔ ۱۳۔ ۱۴) پیغمبر خدا نے معراج میں آیات الٰہی کو دیکھا۔ البتہ تورات میں کوہ طور پر جانے سے متعلق حضرت موسیٰ کے بارے میں جو واقعہ ذکر ہوا ہے وہ تحریفات سے پُر ہے۔ (تورات، سفر خروج، باب ۲۴، آیت ۹)

پیغام:

۱۔ پروردگار کا جناب موسیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونا، ان کی رشد و تربیت کی خاطر تھا۔ ''كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ''

۲۔ وعدہ گاہ پر آنا اور کلام الٰہی کو سننا، اس بات نے جناب موسیٰؑ کے اندر شوق دیدار کو بڑھکا دیا۔ ''وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ''

۳۔ خداوند، ظاہری آنکھ کے ساتھ نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں قابل رؤیت ہے۔ ''لَنْ تَرٰىنِيْ''

۴۔ طبعی موجودات پر خدا تعالیٰ کی تجلی کا امکان ہے۔ ''تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ''

۵۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے آثار کے ذریعہ پہچانا جاسکتا ہے اور اس کے جلوؤں کو دیکھا جاسکتا ہے۔ (البتہ یہ بات بھی یاد

رہے کہ جلووں کی حقیقت بھی اچھی طرح واضح نہیں ہے بلکہ ان کے آثار مشہود ہیں۔) "تَجَلّٰی ---جَعَلَهٗ دَكًّا"

۶۔ خداوند عالم قابل رویت ہی نہیں ہے ورنہ حضرت موسیٰ صاحب ادراک اور صاحب صلاحیت ہیں۔ "سُبۡحٰنَكَ"

۷۔ خداوند تعالیٰ کا آنکھ سے دیکھے جانا، اس کے جسم ہونے کی علامت ہے، جبکہ خدا تعالیٰ کو جسم وجسمانیت سے منزہ جاننا چاہیے۔ "سُبۡحٰنَكَ"

۸۔ بے جا فکر، ناروا تقاضا کیلئے بھی توبہ کرنی چاہیے، جب بھی پروردگار عالم کی نسبت کوئی باطل تصور آئے فوراً اسے اس سے منزہ جاننا چاہیے۔ "سُبۡحٰنَكَ"

۹۔ حقیقت روشن اور واضح ہو جانے کے بعد، اسے قبول کر لینا چاہیے اور اس کا اعتراف کرنا چاہیے۔ "قَالَ ---وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴿۱۴۳﴾"

آیت نمبر ۱۴۴

قَالَ يٰمُوۡسٰۤى اِنِّى اصۡطَفَيۡتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىۡ وَبِكَلَامِىۡ ۖ فَخُذۡ مَاۤ اٰتَيۡتُكَ وَكُنۡ مِّنَ الشّٰكِرِيۡنَ﴿۱۴۴﴾

ترجمۃ الآیات

(اللہ نے) فرمایا: اے موسیٰ! میں نے تجھے اپنا پیغام پہنچانے اور اپنے ساتھ کلام کرنے کے لیے تمام لوگوں سے برگزیدہ کیا ہے۔ پس جو کچھ میں نے تمہیں (کتاب اور الواح) عطا کی ہیں اسے لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔ (۱۴۴)

نکات:

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: خداوند نے جناب موسیٰ سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں منتخب کیا؟ کیونکہ میرے دربار میں تمہارا خضوع وخشوع بے نظیر تھا، جب بھی تم نماز کیلئے اٹھتے، بہت اچھے انداز سے خود کو خاک پر بٹھاتے۔ (تفسیر صافی)

ایک اور حدیث میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا: کیونکہ تم میرے بندوں کے درمیان میری نسبت خود کو پست تر اور ذلیل تر تصور کرتے تھے۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔حضرت موسیٰ، خدا کے مخلص بندے تھے۔''اصْطَفَيْتُكَ''(''اصطفاء'' خالص گوہر کو منتخب کرنے کے معنی میں ہے۔)

۲۔نبوت و رسالت کا مقام، انتصابی ہے انتخابی نہیں ہے۔''اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ''

۳۔لوگوں کی ناروا درخواست کو آگے پیش کرنا، جناب موسیٰ کی برگزیدگی اور نبوت میں رکاوٹ نہیں تھی۔''اصْطَفَيْتُكَ''

۴۔میعادگاہ میں چالیس راتیں عبادت کرنا، تورات کو حاصل کرنے اور اسے نافذ کرنے کا مقدمہ تھا۔''جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا۔فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ''

۵۔طاغوت کے خاتمے اور دینی حکومت کے قیام کے بعد قانون و احکام الٰہی کے اجرا کا سفر شروع ہونا چاہیے۔''فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ''

۶۔کسی کیلئے بھی دین اور ہدایت کی ذمہ داری اس کیلئے ایک نعمت الٰہی ہے کہ جس کیلئے شکر ادا کرنا ضروری ہے۔''وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾''(زبان سے شکر ادا کرنے کے علاوہ خدائی احکام پر عمل کرنا بھی شکر کے زمرے میں آتا ہے۔)

آیت نمبر ۱۴۵

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے ان کیلئے الواح (تورات) میں ہر قسم کی نصیحت لکھی تھی اور ہر چیز کی تفصیل بیان کر دی تھی۔(اے موسیٰ!) اسے مضبوطی سے تھام لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ ان میں جو بہترین ہیں (مثلاً عفو و قصاص میں سے عفو) انہیں اختیار کریں۔جلد ہی فاسقوں کی (یہ) جگہ ہم تمہیں

دکھلا دیں گے۔(۱۴۵)

نکات:

☆"اَلۡوَاح" سے مراد وہی تورات کے لکھے ہوئے پتھر ہیں، جن کے بارے میں گذشتہ آیت میں ذکر ہوا ہے۔

☆"وَاۡمُرۡ قَوۡمَكَ يَاۡخُذُوۡا بِاَحۡسَنِهَا" میں احسن سے مراد کیا ہے، اس بارے میں مختلف قول نقل ہوئے ہیں، منجملہ: بہترین قدرت حاصل کرنا، یا بہترین علم وعمل حاصل کرنا، اعمال میں سے اہم اور مہم کا خیال رکھتے ہوئے اہم عمل کو انجام دینا، یا یہ کہ تورات کے تمام قوانین احسن ہیں کیونکہ اس دور کے بہترین قوانین ہیں۔لیکن مطلق احسن، قرآن مجید ہے۔ چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے: "وَاتَّبِعُوۡۤا اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ الۡعَذَابُ بَغۡتَةً وَّاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ﴿۵۵﴾"(زمر۔۵۵)احسن کی اتباع کرو جوتم پر نازل کیا گیا،تمہارے رب کی طرف سے،اس سے پہلے کہ تم پر تمہاری بغاوت کی وجہ سے عذاب آئے اورتم سمجھ بھی نہ سکو۔

☆ممکن ہے آیت سے مراد یہ ہو کہ اگر تورات پر مضبوطی سے عمل کریں گے تو دشمن پر غلبہ پائیں گے اوران کے گھروں کو حاصل کرلیں گے۔

☆امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "مِنۡ كُلِّ شَيۡءٍ" اس بات کو بیان کررہی ہے کہ خداوند نے جناب موسیٰ کیلئے تمام امور کو بیان نہیں فرمایا۔(تفسیر نورالثقلین)

☆"دَارَ الۡفٰسِقِيۡنَ﴿۱۴۵﴾" سے مراد فرعونیوں کا محل اور دربار ہے یا قوم موسیٰؑ کے داخل ہونے سے پہلے بیت المقدس کے رہائشیوں کے گھر ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس مراد قیامت میں ان مخالفین کا مقام ہو جنہوں نے حضرت موسیٰ کے فرامین کی خلاف ورزی کی ہو۔(تفسیر راہنما)

پیغام:

۱۔تورات،تحریری صورت میں نازل ہوئی تھی۔"كَتَبۡنَا"

۲۔وحی کو وصول کرنے اور معاشرے کی قیادت کیلئے قوت، ارادہ اور سنجیدگی کی ضرورت ہے۔"فَخُذۡهَا بِقُوَّةٍ وَّاۡمُرۡ قَوۡمَكَ"

۳۔چند ایک راستوں اور کئی ایک پروگراموں کے درمیان سے بہترین طریقہ کار کا انتخاب کرنا چاہیے اور بہترین طاقت وقوت کے ساتھ کام کو انجام دینا چاہیے۔"بِاَحۡسَنِهَا"

۴۔آسمانی قانون کے ساتھ مخالفت فسق ہے اوراس کی سزا ہے۔"سَاُورِيۡكُمۡ دَارَ الۡفٰسِقِيۡنَ﴿۱۴۵﴾"

۵۔عمل کرنے میں راہبر کو سب سے پہلے ہونا چاہیے۔(خداوند تعالیٰ سب سے پہلے خود جناب موسیٰ کو حکم فرمارہا ہے پھر

بعد میں لوگوں سے فرمایا۔)''خُذْ۔۔۔یَاْخُذُوْا''

آیت نمبر ۱۴۶

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

ترجمۃ الآیات

جو لوگ زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں ان کو میں اپنی آیتوں (پر ایمان) سے جلد ہی پلٹ دوں گا۔ (اس طرح کہ) وہ (ہماری قدرت کی) جس آیت کو بھی دیکھیں گے اس پر ایمان نہ لائیں گے اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں گے تو اس پر نہ چلیں گے، اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں گے تو اس کو اختیار کریں گے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ان سے غافل تھے۔ (۱۴۶)

نکات:

☆ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: جب مسلمانوں کی نظر میں دنیا کا جلوہ ہوگا تو اسلام کی ہیبت ان سے رخصت ہو جائے گی اور جب وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دیں گے تو وحی کی برکت سے محروم ہو جائیں گے۔ ''و اذا ترکوا الامر بالمعروف و النھی عن المنکر حرمت برکۃ الوحی'' (تفسیر صافی)

پیغام:

۱۔ تکبر کرنے والوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ ہدایت اور آیات الٰہی پر ایمان سے محروم ہو جائیں گے۔ ''سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ''

۲۔ خدا وند تعالیٰ بلا وجہ کسی سے اپنا لطف و کرم نہیں پلٹا تا، بلکہ یہ خود انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ''سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ''

۳۔ انسان کا تکبر، اس کے بے بنیاد قسم کے تصورات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ''یَتَکَبَّرُوْنَ ۔۔۔ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ''

۴۔ انسان جیسے کمزور اور محتاج کو ہرگز تکبر زیب نہیں دیتا۔ ''یَتَکَبَّرُوْنَ ۔۔۔ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ''

۵۔ اگر تکبر جاری رہے تو دوسری بہت سی آیات بھی انسان کی ہدایت نہیں کرتیں۔ ''یَتَکَبَّرُوْنَ ۔۔۔ کُلَّ اٰیَۃٍ''

۶۔ انسان اپنی ہدایت یا گمراہی کے راستے کو انتخاب کرنے میں آزاد ہے۔ ''لَا یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا ۚ ۔۔۔ یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا ۚ''

۷۔ غفلت کا جاری رہنا اور آیات الٰہی کو جھٹلاتے رہنا، تکبر، تفکر میں کجی اور انتخاب میں گمراہی کا موجب ہے۔ ''ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا عَنْھَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۴۶﴾''

آیت نمبر ۱۴۷

وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَۃِ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ ؕ ھَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ جو کچھ انہوں نے کیا ہے کیا اس کے علاوہ کی ان کو کوئی سزا ملے گی؟ (۱۴۷)

نکات:

☆ ''حبط''، عمل کے نابودی کے معنی میں ہے۔ ''حبطت الناقۃ'' یعنی ایسا اونٹ جس نے زہر کھا لیا ہے اور اس کا پیٹ پھول گیا ہے اور اس میں سوراخ ہو گیا ہے۔ انسان کے بعض اعمال بھی زہر کی طرح کام کرتے ہیں اور انسان کی ایک طویل عمر کے کردار کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ (تفسیر فی ظلال القرآن)

☆ حبط عمل، عدل الٰہی کے خلاف نہیں ہے بلکہ قہری اور تکوینی قانون کے مطابق اور انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ ''ھَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾''

پیغام:

۱۔ کفر اور تکذیب، گذشتہ اعمال کے حبط ہونے کا موجب ہے۔ ''كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ''

۲۔ قیامت کا کیفر اور پاداش، ہمارے ہی اعمال کا تجسم ہے۔ ''هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۴۷﴾''

۳۔ گناہ سے زیادہ بری چیز، گناہ پر اصرار کرنا ہے۔ ''كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۴۷﴾''

آیت نمبر ۱۴۸

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ﴿۱۴۸﴾

ترجمة الآيات

قوم موسیٰ نے اس کے (کوہ طور کی طرف جانے کے) بعد اپنے زیورات سے ایک گوسالہ بنایا (اور اس کی پرستش کرنے لگے)، ایک (بے جان) جسم جس میں گائے کی سی آواز تھی۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ وہ ان سے بات بھی نہیں کرسکتا اور راہ (راست) کی طرف ہدایت نہیں کرسکتا؟ انہوں نے اس کو (بطور اپنے خدا کے) انتخاب کرلیا اور جبکہ وہ ظالم تھے۔ (۱۴۸)

نکات:

☆ ''عِجْلًا'' نر بچھڑے کو کہا جاتا ہے۔ ''حُلِيِّ'' مختلف زیورات کو کہتے ہیں، ''خُوَارٌ'' گائے کی مخصوص آواز کو کہا جاتا ہے۔

☆ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند تعالیٰ سے عرض کی: سامری نے لوگوں کیلئے سونے کا ایک بچھڑا بنایا ہے، لیکن اس کی آواز کیسی ہے؟ وحی آئی کہ یہ لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہے۔ ''یا موسیٰ ان تلك فتنة فلا تفحص عنها'' (تفسیر فرقان) قرآن نے مزید فرمایا: ''اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ'' (اعراف۔ ۱۵۵)

☆ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کو چار سورتوں میں ذکر کیا ہے۔ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کی ثقافتی اور معاشرتی جڑیں پہلے سے موجود تھیں۔ کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے کئی سال تک مصر میں گائے کی شکل کے بتوں کو دیکھا تھا۔ دوسری بات یہ ہے جیسا کہ ہم آیت ۱۳۸ میں پڑھ چکے ہیں کہ جب دریائے نیل سے عبور کر کے وہ اس پار پہنچے تو ان کی نگاہیں پہلی مرتبہ ایسی قوم پر جا پڑیں جو گائے کی پوجا کر رہی تھی، اس کا بھی انہوں نے فوری اثر لیا، جو اُن کی روح میں گہرائی تک باقی رہا۔

اس کے علاوہ تیسری بات یہ ہے کہ تیس راتوں کی مدت چالیس راتوں میں تبدیل ہوگئی، جس کی وجہ سے مخالفین کے ہاتھ میں جناب موسیٰ کی موت کو افواہ بنا کر پھیلانے کا بہانہ آ گیا۔ اس طرح گمراہی کا راستہ صاف ہوگیا اور آخر میں لوگوں کی جہالت اور سامری کا فن وجہ بنا کہ قوم موسیٰ، خدا پرستی سے گوسالہ پرستی کی طرف مائل ہوگئی۔ (تفسیر نمونہ)

اس بنا پر گمراہی کے چند اسباب ہیں:

۱۔ اصل راہبر کا نہ ہونا۔

۲۔ لوگوں کی جہالت اور ناآگاہی۔

۳۔ گمراہ علماء اور ماہرین، علم وفن سے غلط استفادہ۔

۴۔ ظاہری خوبصورتی اور چمک دمک۔

۵۔ شور شرابا، ہنگامہ اور جھوٹی تبلیغ۔

☆ سورۃ طٰہٰ کی آیت ۸۷ میں گوسالہ کو بنانے کی نسبت سامری کے ساتھ دی گئی ہے، حیرانی یہ ہے کہ تورات میں یہ نسبت جناب ہارون کے ساتھ دی گئی ہے؟! (تورات، سفر خروج، باب ۳۲)

البتہ اس آیت میں قوم موسیٰ کے ساتھ نسبت دی گئی ہے، کیونکہ وہ اس کے بہت سے کاموں پر راضی تھے اور اس کی مدد بھی کر رہے تھے۔ (تفسیر نمونہ)

☆ حضرت موسیٰ نے لوگوں کی ہدایت، انحراف اور سامری کے جال سے بچنے کیلئے محسوس دلائل سے استفادہ کیا۔ مثلاً گوسالہ کی الوہیت کی نفی کیلئے بیان فرمایا کہ وہ بنایا گیا ہے مصنوع ہے، صانع نہیں بنانے والا نہیں۔ ایک جگہ کا محتاج ہے، یہ وزن، حجم اور شکل رکھتا ہے۔ اس کے پاس کسی کیلئے ہدایت یا راہنمائی نہیں ہے، جس کے ذریعے وہ ہدایت دے۔ (تفسیر المیزان)

پیغام:

۱۔ کبھی انسان ایسی چیز کو اہمیت دینے لگ جاتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، یہاں تک کہ اس کی پرستش کرنے کی حد تک چلا جاتا ہے۔ ''وَاتَّخَذَ''

۲۔ گوسالہ پرستی کی طرف دعوت، راہبر کی نافرمانی کے بعد اور سچی قیادت کی غیر موجودگی میں ہی دی جاتی ہے۔ ''مِنۢ

بَعْدِهٖ ''(جس وقت حضرت موسیٰ میعادگاہ کی طرف گئے ہوئے تھے۔)

۳۔لوگوں کو گمراہ کرنے کی خاطر دشمن، فن و ہنر اور نفسانی رجحانات سے بھی استفادہ کرتا ہے۔(طلائی مجسمہ)'' حُلِيِّهِمْ عِجْلًا ''

۴۔اقوام کا ارتداد بھی طویل تاریخ رکھتا ہے۔''وَاتَّخَذَ۔۔۔عِجْلًا۔۔۔''

۵۔سامری کا گوسالہ ایک مجسمہ کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔''جَسَدًا''

۶۔انسان کے گمراہ ہونے میں چمک دھمک اور شور شرابا بھی اہم کردار رکھتے ہیں۔''حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ''اسی بنا پر ہر آواز، چمک دھمک اور خوبصورتی کے پیچھے نہیں چلے جانا چاہیے۔

۷۔انسان کے معبود کو انسان کا ہادی بھی ہونا چاہیے یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہدایت کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے۔''لَا يَهْدِيْهِمْ''

۸۔شرک ظلم ہے۔جو کوئی بغیر کسی دلیل اور صرف اپنی ضد کی بنیاد پر حق کے راستے کو چھوڑ کر اپنے ہی ہاتھ کے بنائے ہوؤں کا اسیر ہو جائے وہ ظالم ہے۔''كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾''

آیت نمبر ۱۴۹

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

ترجمة الآيات

جب انہیں حقیقت کا پتہ چلا(گوسالہ پرستی کی حقیقت کھل گئی)(وہ پشیمان ہوئے)اور انہوں نے دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو انہوں نے کہا: اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم ضرور گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔(۱۴۹)

نکات:

☆ عام طور پر انسان ندامت و پشیمانی کے وقت اپنی ٹھوڑی کو اپنے ہاتھوں میں لیتا ہے اور فکر کرتا ہے، جیسے کہ وہ اپنے ہاتھوں میں گر گیا ہے۔لہٰذا قرآن فرماتا ہے:''سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ ''(تفسیر راہنما) شاید اس بات کا کنایہ ہو کہ گوسالہ ان کی

آنکھوں کے سامنے گر گیا اور ٹوٹ گیا، چنانچہ ہم پڑھتے ہیں: ''وَانْظُرْ اِلٰٓی اِلٰـهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا﴿۹۷﴾'' (طٰہٰ۔۹۷)

پیغام:

۱۔ کچھ انسان جب تک اپنے کیے کا نتیجہ نہ دیکھ لیں اپنی غلطی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ خواہ جس قدر نقصان اٹھا لیں۔ ''لَمَّا سُقِطَ''

۲۔ گوسالہ پرستی کے ماضی کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ ''لَئِنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا''

۳۔ رحمت و مغفرت الٰہی کے بغیر انسان خسارے میں ہے۔ ''الْخٰسِرِیْنَ﴿۱۴۹﴾''

آیت نمبر ۱۵۰

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗٓ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴿۱۵۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب موسیٰ (کوہ طور سے) اپنی قوم کی طرف غضب ناک اور رنجیدہ پلٹے (اور انہوں نے ان کی گوسالہ پرستی دیکھی) تو انہوں نے کہا: تم لوگ میرے بعد میرے برے جانشین نکلے۔ کیا تم نے اپنے رب کے فرمان (اور مدت میعاد کی دس رات تجدید اور فیصلہ) کے بارے میں عجلت سے کام لیا، (اور صبر نہ کیا کہ میں کوہ طور سے واپس آ جاؤں)؟ اس کے بعد انہوں نے الواح (تورات) کو ڈال دیا، اپنے بھائی کے سر کو پکڑ لیا اور (غصہ میں اسے) اپنی طرف

کھینچا۔اس (ہارون) نے کہا: اے میرے ماں جائے! اس قوم نے مجھے کمزور کر دیا (میری بات نہیں سنی) اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیں، لہٰذا (میں بے گناہ ہوں) کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ دشمن مجھے شماتت کریں (اور خوش ہو جائیں) اور مجھے ظالم گروہ میں قرار نہ دو۔(۱۵۰)

نکات:

☆ حضرت علیؑ کے ساتھ کی جانے والی مخالفتوں کے بعد ایک دن آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: میرے لیے نمونہ عمل اور سیرت، انبیا ہیں۔لیکن میری مثال میرے بھائی ہارون کی جیسی ہے کہ جناب ہارون نے اپنے بھائی سے کہا: یَاابۡنَ اُمَّ اِنَّ الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِیۡ وَکَادُوۡا یَقۡتُلُوۡنَنِیۡ ''اب اگر ہم یہ کہیں کہ انہیں کمزور نہیں کیا گیا، خوار نہیں کیا گیا، ان کے قتل کرنے کیلئے کوئی اقدام نہیں ہوا تو ہم قرآن مجید کے منکر ہوتے ہیں اور اگر وہی ہوا اور آپ اس کو قبول کرتے ہوں تو پس جناب ہارون عذر رکھتے تھے اور ان کا خاموش ہو جانا ضروری تھا۔(تفسیر نور الثقلین)

پیغمبر اکرمؐ نے بھی آپ نے فرمایا: ''یا علی ۔۔۔ فانك مني بمنزلة هارون من موسىٰ ولك بهارون اسوة اذا استضعفه قومه و كادوا يقتلونه '' یا علی! بے شک تمہاری نسبت میرے ساتھ ایسی ہے جیسی ہارون کی موسیٰ کے ساتھ تھی اور تمہارے لیے اسوہ ہارون جیسا ہے کہ اس کی قوم نے اسے کمزور کر دیا اور اسے قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔پس تم بھی قریش کی دشمنی پر صبر کرو۔(تفسیر فرقان)

☆ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: حضرت موسیٰ نے اپنے غصہ کا اظہار کرنے کے لیے جب لوگوں کے درمیان آئے تو جناب ہارون کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آئے، ورنہ خدا تعالیٰ نے جناب موسیٰ کو ان کی قوم کی گوسالہ پرستی کی خبر کوہ طور پر ہی دے دی تھی (تفسیر فرقان)

☆ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جناب ہارونؑ اپنی قوم سے اتنی اذیت اور تکالیف پانے کے بعد بھی ان کے درمیان رہے کیونکہ اگر وہ انہیں چھوڑ کر جناب موسیٰؑ کے پاس چلے جاتے تو یقیناً عذاب الٰہی اس قوم پر نازل ہو جاتا۔''اذا فارقهم ينزل بهم العذاب'' (تفسیر نور الثقلین ، تفسیر فرقان ، تفسیر اثنیٰ عشری)

پیغام:

۱۔فکری انحرافات کے مقابلے میں دینی غیرت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔''غَضۡبَانَ اَسِفًا''

(امام خمینیؒ نے جس طرح آیات شیطانی کے مصنف سلمان رشدی مرتد کے خلاف دینی غیرت کا اظہار کیا۔)

۲۔اولیاء اللہ کا غم و غصہ لوگوں کے حال پر افسوس کی بنا پر ہوتا ہے، ان کا کوئی ذاتی نظریہ نہیں ہوتا، جو کچھ ہوتا ہے اللہ کیلئے ہوتا ہے۔''غَضۡبَانَ اَسِفًا''

۳۔ ارتداد اور رجعت پسندی، ہر انقلاب اور اصلاحی تحریک کی آفت ہوتی ہے۔ ''بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ'' (لہٰذا راہبر کو چاہیے کہ پہلے سے اس بات کا اندازہ لگائے اور اس کا تدارک کرے۔)

۴۔ کبھی کبھی فاسد اور گمراہ معاشرے میں بعض اوقات انبیاء کی کوششیں بھی بارآور ثابت نہیں ہوتیں۔ ''بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ''

۵۔ اوامر اور فرمان الٰہی سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ ''اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ''

۶۔ جناب موسیٰؑ کی طرف سے تاخیر اور کوہ طور پر ٹھہرنے کی مدت میں توسیع فرمان الٰہی تھا، جناب موسیٰؑ کی درخواست نہیں تھی۔ اس میں تربیتی پہلو پایا جاتا تھا۔ ''اَمْرَ رَبِّكُمْ''

۷۔ جب بھی اصول خطرے میں پڑ جائیں تو فروع کو چھوڑ دینا چاہیے۔ ''اَلْقَى الْاَلْوَاحَ'' جب جناب موسیٰؑ نے دیکھا کہ لوگ مشرک ہو گئے ہیں اور خدا پرستی سے ہاتھ کھینچ لیا ہے، انہوں نے الواح تورات جو کہ دستورات اور قوانین الٰہی تھے، انہیں ایک طرف رکھا اور اصل مسئلہ پر بات شروع کر دی۔

۸۔ گمراہ معاشرے میں بیداری لانے کیلئے واضح طور پر مذمتی تحریک چلنی چاہیے اور سزا نافذ ہونی چاہیے، ایسے کہ سب کو یاد رہ جائے۔ ''اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗ''

نہج البلاغہ میں پڑھتے ہیں: حضرت علی علیہ السلام لوگوں میں سے غیر جانبدار رہنے والوں کے درمیان تحرک پیدا کرنے کی خاطر کبھی کبھی اپنے چہرہ مبارک پر ہاتھ مارتے تھے۔ ''ثم ضرب علی لحیته الکریمة'' (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۸۲)

۹۔ رشتہ داری میں کسی مقام و منصب کو دیکھتے ہوئے کسی کی لغزش سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے۔ ''اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ'' کبھی اپنے قریبیوں کو بھرے مجمع میں توبیخ و مذمت کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے تاکہ بات کی اہمیت واضح ہو سکے، دوسرے لوگ بھی خبردار ہو جائیں علاوہ ازایں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غیروں کی نظر سے بچانے کی خاطر ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ''اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ''

خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے خطاب کرتے ہوئے یوں فرمایا: ''لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝۶۵'' ''اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال یقیناً حبط کر لیے جائیں گے اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ (زمر۔ ۶۵) اس میں مقصد صرف دوسروں کو بات سمجھانا تھا۔

۱۰۔ غصہ میں کسی بھی شخص کے سامنے مہر و محبت سے لبریز گفتگو کرنی چاہیے۔ ''ابْنَ اُمَّ'' (اس آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ باوجودیکہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے والدین ایک نہ تھے لیکن جناب ہارونؑ نے جناب موسیٰؑ کو 'ماں جائے' کہہ کر خطاب کیا۔)

۱۱۔ کل کے وہ کمزور لوگ جنہیں جناب موسیٰؑ نے فرعون کے چنگل سے آزادی دلائی، آج اپنے ہی قائدین کی کمزوری کا باعث بن گئے۔ ''يَقْتُلُوْنَنِيْ''

۱۲۔ انسانی اخلاقی پستی ملاحظہ ہو کہ ہوا و ہوس اور بچھڑے کی پرستش کی خاطر اپنے ولی نعمت کو قتل کی دھمکیاں دینے لگ گئے تھے۔ ’’وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ‘‘

۱۳۔ انبیاء کے تمام اصحاب عادل نہ تھے، ان میں سے بعض مرتد بھی ہو گئے تھے۔ ’’وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ‘‘ جیسا کہ بعض گوسالہ پرست ہو گئے تھے۔

۱۴۔ دوستوں کی سرزنش کرتے ہوئے محتاط رہنا چاہیے کہ دشمن اس سے غلط استفادہ نہ کر لے۔ ’’فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ‘‘

۱۵۔ ظلم اور انحراف کی نسبت خاموشی اختیار کرنا اور غیر جانبدار رہنا، انسان کو ظالم کے برابر قرار دیتا ہے۔ ’’لَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝۱۵۰‘‘ جناب ہارونؑ، خاموشی کو ظلم تصور کرتے تھے، اس لیے فرمایا: میں خاموش نہیں رہا بلکہ مجھے خاموش ہونے پر مجبور کیا گیا، مجھے قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔

آیت نمبر ۱۵۱

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝۱۵۱

ترجمۃ الآیات

(جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے) کہا: پروردگارا! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے، ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو تمام مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔ (۱۵۱)

نکات:

☆ حضرت موسیٰؑ کی مغفرت طلبی یا تو دوسروں کو سبق دینے کے لیے تھی یا لوگوں کے درمیان حضرت ہارونؑ پر غصہ کرنے کی وجہ سے تھی۔ ’’رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ‘‘

حضرت موسیٰؑ نے اس جملہ کو بیان کرنے سے، جناب ہارونؑ کے پیار بھرے جملے ’’يَا ابْنَ اُمَّ‘‘ کا بہترین جواب دیا ہے۔

پیغام:

۱۔ بھائیوں اور اپنے ہمکار ساتھیوں کیلئے بھی دعا کرنی چاہیے۔ ''رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ''

۲۔ معاشرے کے طوفانی اور بحرانی حالات میں قائدین کو دوسروں سے زیادہ دعا اور خداوند کے لطف و کرم کی ضرورت ہوتی ہے۔ ''وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ''

۳۔ بخشش، خداوند عالم کی رحمت میں داخل ہونے کا مقدمہ ہے۔ ''اغْفِرْ لِیْ۔۔۔وَاَدْخِلْنَا''

۴۔ دعا کے وقت خداوند عالم کے بہترین لطف و کرم اور اعلیٰ صفات کو ذکر کرنا چاہیے۔ ''اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾''

آیت نمبر ۱۵۲

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾

ترجمۃ الآیات

وہ لوگ جنہوں نے گوسالہ کو اپنا معبود بنایا تھا، عنقریب اپنے رب کے غضب میں مبتلا ہوں گے۔ اور حیات دنیا میں گرفتار ذلت ہوں گے، ہم ان لوگوں کو جو (خدا پر) بہتان باندھتے ہیں، سزا دیتے ہیں۔ (۱۵۲)

نکات:

☆ اسی سورۃ کی آیت ۱۴۹ سے پہلے کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے کیے پر پشیمان ہوئے اور ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہوئی۔ توبہ کی قبولیت صرف اس صورت میں ہوتی ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ کی آیت ۵۴ میں بیان ہوا ہے کہ یہ اپنے آپ پر ظلم ہے اور ان سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اللہ کے حضور توبہ کریں اور ایک دوسرے کو قتل کریں۔ ''اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ''

جی ہاں! حق پرستی کے بعد ارتداد اور بچھڑے کو پرستش کرنے کی توبہ صرف زبان کے ساتھ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ کہنا نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے کو خود اپنے ہی ہاتھوں سے قتل کریں تا کہ مشرک کے ساتھ نبرد آزمائی کا یہ نظریہ رہتی دنیا تک اور آئندہ نسلوں میں

باقی رہے۔

☆ امام محمد باقر علیہ السلام نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا ہے: جو کوئی بھی اللہ کے دین میں بدعت ایجاد کرے، اسی دنیا میں ذلیل وخوار ہو کر رہے گا۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ دین کے انتخاب میں انسان آزاد ہے، اگرچہ کبھی ایسی چیز کی طرف راغب ہو جاتا ہے جو دین کے سقوط کا باعث ہو۔ ''اِنَّ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ سَيَنَالُهُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ''

۲۔ مرتد افراد خدا تعالیٰ کے مغضوب لوگ ہیں۔ ''اِنَّ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ سَيَنَالُهُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ''

۳۔ اولیائے خدا کا غضب، خدا کا غضب ہے۔ ''غَضۡبَانَ اَسِفًا ۙ۔ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ''

۴۔ وہ لوگ جو ایمان کی بجائے ہاتھوں ہی کے بنائے ہوئے بتوں کی چمک دمک اور شور وغل کے پیچھے چل پڑیں، ایسے لوگ اس دنیا میں ہی ذلیل وخوار ہو جائیں گے۔ ''وَذِلَّةٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ''

۵۔ خدائی قہر وغضب صرف بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ یہ ایک سنت الٰہی ہے جو مرتد اقوام کے ساتھ رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔ ''كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُفۡتَرِيۡنَ ﴿۱۵۲﴾''

آیت نمبر ۱۵۳

وَالَّذِيۡنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهَا وَاٰمَنُوۡۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنۡۢ بَعۡدِهَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۵۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور وہ لوگ جو برائی اور گناہ کریں اور اس کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لائیں (انہیں بخشش کی امید ہے، کیونکہ) تیرا رب اس (توبہ) کے بعد ضرور بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ (۱۵۳)

پیغام:

۱۔ توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے خواہ کوئی بہت مدت کے بعد توبہ کرنا چاہے۔ ''ثُمَّ تَابُوۡا'' (ثُمَّ، زمانی فاصلے کیلئے

استعمال ہوتا ہے۔)

۲۔ ہر خلاف ورزی کی توبہ، اسی کام کی تلافی ہے۔ بچھڑے کی پوجا کی توبہ یہ ہے کہ حقیقی معنوں میں لوٹ آنے کے بعد خدا پر ایمان لایا جائے۔ ''اٰمَنُوْٓا''

۳۔ توبہ کی طرف دعوت دینے سے پہلے اس کیلئے راہ ہموار کریں۔ ''ثُمَّ تَابُوْا ۔ ۔ ۔ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾''

۴۔ حقیقی معنوں میں توبہ کرنے والوں کے لیے خدا کی طرف سے بخشش کے علاوہ اس کی رحمت بھی ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ ''لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾'' جی ہاں! اسماء وصفات الٰہی کے حکیمانہ جلوے ہیں۔

آیت نمبر ۱۵۴

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا، تو انہوں نے (توریت کی) الواح کو (زمین سے) اٹھایا اور ان کے اندر ان لوگوں کے لیے، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، ہدایت اور رحمت لکھی ہوئی تھی۔ (۱۵۴)

پیغام:

۱۔ آسمانی قانون، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ رحمت کے ہمراہ ہدایت، خدا ترس لوگوں کے شامل حال ہوا کرتی ہے۔ ''هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾''

۲۔ تحریف نہ کی گئی تورات اپنے دور میں پرہیزگاروں کیلئے وسیلہ ہدایت تھی۔ پھر اس میں تحریف کر دی گئی۔ ''هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾''

۳۔ خدا تعالیٰ کا خوف، اس کی رحمت کے دروازوں کو انسان کیلئے کھول دیتا ہے۔ ''رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾''

۴۔ سوائے خداوند تعالیٰ کے کوئی حیثیت اور مقام و منصب ایسا نہیں ہے جس کے سامنے انسان خائف ہو اور خاضع ہو۔

"لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ﴿۱۵۴﴾"

آیت نمبر ۱۵۵

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ﴿۱۵۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور موسیٰ نے ہماری میعاد گاہ (میں آنے) کے لیے اپنی قوم میں سے ستر مردوں کو چنا۔ پھر (خدا کو دیکھنے کی ان کی درخواست کے بعد) جب زلزلہ نے انہیں آلیا (اور وہ ہلاک ہو گئے) تو کہا: میرے پروردگار! اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس (واقعہ) سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہمیں اس بات کی وجہ سے ہلاک کرے، جو ہم میں سے بعض نادانوں نے کی ہے؟ یہ صرف تیری ایک آزمائش ہے۔ جسے تو چاہے (مستحق گمراہی جانے) گمراہ کر دے اور جسے تو چاہے (مستحق ہدایت جانے اسے) ہدایت عطا کر دے۔ تو ہمارا ولی و سرپرست ہے، لہٰذا ہمیں بخش دے، ہم پر رحم فرما اور تو تمام بخشنے والوں سے بہتر ہے۔(۱۵۵)

نکات:

☆ کیا حضرت موسیٰؑ کا ایک میقات تھا یا چند ایک میقات تھے؟ وہاں ان لوگوں کی ہلاکت ان کے خدا کے دیدار کے تقاضے کی وجہ سے عمل میں آئی یا لوگوں کی گوسالہ پرستی کی وجہ سے؟ اس بارے میں کافی تفصیلی گفتگو ہے لیکن اس کا آیت کے سمجھنے سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا ہم اس سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کے اصحاب نے اس قدر معجزات دیکھنے کے باوجود بھی خدا کے دیدار یا اس کی آواز سننے کا شدید اصرار کیا اور ان کی تعداد ستر تھی، ان ستر لوگوں کو حضرت موسیٰ نے سات سو افراد کے درمیان میں سے منتخب کیا تھا۔ آمادگی کے بعد یہ لوگ کوہ طور پر گئے اور خدائی قہر و غضب میں مبتلا ہو گئے لہٰذا جو معجزات دیکھ چکا ہو اسے مزید بہانے نہیں بنانے چاہئیں۔

☆ ''ستر'' کا عدد بھی ''چالیس'' کے عدد کی طرح راز و رمز رکھتا ہے۔

☆ جب حضرت موسیٰ جیسے پیغمبر کے انتخاب شدہ افراد ایسے نکل آئیں تو عام لوگ کس طرح وقت کے امام کا انتخاب کر سکتے ہیں؟! کسی نے حضرت مہدیؑ سے پوچھا کہ لوگ کیوں امام کو انتخاب کرنے کا حق نہیں رکھتے؟ امامؑ نے فرمایا: حضرت موسیٰ نے ستر افراد کا انتخاب کیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اس لائق نہیں تھے۔ پس جب حضرت موسیٰ جیسے پیغمبر کے انتخاب شدہ افراد منحرف ہو گئے تو لوگوں کے انتخاب شدگان کی کیا حالت ہوگی۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ اہم مراکز اور حساس اداروں کو سنبھالنے کی خاطر انتخاب کیا جانا چاہیے، ایسے افراد انتخاب ہونے چاہئیں جو باصلاحیت اور لائق ہوں، ہر کسی کو آگے نہیں لانا چاہیے، ایسے شخص کو منتخب نہیں کرنا چاہیے جو ہر سطح پر آگے آنے کی کوشش کرتا ہو۔'' وَاخْتَارَ مُوْسٰی ''

۲۔ لوگوں کی باتوں کو برداشت کرنے سے زیادہ آسان مرجانا ہے۔'' لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ط '' (اے کاش! لوگوں کے کوہ طور پر آنے سے پہلے ہماری جان لے لیتے۔ اس بات کو تحمل کرنا مشکل ہے کہ وہ کہیں: تم نے بہترین کا انتخاب کیا اور پھر انہیں قتل گاہ پر لے گئے اور انہیں نابود کر دیا اور۔۔۔)

۳۔ پیغمبران اپنے اعمال اور کردار کیلئے ظاہر کے مطابق عمل کرتے ہیں، علم غیب کے مطابق اعمال انجام نہیں دیتے، اسی وجہ سے بسا اوقات انبیاء کے انتخاب شدہ افراد بھی نالائق ثابت ہوتے ہیں۔'' بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ج ''

۴۔ کبھی قہر خداوندی کی آگ اس قدر شعلہ ور ہو جاتی ہے کہ خشک و تر اس آگ میں راکھ ہو جاتے ہیں۔'' اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ج '' (اچھے لوگوں کو ان کی خاموشی اور غیر جانبدار رہنے کی وجہ سے سزا ملتی ہے۔)

۵۔ تمام حوادث اور بلائیں کبھی خدائی آزمائش ہوتی ہیں۔'' اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ط ۔۔۔'' ان حالات میں لوگ پہچانے جاتے ہیں اور انسان ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔'' تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ '

۶۔ دعا سے پہلے خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا، دعا کے آداب میں سے ہے۔'' اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ''

۷۔ جب تک روح گناہ کی آلودگی سے پاک نہ ہو جائے، رحمت الٰہی نہیں آتی۔'' فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ''

۸۔ خدا تعالیٰ کی بخشش اور بندوں کی بخشش میں فرق ہوتا ہے کیونکہ بندوں کی بخشش یا تو دیر سے ہوتی ہے یا منت و

احسان جتانے کے ساتھ یا پھر حقارت کا پہلو اپنے ساتھ لیے ہوتی ہے جبکہ بخشش خداوندی ایسی نہیں۔ ''خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ﴿۱۵۵﴾''

۹۔ بہانے بنانا، کم عقل کی دلیل ہے۔ ''السُّفَهَآءُ''

آیت نمبر ۱۵۶

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ۚ

ترجمۃ الآیات

اور (خداوندا!) تو ہمارے لیے دار دنیا میں اور دوسری دنیا میں بھی نیکی لکھ دے، کیونکہ ہم نے تیری طرف بازگشت کی ہے، (اللہ نے) فرمایا: میرا عذاب جسے میں چاہوں گا (اور وہ اس کا مستحق ہو تو) پہنچے گا اور جبکہ میری رحمت نے ہر چیز کو اپنی وسعت میں لیا ہوا ہے۔ جس (رحمت) کو میں ان لوگوں کے لیے لکھوں گا، جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ (۱۵۶)

نکات:

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سابقہ دعاؤں کے ساتھ اس درخواست کا بھی تعلق ہے۔

☆ ''هُدْنَآ'' کے لفظ کے ساتھ ان لوگوں کی توبہ کی طرف اشارہ ہے جو منحرف ہو گئے تھے اور خدا کے دیدار کا ناجائز مطالبہ کیا تھا۔

☆ ابن عباس کے مطابق جب آیت ''وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ'' نازل ہوئی تو شیطان بھی رحمت خدا سے امیدوار ہو گیا اور کہا: ''كُلَّ شَيْءٍ ؕ'' میں میں بھی شامل ہوتا ہوں۔ اس بات کو واضح کرنے کیلئے، اس کے وہم کو صاف کرنے کی خاطر خدا تعالیٰ نے فرمایا: ''فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ---''

جی ہاں! اللہ کی رحمت وسیع ہے اور ہر کسی کے شامل حال ہوگی لیکن غیر مومنین کیلئے رحمت الٰہی میں شامل ہونا اللہ کے تفضّل کے ساتھ ہے۔ (تفسیر اثنی عشری)

☆ روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نماز میں کہا: ''اللھم ارحمنی و محمداً ولا ترحم معنا احداً'' صرف مجھے اور حضرت محمدؐ کو اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے، کسی اور کو نہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے اس کی نماز ختم ہونے کے بعد تنقید کرتے ہوئے فرمایا: خدا تعالیٰ کی لا متناہی رحمت، اس کی لامحدود وسعتوں کو تم نے محدود کرنے کی کوشش کی ہے۔ (تفسیر مجمع البیان اور تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔ بہترین قدم اور بہترین کام وہ ہے جو پائیدار اور دائمی ہے۔ ''وَاكْتُبْ لَنَا''

۲۔ انبیاء لوگوں کی دنیا و آخرت کی سعادت کے خواہشمند ہیں۔ صرف دنیاوی کامیابی نہیں بلکہ وہ آخرت کی کامیابی بھی چاہتے ہیں۔ ''وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ''

۳۔ بہترین دعا وہ ہے جو سب سے زیادہ جامع ہو۔ ''فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ''

۴۔ خالص دل کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف بازگشت خدائی الطاف واکرام کے حصول کی راہ ہے۔ ''هُدْنَآ''

۵۔ خدا کی رحمت بے حد وحساب ہے اگر کوئی اس تک نہیں پہنچ پاتا تو اس کی اپنی کوتاہی ہے۔ ''رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ'' رحمت الٰہی کی فاعلیت میں کوئی نقص نہیں بلکہ یہ ہماری قابلیت میں فرق ہے جو ہم اللہ کی وسیع رحمت تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔

۶۔ خدا تعالیٰ کی رحمت تو بہت وسیع ہے لیکن اس کا عذاب ایسا نہیں ہے۔ ''رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۔۔۔ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ''

۷۔ رحمت الٰہی اصل ہے اور اس کا عذاب عارضی ہے۔ (رحمت بیان کرنے کی خاطر فعل ماضی ''وَسِعَتْ'' کا استعمال کیا گیا ہے جبکہ عذاب کو بیان کرنے کیلئے فعل مضارع ''اُصِيْبُ'' آیا ہے۔)

۸۔ انبیاء کی دعائیں بھی خدا تعالیٰ کے قانون اور اس کی حکمت کی حدود کے اندر اندر ہی مستجاب ہوتی ہیں۔ ''اكْتُبْ لَنَا ۔۔۔ سَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۔۔۔''

۹۔ تقویٰ اور فرائض کی ادائیگی کے ساتھ رحمت الٰہی میں شمولیت حتمی ہے۔ ''سَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۔۔۔'' لیکن گناہ اور نافرمانی کی موجودگی میں عذاب حتمی نہیں ہے۔ کیونکہ توبہ واستغفار کے ذریعے مغفرت کا امکان موجود ہے۔ ''عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ''

۱۰۔ خدا کی رحمت بے انتہا اور لامحدود ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانے کی شرط یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے، زکوٰۃ ادا ہو اور ایمان باقی رکھا جائے۔ ''يَتَّقُوْنَ ۔۔۔ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ؁۱۵۶'' اس بنا پر اگر کوئی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا

اور غیر متقی ہو، وہ رحمت الٰہی سے محروم ہے اور عذاب الٰہی کے خطرے میں ہے۔

۱۱۔ یہودیوں کی شریعت میں بھی زکوٰۃ موجود تھی۔ ''وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ''

۱۲۔ جو چیز الطاف الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے وہ بعض نہیں بلکہ تمام آیات الٰہی پر ایمان لانا ہے۔ ''بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴿۱۵۶﴾''

آیت نمبر ۱۵۷

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۱۵۷﴾

ترجمۃ الآیات

(اللہ کی رحمت ان کو شامل ہے جو ایمان، زکوٰۃ اور تقویٰ کے علاوہ) جو لوگ (خدا کے اس) فرستادہ نبی اُمی کی پیروی کرتے ہیں، جس کی صفات (نام اور علامتیں) وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں پاتے ہیں، اور یہ نبی انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، پاکیزہ چیزیں ان کے لیے حلال قرار دیتا ہے، ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور وہ ان کے کاندھوں سے بوجھ (سخت فرائض) ہٹاتا ہے اور ان تمام طوق و سلاسل کو ان سے الگ کرتا ہے (اور انہیں آزاد کرتا ہے)، پس جو لوگ اس پر ایمان لائے، انہوں نے اسکی حمایت و مدد کی اور اس نور (قرآن) کی پیروی کی جو اس پر نازل ہوا ہے، وہ کامیاب ہیں۔ (۱۵۷)

نکات:

☆''اُمِّيّ''ایسا کلمہ ہے جو''اُم'' کی طرف منسوب ہے، جس کے معنی''ماں'' ہیں۔ اُمی ایسے شخص کو کہتے ہیں جس نے کسی سے کوئی سبق نہ پڑھا ہو اور بالکل ایسے ہو جیسے شکم مادر سے متولد ہوا ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے:''اُمِّيّ''اس شخص کو کہتے ہیں جو''اُمت'' یعنی عوام الناس سے تعلق رکھتا ہو، طبقہ اشرافیہ سے اس کا تعلق نہ ہو، غریبوں کا حامی ہو۔ کچھ نے اس لفظ کو''اُمِّ القریٰ'' سے منسوب کیا ہے جو کہ مکہ کا نام ہے یعنی اُمی سے مراد مکی ہے۔

☆ پیغمبر اسلامؐ امی اور درس نہ پڑھے ہوئے تھے،''الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيّ'' چنانچہ سورت عنکبوت کی آیت ۴۸ میں پڑھتے ہیں:''وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ ''(تم نے ہرگز بھی اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھی اور اپنے ہاتھوں سے کچھ نہیں لکھا۔) جبکہ حضورؐ لکھنے پڑھنے دونوں کی صلاحیت رکھتے تھے۔(تفسیر نمونہ)

☆ بعثت کے دور میں پورے مکہ میں ۱۷ مردوں اور ایک عورت کے سوا کوئی پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا۔ اگر پیغمبر اکرمؐ نے کسی سے ایک لفظ بھی سیکھا ہوتا تو کبھی بھی لوگوں کے درمیان خود کو اُمی نہ کہلواتے۔(تفسیر نمونہ نقل از فتوح البلدان بلاذری، ص ۴۵۹)

☆''اِصر''سنبھال کر رکھنا، جس میں رکھنا، ہر ایسا سخت کام اور ایسا مشکل فرض جو انسان کو کسی کام کا نہ چھوڑے۔ عہد و پیمان، کیفر و سزا کو بھی''اصر''کہا گیا ہے۔

''اغلال'' جمع ہے''غُل'' کی، جس کے معنی زنجیر کے ہیں۔ اس میں باطل عقائد، خرافات، بت پرستی، بدعت اور جاہلانہ بے بنیاد رسم و رواج بھی شامل ہیں۔

☆ ہم اگرچہ بعض وجوہات کی بنا پر تورات و انجیل کو تحریف شدہ سمجھتے ہیں لیکن پھر بھی انہی تحریف شدہ کتابوں میں پیغمبر اسلامؐ کی ذات سے متعلق کئی اشارے اور بشارتیں موجود ہیں، جو اس چیز کا باعث ہیں کہ اہل کتاب، پیغمبر خدا کو پہچان سکیں، بالکل ایسے پہچانیں جیسے باپ اپنی اولاد کو جانتا ہے۔(تورات، سفر تکوین، فصل ۱۷، آیت ۱۸؛ سفر پیدائش، باب ۴۹، آیت ۱۰؛ انجیل یوحنا، باب ۱۴، آیت ۱۵، باب ۱۵، آیت ۲۶)

اگر پیغمبر اسلامؐ کا نام اور آپؐ کی علامتیں تورات اور انجیل میں نہ ہوتیں تو مخالفین ان دو کتابوں کو اٹھا کر لے آتے اور کہتے: ہمیں تو اس میں کچھ نہیں ملا۔ اس بنیاد پر وہ دشمنی پر اتر آتے۔ جبکہ وہ تو، ان پر ہونے والی لشکر کشیوں اور مغلوب ہو کر بڑے بڑے جرمانے ادا کرنے اور جزیہ دینے کی بنیاد پر دشمن ہوئے ہیں۔

☆ متعدد شیعہ و سنی احادیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: قرآن مجید میں جب بھی کوئی آیت مومنین کی صفات کے بارے میں نازل ہوئی ہے یا نیک خوبیوں کے بارے آئی ہے، ان سب میں''علی'' سرفہرست ہیں اور ان کے راہبر ہیں۔''ما انزل اللہ آیۃ فیھا ''یا ایھا الذین آمنوا'' الا و علیؑ راسھا و امیرھا''(تفسیر فرقان)

☆ پیغمبر خداؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: آپ کے بعد ایک قوم آئے گی، جنہوں نے کوئی پیغمبر نہ دیکھا ہوگا، صرف کتاب اور مکتوب کے ذریعے ایمان لائیں گے۔ اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر مجمع البیان)

پیغام:

۱۔ پیغمبر اسلامؐ کے پیروکاروں اور امتیوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔ ''سَاَکْتُبُهَا ۔۔۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ''

۲۔ پیغمبر اسلامؐ کی ذات اقدس خدا تعالیٰ کی وسیع رحمت کے حصول کا وسیلہ ہیں۔ ''وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ط فَسَاَكْتُبُهَا ۔۔۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ''

۳۔ پیغمبر اسلامؐ کے پاس مقام نبوت بھی تھا اور مقام رسالت بھی رکھتے تھے۔ ''الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ'' ''نبی'' اُسے کہتے ہیں جو اللہ کی وحی کے ذریعے خبر وصول کرتا ہے اور آگے امت کو خبر پہنچاتا ہے، جبکہ ''رسول'' اُسے کہتے ہیں جو تبلیغ کرتا ہے، احکام کو اجرا کرتا ہے اور ان پر نظارت رکھتا ہے۔

۴۔ پیغمبر اکرمؐ کا نام اور آپؐ کی صفات و علامتیں تورات و انجیل میں یوں بیان ہوئی تھیں کہ خارج کے ساتھ بالکل تطبیق ہوتی تھیں گویا خود حضورؐ کو ان دو کتابوں میں پاتے تھے۔ لہٰذا فرمایا ''یَجِدُوْنَهٗ'' نہیں فرمایا ''یجدون علائمه''

۵۔ اپنی بات کو مؤثر بنانے اور حق کو ثابت کرنے کیلئے رسمی اور تحریری سند کا ہونا ضروری ہے۔ ''مَكْتُوْبًا''

۶۔ گذشتہ انبیاء نے اپنے دور میں پیغمبر اسلامؐ کے ظہور کی بشارت دی تھی۔ ''مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ز یَاْمُرُهُمْ ۔۔۔''

۷۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، انبیاء عظام علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد اور ان کے تبلیغی پروگرام میں سرفہرست ہے۔ ''یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۔۔۔''

۸۔ غذا اور اس کے مصرف کے بارے میں اسلام کی خاص توجہ رہی ہے۔ ''یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ'' (قرآن مجید کے نازل ہونے سے پہلے یہود و نصارا اپنی ہی خرافات میں گرفتار تھے۔ انہوں نے طاقت فرسا قسم کے بہت سے مذہبی پروگرام بنا رکھے تھے، بعض حلال چیزوں کو اپنے لئے حرام کر رکھا تھا، بدعتیں ایجاد کر لی تھیں۔ یہ سب کچھ اسلام کے ظہور کرنے سے ختم ہوگیا۔)

۹۔ معاشرے کی اصلاح کرتے ہوئے پہلے حلال شدہ چیزوں کو متعارف کروائیں پھر آہستہ آہستہ حرام چیزوں کی محدودیت کو بیان کریں۔ ''یُحِلُّ'' پہلے آیا ہے اور ''یُحَرِّمُ'' کا ذکر بعد میں ہوا ہے۔

۱۰۔ خدا تعالیٰ کی حلال اور حرام کردہ چیزیں فطرت کی بنیاد پر ہیں۔ ''یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ

الْخَبٰٓئِثَ ''(''طیب'' ایسی چیز کو کہتے ہیں جو انسان کی طبیعت کے مطابق ہو۔)

۱۱۔غلط عادات و رسوم، لوگوں کے افکار پر زنجیر ہوتی ہیں۔انسان، انبیاء کے بغیر ان زنجیروں اور وابستگیوں سے کبھی بھی نجات حاصل نہیں کرسکتا۔''یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ ''

۱۲۔تعاون اور امداد کے ہمراہ ہمیشہ عزت و احترام بھی ملحوظ رہنا چاہیے۔''وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ ''

(''وَعَزَّرُوْهُ '' کا لفظ ''تعزیر'' سے لیا گیا ہے، جس کے معنی تلوار کے ساتھ حمایت کرنا ہیں۔اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں اسلامی جہاد میں پیغمبر اسلامؐ کی حمایت اور مدد کی ہے۔)

۱۳۔پیغمبر اکرمؐ کی ذات اقدس پر ایمان ہی کافی نہیں ہے، آپؐ کی حمایت اور عزت و توقیر بھی ضروری ہے۔''وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ ''

۱۴۔قرآن، ایسا نور ہے جو دل و دماغ کو منور کرتا ہے۔یہ نور ہمیشہ پیغمبر اکرمؐ کے ہمراہ رہا ہے۔''النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ ''

(پیغمبر اکرمؐ کی نبوت، قرآن مجید کے ہمراہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی۔)

۱۵۔دنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی کا انحصار، پیغمبر اسلامؐ پر ایمان اور آپؐ کی حمایت اور قرآن مجید کے احکام پر عمل درآمد کرنے پر ہے۔''فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؁ ''

۱۶۔تقویٰ، زکوٰۃ اور ایمان کی بہت زیادہ اہمیت ہے لیکن سب سے اہم پیغمبر کی اتباع ہے''لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ؁ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ ''

آیت نمبر ۱۵۸

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَۨا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ؁

ترجمۃ الآیات

کہہ دو: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا فرستادہ ہوں، وہ اللہ جس کے قبضہ قدرت میں زمین وآسمان کی حکومت ہے، اسکے سوا کوئی معبود نہیں، وہ (خدا جو) زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے پس اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ، (وہی رسول) جس نے کسی سے درس نہیں پڑھا، وہ (رسولؐ جو) اللہ اور اس کے کلموں پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔ (۱۵۸)

نکات:

☆ بعض حضرات کا یہ بے بنیاد قسم کا دعویٰ ہے کہ ابتدا میں پیغمبر اسلامؐ اپنے ہی علاقے کے لوگوں کی ہدایت کی فکر میں تھے لیکن جب کامیابی حاصل ہونے لگی تو پھر عالمین کی ہدایت کی باتیں کرنے لگے۔

قرآن مجید نے اپنی ان آیات ''کَآفَّةً لِّلنَّاسِ'' (سباء۔۲۸)، ''لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ'' (انعام۔۱۹)، ''لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا'' (فرقان۔۱) کے ذریعے ابتدا ہی سے پیغمبر اکرمؐ کی رسالت کے عالمی ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ (تفسیر نمونہ)

بہر حال آنحضرتؐ کی آفاقی اور عالمی رسالت، ہر منصوبے کی طرح مرحلہ وار آگے بڑھتی رہی ہے، پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، پھر مکہ کے لوگوں کو اسلام لانے کی دعوت دی اور اس کے بعد تمام لوگوں کیلئے دعوت قبول اسلام کا اعلان کر دیا گیا۔

☆ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہودیوں کا ایک گروہ پیغمبر خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: آپ سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی طرح اللہ کے رسول ہیں؟ یہ سن کر آنحضرتؐ نے قدرے سکوت اختیار فرمایا اور کہا: جی ہاں! میں ہوں خاتم الانبیا، پرہیزگاروں کا پیشوا اور رب العالمین کا رسول۔ پوچھا گیا: کن کیلئے مبعوث ہوئے ہیں؟ عرب، عجم یا ہمارے لیے؟ اس وقت مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ (تفاسیر صافی ونمونہ) یعنی میں تمام عالمین کیلئے رسول ہوں۔

☆ اس آیت میں اور گذشتہ آیت میں ''اُمی'' کے لفظ کا تکرار پیغمبرؐ اور قرآن کی حقانیت کے اثبات اور مسئلہ کی اہمیت پر دلالت کر رہا ہے۔

☆ گذشتہ آیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جس میں بیان ہوا کہ وہ پیغمبر اسلامؐ کے نام وصفات سے تورات وانجیل کے ذریعے بخوبی آگاہ تھے، اس آیت میں تمام لوگ حتیٰ یہود ونصاریٰ کو مخاطب کیا گیا ہے۔

☆ یہ آیت آغاز میں تین مطالب پر تاکید کر رہی ہے:

۱۔خالقیت کا اثبات ''لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ''

۲۔توحید وخدا تعالیٰ کا ایک ہونا ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ''

۳۔قیامت، حشر ونشر ''يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ''

آیت کے آخر میں فرمایا: جب مبدا اور معاد خدا کے ہاتھ میں ہے تو پھر اس پر ایمان لے آؤ۔ ''فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ ''(تفسیر اثنی عشری)

پیغام:

۱۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ونبوت عالمی ہے۔''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا '' عالمی دین کیلئے عالمی قائد ضروری ہے۔

۲۔جو کوئی تمام کائنات پر مکمل حکومت اور تسلط رکھتا ہے وہی زندہ کرنے اور مارنے پر قدرت رکھتا ہے۔''لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔۔۔هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ''

۳۔توحید اور معاد کا لازمہ نبوت ہے، جس نے توحید اور معاد کو قبول کیا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نبوت کو بھی قبول کرے کیونکہ خداوند وحدہ لاشریک کائنات کا مالک ہے۔''لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ '' موت وحیات بھی اسی کے دست قدرت میں ہے ''هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ '' لہٰذا انسانوں کیلئے قائد و راہبر اور ہدایت بھی اُسی کی طرف سے ہونی چاہیے۔ ''فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ ''

۴۔راہبر کو اپنے راستے پر مکمل ایمان ہونا چاہیے۔''يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ ''

۵۔خدا اور رسول پر ایمان اور پیغمبر کی اتباع کا ساتھ ساتھ ہونا ہی ہدایت کا راز ہے۔''فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ۔۔۔ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ''

۶۔قرآن مجید اور سنت وسیرت پیغمبر اکرمؐ دونوں کی پیروی ضروری ہے۔''وَاتَّبِعُوْهُ ''
(گذشتہ آیت میں نور اور قرآن مجید کی پیروی کا ذکر آیا ہے اور اس آیت میں پیغمبر اکرمؐ کی پیروی کا حکم بیان ہوا ہے اور اس پر تاکید کی گئی ہے۔)

۷۔اہل کتاب کیلئے بھی حکم ہے کہ وہ بھی پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لائیں اور آپؐ کی پیروی کریں۔''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ۔۔۔فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ۔۔۔وَاتَّبِعُوْهُ ''

۸۔ایسی تقلید اور پیروی کرنا جو انسان کو ہدایت وکمال تک پہنچا دے، قابل قدر ہے۔''وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ''

آیت نمبر ۱۵۹

وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰٓى اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَـقِّ وَبِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور قوم موسیٰ میں سے ایک گروہ حق کی طرف ہدایت کرتا ہے اور اسی حق کے ساتھ عدالت کرتا ہے۔(۱۵۹)

نکات:

☆ حق کی طرف ہدایت ہونا، عدم تعصب کی دلیل اور حق شناسی وحق کی اتباع کی دلیل ہے۔ یہودیوں کے ہدایت یافتہ گروہ کا دوسرے ضدی، ہٹ دھرم اور بہانے باز یہودیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔

☆ شاید اس سے مراد یہودیوں کا وہ گروہ ہو جس نے پیغمبر اسلامؐ کی دعوت پر لبیک کہا۔ البتہ دوسری جگہ مطلق ذکر آیا ہے اور یہود قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ''وَمِمَّنۡ خَلَقۡنَاۤ اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَـقِّ وَبِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱۸۱﴾'' جنہیں ہم نے خلق کیا ان میں سے ایک گروہ حق کی ہدایت کرتا ہے اور اسی کے مطابق حکم کرتا ہے۔(اعراف۔۱۸۱)

متعدد روایات میں آیا ہے کہ یہ وہ گروہ ہے جس نے نبوت پیغمبرؐ کا اقرار کیا اور حضرت حجتؑ کے ہمراہ ظہور کریں گے (تفسیر اثنیٰ عشری)

☆ پیغمبر اکرمؐ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! وہ صراط مستقیم جس کی پیروی کی تاکید کی گئی ہے، وہ میں ہوں، میرے بعد علی ہیں، پھر اس کی نسل سے میرے بیٹے ہیں۔ ''اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَـقِّ وَبِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾'' ایسے امام جو لوگوں کو حق کی طرف ہدایت کرتے ہیں اور حق کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔(تفسیر نور الثقلین)

☆ حضرت علیؑ نے فرمایا: جناب موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل کے اکہتر (۷۱) فرقے ہوگئے، سب آگ میں ہیں سوائے ان میں سے ایک فرقہ کے۔ اس کے بعد آپؑ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔(تفاسیر نور الثقلین وعیاشی)

پیغام:

۱۔ مخالفین کے ساتھ کسی قسم کا سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے، ان کی خدمات اور کمالات کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہیے۔ ''وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰٓى اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَـقِّ''

۲۔ ہدایت کرنے والے پہلے خود حق پر پابندی کرتے ہوں، اس پر معتقد اور اس کے پیروکار ہوں۔ "يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴿۱۵۹﴾"

آیت نمبر ۱۶۰

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴿۱۶۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے انہیں (قوم موسیٰ کو) بارہ گروہوں میں تقسیم کردیا جس میں سے ہر ایک گروہ (بنی اسرائیل کے خاندانوں کی ایک شاخ تھا۔ اور جس وقت قوم موسیٰؑ نے (جو بیابان میں تشنہ کام تھی، حضرت) موسیٰؑ سے پانی مانگا تو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو۔ ناگہان اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے (اور وہ اطراف میں جاری ہوگئے)، اس طرح کہ ہر گروہ اپنے چشمہ کو پہچانتا تھا اور ہم نے بادل کو ان کے اُوپر سایہ فگن کیا اور ہم نے ان پر من و سلویٰ (دو طرح کی غذا کو) نازل فرمایا اور ان سے کہا کہ ہم نے جو پاکیزہ روزی تمہیں عطا کی ہے اس میں سے کھاؤ (لیکن انہوں نے ناشکری کی) انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا۔ (۱۶۰)

نکات:

☆ ''اَسْبَاطَ'' جمع ہے ''سبط'' کی، جس کے معنی ہیں اولاد، اولاد کی اولاد اور ایک ہی خاندان کے افراد کو کہا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل کے تمام قبائل اور ان کی شاخیں جناب یعقوبؑ کے ہر کسی بیٹے سے پروان چڑھی تھیں۔

''انبجاس'' کم ومحدود سطح پر کسی چیز کا پھوٹنا۔

''مَنّ'' شہد کی مانند ایک شیرہ دار غذا کو کہتے ہیں۔ ''سلویٰ'' کبوتر کی طرح کے ایک حلال پرندے کو کہا جاتا ہے۔

☆ ''بارہ'' کا عدد، سال کے مہینوں کا، بنی اسرائیل کے نقیبوں کا، پانی کے چشموں کا ہے جو حضرت موسیٰ کے معجزے کے ساتھ ظاہر ہوئے اور پیغمبر اسلامؐ کے معصوم ائمہ اور جانشینوں کا عدد ہے۔ اہل بیت کے دشمنوں نے بہت کوشش کی کہ پیغمبر اکرمؐ کی اس حدیث ''میرے بعد میرے بارہ خلفا ہیں جو کہ سب کے سب قریش سے ہونگے۔'' کو بنی امیہ اور بنی عباس کے حکمرانوں پر منطبق کریں، لیکن کامیاب نہیں ہوسکے۔ (اہل تشیع اور اہل سنت نے دسیوں حوالوں کے ساتھ اس حدیث کو نقل کیا ہے۔) (الغدیر واثبات الهداه، ج۱ ص ۴۳۳)

☆ پتھر پر عصا کو مارنے سے دو معجزے ظاہر ہوئے: ایک وافر مقدار میں پانی کا نکلنا اور دوسرا قبیلوں کی تعداد کے مطابق بارہ چشموں کا نکلنا۔ روایات میں ہم پڑھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ، اہلبیت پیغمبر علیہم السلام کے ساتھ توسل کرنے سے یہ معجزہ انجام دے سکے تھے۔ (تفسیر اثنی عشری)

☆ حضرت شعیب علیہ السلام اپنے داماد جناب موسیٰ کو دیکھنے کیلئے آئے۔ دیکھا کہ وہاں جناب موسیٰ سے ملنے والوں کی بہت طویل صف بندی ہوئی ہے، حضرت شعیبؑ نے مشورہ دیا کہ ان لوگوں کو گروہوں کی صورت میں تقسیم کریں اور ہر ایک کے اوپر کسی ایک کو ذمہ دار بنا دیں جو اُن کی بعض مشکلات کو حل کرسکے اور اہم مسائل کو جناب موسیٰ کے گوش گزار کرے۔ (تفسیر کاشف)

☆ قرآن مجید کی آیات میں بعض مطالب اور بعض واقعات، ظاہر میں تکرار ہوئے ہیں۔ منجملہ: یہ داستان جو کہ سورۃ بقرہ کی ۵۷ ویں آیت میں بھی آئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکرار ایک تربیتی موضوع ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

پیغام:

۱۔ کسی اہم معاملے کو چلانے اور امور میں سہولت پیدا کرنے کے لیے اداروں کی تشکیل، منصوبہ بندی اور تقسیم کار بہت ضروری ہے۔ ''وَقَطَّعْنٰهُمُ''

۲۔ بنی اسرائیل کے بارہ گروہ ایک ہی نسل سے تھے۔ ''جعلنا'' کی بجائے ''قَطَّعْنٰهُمُ'' بیان ہوا ہے۔

۳۔ ہدف ایک ہونے کی صورت میں افراد کا گروہوں میں تقسیم ہونا، کسی قسم کا ضرر نہیں رکھتا۔ ''قَطَّعْنٰهُمُ''

۴۔ طلب کرنے کے بعد کسی چیز کے ملنے کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ ''اسْتَسْقٰهُ۔۔اضْرِبْ بِّعَصَاكَ''

۵۔ وسیلہ اہم نہیں ہے بلکہ ارادہ الٰہی اہم ہے، کبھی ایک لکڑی کی چھڑی ہر مشکل کا حل بن جاتی ہے۔ ''بِّعَصَاكَ''

(یہ عصا کہیں سانپ بنا، کہیں اژدھا اور کسی دوسری جگہ پانی کے چشمے جاری کرنے کا باعث بن گیا۔)

۶۔ مشکلات کے حل کیلئے انبیاء سے توسل کرنا جائز ہے بلکہ دعا مستجاب ہونے کے زیادہ امکانات پیدا ہوجاتے ہیں۔ لوگ اپنی معاشی و مادی ضروریات میں بھی انبیاء سے مشورہ کیا کرتے تھے اور ان سے توسل کیا کرتے تھے۔ ''اسۡتَسۡقٰىهُ۔۔۔ فَانۡۢبَجَسَتۡ''

۷۔ اگر ہر گروہ یہ جانتا ہو کہ کہاں رجوع کرے، کس کے پاس جائے تو بہت سی معاشرتی اجتماعی مشکلات حل ہوجائیں گی۔ ''قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ ؕ''

۸۔ لوگوں کو آگاہی و شعور دیں تو وہ خود ہی عمل بھی کرنے لگیں گے۔ ''قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ ؕ'' نہیں فرمایا: ''قد شرب''

۹۔ خداوند تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے پانی بھی مہیا کیا اور پھر غذائی مشکل بھی دور کردی ''اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا ؕ۔۔۔ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى ؕ''

۱۰۔ بادلوں کا پیدا ہونا اور ان کا اپنا کردار ادا کرنا، سب خدا تعالیٰ کی تدبیر اور ارادے کے تحت ہے۔ ''وَظَلَّلۡنَا عَلَيۡهِمُ الۡغَمَامَ''

۱۱۔ من وسلویٰ پاکیزہ غذاؤں میں سے ہے۔ (''الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى ؕ'' کے بعد ''كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ'' کا جملہ آیا ہے۔)

۱۲۔ مخلوقات کو روزی دینے والا خداوند تعالیٰ ہے۔ ''رَزَقۡنٰكُمۡ'' پاک و پاکیزہ نعمات میں سے پاک اور صحیح استفادہ کرنے کا کہتا ہے۔ ''كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ''

۱۳۔ حضرت موسیٰ کے عصا کی ایک ضربت سے پتھر کے اندر سے چشمے پھوٹ پڑے، لیکن ان تمام معجزات کے باوجود نااہل افراد کے دلوں پر کچھ اثر نہ ہوسکا۔ ''وَمَا ظَلَمُوۡنَا وَلٰـكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ﴿۱۶۰﴾''

۱۴۔ کفران نعمت، اس سے محروم ہونے کا موجب بن جاتا ہے اور اس کا نقصان ناسپاس افراد کو پہنچتا ہے۔ ''وَلٰـكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ﴿۱۶۰﴾''

۱۵۔ جو لوگ ہدایت اور معنویت کی راہوں کے لیے مادی نعمتوں سے استفادہ نہیں کرتے ہیں وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ ''كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ﴿۱۶۰﴾''

آیت نمبر ۱۶۱

وَاِذۡ قِيۡلَ لَهُمُ اسۡكُنُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ وَكُلُوۡا مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٦١﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ان (بنی اسرائیل کے) لوگوں سے کہا گیا کہ اس قریہ (بیت المقدس) میں سکونت اختیار کرو اور ہر جگہ سے (ہر طرح سے) جیسا چاہو (اس کی نعمات سے) کھاؤ اور (ان تمام حیلوں بہانوں اور موسیٰ کو ستانے کے بدلے استغفار کے طور پر) کہو "حطۃ" (خدایا! ہمارے گناہوں کو بخش دے) اور دروازہ (بیت المقدس) میں سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ تاکہ میں تمہارے گناہوں کو بخش دوں اور نیک کام کرنے والوں کو صلہ زیادہ عطا کروں گا۔(۱۶۱)

نکات:

☆"حِطَّةٌ" کا لفظ، اوپر سے نیچے کی طرف نازل ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ (انحطاط کا لفظ بھی اسی سے ہے۔) اس کا مفہوم ہے کہ خدا تعالیٰ سے عفو اور رحمت کی درخواست کرنا۔

حکم یہ تھا کہ مقدس سرزمین میں داخل ہوتے ہوئے بنی اسرائیل، خداوند تعالیٰ سے اس لفظ کے ذریعے طلب بخشش کریں۔ لیکن انہوں نے مذاق اڑاتے ہوئے اس لفظ کو بگاڑ دیا اور کہا: "حنطۃ" (تفسیر نمونہ)

☆اس آیت سے ملتی جلتی البتہ قدرے اختلاف کے ساتھ سورت بقرہ کی آیت ۵۸ میں بھی آیا ہے۔

☆کئی ایک روایات میں ائمہ معصومین علیہم السلام نے فرمایا: "نحن باب حطتکم" یعنی ہم ہی تمہاری خطاؤں کی معافی کا دروازہ ہیں۔ یعنی اگر تم ہماری حکومت اور ولایت کے دائرے میں آجاؤ گے تو لطف و کرم تمہارے شامل حال ہوگا۔ (تفسیر کنز الدقائق)

☆بہت سے مفسرین، قریہ سے مراد بیت المقدس لیتے ہیں۔

☆معمول کے مطابق طریقہ کار یہ ہے کہ سب سے پہلے جن آداب کا ذکر کیا گیا ہے ان کا لحاظ رکھتے ہوئے شہر میں داخل ہوں، پھر اسے اپنی رہائش کی جگہ قرار دیں اور پھر وہاں کے کھانے کھائیں۔ لیکن اس آیت میں پہلے رہائش اور غذا کا ذکر آیا ہے پھر توبہ و مغفرت اور پھر شہر میں داخل ہونے کی بات کی گئی ہے۔ شاید یہ اس لیے ہے کہ رہائش و غذا کا مسئلہ حل ہونے کے بعد

انسان نفسیاتی طور پر اخلاقی احکام کو قبول کرنے کیلئے آمادہ ہوجاتا ہے۔

پیغام:

۱۔اپنی بے جا ضد پر خداوند تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہوئے بیت المقدس میں بنی اسرائیل کے داخل ہونے کی داستان، جس میں انہوں نے کلمہ مغفرت کا مذاق اڑایا، درس آموز اور عبرت حاصل کرنے والی داستان ہے، اس کے بارے میں بہت تاکید کی گئی ہے اور اس میں انتہائی قابل غور مطالب نظر آتے ہیں۔''وَاِذْ''

۲۔بے گھر لوگوں کیلئے سب سے اہم مسئلہ رہائش کیلئے جگہ ہے۔(یہاں پر بھی سب سے پہلی بات رہائش مہیا کرنے کے بارے میں کی گئی ہے۔)''اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ''

۳۔بیت المقدس،نعمات سے پُرسرزمین ہے۔''كُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ''

۴۔خدا تعالیٰ، انسان کی مادی، معنوی؛ دنیوی اور اُخروی ضروریات کو پورا فرماتا ہے۔اس کے لیے ایک مکمل نظام موجود ہے۔گھر، غذا، بخشش، لطف وکرم جیسی نعمات کے حصول کے لیے حکم دیتا ہے کہ دعا اور استغفار کریں اور سجدہ کریں۔'' اسْكُنُوْا۔۔۔كُلُوْا۔۔۔قُوْلُوْا حِطَّةٌ''

۵۔پروردگار عالم صرف ایک عذرخواہی اور خالص توبہ''قُوْلُوْا حِطَّةٌ''کے ذریعے بے شمار گناہ معاف فرمادیتا ہے۔'' نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ط''ایک دعا میں پڑھتے ہیں:''یا من یقبل الیسیر و یعفو عن الکثیر''اے وہ خدا جو کم نیکی کو قبول کرلیتا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔

۶۔خدا تعالیٰ کی بخشش اور لطف وکرم کو حاصل کرنے کیلئے استغفار اور دعا بھی ضروری ہے اور عمل بھی ضروری ہے۔'' قُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ''

۷۔مقامات مقدسہ میں داخل ہونے کے خصوصی آداب وشرائط ہوتے ہیں۔''وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا''

۸۔نیکوکاروں اور بدکاروں کے درمیان کوئی فرق ہونا چاہیے۔جب گناہگاروں کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں تو نیک لوگوں کے درجات میں بھی اضافہ ہونا چاہیے، اور پہلے سے زیادہ مہربانی کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔''سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٦١''

۹۔کسی بھی نظام کی سربراہی کرتے ہوئے اور دوسروں کی تعریف کرتے ہوئے، ہمیشہ نیک افراد کو باقی لوگوں سے زیادہ امتیاز دیے جانے چاہئیں۔''سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٦١''

آیت نمبر ۱۶۲

فَبَدَّلَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ قَوۡلًا غَیۡرَ الَّذِیۡ قِیۡلَ لَهُمۡ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوۡا یَظۡلِمُوۡنَ﴿۱۶۲﴾

ترجمۃ الآیات

پس ان (بنی اسرائیل) میں سے ظالم لوگوں نے اس بات کو جو انہیں کہنا چاہیے تھی اس کے علاوہ میں تبدیل کر دیا، پس ہم نے بھی ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔ (۱۶۲)

نکات:

☆ تحریف اور تبدیلی کبھی تو واضح اور آشکار ہوتی ہے، جیسے لفظ ''حِطَّةٌ'' کو ''حِنۡطَةٌ'' میں تبدیل کر دینا اور کبھی لفظ کی ظاہری صورت کو تو برقرار رکھا جاتا ہے لیکن اس کو روح موضوع اور مفہوم کو تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ جیسے ہفتہ کے دن مچھلی پکڑنے کیلئے بنی اسرائیل کا حیلہ بنانا، جس کے بارے میں بعد والی آیت میں بیان آئے گا۔

☆ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''لا ترکبوا ما ارتکب الیهود فتستحلوا محارم الله بادنی الحیل'' جس چیز کے بارے میں یہودیوں نے ارتکاب کیا کہ چھوٹے سے حیلہ اور بہانے کے ذریعے خدا تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال کرنے کی کوشش کرتے رہے، تم لوگ ایسا کچھ انجام نہ دینا۔ (تفاسیر فرقان و درالمنثور)

☆ قرآن مجید، قانون الٰہی میں تین طرح کی تحریف کو بیان فرماتا ہے:

ا۔ الفاظ کی تبدیلی: جیسے بنی اسرائیل نے ''حِطَّةٌ'' بخشش و مغفرت کی درخواست کہنے کی بجائے، کہا: ''حِنۡطَةٌ'' یعنی گندم۔

۲۔ وقت میں تبدیلی: جیسے بنی اسرائیل نے دریا کے کنارے چھوٹے چھوٹے تالاب بنا لیے اور ہفتہ کے دن جب مچھلی کا شکار حرام تھا، اس دن تالابوں میں مچھلی آجاتی اور اتوار کو جب شکار آزاد تھا وہ لوگ جاتے اور انہیں شکار کر لیتے۔ اس کے بعد کہتے کہ ہم نے یہ مچھلیاں ہفتہ کے دن یعنی چھٹی والے دن شکار نہیں کیں۔ ''وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِیۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡکُمۡ فِی السَّبۡتِ'' (بقرہ۔۶۵)

۳۔ روشن فکری پر مشتمل تبدیلی، قدرتی تقویم (کیلنڈر) میں تبدیلی: جیسے زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ جنگ کو جاری رکھنے کے لیے اس کی بجائے کہ حرمت والے چار مہینوں میں جنگ کو موقوف کردیں لیکن کیا کرتے تھے کہ ان چار مہینوں میں ردو بدل کرکے آگے یا پیچھے کردیا کرتے تھے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی "اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ" (توبہ۔۳۷)

پیغام:

۱۔ احکام خداوندی میں ردوبدل اور تحریف وتبدیلی کی سزا، خدائی قہر وغضب ہے۔ "فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا"

۲۔ احکام خداوندی میں ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تبدیلیاں کرنا اور بھی مذاق اڑانے کیلئے کرنا، ایسا جرم ہے جو قابل بخشش نہیں ہے۔ "رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ"

۳۔ تمام سزائیں قیامت ہی میں نہیں دی جائیں گی بلکہ کچھ سزائیں کبھی دنیا میں بھی سزا دی جاتی ہیں۔ "رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ"

۴۔ انسان کی تقدیر خود اس کے ہاتھ میں ہے اور عذاب، انسان کے اپنے ظلم وستم کا نتیجہ ہے۔ "بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾"

آیت نمبر ۱۶۳

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اے پیغمبر!) ان سے اس آبادی کے (لوگوں کے) بارے میں پوچھئے جو دریا کے کنارے تھی؟ جب وہ (قانون اور) ہفتہ کے دن کے بارے میں تجاوز کیا کرتے تھے، جب

انکے چھٹی کے دن مچھلیاں بڑی تعداد میں دریا کے کنارے پانی کے اوپر آ جایا کرتی تھیں، اور (دوسرے ایام میں) جب وہ چھٹی نہیں کرتے تھے وہ مچھلیاں بھی ظاہر نہیں ہوا کرتی تھیں اسی طرح ہم ان کے تجاوز اور فسق کی وجہ سے آزمایا کرتے تھے۔ (۱۶۳)

نکات:

☆ ''سَبْتِ'' کے معنی کاٹنا اور کام سے چھٹی کرنا ہے۔ آرام، استراحت کی وجہ سے اُسے تعطیل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر ''یوم السبت'' یعنی روز تعطیل جو کہ ہفتہ کا دن تھا اور ''یَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ'' یعنی وہ ایام جب چھٹی نہیں کیا کرتے تھے۔

☆ ''شُرَّعًا'' جمع ہے ''شارع'' کی، جس کا معنی ساحل اور پانی کا کنارہ ہے۔ ہفتہ کے دن جب شکار حرام تھا، مچھلیاں خود بخود پانی کی تہہ سے اوپر آ جایا کرتیں اور ساحل کے پاس آتیں۔ کچھ نے کہا ہے کہ ''شُرَّعًا'' سے مراد ایسی مچھلیاں ہیں جو پانی کی سطح پر آ کر اپنا سر باہر نکالتی ہیں اور خود کو دیکھاتی ہیں۔ (تفسیر راہنما)

☆ بنی اسرائیل کا یہ گروہ (ایلہ کے لوگ) ساحل سمندر پر رہا کرتے تھا۔ حکم خداوندی کے مطابق ان کے لیے ہفتہ کے دن شکار ممنوع تھا، لیکن اسی دن ان کی پسندیدہ مچھلیاں ''حِیْتَانُهُمْ'' دوسرے ایام کی نسبت زیادہ جلوہ گری کیا کرتی تھیں۔ ''شُرَّعًا'' اور ان لوگوں کے منہ میں پانی بھر آتا جبکہ یہ ایک خدائی آزمائش تھی۔

اس قوم نے مختلف چالیں چل کر قوانین الٰہی کی خلاف ورزی کی اور وہ یوں کہ سمندر کنارے چھوٹے چھوٹے حوض بنا لیے اور ان میں مچھلیوں کے نکلنے کے راستے بند کر دیئے۔ ہفتہ کے دن جب ان میں سے وافر مقدار میں مچھلیاں آ جایا کرتی تھیں، تو باہر نہیں نکل پاتی تھیں اسی لیے وہ اتوار کے دن بڑے آرام سے انہیں پکڑتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہم نے حکم الٰہی کے تحت ان کا ہفتہ کا دن شکار نہیں کیا۔

☆ اگرچہ خداوند عالم نے مچھلیوں کو لوگوں کے استفادے کے لیے خلق فرمایا ہے لیکن ہفتے میں ایک دن ان کے شکار سے منع کر کے ان لوگوں کی آزمائش کی ہے۔ اس لیے ہر حرمت کا مقصد ضروری نہیں ہے کہ طبعی خصوصیت کا حامل ہو۔ چیزوں میں موجود پروٹین کے لحاظ سے ہفتہ کے دن یا دوسرے دنوں میں کوئی فرق نہیں۔

☆ حضرت علی علیہ السلام نے، گناہ کی توجیہ کرنے، حرام کو حلال کرنے، اس طرح کہ شراب کو کہنا کہ اب یہ شراب نہیں رہی، رشوت کو کہنا کہ یہ ہدیہ ہے، سود کو کہنا کہ یہ ایک معاملہ ہے، شدید الفاظ میں تنقید کی ہے۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۶)

☆ کبھی آزمائش الٰہی ایسے حالات میں ہوتی ہے جب انسان کسی چیز کو بہت زیادہ دل سے چاہتا ہے لیکن خدا تعالیٰ اسی چیز کے بارے آزماتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں مچھلی کا شکار اس وقت میں منع کیا گیا اور آزمائش کی گئی جب بڑی تعداد میں مچھلیاں اچھل اچھل کر پانی پر اٹکلیاں کر رہی ہوتی تھیں۔ ''تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ''

سورۃ مائدہ کی آیت ۹۴ میں احرام کی حالت میں شکار کی حرمت کے بارے ذکر موجود ہے ۔ ہم پڑھتے ہیں : ''لَيَبۡلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَىۡءٍ مِّنَ الصَّيۡدِ تَنَالُهٗۤ اَيۡدِيۡكُمۡ وَرِمَاحُكُمۡ '' جب تک شکار دسترس اور تیر کی پہنچ میں ہو، اس حالت میں شکار کی ممانعت ایک آزمائش الٰہی ہے۔

پیغام:

۱۔ گذشتگان کی قانون شکنی، آئندہ کی نسلوں کو بھی شرمندہ کر دیتی ہیں۔ ''وَسۡـَٔلۡهُمۡ ۔۔۔''

۲۔ اسلاف کی بری عادات کا تذکرہ کہ جن کی وجہ سے انہیں تنبیہ کی گئی ہو، اگر دوسروں کی عبرت کے لیے نہیں نقل کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ''عَنِ الۡقَرۡيَةِ الَّتِىۡ ''

۳۔ ساحل نشینی اور ماہی گیری کے ذریعے زندگی کا گذر بسر کرنا، قدیم الایام سے چلا آ رہا ہے۔ ''كَانَتۡ حَاضِرَةَ الۡبَحۡرِ ۔۔۔''

۴۔ گناہ کا حقیقی چہرہ، توجیہ کرنے اور حیلوں بہانوں سے نہیں بدلا جا سکتا۔ (اگلے دن شکار کرنے کیلئے دریا کے کنارے تالاب بنانے) ''اِذۡ يَعۡدُوۡنَ فِى السَّبۡتِ''

۵۔ دریا کی مچھلیاں بھی حکم الٰہی کے تحت ہفتہ کے دن کی اور انسانی افراد کی قدرت تشخیص پیدا کر چکی تھیں۔ ''تَاۡتِيۡهِمۡ ۔۔ لَا تَاۡتِيۡهِمۡ ۚ''

۶۔ دنیاوی اور مادی جلوے بھی خدا کی آزمائش کا ذریعہ ہوا کرتے ہیں۔ ''كَذٰلِكَ ۚ نَبۡلُوۡهُمۡ ''

آیت نمبر ۱۶۴

وَاِذۡ قَالَتۡ اُمَّةٌ مِّنۡهُمۡ لِمَ تَعِظُوۡنَ قَوۡمَا ۙ اللّٰهُ مُهۡلِكُهُمۡ اَوۡ مُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا ؕ قَالُوۡا مَعۡذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ان (بنی اسرائیل) میں سے ایک گروہ نے (دوسرے گروہ جو

نہی از منکر کر رہے تھے، سے کہا:) کہ تم ان گنہگاروں کو کیوں موعظہ کرتے ہو؟ جنہیں اللہ آخر کار ہلاک کرنے والا ہے یا شدید عذاب کرنے والا ہے۔ انہوں نے جواب دیا: ہم اس لیے برائی سے منع کرتے ہیں کہ اللہ کے سامنے اپنی ذمہ داری کو ادا کر دیں (علاوہ ازیں) شاید وہ ان (نصیحتوں) کی بنا پر تقویٰ اختیار کریں۔ (۱۶۴)

نکات:

☆ بنی اسرائیل کے تین گروہ تھے:

۱۔ قانون شکنی کرنے والے

۲۔ ہمدرد اور نصیحت کرنے والے

۳۔ بے پروا، جنہیں کسی بھی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا

یہ تیسرا گروہ نصیحت کرنے والے دوسرے گروہ سے کہتا ہے: خود کو نہ تھکاؤ کیونکہ تمہاری باتیں فاسق لوگوں پر مؤثر نہیں اور وہ ہر حال میں جہنمی ہیں۔ لیکن نہی عن المنکر کرنے والوں نے کہا: ہمارا کام غیر مؤثر نہیں ہے، کم سے کم یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے حضور اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہے ہیں اور شاید وہ ہماری باتوں کی وجہ سے کبھی تقویٰ اختیار کرلیں۔

☆ قرآن مجید کی سورۃ مرسلات کی آیت ۵ اور ۶ میں خداوند تعالیٰ ان لوگوں کی قسم کھاتا ہے جو اس کے ذکر کو اتمام حجت کیلئے یا تاثیر و خبردار کرنے کیلئے دوسروں کے سامنے کرتے ہیں۔ ''فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا ۙ﴿۵﴾ عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا ۙ﴿۶﴾''

☆ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی کتاب میں حتیٰ غیر مؤثر ہونے کی صورت میں بھی امر و نہی کے دس فائدے بیان کیے ہیں۔ یہاں میں ان کا خلاصہ بیان کر رہا ہوں۔ (دلچسپ بات یہ ہے کہ میں یہ سطریں اس وقت میں لکھ رہا ہوں جب ملک میں امر بالمعروف اور عاشورا کا ہفتہ منایا جا رہا ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے قیام کے فلسفے میں بیان فرمایا ہے کہ معاشرے کا حق ادا نہ کرنے اور نہی عن المنکر پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے یہ قیام ہوا۔) میرے اس کام سے شاید بے معنی خاموشی، بے جا خوف اور معروف کو ترک کرنے اور منکر پر عمل کرنے کے مقابلے میں بے پرواہی ختم ہو جائے۔

۱۔ کبھی ہمارا امر و نہی کرنا آج اثر نہیں کرتا لیکن آئندہ لوگوں کی عادات اور ان کے فیصلوں میں اس کا اثر ہوتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے راستے میں شہید ہو گئے تا کہ آئندہ آنے والی نسلوں کا ضمیر بیدار ہو جائے۔

۲۔ کبھی امر و نہی کرتے رہنا دوسروں کیلئے ایک ماحول کو باقی رکھتا ہے۔ جیسے اذان کہنا مستحب ہے خواہ سننے والا کوئی بھی نہ ہو۔ اشارے کی سرخ بتی جلنے پر ٹھہرنا ضروری ہے خواہ اس وقت اور کوئی گاڑی نہ ہو کیونکہ قانون کی حفاظت، اس کا احترام اور اس پر عمل ہر حال میں ضروری ہے تا کہ قانون شکنی کا ماحول پیدا نہ ہو۔

۳۔ کبھی ہمارا امرونہی کرتے رہنا، گنہگاروں کو گناہ سے تو نہیں روکتا لیکن مسلسل امرونہی کرنے سے گناہ سے حاصل ہونے والی لذت میں ان کیلئے کڑواہٹ پیدا ہوجاتی ہے اور کم از کم وہ پرسکون ہو کر گناہ نہیں کرتے۔

۴۔ آزادی کو باقی رکھنے کی خاطر امرونہی کرتے رہنا چاہیے ورنہ معاشرے میں ایک ہی قماش کے لوگوں کا تسلط ہو جائے گا اور گھٹن، خوف اور سکوت کی فضا چھا جائے گی۔

۵۔ امرونہی کرنا، انسان کے درجات میں اضافہ کا باعث ہے۔ چاہے دوسرے لوگ ان کی بات پر کان نہ دھریں۔ قرآن مجید فرماتا ہے: "وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ" اس سے اچھی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ کوئی اللہ کی طرف دعوت دے۔ (فصلت۔ ۳۳)

۶۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اگر دوسروں پر اثر انداز نہ بھی ہو تو کم از کم خود ہمارے لیے قرب خداوندی کا ایک ذریعہ ہے۔ شجاعت و بہادری کی تلقین اور مشق ہے، ہمدردی اور وفا کا جلوہ ہے۔

۷۔ کبھی ہمارا امرونہی کرنا آج اثر انداز نہیں ہوتا، لیکن جس دن برائی کرنے والا بند راہوں میں پہنچتا ہے اور اس کا ضمیر بیدار ہوتا ہے تو سمجھتا ہے کہ تم حق بات کہہ رہے تھے۔ لہٰذا اگر آج اثر نہیں کرے گا تو آئندہ کبھی نہ کبھی ضرور اثر کرے گا۔

۸۔ امرونہی، انسان کے ضمیر کو پرسکون کرتا ہے۔ انسان اپنے سے کہتا ہے کہ میں نے اپنے فرض پر عمل کر دیا۔ یہ ضمیر کا سکون انسان کیلئے بہت قیمتی ہے خواہ دوسرے کان نہ دھریں۔

۹۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، انبیاء کا شیوہ اور ان کی سیرت ہے اگرچہ کوئی کان نہ دھرے۔ قرآن مجید فرماتا ہے: وَاِذَا ذُكِّرُوۡا لَا يَذۡكُرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ "جب انہیں تذکر دیا جاتا ہے تو وہ ہرگز متذکر نہیں ہوتے۔ (صافات۔ ۱۳) یا کئی مرتبہ فرمایا: لوگ پیغمبروں کی باتوں اور نصیحتوں کو نہیں سنتے تھے اور ان سے منہ پھیر لیا کرتے تھے۔ اس لیے ہمیں توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ سب لوگ ہماری باتوں کو سنیں۔

۱۰۔ امر بالمعروف، برائی کرنے والوں کیلئے ایک اتمام حجت ہے تاکہ قیامت میں یہ نہ کہیں کہ کسی نے مجھے نصیحت نہیں کی تھی۔ اس کے علاوہ اس شخص کیلئے بھی دلیل ہے کہ جو امر بالمعروف کر رہا ہے کہ میں نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی تھی تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ تم نے اپنی ذمہ داری کیوں ادا نہیں کی؟

۱۱۔ عذاب و قہر الٰہی کے ہنگام، امر بالمعروف کرنے والے نجات پائیں گے۔ (بعد والی آیت اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔) انبیاء اور اوصیاء امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے راستے میں شہید ہوئے ہیں تاکہ حق گم نہ ہو جائے اور اس کی بساط نہ لپیٹ دی جائے۔ چنانچہ قرآن مجید بعض آیات میں فرماتا ہے: "يَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِيَآءَ" (آل عمران۔ ۱۱۲)، "يَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ" (بقرہ۔ ۶۱) و "يَقۡتُلُوۡنَ الَّذِيۡنَ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ" (آل عمران۔ ۲۱) ان آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ امر بالمعروف کے راستے میں شہادت تک آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔

☆ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک خط میں اپنے اس نمائندہ کی مذمت کی جو اشراف کی دعوت پر ان کے دسترخوان میں شریک ہوا۔ (نہج البلاغہ، نامہ ۴۵) ایسا اس لیے کیا کہ کہیں زہد وتقویٰ اشراف گری میں کھو نہ جائے، لہٰذا ایک فرد کو مکتب پر فدا کر دیا۔

پیغام:

۱۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نہ تو خود کسی کو موعظہ کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کے موعظہ کو برداشت کرتے ہیں۔ ''وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ۔۔۔''

۲۔ اپنی لاپرواہی کے گناہ کی توجیہ ''خدا کی مرضی'' سے نہیں کرنی چاہیے۔ ''لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ''

۳۔ لاپرواہ قسم کے لوگ، گناہ کرنے والوں کی تنبیہ کرنے کی بجائے، امر بالمعروف کرنے والوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ ''لِمَ تَعِظُوْنَ''

۴۔ جو لوگ موعظہ اور تربیت کی کوششوں کو بے فائدہ اور غیر مؤثر سمجھتے ہیں ان کے مقابل میں ڈٹ جانا چاہیے۔ ''لِمَ تَعِظُوْنَ۔۔۔قَالُوْا مَعْذِرَةً'' کیونکہ لوگوں کو گناہ سے نہ روکنے پر ہماری باز پرس ہے اور ہمیں اس کا جواب دینا ہے۔

۵۔ جلد بازی میں فیصلہ کر دینا ممنوع ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ خداوند تعالیٰ فلاں گروہ کو عذاب یا ہلاک کرے گا، کیونکہ شاید وہ پرہیزگار ہو جائیں۔ ''مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ۔۔۔لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴿۱۶۴﴾''

۶۔ نہی عن المنکر واجب ہے، اس لیے کہ فاسق لوگ باایمان ہو جائیں، ''لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴿۱۶۴﴾'' یا خدا تعالیٰ کے ہاں اپنا عذر پیش کرنے کی خاطر ''مَعْذِرَةً''

(لہٰذا ضروری نہیں ہے کہ ہر صورت نہی عن المنکر اثر کرے تا کہ ہم پر واجب قرار پائے کیونکہ ہم اپنے فرائض کو ادا کرنے کے پابند ہیں اس کے نتیجہ کے ضامن نہیں ہیں۔)

۷۔ مردان خدا، معاشرے کی اصلاح سے نااُمید نہیں ہوتے، اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہیں کرتے۔ ''وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴿۱۶۴﴾''

آیت نمبر ۱۶۵۔۱۶۶

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴿۱۶۵﴾

فَلَمَّا عَتَوۡا عَنۡ مَّا نُهُوۡا عَنۡهُ قُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـِٕيۡنَ﴿۱۶۶﴾

ترجمة الآيات

لیکن جب انہوں نے ان تمام نصیحتوں کو فراموش کر دیا، جو انہیں وقتاً فوقتاً دی جاتی رہیں، تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو (لوگوں کو) برائی سے منع کرتے رہے تھے اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انہیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے شدید عذاب میں مبتلا کر دیا۔(۱۶۵)

جب ان لوگوں نے اس فرمان کے مقابلے میں سرکشی کی جو انہیں دیا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہا دھتکارے ہوئے بندروں کی شکل میں ہو جاؤ۔(۱۶۶)

نکات:

☆ ''بَـِٕيۡسٍ'' کا لفظ ''بأس'' سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے ''سخت'' اور ''عَتَوۡا'' کا معنی ہے سرکشی۔

☆ روایات کے مطابق یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل کے موعظہ کرنے والوں نے دیکھا کہ ان کا موعظہ خود ان کی اپنی قوم میں بے اثر ہے، تو وہ ان سے الگ ہو گئے اور وہاں سے چلے گئے۔ اسی رات اس قوم پر قہر خدا اور عذاب نازل ہوا، جس نے گنہگار اور سکوت اختیار کرنے والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔(تفسیر نمونہ) یہ تغیر وتبدل، الٰہی تکوینی تصرفات میں سے ہے۔

☆ سورۃ مائدہ کی آیت ۶۰ میں ہے کہ کچھ لوگ بندر اور خنزیر بن گئے جبکہ یہاں صرف بندر بننے کا تذکرہ ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ دونوں آیات ایک ہی گروہ کے بارے میں ہیں

☆ آیت کا ظاہر یہی بتاتا ہے کہ وہ لوگ بندروں کی شکل میں تبدیل ہو گئے تھے، بندروں کی خصلت نہیں بنائی تھی۔ وہ پروردگار جو ایک حکم کے ساتھ حضرت ابراہیم کیلئے لگائی گئی آگ کو گلستان میں تبدیل کر سکتا ہے، وہی پروردگار ایک وجود کو کسی دوسرے وجود میں اور انسان کو بندر کی شکل میں بدل سکتا ہے۔ البتہ یہ مسخ ہونے والے لوگوں کی نسل آگے نہیں بڑھی اور پیغمبر اکرمؐ کے فرمان کے مطابق وہ لوگ چند دن سے زیادہ زندہ نہیں رہے۔(تفسیر مجمع البیان)

پیغام:

۱۔ نہی عن المنکر اگر دوسروں کی ہدایت کا سبب نہ بن سکے، ہماری اپنی نجات کا ذریعہ ضرور ہوتا ہے۔ ''اَنۡجَيۡنَا الَّذِيۡنَ يَنۡهَوۡنَ''

۲۔ اگر عدم توجہ اور غفلت کی وجہ سے فراموشی کو اختیار کیا جائے تو اس سے سزا مل سکتی ہے۔ ''فَلَمَّا نَسُوۡا ---''

۳۔ جو کوئی اپنے لیے موعظہ اور پند و نصیحت کے راستے بند کر دیتا ہے تو وہ اپنے لیے خدائی قہر و غضب کے دروازے کھول دیتا ہے۔ ''نَسُوْا۔اَخَذْنَا''

۴۔ نہی عن المنکر ایک دائمی فریضہ ہے۔ ''یَنْهَوْنَ'' (فعل مضارع دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے۔)

۵۔ بے پروا لوگ ظالم ہیں۔ ''الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا'' (گذشتہ آیت میں بنی اسرائیل تین گروہوں میں تقسیم کیے گئے تھے۔ ۱: ظالم ، ۲: پند و نصیحت کرنے والے ، ۳: لاپرواہ لوگ، جو ہر بات پر خاموشی اختیار کر لیتے تھے۔ اس آیت میں خاموشی اختیار کرنے والوں کو بھی ظلم کرنے والوں میں شمار کیا گیا ہے۔ کیونکہ صرف نہی عن المنکر کرنے والے ہی نجات حاصل کر سکے تھے۔ ''اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ'' پس بے جا خاموشی ظلم بھی ہے اور ہلاکت کا باعث بھی ہے۔)

۶۔ کسی انسان کیلئے بہت بڑا اور بہت سخت عذاب، انسانیت سے گر جانا ہے۔ ''بِعَذَابٍ بَىِٕيْسٍ... كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ﴿۱۶۶﴾''

۷۔ حد سے تجاوز کرنے والوں کی سزا یہ ہے کہ انہیں انسانیت کے دائرے سے نکال دیا جائے اور ان کی صورتیں مسخ ہو جائیں، متکبرین کی سزا یہ ہے کہ انہیں معاشرے سے دھتکار دیا جائے اور ان کی توہین و تحقیر کی جائے۔ ''عَتَوْا، كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ﴿۱۶۶﴾'' ایسی قوم جو خدا تعالیٰ کے قانون کے سامنے سرکشی کرے، سینہ تان لے تو وہ بندروں کی طرح دوسروں کی تقلید میں ہوتی ہے۔

۸۔ جو لوگ حیلوں بہانوں سے خدا کے حکم کو مسخ کریں اور تبدیل کریں تو خود ان کے چہرے مسخ ہو جائیں گے۔ دین کے ساتھ کھیل کرنے والے آخر خود کھیل والے جانور (بندر) بن جاتے ہیں۔ ''كُوْنُوْا قِرَدَةً''

آیت نمبر ۱۶۷

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴿۱۶۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تیرے پروردگار نے یہ خبر دی کہ وہ قیامت تک کیلئے ان (بنی

اسرائیل) پر ایسے لوگوں کو مسلط کردے گا جو انہیں ہمیشہ سخت عذاب دیں گے۔ بے شک تیرا رب جلد سزا دینے والا ہے (اور توبہ کرنے والوں کیلئے) بڑا بخشنے والا مہربان (بھی) ہے۔ (۱۶۷)

نکات:

☆ ''تَاَذَّنَ'' یعنی قسم کھائی اور اعلان کیا۔ ''یَّسُوْمُ'' کا لفظ ''سوم'' سے لاگو اور مسلط کرنے کے معنی میں ہے۔

☆ کئی مرتبہ حضرت علیؑ نے اپنے دور میں بے وفا لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: خدا مجھے آپ لوگوں سے لے لے اور دوسروں کو آپ پر مسلط کردے۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۲۵ اور ۷۰)

پیغام:

۱۔ یہودیوں کے بارے اور ان کی تاریخ میں نازل ہونے والے قہر الٰہی قابل غور ہیں۔ ''وَاِذْ ۔۔۔''

۲۔ اگرچہ خدائی طریقہ کار تو یہ ہے کہ منحرفین کو مہلت دیتا ہے لیکن ہر جگہ اور ہمیشہ مہلت دینا سنت الٰہی نہیں ہے۔ ''لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ''

۳۔ بنی اسرائیل پر برے لوگوں کا مسلط ہو جانا، ایسا عذاب الٰہی ہے، جس کا سبب خود ان کے اپنے اعمال ہیں۔ ''لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ''

۴۔ اقوام وملل کی تاریخ زنجیر کی کڑیوں کی مانند ہے، جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہے اور ایک نسل کے گناہ دوسری نسل تک جاتے ہیں اور کسی ایک گناہ کی سزا بعض اوقات تاریخی طور پر اس قدر طولانی ہوتی ہے کہ قیامت تک چلی جاتی ہے۔ ''اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ''

۵۔ وہ لوگ جو اولیائے خدا کے سامنے منہ چڑاتے ہیں، ذلیل ہو جائیں گے۔ ''یَّسُوْمُهُمْ ۔۔۔''

۶۔ یہودی ظالم قوم، ہمیشہ ذلیل وخوار ہی رہے گی۔ ''اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ''

۷۔ سزا کا خوف، مغفرت ورحمت الٰہی کے ہمراہ ہونا، انسان کی تربیت اور رشد کا اہم سبب ہے۔ ''اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۷﴾''

۸۔ توبہ اور مغفرت الٰہی کے حصول کا دروازہ ہمیشہ ہر ایک کیلئے کھلا ہوا ہے۔ ''اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۷﴾''

آیت نمبر ۱۶۸

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ

ذٰلِكَ ۚ وَبَلَوۡنٰهُمۡ بِالۡحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ﴿۱۶۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے انہیں (بنی اسرائیل کو) زمین پر مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا، ان میں کچھ گروہ نیکو کار اور کچھ اس کے علاوہ (ضدی اور بہانے بنانے والے) ہیں اور ہم نے ان کی آزمائش نیکیوں اور بدیوں کے ذریعہ کی، کہ شاید وہ (ہماری طرف) پلٹ آئیں۔(۱۶۸

نکات:

☆ بنی اسرائیل کو عزت بھی ملی اور اقتدار بھی ملا، تاکہ شاید خدا کا شکر بجا لائیں اور بعض اوقات انہیں سختیوں اور مصیبتوں میں جکڑ دیا گیا تاکہ ان میں توبہ اور بازگشت کی حس بیدار ہو جائے۔ اس دوران کچھ نیک اور صالح لوگ تھے جنہوں نے اسلام کی حقانیت پر ایمان لاتے ہوئے اسے قبول کیا اور کچھ لوگ دنیا پرستی میں پڑے رہے اور اپنی ضد پر باقی رہے۔

پیغام:

۱۔ انسان، اپنی راہ اور اپنے طریقہ کے انتخاب میں آزاد ہے۔ ''مِنۡهُمُ الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنۡهُمۡ دُوۡنَ ذٰلِكَ ۚ''

۲۔ کسی پر تنقید کرتے ہوئے، اچھے اور نیک لوگوں کے حق کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ''مِنۡهُمُ الصّٰلِحُوۡنَ''

۳۔ تلخ و شیرین واقعات، الٰہی آزمائش کے ذرائع ہیں۔ ''وَبَلَوۡنٰهُمۡ بِالۡحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ''

۴۔ تشویق و ترغیب اور تنبیہ، مہر و محبت اور قہر و غضب، دونوں ہی پہلو ایک دوسرے کے ہمراہ ہوں تو انسان ساز اور تربیت کنندہ ہوتے ہیں۔ ''بِالۡحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ﴿۱۶۸﴾''

۵۔ انسان کی روحانی تبدیلی اور حق کی طرف اس کی بازگشت، آزمائش و امتحان الٰہی کی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے ''لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ﴿۱۶۸﴾''

آیت نمبر ۱۶۹

فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى وَيَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا ۚ وَاِنۡ يَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ

يَاۡخُذُوۡهُ ؕ اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡـكِتٰبِ اَنۡ لَّا يَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ وَدَرَسُوۡا مَا فِيۡهِ‌ ؕ وَالدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّـلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ‌ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان کے بعد انکے وہ (نا خلف) فرزند انکے جانشین ہوئے جو (آسمانی) کتاب (توریت) کے وارث بنے (لیکن انہوں نے اس کی قدر نہیں کی اور انکی یہ حالت ہے کہ) وہ اس دنیائے پست (اور فانی) کے مال ومتاع کو اختیار کرتے ہیں اور (قانون خدا کو چھوڑ دینے کے بعد) یہ کہتے ہیں کہ خدا ہمیں جلد ہی بخش دے گا۔ لیکن اگر اسی طرح کا فائدہ انہیں دوبارہ ملتا تھا تو اسے حاصل کر لیتے تھے (اور حکم خدا کے خلاف عمل کرتے تھے) کیا ان لوگوں نے اپنی آسمانی کتاب کے ذریعہ یہ عہد نہیں کیا تھا کہ خدا کی طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت نہ دیں گے اور حق کے سوا کوئی بات نہ کہیں گے؟ جبکہ ان لوگوں نے بارہا اس کتاب کے مطالب کو (سبق کی صورت میں) پڑھا (اور سمجھا تھا لیکن اس کے باوجود ضائع کر دیا اور عمل میں یہ دنیا پرست ہی ہیں البتہ) آخرت کا گھر پرہیزگاروں کیلئے بہتر ہے، کیا تم (ان کے واضح حقائق کو بھی نہیں سمجھتے اور) عقل نہیں کرتے؟ (۱۶۹)

نکات:

☆ ''خَلْفٌ'' (بروزن حرف) عام طور پر نا خلف اولاد کو کہا جاتا ہے اور ''خَلَفٌ'' صالح اور نیک اولاد کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ (تفسیر نمونہ)

☆ ''عَرَض'' ہر قسم کے سرمایہ کو کہا جاتا ہے جبکہ ''عَرض'' صرف نقد رقم کے لیے بولا جاتا ہے۔ عارضی موجود اور ناپائیدار چیز کو بھی ''عَرَض'' کہتے ہیں۔ کیونکہ دنیا ناپائیدار ہے اس لیے اسے بھی عرض کہتے ہیں۔ فیض کاشانی کہتے ہیں کہ آیت میں ''عَرَض'' سے مراد ''رشوت'' ہے۔

☆ ''درسوا'' تکرار کے معنی میں ہے۔ مطالعہ اور استاد سے کچھ سیکھتے وقت چونکہ مطالب تکرار ہوتے ہیں اس لیے اسے درس کہا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ چیز جو مسلسل استفادہ کرنے سے پرانی ہوگئی ہو اسے بھی مندرس کہا جاتا ہے۔ (تفسیر نمونہ)

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ لوگ جو چیز نہیں جانتے، انہیں وہ نہیں کہنی چاہیے۔ پھر آپؑ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اَلَمۡ یُؤۡخَذۡ عَلَیۡہِمۡ مِّیۡثَاقُ الۡکِتٰبِ اَنۡ لَّا یَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الۡحَقَّ''
(تفسیر نور الثقلین اور کافی، ج ۱، ص ۴۳)

☆ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: ''عجب لمن یتفکر فی ما کولہ کیف لا یتفکر فی معقولہ فیجنب بطنہ ما یوذیہ و یودع صدرہ ما یرویہ'' حیرانی ہے اس پر جو اپنی غذا، جسمانی خوراک کے بارے بہت متفکر رہتا ہے، غور و فکر کرتا ہے لیکن اپنی روحانی اور فکری غذا کے بارے میں کچھ نہیں سوچتا اور ہر چیز کو اپنے دل اور اپنے عقیدہ میں جگہ دے دیتا ہے۔ (تفسیر فرقان ؛ بحار، ج ۱، ص ۲۱۸)

پیغام:

۱۔ تاریخ نے یہودیوں کی دنیا پرست اور گنہگار نسلوں کو دیکھا ہے اور ان پر گواہ ہے۔ ''فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ خَلۡفٌ۔''

۲۔ دنیا پرستی، دین کیلئے آفات میں سے ہے۔ ''مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ خَلۡفٌ۔۔۔ یَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ ہٰذَا الۡاَدۡنٰی''

۳۔ یہودی، تورات تک دسترس رکھتے تھے اور اس سے مکمل طور پر آگاہی بھی رکھتے تھے۔ ''وَّرِثُوا الۡکِتٰبَ''

۴۔ جو کوئی آسمانی کتاب کے علم سے آگاہ ہو، اس کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ دنیا پرستی اور حرام خوری کو پیشہ بنا لے۔ ''وَّرِثُوا الۡکِتٰبَ یَاۡخُذُوۡنَ۔۔۔''

۵۔ رشوت اور حرام خوری پر دوسرے ادیان نے بھی تنقید کی ہے اور اس کی مذمت کی ہے۔ ''یَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ ہٰذَا الۡاَدۡنٰی''

۶۔ یہودی اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے تھے لیکن کہتے تھے کہ وہ بخش دیے جائیں گے۔ ''سَیُغۡفَرُ لَنَا ۚ'' ہمیں جلد ہی بخش دے گا۔

۷۔ یہودی ایسے خود غرض اور اپنے آپ سے راضی تھے کہ خیال کرتے تھے ہم بغیر توبہ کے ہی بہت جلد بخش دیے جائیں گے، ''سَیُغۡفَرُ لَنَا ۚ'' جو کوئی بھی اپنی خطاؤں کو پہلے سے ہی معاف شدہ تصور کرے، وہ قابل مذمت اور سرزنش کے لائق ہے۔

۸۔ بے جا اُمید بھی بے جا خوف کی طرح خرابی پیدا کرتی ہے۔ ''سَیُغۡفَرُ لَنَا ۚ'' گناہ پر اصرار کرنے کے باوجود رحمت الٰہی کی اُمید لگائے رکھنا، بیکار ہے۔

۹۔ یہودیوں کے حرام خور اپنے گناہوں کا ڈھٹائی کے ساتھ اقرار کرتے تھے۔ ''وَاِنۡ یَّاۡتِہِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُہٗ یَاۡخُذُوۡہُ ؕ''

۱۰۔ جو کوئی گناہ کرنے کے باوجود، اللہ کی مغفرت کو اپنے لیے یقینی تصور کرتا ہے، اس نے خدا تعالیٰ کے ساتھ جھوٹی اور ناحق نسبت دی ہے۔ ''اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ''

۱۱۔ آسمانی کتاب کا علم رکھنا اور اس کا مسلسل مطالعہ کرتے رہنا کافی نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ''وَّرِثُوا الْكِتٰبَ۔۔۔دَرَسُوْا''

۱۲۔ جہان آخرت، برتر عالم ہے، جہاں کی نعمات ہمیشہ کیلئے ہیں، نہ ختم ہونے والی اور پائیدار ہیں۔ ''وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ''

۱۳۔ حرام خوری سے دوری اختیار کرنا، تقویٰ کی علامت ہے۔ (''يَتَّقُوْنَ'' کا جملہ ''يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ'' کے مقابل میں آیا ہے۔)

۱۴۔ صرف آخرت کی بھلائی کیلئے دنیا سے استفادہ کرنا، تقویٰ اور پرہیزگاری کے دائرہ میں رہ کر ہی ہوسکتا ہے۔ ''وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ''

۱۵۔ جو کوئی بھی دنیا کے پیچھے جائے اور آخرت کو چھوڑ دے، وہ عقل مند نہیں ہے۔ ''اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾''

۱۶۔ تبلیغی اور تربیتی طریقہ کار میں ہے کہ اپنے مخاطبین سے سوال کیا جائے جس سے ان کا ضمیر بیدار ہو جائے۔ ''اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾''

آیت نمبر ۱۷۰

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور وہ لوگ جو (آسمانی) کتاب سے تمسک اختیار کریں اور نماز پڑھیں (وہ جان لیں کہ) ہم اصلاح کرنے والوں کی جزا ضائع نہیں کرتے۔ (۱۷۰)

نکات:

☆ روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت اہل بیت علیہم السلام اور ان کے شیعوں کی خصوصیات کو بیان کرتی ہے۔ (تفسیر اثنی عشری)

☆ قرآن کریم کا عمومی قرینہ ہے کہ وہ فاسدین کی اکثریت کے ساتھ صالحین کی اقلیت کا بھی ذکر کرتا ہے۔ (گذشتہ آیت میں تنقید کی گئی اوراس آیت میں تعریف)

☆ ''الْكِتٰبِ'' کے لفظ میں تمام آسمانی کتابیں شامل ہوتی ہیں۔ آیت کے مفہوم میں کسی خاص دین کے پیروکار یا کوئی خاص کتاب مراد نہیں ہے لیکن گذشتہ آیات کو مدنظر رکھیں تو شاید یہاں کتاب سے مراد تورات ہو۔

☆ اس آیت میں جو لوگ آسمانی کتاب کے ساتھ تمسک کرتے ہیں، ان کی تعریف کی گئی ہے۔ دوسری جگہ وہ لوگ جن کے اختیار میں آسمانی کتاب تھی لیکن وہ اس سے تمسک نہیں کرتے تھے، انہیں ایسے گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے جو کتاب کا وزن اٹھائے پھرتا ہے۔ ''مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا'' (جمعہ۔۵)

☆ ''مُصلح'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہے، نیز اس شخص کو بھی کہا جاتا ہے جو معاشرے کی اصلاح کی کوشش کر رہا ہے۔

☆ اگرچہ نماز آسمانی کتاب کے مضامین کا ایک حصہ ہے لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر یہاں پر اس کا خصوصیت کے ساتھ نام لیا گیا ہے۔ کیونکہ نماز دین کا ستون ہے، دین کا قیام اس سے وابستہ ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''الصلاة عماد الدين'' (تفسیر اثنی عشری : تہذیب، ج ۲، ص ۲۳۷)

ایک اور حدیث میں فرمایا: ہر چیز کا ایک چہرہ ہوتا ہے اور تمہارے دین کا چہرہ نماز ہے لہٰذا اپنے دین کے چہرے کو خراب نہ کرو۔ ''وجه دينكم الصلاة فلا يشينن احدكم وجه دينه'' (تفسیر فرقان : کافی، ج ۳، ص ۲۷۰)

پیغام:

۱۔ آسمانی کتاب کو پڑھنا، اسے حفظ کرنا، اسے چھاپنا، نشر و اشاعت کرنا ہی اصلاح کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ نجات بخش ہو سکے۔ ''يُمَسِّكُوْنَ''

(جس طرح ڈاکٹر کے نسخے پر عمل کرنا ہی بیماری کو دور کرنے کا واحد حل ہوتا ہے۔)

۲۔ گذشتہ ادیان اور آسمانی کتابوں میں بھی نماز کا ذکر موجود ہے۔ ''اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ط''

۳۔ بے نماز اور کتاب خدا سے بے خبر لوگ، مکمل طور پر مصلح نہیں ہو سکتے۔ ''يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ ۔۔۔ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ط ۔۔۔ الْمُصْلِحِيْنَ۝۱۷۰''

۴۔ اُخروی آثار و فوائد کے علاوہ دین، انسان کی دنیاوی زندگی میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ''الْمُصْلِحِيْنَ۝۱۷۰''

۵۔ نماز کا قائم کرنا، معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ ہے۔ ''اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ط، الْمُصْلِحِيْنَ۝۱۷۰''

(نماز قائم کرنے سے مراد، زندگی کے تمام شعبوں میں نماز کی ادائیگی کیلئے سہولت فراہم کرنا ہے، صرف نماز

پڑھنا ہی نہیں۔)

۶۔حقیقی اصلاح کی دو شرائط ہیں:

ا۔قوانین کے ساتھ مکمل تمسک

۲۔نماز کے ذریعہ خداوند عالم کے ساتھ مستحکم رابطہ استوار کرنا (مکمل آیت کا مفہوم)

آیت نمبر ۱۷۱

وَاِذۡ نَتَقۡنَا الۡجَبَلَ فَوۡقَهُمۡ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوۡۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ‌ۚ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاذۡكُرُوۡا مَا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ۝۱۷۱

ترجمة الآيات

(اور اس بات کو بھی یاد کرو) جب ہم نے ایک پہاڑ (طور) کو سائبان کی طرح ان کے اوپر اس طرح سایہ فگن کیا کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ عنقریب ان کے اوپر آ پڑے گا (اور اس حال میں ہم نے کہا) جو کچھ تمہیں (احکام وفرامین) کی صورت میں دیا گیا ہے اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے ذہن نشین کرلو اور اس پر عمل کرو تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔(۱۷۱)

نکات:

☆ یہ اس سورۃ کی آخری آیت ہے جو بنی اسرائیل کے بارے میں گفتگو کررہی ہے، آیت ۱۰۳ سے یہاں تک مسلسل ان کے بارے میں مختلف مسائل کو بیان کیا گیا۔سورۃ بقرہ کی آیت ۶۳ بھی اس کے مشابہ ہے۔

☆''نَتَقَ'' کے معنی ہیں: اکھاڑ کر پھینک دینا۔

''ظُلَّةٌ'' کے معنی ہیں: بادل کا ٹکڑا، چھت اور سائبان۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام میقات الٰہی کے لیے کوہ طور پر گئے، واپسی پر بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے تورات کی تختیاں اپنے ہمراہ لائے۔بنی اسرائیل نے اس کی مخالفت شروع کردی۔خدا تعالیٰ نے کوہ طور کو اس کی جگہ سے اوپر اٹھایا اور ان کے سروں پر روک دیا۔لوگ وحشت زدہ ہوگئے اور سجدے میں گر گئے اور اطاعت کرنے کا وعدہ کرنے لگے۔لیکن جونہی مشکل

ٹل گئی ابھی زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ پھر دین سے پلٹ گئے۔

☆ سوال: مجبوری کی حالت میں وعدہ لینا اور اطاعت کروا لینے کی کوئی قدر و قیمت ہے؟

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ ہر طرح کی زبردستی غلط نہیں ہے۔ کبھی نشے کے عادی شخص کے ساتھ زبردستی کی جاتی ہے کہ وہ نشہ چھوڑ دے، یہ خود ایک قابل قدر بات ہے۔ البتہ قلبی اعتقاد کو زبردستی نافذ نہیں کیا جا سکتا، لیکن صحیح عمل کو زبردستی معاشرے میں رائج کیا جا سکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کبھی ابتدا میں زبردستی کسی بات کو سنایا جاتا ہے لیکن بعد میں تدریجاً آگاہی و شعور میں اضافہ کے ساتھ اختیاری طور پر اسے قبول کر لیا جاتا ہے۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اس آیت میں قوت سے مراد، جسمانی قوت ہے یا قلبی؟ امامؑ نے فرمایا: دونوں مراد ہیں۔ (تفسیر عیاشی و محاسن برقی، ج۱، ص۲۶۱)

پیغام:

۱۔ بنی اسرائیل کے سر پر پہاڑ کو سائبان کی مانند روکے رکھنا اور انہیں دھمکانا، ایسا واقعہ ہے کہ جسے فراموش نہیں کیا جانا چاہیے۔ ''وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ۔۔۔''

۲۔ یاد کرنا کافی نہیں بلکہ یاد رکھنا ضروری ہے۔ ''خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا''

۳۔ معاشرے کی عمومی تربیت کے لیے بعض اوقات دباؤ اور سختی سے بھی کام لینا پڑتا ہے تا کہ لوگوں کو کار خیر پر آمادہ کیا جا سکے۔ ''اِذْ نَتَقْنَا۔۔۔ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ۔۔۔''

۴۔ احکام الٰہی پر سنجیدگی اور مضبوطی کے ساتھ عمل کرنا چاہیے۔ ''بِقُوَّةٍ''

۵۔ کمال تک پہنچنے کیلئے تقویٰ، دین میں یقین محکم اور مضبوط فیصلے ضروری ہیں۔ ''خُذُوْا۔۔۔ بِقُوَّةٍ۔۔۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۱۷۱﴾''

۶۔ آسمانی کتابوں اور دینی دستورات کا اصل مقصد لوگوں کے دلوں میں خدا ترسی اور تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ ''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۱۷۱﴾''

۷۔ قواعد و ضوابط و احکام اور قوانین کا فلسفہ اور آثار و نتائج بیان کرنے سے دوسروں کو متوجہ کیا جائے اور عمل کیلئے ترغیب دلائی جائے۔ ''خُذُوْا۔۔۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۱۷۱﴾''

آیت نمبر ۱۷۲

وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَاَشۡهَدَهُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ‌ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ‌ ؕ قَالُوۡا بَلٰى ۛۚ شَهِدۡنَا ۛۚ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِيۡنَ ۙ‏ ﴿۱۷۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے اولاد آدم کے صلب سے ان کی ذریت کو لیا اور انہیں ان کے اپنے نفسوں پر گواہ بنا دیا (پھر ان سے پوچھا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: ہاں ہم اس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے، اولاد آدم سے اس طرح کا اقرار اس لیے لیا گیا) تا کہ بروز قیامت یہ نہ کہو کہ ہم اس سے غافل رہے تھے۔ (۱۷۲)

نکات:

☆ ''ذُرِّيَّتَهُمۡ'' کا لفظ یا ''ذر'' سے لیا گیا ہے جس کا معنی گرد و غبار کے بہت چھوٹے ذرات ہیں، یا بہت چھوٹی چیونٹیاں ہیں۔ یہاں اس سے مراد انسان کے نطفے کے چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں یا انسان کے کم عمر بچے ہیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ لفظ ''ذرا'' سے لیا گیا ہے جس کا معنی خلق کرنا ہے۔ (تفسیر نمونہ) البتہ یہاں اس سے عام طور پر ''اولاد'' کے معنی لیے جاتے ہیں۔

☆ آیت میں اولاد آدم سے پیمان لینے کا انداز ذکر نہیں ہوا۔ اس بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں، ان میں سے دو مشہور قول درج ذیل ہیں:

الف: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی تخلیق کے بعد قیامت تک ان کی تمام اولاد کو باریک ذرات کی صورت میں نکالا گیا، جیسے چیونٹیاں چلتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں مخاطب کر کے سوال کیا اور قدرت الٰہی کے ساتھ انہوں نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ اس کے بعد ان کی صلب اور مٹی میں واپس چلی گئی تا کہ تدریجاً اور طبعی طور پر اس دنیا میں

آئیں۔ اس عالم کو ''عالم ذر'' اور اس پیمان کو ''پیمان الست'' کہتے ہیں۔ (کافی، ج ۲، ص ۱۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: عالم ذر میں جناب آدم کی ذریت میں سے بعض نے زبان کے ساتھ اقرار کیا، لیکن قلبی ایمان نہیں رکھتے تھے۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ یہ اقرار، عرفہ کے دن انجام پایا تھا۔ (تفسیر درالمنثور)

ب: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''عالم ذر'' سے مراد وہی استعداد اور صلاحیتوں کا عالم ہو اور پیمان سے مراد فطرت کا تکوینی پیمان ہو۔ جب اولاد آدم نطفہ کی صورت میں اپنے باپوں کی صلبوں سے نکل کر ماؤں کے رحموں میں منتقل ہوتی ہے تو اس وقت ایک ذرہ سے زیادہ ان کی حیثیت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ توحید کی معرفت کی استعداد اور فطرت اسی طرح حق جوئی کی فطرت ان میں ودیعت کر دیتا ہے۔ یہ خدائی راز ایک اندرونی حس کی صورت میں ہر ایک کی نہاد و فطرت میں امانت کے طور پر رکھ دی جاتی ہے اور ساتھ ہی ان کی عقل و خرد میں بھی یہی بات خود آگاہ حقیقت کی شکل میں بٹھا دی جاتی ہے۔ جب سے خدا کی تلاش اس کی شناخت اور اس کا اقرار ایک خود آگاہ حقیقت کی صورت میں منقش ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بشری فطرت اور خرد، ربوبیت خدا پر گواہی دیتی ہے۔

بعض روایات میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے فطرت کے بارے میں سوال کیا گیا، امامؑ نے فطرت کو عالم ذر قرار دیا۔ (تفسیر برہان ونور الثقلین؛ پیام قرآن، ج ۳، ص ۱۱۷)

کچھ روایات میں فطرت، عالم ذر کا اثر ہے خود عالم ذر نہیں۔ ''**ثبت المعرفة فی قلوبهم و نسوا الموقف**'' اس بنا پر انسان نے ایسے زمانے میں اور ایسی جگہ پر اقرار کیا ہے کہ اب اسے وہ بھول گیا ہے۔ اس کا اثر وہی فطرت ہے جس کی طرف وہ کھینچا چلا جاتا ہے۔

بہر حال یہ والی آیت متکلمین، محدثین اور مفسرین کے ہاں بحث و گفتگو کا موضوع ہے۔ لہٰذا ہم اس کے بارے معلومات کا مرکز راسخین علم کو قرار دیتے ہیں جو اس کے اہل ہیں۔

(مختلف اقوال اور نظریات کو جاننے کیلئے آیت اللہ مکارم شیرازی کی کتاب ''پیام قرآن''، آیت اللہ سبحانی کی کتاب ''منشور جاوید'' اور تفسیر اطیب البیان کی طرف رجوع کریں۔)

پیغام:

۱۔ تمام انسان، جناب آدمؑ کی اولاد ہیں، خداوند تعالیٰ نے ان سب سے اپنی ربوبیت کا اقرار لے رکھا ہے۔ ''وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَاَشۡهَدَهُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ؕ''

۲۔ خدا تعالیٰ نے توحید کو انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے۔ انسان فطرتاً توحید کی معرفت رکھتا ہے۔ ''اَشۡهَدَهُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ؕ'' ہر انسان نے کسی نہ کسی طرح سے خداوند تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت کو جان لیا ہے اور

اس پر گواہی دی ہے۔
۳۔ پروردگار عالم نے انسان کی خلقت کے بعد اس پر اپنی ربوبیت کو آشکار کر دیا تا کہ بوقت ضرورت اس بات کی گواہی دے۔ ''اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ''
۴۔ میثاق فطرت اور خدا جوئی، اتمام حجت کیلئے تھا۔ ''اَنۡ تَقُوۡلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ''
۵۔ قیامت کے دن، خدا تعالیٰ کی ربوبیت سے غفلت کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔ ''اِنَّا كُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِيۡنَ ''جہالت اور غفلت کا کوئی بہانہ، خدا تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔

آیت نمبر ۱۷۳۔ ۱۷۴

اَوۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَشۡرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ۚ اَفَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۱۷۳﴾
وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۷۴﴾

ترجمۃ الآیات

یا تم یہ نہ کہو کہ ہمارے آباؤ اجداد تو بت پرستی کرتے تھے اور ہم بھی تو ان ہی کی اولاد تھے (لہٰذا ان کی پیروی کرنے کے علاوہ ہمارے لیے اور کوئی راستہ نہ تھا) جو کچھ باطل پرستوں نے کیا، کیا تو ہمیں اس پر سزا دیتا ہے اور ہلاک کرتا ہے؟ (۱۷۳)
اور ہم اپنی آیات کو اس لیے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں کہ (وہ جان لیں کہ توحید کا نور ابتدا سے ہی ان کی فطرت میں موجود تھا اور) شاید وہ (خدا تعالیٰ اور پاک توحیدی فطرت کی طرف) لوٹ آئیں۔ (۱۷۴)

نکات:

☆ اگر عالم ذر یا فطرت میں ربوبیت پر گواہی نہ ہوتی تو دنیا میں اتنی آسانی کے ساتھ انسان خدا پرست نہ ہوتا اور ہمیشہ اپنے پچھلوں کی تقلید ہی کیا کرتا۔ ''اَوۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَشۡرَكَ اٰبَآؤُنَا ۔۔۔''

پیغام:

۱۔معرفت خدا کی فطرت، خدا کی طرف سے ہر انسان کے وجود میں اتمام حجت کے طور پر ہوتی ہے اور فطرت کا چراغ اپنے اندر اس قدر طاقت رکھتا ہے کہ اس میں چاروں طرف پھیلی ظلمت پر اپنا نور ڈالنے کی پوری پوری طاقت ہوتی ہے۔

۲۔معاشرہ اور ماحول انسان کو مجبور نہیں کرتا۔''اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا ۔۔۔''

۳۔اصول دین میں تقلید جائز نہیں ہے۔''اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا''

۴۔اسلاف کا عقیدہ ،عمل اور شرک کرنا، آئندہ کی نسلوں کے اعتقاد، عمل اور شرک کرنے کی راہ ہموار کرتا ہے۔'' اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا''

۵۔اپنے گناہوں اور گمراہی کے بوجھ کو دوسروں کی گردن میں مت ڈالو، کیونکہ یہ جائز نہیں ہے۔''تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا''

۶۔مشرکین، باطل کی طرف رجحان رکھتے ہیں۔''اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ﴿۱۷۳﴾''

۷۔خدا تعالیٰ کے عدل کے نظام میں کوئی بھی کسی دوسرے کے گناہ پر مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔''اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ﴿۱۷۳﴾''

۸۔آیات الٰہی انسان کو میثاق فطرت اور توحیدی سرشت کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔'' نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴿۱۷۴﴾''

۹۔توحید اصل ہے اور شرک عارضی ہے، اس لیے قرآن مجید مشرکین سے انسان کی اصل کی طرف بازگشت کا تقاضا کرتا ہے۔''لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴿۱۷۴﴾''

۱۰۔اپنے بڑوں کا احترام اس حد تک ہونا چاہیے کہ وہ احترام انہیں شرک کی طرف نہ لے جائے۔''ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ''

آیت نمبر ۱۷۵

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْۤ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴿۱۷۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان لوگوں کیلئے اس شخص (بلعم باعورا) کی سرگذشت پڑھو جسے ہم نے خود اپنی آیات (معارف کا علم، اجابت دعا اور بعض کرامات) دیں لیکن (بالآخر ناشکری کرتے ہوئے) وہ ان (کے حکم) سے نکل گیا، شیطان نے اس پر غلبہ پالیا اور وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔ (۱۷۵)

نکات:

☆ ''اِنْسَلَخَ'' جلد کو اتارنے کے معنی میں ہے۔ جہاں ایک چیز دوسری چیز کے ساتھ چپکی ہو وہاں اس لفظ کو استعمال کیا جاتا ہے، یہاں علوم الٰہی سے دور ہو جانے کے قرینہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

☆ ''فَاَتْبَعَهُ'' سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص حق کے راستے پر ایسے مقام تک پہنچ چکا تھا کہ شیطان اس سے ناامید ہو گیا تھا۔ لیکن گمراہی کے کچھ آثار ظاہر ہوتے ہی شیطان تیزی کے ساتھ اس کے پیچھے آیا اور وہ شخص بالآخر گمراہ اور شقی لوگوں میں شمار ہونے لگا۔ (تفسیر نمونہ)

☆ یہ آیت بنی اسرائیل کے ایک ایسے دانشور شخص بنام بلعم باعورا کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو پہلے پہل تو مومنین کی صف میں تھا اور الٰہی آیات و علوم کے حاملین میں سے تھا۔ وہ شیطان اور طاغوت کے وسوسوں کا شکار ہو گیا اور منحرف ہو گیا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ بلعم ابن باعورا، اسم اعظم الٰہی جانتا تھا، جس کی وجہ سے اس کی ہر دعا قبول ہوتی تھی لیکن بعد میں فرعون کے دربار میں جا پہنچا۔ اگرچہ وہ آغاز میں حضرت موسیٰ کا مبلغ تھا لیکن اس کا انجام بہت خراب ہوا۔ اس نے جناب موسیٰ اور ان کے اصحاب کے خلاف کئی اقدام کیے، اس شخص کی عاقبت اچھی نہ رہی۔ دنیا کی چمک دمک اور شاہی دربار کی شان و شوکت، بعض علما اور دانشوروں کو گرا دیتی ہے۔ (تفسیر نور الثقلین اور کنز الدقائق)

قرآن مجید میں اس کا نام تو نہیں لیا گیا لیکن اس کی کارستانیاں ضرور بیان کی گئی ہیں۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے بقول یہ آیت ہر اس شخص سے مطابقت رکھتی ہے جو خواہشات نفسانی کو حق پر غالب کرتا ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

اس قسم کے لوگ ہر دور میں ہر زمانے اور ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ یہ آیت کسی شخص جیسے بلعم باعورا کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔

☆ بلعم باعورا کا قصہ موجودہ تورات میں بھی ذکر ہوا ہے۔ (تورات، سفر اعداد، باب ۲۲)

پیغام:

۱۔ راہبر اور قائد کا فرض بنتا ہے کہ لوگوں کو درپیش آنے والے خطرات سے آگاہ کرے اور ڈرائے۔ ''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ

۔۔۔‘‘

۲۔ بسا اوقات طاغوت، علماء کو بھی فریب دیتا ہے۔ بلعم باعورا جیسے دانشور کا انجام پوری تاریخ کیلئے درس عبرت ہونا چاہیے۔ ’’وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ۔۔۔‘‘ کیونکہ یہ اہم اور مفید داستان ہے۔ (’’نَبَاَ‘‘ اہم اور مفید خبر کو کہا جاتا ہے۔)

۳۔ انسان آزاد ہے اور جس طرف چاہے اپنا راستہ تبدیل کرسکتا ہے۔ ’’اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ‘‘

۴۔ انسان کو جس قدر ترقی ملتی جائے اسے کبھی مغرور نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اسے تباہی کا خطرہ ہر وقت در پیش رہتا ہے۔ صحیح معنوں میں انجام کار ہی اہمیت رکھتا ہے، آغاز کار کو اتنی اہمیت حاصل نہیں۔ جو جتنا بلند ہوگا اس کے گرنے کا خطرہ بھی اسی قدر زیادہ ہوگا۔ ’’فَانْسَلَخَ مِنْهَا‘‘

۵۔ جو بھی پروردگار عالم سے الگ ہوگا وہ شیطان کا لقمہ بن جائے گا۔ ’’فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ‘‘

۶۔ شیطان وسوسہ ایجاد کرتا ہے اور گھات لگائے بیٹھا رہتا ہے، جونہی کسی میں ذرا سی رغبت دیکھتا ہے، اسے گمراہ کرنے کیلئے اس کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ ’’فَانْسَلَخَ مِنْهَا‘‘

(’’فَاَتْبَعَهُ‘‘ کے ساتھ ’’فَانْسَلَخَ‘‘ کا کلمہ بتاتا ہے کہ شیطان گھات میں ہے، انسلاخ کے فوراً بعد وہ انسان کے پیچھے لگ جاتا ہے۔)

۷۔ شیطان، عالم ربانی کا حریف نہیں ہوسکتا۔ (جب تک بلعم نے آیات الٰہی سے ہاتھ نہیں کھینچا تھا، شیطان اس پر تسلط پیدا نہیں کرسکا تھا۔) ’’فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ‘‘

۸۔ صرف اکیلا علم ہی نجات دہندہ نہیں ہے چونکہ دنیا پرست عالم بھی شیطان کا اسیر ہوسکتا ہے۔ ’’فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ‘‘

۹۔ برے انجام کا سوچنا چاہیے اور بری عاقبت سے ڈرنا چاہیے تاکہ نعمت تبدیل ہوکر عذاب نہ بن جائے۔ ’’اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا ۔۔۔ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۝‘‘

۱۰۔ خدا کے راستے کو چھوڑ دینا، عقل و خرد سے بعید ہے۔ ’’فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۝‘‘

۱۱۔ انسان کا پستی میں گرنا مرحلہ وار ہوتا ہے: پہلے وہ آیات الٰہی سے دور ہوجاتا ہے پھر شیطان کی پیروی میں لگ جاتا ہے اور آخرکار گمراہ لوگوں میں شامل ہوجاتا ہے۔ ’’فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۝‘‘

آیت نمبر ۱۷۶

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر ہم چاہتے تو اس (کی قدر و منزلت) کو ان آیات (وعلوم کے) ذریعے اوپر لے جاتے (جو ہم نے اسے عطا کیے تھے) لیکن وہ خود زمین (اور مادیات) سے چمٹ گیا اور اس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی کی اور وہ (باؤلے) کتے کی مانند ہے کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تو اپنا منہ کھول دیتا ہے اور زبان باہر نکال دیتا ہے اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دے تو پھر بھی وہ یہی کام کرتا ہے (گویا دنیا پرستوں کا منہ ہمیشہ کھلا ہی رہتا ہے) اور اس گروہ کی مانند ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، یہ قصے (ان سے) بیان کرو شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔ (۱۷۶)

نکات:

☆ اس آیت میں ''اَرْضِ '' کا لفظ چونکہ معنوی بلندی کے ساتھ ذکر ہوا ہے اس لیے یہاں مراد حقیر، مادی اور دنیاوی سلسلے ہیں۔

☆ پیغمبر خداؐ نے فرمایا: اگر کسی کے علم اور معلومات میں اضافہ ہو لیکن اس کی ہدایت میں اضافہ نہ ہو تو وہ علم خداوند تعالیٰ سے زیادہ دوری کا سبب ہے۔ (بحار، ج ۲، ص ۳۷)

☆ قرآنی قصے حق وحقیقت پر استوار ہیں پیغمبر اکرمؐ اور اہل ایمان کی نوازش اور ثابت قدمی کیلئے بیان ہوئے ہیں۔ یہ قصے دشمنوں کی ناامیدی اور مومنوں کیلئے موعظہ وتذکر ہیں۔ (ہود۔ ۱۲۰) عقل وخرد والوں کیلئے اور ہدایت حاصل کرنے والوں کیلئے عبرت کا سبق ہیں۔ (یوسف۔ ۱۱۱)

پیغام:

۱۔ آیات الٰہی کی پابندی، انسان کے بلند درجات، اعلیٰ مقامات اور تقرب خداوند کا سبب بنتی ہے۔ ''لَرَفَعْنٰهُ بِهَا ''

۲۔ کائنات پر خدا تعالیٰ کی حاکمیت اور ارادہ حاکم ہونے کے ساتھ ساتھ انسان مختار اور آزاد ہے۔ ''وَلَوْ شِئْنَا

لَرَفَعۡنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخۡلَدَ اِلَى الۡاَرۡضِ ۔۔۔''

۳۔ خدا تعالٰی کی مرضی کا انحصار، خود ہمارے عمل کی بنیاد پر ہے۔ ''وَلَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخۡلَدَ اِلَى الۡاَرۡضِ وَاتَّبَعَ هَوٰٮهُ‌ ۚ'' خدا تعالٰی کے ہاں مقام قرب تک پہنچنے کیلئے شرط ہے کہ دنیا پرستی اور ہوس سے پرہیز کیا جائے۔

۴۔ غفلت میں ڈوبے لوگ، جانوروں کی مانند ہیں لیکن دنیا دار عالم و دانشور لالچی کتے کی مانند ہے۔ ''كَمَثَلِ الۡـكَلۡبِ‌ ۚ''

۵۔ بے عمل عالم و دانشور، نفرت کے قابل ہے۔ ''كَمَثَلِ الۡـكَلۡبِ‌ ۚ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَيۡهِ يَلۡهَثۡ ۔۔۔''

۶۔ دنیا کا اسیر شخص کبھی بھی سکون اور چین میں نہیں ہوتا۔ ''اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَيۡهِ يَلۡهَثۡ اَوۡ تَتۡرُكۡهُ يَلۡهَث‌ ؕ'' لالچی انسان کے پاس جو کچھ بھی ہو پھر بھی اس کی رال ٹپک رہی ہوتی ہے کیونکہ دنیا پرستی اور لالچ کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔

۷۔ دنیا سے محبت اور ہوس پرستی، انسان کو دوسرے اہم مسائل سے دور اور لا پرواہ کر دیتی ہے۔ ''اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَيۡهِ يَلۡهَثۡ اَوۡ تَتۡرُكۡهُ ۔۔۔''

۸۔ علمائے دین اگر دنیا پرست ہو جائیں تو آیات الٰہی کی تکذیب کرنے لگتے ہیں اور پھر کفر کی طرف رغبت کرتے ہیں ''اَخۡلَدَ اِلَى الۡاَرۡضِ ۔۔۔ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا‌ ۚ''

۹۔ فریب خوردہ علماء کا انجام لوگوں کیلئے سرمایہ عبرت اور غور و فکر کا موجب ہوتا ہے۔ (سابقہ آیت میں ''وَاتۡلُ'' اور یہاں ہم نے پڑھا ''فَاقۡصُصِ'')

۱۰۔ داستان نویسی اور قصہ گوئی انسان کی فکری و ذہنی ترقی اور بالیدگی کا موجب ہونا چاہیے نہ کہ ذہنی نشہ یا سرگرمی کا سبب ہو۔ سبق آموز قصہ گوئی، تبلیغی قسم کی داستانیں بیان کرنا انبیاء کا کام ہے۔ ''فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ‏ ﴿۱۷۶﴾''

آیت نمبر ۱۷۷۔۱۷۸

سَآءَ مَثَلَاْ ۨالۡقَوۡمُ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَاَنۡفُسَهُمۡ كَانُوۡا يَظۡلِمُوۡنَ‏ ﴿۱۷۷﴾

مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِىۡ‌ ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ‏ ﴿۱۷۸﴾

ترجمۃ الآیات

کتنی بُری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں لیکن وہ تو خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔(۱۷۷)

وہ جسے اللہ ہدایت کرے (حقیقی) ہدایت پانے والا وہی ہے اور جنہیں (ان کے اعمال کی وجہ سے) گمراہ کرے وہ (واقعی) خسارے میں ہیں۔(۱۷۸)

نکات:

☆ ہدایت یافتہ افراد کے لیے مفرد ''مُهْتَدِي'' اور گمراہ افراد کے لیے جمع ''خٰسِرُوْنَ'' کا لفظ لایا گیا ہے اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ہدایت یافتہ افراد کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ متحد ہیں لیکن گمراہ لوگ ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور ان کی راہیں بھی مختلف ہیں۔

جان گرگان و سگان ہر یک جداست
متحد جان ہای شیران خداست

بھیڑیے اور کتوں کی ہر ایک کی جان الگ ہے خدا کے شیروں کی جان متحد اور ایک ہے

☆ ہر چند ہدایت اور گمراہی خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن اس میں جبر نہیں ہے، کچھ بھی بغیر دلیل اور بے حساب نہیں ہے۔ راہیں ہموار کرنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے اور خداوند عالم حکیم اور رحیم ہے جب تک انسان راہیں ہموار نہیں کرے گا اس کے لطف و کرم یا قہر و غضب کے شامل حال نہیں ہوگا۔

پیغام:

۱۔ جھٹلانے والوں کیلئے برا انجام ان کے انتظار میں ہے۔ ''سَآءَ مَثَلًا''

۲۔ آیات خداوندی کو جھٹلانا، اپنے آپ پر ظلم ہے، خدا پر نہیں۔ ''اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ'' اس میں ''اَنْفُسَهُمْ'' کو ''يَظْلِمُوْنَ'' پر مقدم کرنا، انحصار کی علامت ہے۔

۳۔ ہدایت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اگر اس کا لطف نہ ہو، صرف علم ہی نجات اور ہدایت کا سبب نہیں ہوسکتا۔ ''مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ''

۴۔ ہدایت یافتہ لوگ ہر طرح کے نقصان اور زیاں سے دور ہیں کیونکہ ضلالت و گمراہی، نقصان کا سرچشمہ ہے۔ ''وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ''

آیت نمبر ۱۷۹

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ترجمۃ الآیات

یقیناً جن وانس کے بہت سے گروہوں کو ہم نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے، (کیونکہ ان کے انجام نے انہیں یہانتک پہنچایا ہے، اس لیے کہ) وہ ایسے دل (اور ایسی عقل) رکھتے ہیں جن کے ذریعے وہ حق نہیں سمجھتے، اور ایسی آنکھیں رکھتے ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور ایسے کان رکھتے ہیں جن سے وہ سنتے نہیں ۔ وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ وہ زیادہ گمراہ ہیں، (اور) وہ لوگ غافل ہیں ۔ (۱۷۹)

نکات:

☆ ''ذَرَاْ'' کا لفظ ''ذَرء'' سے ہے، جس کا معنی بکھیرنا اور منتشر کرنا ہے جبکہ یہاں خلق اور اظہار کرنے کے معنی میں ہے۔

سوال: اس آیت میں بہت سے جن وانس کی خلقت کو جہنم کیلئے قرار دیا گیا ہے جبکہ ایک دوسری آیت میں جن وانس کی خلقت کا مقصد عبادت بتایا گیا ہے۔ ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾'' (ذاریات۔ ۵۶) ان میں سے کونسا مقصد صحیح ہے؟

جواب: تخلیق کا اصل مقصد تو عبادت اور خدا پرستی ہی ہے لیکن بہت سے انسانوں کے اعمال کا نتیجہ، ان کے گناہ، سرکشی، کفر پر اصرار اور ضد کی وجہ سے جہنم ہے۔ گویا اصل میں وہ جہنم کیلئے خلق ہوئے تھے۔

''لِجَهَنَّمَ'' میں ''لام'' کا حرف، عاقبت کو بیان کر رہا ہے، مقصد کو نہیں ۔ جیسا کہ بڑھی کا اصل مقصد تو لکڑی سے

دروازے اور کھڑکیاں وغیرہ تیار کرنا ہے لیکن انہی دروازے اور کھڑکیوں کے تختے، بیکار اور اضافی لکڑیاں انگیٹھی میں بھی جلتی ہیں۔ یہ ان کا طبعی اور فرعی انجام ہے اصل ہدف و مقصد نہیں۔

یہ بات حضرت علی علیہ السلام کے اس جملے کے ساتھ مشابہ ہے: خدا تعالیٰ کے پاس ایک فرشتہ ہے جو ہر روز اونچی آواز کے ساتھ کہتا ہے: ''لدوا للموت و اجمعوا للفناء و ابنوا للخراب'' پیدا کرو موت کیلئے، جمع کرو فنا کیلئے اور بناؤ خراب کرنے کیلئے۔ یعنی ہر پیدائش کا انجام موت ہے، دولت کے جمع کرنے کی آخر فنا اور اختتام ہے، عمارتیں بنانے کے بعد ان کا انجام تباہی ہے۔ (نہج البلاغہ، کلمات قصار، ۱۳۲)

انسان جو اپنی انسانی ہویت کو کھو چکے ہیں، اپنی انسانی خصلتوں کو اپنے ہاتھ سے گنوا چکے ہیں، آگ کے علاوہ ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ ''اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾'' کیا تم گمان کرتے ہو کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں، وہ تو صرف چار پایوں کی مانند ہیں بلکہ وہ گمراہ ہیں۔ (فرقان۔ ۴۴)

اس طرح کہ وہ لوگ خود بھی اعتراف کریں گے اگر دستورات الٰہی کو سن لیتے تو اور عقل کرتے تو جہنم میں جگہ نہ پاتے۔ ''قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۰﴾'' (مُلک۔ ۱۰)

☆ آنکھ، کان اور زبان رکھنے کے اعتبار سے انسان جانور کی شبیہ ہے لیکن نعمات کو استعمال کرنے کے مقصد اور اس کی کیفیت بہتر ہونی چاہیے۔ ورنہ وہ جانور کی مانند ہے بلکہ اس سے بھی پست ہے۔ انسان کو ظاہر پر نگاہ رکھنے کی بجائے ملکوت کو بھی دیکھنا چاہیے۔ ظاہری شور اور آوازوں پر کان دھرنے کی بجائے باطنی اور معنوی زمزمے بھی سننے چاہئیں۔

آدمی زاده طرفه معجونی است
از فرشته سرشته و ز حیوان
گر رود سوی این، شود به از این
ور رود سوی آن، شود پس از آن

آدمی زاد دو چیزوں سے مل کر بنا ہے، فرشتوں کی خصلت رکھتا ہے اور کچھ حیوانی خصائل رکھتا ہے۔

اگر فرشتوں کی خصلت کی طرف کو چلا جائے تو فرشتوں سے بہتر ہو جاتا ہے اور اگر اس طرف چلا جائے تو حیوان سے بھی پست ہو جاتا ہے۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا: خدا تعالیٰ نے تمام بندوں کو اپنا مطیع اور موحد کیوں پیدا نہیں کیا؟ امامؑ نے فرمایا: اگر ایسا ہو جاتا تو ثواب وعقاب کا کوئی معنی نہ تھا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ مجبور ہوتے اور ان کے پاس کوئی اختیار نہ ہوتا پروردگار نے انسان کو با اختیار خلق فرمایا، عقل و فطرت عطا فرمائی۔ انبیاء اور آسمانی کتب کی تعلیمات کے ذریعے اس کیلئے راہ ہدایت کو روشن اور واضح کر دیا اور اسے اطاعت کا حکم دیا نیز نافرمانی سے منع فرمایا تاکہ اطاعت کرنے والے اور نافرمان الگ

الگ معلوم ہو جائیں۔

اگر چہ اطاعت اور عصیان کے تمام اسباب خدا تعالیٰ نے خلق فرمائے ہیں لیکن کسی چیز کے بارے امر یا نہی نہیں فرمائی، انسان آزاد ہے اس بارے میں کوئی بھی راستہ انتخاب کر سکتا ہے، وہ مجبور نہیں ہے، کبھی بھی دوسرے راستے کی طرف پلٹ سکتا ہے (تفسیر اثنی عشری ؛ بحار، ج ۳،ص ۶)

فرائض کو قبول کرتے ہوئے ان پر عمل درآمد کرنا ہی انسان کیلئے دوسری مخلوقات سے وجہ امتیاز ہے اور قابل قدر ہے۔

پیغام:

۱۔ بہت سے انسانوں اور جنوں کا انجام جہنم ہے۔ ''ذَرَاْنَا۔۔۔''

۲۔ جن بھی انسانوں کی طرح مکلف ہیں، وہ بھی صاحب اختیار و ارادہ ہیں۔ انہیں بھی سزا اور جزا ملے گی۔ ''مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ''

۳۔ دینی معارف اور فرائض کو قبول کرنے کا فہم، انسانیت کا معیار ہے، ورنہ انسان حیوانات کی مانند ہے۔ ''اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ''

۴۔ جو شخص خدائی نعمتوں سے صحیح معنوں میں فائدہ نہیں اٹھاتا وہ اس موجود سے بدتر ہے جس کے پاس اس قسم کی نعمتیں نہیں ہیں۔ ''بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ''

۵۔ غافل اور بے بصیرت انسان (لا پرواہی، شکم پرستی، شہوت رانی، تسلط قبول کرنے اور معرفت کی لذت سے محروم ہونے) میں چوپایوں کی مانند ہے بلکہ فرمایا گیا کہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ ''اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾''

۶۔ بے بصیرت انسان اپنے ہدف اور مقصد، خدا اور خود، اپنے وسائل سے، آخرت، آیات الٰہی، اولاد، قانون خدا، گذشتہ مہربانیوں اور اپنے گناہوں سے غافل رہتے ہیں۔ ''اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾''

۷۔ بہت سے انسان اس لیے جہنم خرید کر لیتے ہیں کہ وہ خداوند عالم کی طرف سے عطا کردہ نعمتوں کو ہدایت اور کمال کی راہوں میں استعمال نہیں کرتے۔ ایسے لوگ آنکھ، کان اور دل و زبان رکھنے کے باوجود غفلت اختیار کیے ہوتے ہیں۔ ''اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾''

آیت نمبر ۱۸۰

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ

اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور اللہ ہی کے (اچھے اور) بہترین نام ہیں۔ پس اسے انہی ناموں سے پکارو اور جو اللہ کے ناموں میں کجی اور جھگڑا پسند کرتے ہیں، جس چیز کا خدا سے نسبت دینا اچھا نہیں اس کی نسبت دیتے ہیں (جنگ و جدل کرتے ہیں اور صفات خدا کو اس کے غیر کیلئے پکارتے ہیں۔) انہیں چھوڑ دو۔ وہ عنقریب اپنے کردہ (بُرے) اعمال کی سزا پائیں گے۔ (۱۸۰)

نکات:

☆ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے تمام نام اور صفات اچھے ہیں اور خداوند متعال تمام کمالات کا مالک ہے، جن کا احاطہ اور شمار نہیں کیا جا سکتا۔ روایات میں ایک سو ناموں پر زور دیا گیا ہے، اہل سنت کی کتابوں صحیح مسلم، بخاری، ترمذی میں بھی یہ بات ذکر ہوئی ہے۔ جو کوئی بھی ان ناموں کے ساتھ خدا تعالیٰ کو پکارے گا، اس کی دعا مستجاب ہوگی۔ (تفاسیر المیزان و نمونہ)

جو شخص خدا تعالیٰ کو ان ناموں سے پکارے گا وہ اہل بہشت میں سے ہے البتہ اس سے مراد صرف لفظی طور پر پکارنا اور لبوں کو حرکت دینا ہی نہیں بلکہ ان صفات پر توجہ کرنا، ان سے الہام لینا اور رابطہ قائم کرنا ہے، یہ ایک سو اسم درج ذیل ہیں:

اللہ، الہ، الواحد، الاحد، الصمد، الاول، الآخر، السمیع، البصیر، القدیر، القاهر، العلی، الاعلی، الباقی، البدیع، البار، الاکرم، الظاهر، الباطن، الحی، الحکیم، العلیم، الحلیم، الحفیظ، الحق، الحسیب، الحمید، الحفی، الرب، الرحمن، الذارء، الرازق، الرقیب، الرؤوف، الرائی، السلام، المؤمن، المهیمن، العزیز، الجبار، المتکبر، السید، السبوح، الشهید، الصادق، الصانع، الطاهر، العدل، العفو، الغفور، الغنی، الغیاث، الفاطر، الفرد، الفتاح، الفالق، القدیم، الملك، القدوس، القوی، القریب، القیوم، القابض، الباسط، قاضی الحاجات، المجید، المولی، المنان، المحیط، المبین، المقیت، المصور، الکریم، الکبیر، الکافی، کاشف الضر، الوتر، النور، الوهاب، الناصر، الواسع، الودود، الهادی، الوفی، الوکیل، الوارث، البر، الباعث، التواب، الجلیل، الجواد، الخبیر، الخالق، خیر الناصرین، الدیان، الشکور، العظیم، اللطیف، الشافی (تفسیر مجمع البیان، تفسیر نور الثقلین؛ توحید صدوق)

☆ قرآن مجید میں اس سے زیادہ (تقریباً ۱۴۵) نام ذکر ہوئے ہیں۔ یہ جو ننانوے کی تعداد کا تذکرہ بعض روایات میں آیا ہے یا تو اس لیے ہے کہ بعض نام ایسے ہیں کہ جو ایک دوسرے میں مدغم ہونے کے قابل ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جنہیں ایک

دوسرے سے مطابقت دی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازاین اس سے یہ مراد ہے کہ یہ نام بھی قرآن مجید میں ہیں نہ یہ کہ فقط یہی تعداد ہے۔

بعض آیات میں ان ناموں کا مضمون ملتا ہے مثلاً قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے نام کے لیے ''صادق'' کا لفظ استعمال نہیں ہوا لیکن ''وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾'' (نساء۔۱۲۲) کون خدا تعالیٰ سے بڑھ کر سچا ہے؟ آیا ہے۔

کچھ روایات اور دعاؤں میں جیسے دعائے جوشن کبیر میں خدا تعالیٰ کے بعض دوسرے نام بھی ذکر ہوئے ہیں۔ البتہ بعض اسماء ایسے ہیں جن کے خصوصی آثار و برکات اور اختیارات ہیں۔ فخر رازی کہتا ہے: خدا تعالیٰ کی تمام صفات دو چیزوں کی طرف پلٹی ہیں: اس کی بے نیازی اور باقی سب کی اسکی طرف نیازمندی۔ (تفسیر کبیر فخر رازی)

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! اسمائے حسنیٰ ہم ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین ؛ کافی، ج۱، ص ۱۴۳) یعنی صفات خدا ہم میں منعکس ہیں۔ ہم خدا کی حقیقی پہچان کا راستہ ہیں۔ اس حدیث کے مطابق جملہ ''ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ'' بتاتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کے فضائل کا انکار کرنے والوں پر بھروسہ اور اعتبار نہ کریں۔

ایک اور روایت میں امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: ہم اہل بیت علیہم السلام خدا کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔ کسی کا بھی عمل ہماری معرفت کے بغیر قابل قبول نہیں۔ ''نحن و الله الاسماء الحسنى الذى لا يقبل الله من احد عملا الا بمعرفتنا'' (تفسیر اثنیٰ عشری)

☆ ''اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى'' کی عبارت قرآن مجید میں چار مرتبہ آئی ہے۔ (اسراء۔۱۱۰ ؛ طہ۔۸ ؛ حشر۔۲۴ ؛ موجودہ آیت)

اسمائے حسنیٰ کے تین مصداق ہیں: صفات الٰہی، نام الٰہی، اولیائے الٰہی۔ (تفسیر فرقان)

☆ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: جب بھی تم پر مشکلات اور سختیاں آئیں، ہمارے وسیلے سے خدا تعالیٰ سے مدد چاہو۔ پھر فرمایا: ''وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا'' (بحار، ج۹۱، ص ۵)

☆ روایات کے مطابق جو کوئی شخص خدا تعالیٰ کا اسم اعظم جانتا ہو، اس کی دعا مستجاب ہے اور وہ طبیعت (مادی دنیا) میں تصرف کر سکتا ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کا شخص بلعم باعورا اسم اعظم جانتا تھا۔ (آیت ۱۷۵ میں اس کا بیان گذر چکا ہے۔)

اسم اعظم کیا ہے؟

اس بارے میں بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک ہے جو ہم سے پوشیدہ ہے۔ کچھ نے کہا ہے کہ اسم اعظم حقیقت میں کوئی لفظ یا نام نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی صفت اور کمال ہے، جسے کوئی شخص اس کے پرتو کو اپنے وجود میں پیدا کر سکتا ہے۔ اس طرح اس کی روحانی قوت اس حد تک بڑھ جائے گی کہ وہ طبیعت میں تصرف کر سکتا ہے۔ ورنہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی فرد لفظ یاد کرنے اور بعض کلمات کو دھرانے سے ''مستجاب الدعوۃ'' ہو جائے اور جہان میں اثرات کا حامل ہو جائے۔ (تفسیر نمونہ)

☆ امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام نے فرمایا: ''ان الخالق لا یوصف الا بما وصف بہ نفسہ'' خالق نے جو اپنی تعریف خود کی ہے، اس کے علاوہ اسے تعریف نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی خود اپنی طرف سے خدا تعالیٰ کا کوئی نام نہیں رکھا جا سکتا۔ مثلاً اسے باحیا، باعفت یا شجاع وغیرہ کہا جائے۔ (تفسیر فرقان)

☆ اسم اپنے مسمی پر دلالت کرتا ہے چونکہ اس کی ذات مقدس ہے لہٰذا اس کے نام بھی مقدس ہونے چاہئیں۔ خدا تعالیٰ کو ہر ناروا صفات و اسماء سے پاک و منزہ جاننا چاہیے۔ ''سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ'' (توبہ۔ ۳۱) اس کے نام کو بھی پاک و پاکیزہ جاننا چاہیے۔ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى'' (اعلیٰ۔ ۱) لہٰذا خدا تعالیٰ کے نام کو دوسروں کے نام کے ساتھ ایک ہی صف میں قرار دینا جائز نہیں ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا: خدا کے نام سے اور مخلوق کے نام سے ابتدا۔

☆ شہید مطہریؒ کہتے ہیں: پروردگار عالم کے اسماء علامتی طور پر نہیں ہیں بلکہ وہ صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ ذات مقدس کے حقائق میں سے کوئی ایک حقیقت ہے۔ (آشنائی با قرآن، ص ۱۴)

پیغام:

۱۔ لفظ ''اللہ'' تمام اسمائے الٰہی کا مرکز و محور ہے۔ ''وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى''

(لفظ ''اللہ'' میں تمام صفات الٰہی سمائی ہوئی ہیں۔)

۲۔ تمام نیک خصائل خدا تعالیٰ کیلئے ہیں۔ دوسری ہر چیز ''حُسْنٰى'' تک پہنچنے کیلئے اسی کے پیچھے جائے۔ ''لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى''

۳۔ دعوت اور دعا خوبصورت اور باکمال ہونی چاہیے۔ ''الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا''

۴۔ اسمائے الٰہی اس کی نشانی ہیں، اس کی نشانی کے ذریعے اس تک پہنچا جا سکتا ہے۔ ''وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا''

۵۔ اس بات پر ایمان کہ پروردگار عالم تمام کمالات کو رکھتا ہے اور ہر عیب سے پاک ہے، انسان کو دعا اور حمد و ثنا پر ابھارتا ہے۔ ''فَادْعُوْهُ بِهَا''

۶۔ غفلت کی دوا، یاد خدا ہے۔ پہلے والی آیت میں ہم نے پڑھا ہے: ''هُمُ الْغٰفِلُوْنَ'' اس آیت میں ہم پڑھتے ہیں کہ ''فَادْعُوْهُ بِهَا''

۷۔ ملحد اور منحرف لوگوں کے مقابلے میں اپنا ردعمل ضرور ظاہر کریں۔ ''وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ''

۸۔ نام رکھنے میں اسلام کی تاکید ہے کہ اس نام میں نیکی کے معنی پائے جاتے ہوں اور گمراہی و گناہوں سے دوری کے معنی پائے جاتے ہوں۔ ''الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ''

۹۔حق کا راستہ فطری ہے اور گمراہی کا راستہ غیر فطری ہے خدا تعالیٰ کو ایسے نام یا ایسی صفت سے پکارنا جو اس کے شایان شان نہیں غیر فطری بات ہے۔جو کہ حق و اعتدال سے خارج ہے"اَلَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ"(الحاد کے معنی انحراف کے ہیں۔)

۱۰۔خدا کے نام اور صفات کو دوسروں کے ساتھ نسبت دینا بھی الحاد ہے اسی طرح دوسروں کے نام کو بھی خدا تعالیٰ سے نسبت دینا الحاد کے زمرے میں آتا ہے۔"يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآىِٕهٖ ط"

آیت نمبر ۱۸۱

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٨١﴾

ترجمۃ الآیات

اور جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو (دوسروں کو) حق کی طرف ہدایت کرتا ہے اور (حق کے مطابق) حکم کرتا ہے۔ (۱۸۱)

نکات:

☆ روایات میں ہے کہ اس آیت سے مراد اہل بیت پیغمبر علیہم السلام اور ان کے شیعہ ہیں۔(تفسیر مجمع البیان)

☆ اسلامی امت میں مختلف گروہوں کے وجود میں آنے کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:"وہ گروہ جو نجات پائے گا، اہل بیت علیہم السلام کے شیعہ ہیں۔"(تفسیر نمونہ ؛ کافی، ج۱، ص ۴۴)

پیغام:

۱۔باطل وسائل و ذرائع اور طریقہ کار کے ساتھ ہدایت کرنا یا باطل کی طرف راہنمائی کرنا، ممنوع ہے۔"يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ"

۲۔ہدایت، حکومت اور عدالت کا مرکز و محور صرف اور صرف حق تعالیٰ کو ہی ہونا چاہیے۔"يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٨١﴾"

۳۔وہی لوگ قابل قدر ہوتے ہیں جو ہدایت قبول کرنے کے ساتھ ساتھ نظام حق کو وجود میں لانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔صرف شناخت اور معرفت ہی کافی نہیں، اس کی نشر و اشاعت اور اس پر عمل بھی ضروری ہے۔"وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٨١﴾" یعنی"بِهٖ يَحْكُمُوْنَ"

۴۔ معاشرے کو ایسے گروہ کی ضرورت ہوتی ہے جو حق کیلئے ہدایت کرے اور حق کے مطابق فیصلے کرے۔ (وَمِمَّنۡ خَلَقۡنَاۤ اُمَّةٌ یَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَقِّ وَبِهٖ یَعۡدِلُوۡنَ﴿۱۸۱﴾)

۵۔ سارے لوگوں نے اپنے اندر پائی جانے والی ہدایت وعدل کی صلاحیت کو قبول نہیں کیا بلکہ صرف کچھ لوگوں نے سے مانا ہے۔ ''وَمِمَّنۡ خَلَقۡنَاۤ اُمَّةٌ''

آیت نمبر ۱۸۲۔ ۱۸۳

وَالَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴿۱۸۲﴾

وَاُمۡلِیۡ لَهُمۡ ؕ اِنَّ كَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ﴿۱۸۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، ہم بہت جلد انہیں مرحلہ وار وہاں سے اپنی گرفت میں لائیں گے، جہاں کے بارے میں وہ جانتے بھی نہیں ہوں گے۔ (۱۸۲)

اور میں انہیں مہلت دیتا ہوں (تاکہ ان کے ظلم کا پیمانہ پوری طرح لبریز ہو جائے) یقیناً میری تدبیر تو محکم اور مستحکم ہوتی ہی ہے۔ (اور کسی کو بھی اس سے فرار ہونے کی طاقت نہیں۔) (۱۸۳)

نکات:

☆ ''استدراج'' جو کہ خدائی طریقہ کار میں سے ایک ہے اور جس کا تعلق آیات خداوندی کی تکذیب کرنے والوں اور مرفہ حال، آسائش پرست لوگوں سے ہے۔ یہ لفظ ''درجة'' سے لیا گیا ہے، جس کا معنی ہے تدریجی طور پر لپیٹنا۔ (مفردات راغب)

یہ خدائی طریقہ کار سورۃ قلم کی آیت ۴۴ میں بھی بیان ہوئی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''جو لوگ آسائش اور آسودگی میں زندگی گذارتے ہیں، انہیں استدراج کے خطرے کی فکر میں ہونا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تدریجی لپیٹ کی زد میں آ جائیں۔ ان کی یہ نعمتیں ان کی غفلت کا موجب نہ بن جائیں۔'' (تفسیر نور الثقلین)

ایک اور روایت میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''جو کوئی بہت زیادہ وسائل و ذرائع کو اختیار میں رکھتے ہوئے

پر آسائش زندگی گذارے اور نعمت کا شکر ادا نہ کرے، تدریجی طور پر لپیٹ میں آنے کے خطرے کو اہمیت نہ دے تو وہ خطرے کی علامت سے غافل ہے۔'' (تفسیر نمونہ) خدا تعالیٰ مہلت دیتا ہے لیکن اہمال نہیں کرتا، جیسا کہ بعض بزرگان نے فرمایا: ''ان اللہ یمھل ولا یھمل''

☆ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جب خدا تعالیٰ کسی بندے سے نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو گناہ کے انجام دینے کے وقت اس کی گرفت کرتا ہے تا کہ وہ توبہ کر لے لیکن جب اس کے اپنے اعمال کی وجہ سے کوئی بدی یا شر اس کا مقدر ہو جاتا ہے تو گناہ کے وقت میں اسے نعمت عطا فرما دیتا ہے تا کہ وہ توبہ اور استغفار کو بھول جائے اور گناہ میں آگے بڑھتا رہے جو کہ حقیقت میں ایک طرح کا مخفی اور تدریجی عذاب ہے۔ چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے: ''سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۲﴾'' (تفسیر نمونہ و تفسیر برہان)

☆ استدراج کے طور پر خدا کا کسی کو مہلت دینا، کسی کو لمبی عمر دینا اور اس طرح کی دوسری چیزیں قرآن مجید میں بارہا بیان ہو چکی ہیں۔ مثلاً یہ آیات: ''وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ خَيۡرٌ لِّاَنۡفُسِهِمۡ ؕ اِنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ'' جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ اگر ہم انہیں مہلت دیتے ہیں تو یہ ان کے نفع میں ہے ہم تو یہ مہلت انہیں اس لیے دیتے ہیں کہ وہ زیادہ گناہ کر لیں۔ (آل عمران۔ ۱۷۸)

''فَذَرۡهُمۡ فِىۡ غَمۡرَتِهِمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۵۴﴾'' ''پس انہیں ایک وقت تک ان کی اپنی غفلت میں رہنے دو۔ (مؤمنون۔ ۵۴)

علاوہ ازاین سورۃ آل عمران کی آیت ۱۹۶؛ سورۃ انعام کی آیت ۴۴؛ سورہ توبہ کی آیت ۵۵ اور سورۃ مومنون کی آیت ۵۵ و ۵۶ میں بھی یہی موضوع ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

☆ بعض اوقات پروردگار عالم کی نعمات، گناہوں سے پردہ پوشی اور لوگوں کی طرف سے ستائش، یہ سب کچھ انسان کیلئے مغرور ہونے کا ذریعہ بن جاتے ہیں، وہ سرگرم ہو جاتا ہے اور پھر تدریجی طور پر خدا کی گرفت میں آ جاتا ہے۔ (تفسیر نمونہ)

☆ حضرت علیؑ نے فرمایا: ''تحریف کرنے والے، بہانے بنانے والے اور اپنے تمام شب و روز طاغوت کی اطاعت میں گذارنے والے، قانون استدراج میں شامل ہیں۔'' (تفسیر نور الثقلین)

☆ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ''خداوند تعالیٰ اپنے دوستوں کو سختیوں اور تلخیوں کے ذریعے خبردار کرتا ہے اور نا اہل افراد کو آسائش اور آسودگی میں مگن رہنے دیتا ہے۔'' (تفسیر نمونہ)

☆ امام علیہ السلام سے سوال پوچھا گیا کہ کس طرح سمجھیں کہ ہمارے اختیار میں جو نعمتیں ہیں وہ استدراج ہے یا نہیں؟ امامؑ نے جواب میں فرمایا: اگر نعمت کا شکر بجا لاتے ہو تو پریشان نہ ہو، استدراج نہیں ہے۔ (اصول کافی، ج ۲، باب استدراج)

پیغام:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی اظہر من الشمس آیات کی تکذیب تدریجی سقوط اور مخفی ہلاکت کا موجب ہوتی ہے۔ ''وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا

بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۱۸۲﴾'' (خدا کی لاٹھی کی آواز نہیں ہوتی۔)

۲۔ لوگوں کو مہلت دینا خدائی طریقہ کار ہے جو ازل سے چلا آ رہا ہے تاکہ جو شخص جس راہ کا چاہے انتخاب کر لے اور اس راہ پر چل کر پروان چڑھے اور سب لوگوں کے واسطے دروازے کھلے ہوں، تاہم اس میں سرکشی کی فرصت بھی باقی رہے اور توبہ اور بازگشت کی مجال بھی موجود ہو۔ ''سَنَسْتَدْرِجُهُمْ''

۳۔ عام طور پر انسان کا سقوط اور تنزلی قدم بقدم اور آہستہ آہستہ شروع ہوتی ہے۔ ''سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۱۸۲﴾''

۴۔ ہر چیز کی زندگی پروردگار عالم کے ہاتھ میں ہے اور گنہگار قدرت خدا کی حدود سے فرار نہیں کر سکتا۔ ''وَاُمْلِيْ لَهُمْ''

۵۔ خداوند عالم توبہ اور گناہوں کی تلافی کی مہلت تو کافروں کو بھی دیتا ہے لیکن وہ اس کے اہل ثابت نہیں ہوتے۔ ''وَاُمْلِيْ لَهُمْ''

۶۔ ضروری نہیں ہے ہمیشہ نعمتیں خدا تعالیٰ کے لطف و کرم کی علامات ہوں، بعض اوقات اس کے قہر و غضب کا موجب بھی بن سکتی ہیں۔ ''اُمْلِيْ۔ كَيْدِيْ''

۷۔ خواب غفلت میں پڑے ہوئے اشرافیہ، خدا کے مقابلے میں کمر بستہ ہوتے ہیں۔ ''اُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ'' (جس طرح ''كَيْدِ'' خفیہ عمل ہے، استدراج بھی مخفی عذاب ہے۔)

۸۔ غرور اور غفلت کا خطرہ اس حد تک زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلسل تین بار مختلف تعبیروں کے ساتھ اس سے آگاہ کیا ہے۔ ''سَنَسْتَدْرِجُهُمْ ۔ اُمْلِيْ لَهُمْ ۔ كَيْدِيْ''

۹۔ اللہ تعالیٰ کا منصوبہ اور اس کی تدبیریں ایسی ہیں کہ جنہیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ ''اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴿۱۸۳﴾''

آیت نمبر ۱۸۴

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴿۱۸۴﴾

ترجمۃ الآیات

کیا وہ سوچتے نہیں کہ ان کے ہم نشین (پیغمبر خدا) پر جنون کے کوئی آثار نہیں ہیں؟ وہ تو صرف

ان کو ڈرانے والا ہے۔ (۱۸۴)

نکات:

☆ ''جِنَّۃٍ '' کے معنی ہیں ''جنون'' اور اس کا اصل معنی ہے ''ڈھانپنا'' گویا جب کسی پر جنون طاری ہوتا ہے تو اس کی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں۔

☆ ابھی پیغمبر اکرمؐ نے مدینہ ہجرت نہیں فرمائی تھی کہ ایک رات کوہ صفا پر کچھ رات گذرنے کے بعد لوگوں کو خدا کی طرف دعوت کرتے ہوئے خدائی سزا سے ڈراتے تھے۔ مشرکین کہتے: ہمارا رفیق دیوانہ ہوگیا ہے کہ ایسی باتیں اس کی زبان سے نکل رہی ہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وہ ایسی شخصیت پر دیوانہ کی تہمت لگا رہے تھے کہ اس کی طرف سے رسالت کے اعلان سے قبل وہ لوگ اسے محمد امین کے نام سے پکارتے تھے۔

پیغام:

۱۔ تہمت لگانا، جسارت اور گستاخی کرنا، صاحبان فکر و اندیشہ کا کام نہیں۔ ''اَوَلَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا''

۲۔ پیغمبر اسلامؐ لوگوں کے ساتھی تھے، ان میں گھل مل کر باتیں کرنے والے تھے، نعوذ باللہ اگر وہ دیوانہ تھے تو ان لوگوں نے پہلے ایسی بات کیوں نہیں کی؟ کیوں کئی سالوں تک یہ لوگ آپ سے ملتے رہے اور باتیں کرتے رہے؟ ''صَاحِبِہِمۡ''

۳۔ فاسد نظام میں ہمیشہ حق گو افراد کو مجنون کہا جاتا رہا ہے۔ ''مِّنۡ جِنَّۃٍ ؕ''

۴۔ تمام انبیاء کو ان کے مخالفین کی طرف سے جادوگر اور مجنون کی تہمتوں کا سامنا رہا ہے۔ ''مِّنۡ جِنَّۃٍ ؕ'' چنانچہ ہم ایک دوسری آیت میں پڑھتے ہیں: ''کَذٰلِکَ مَاۤ اَتَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا قَالُوۡا سَاحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ ﴿ۚ۵۲﴾'' ایسا ہی ہے کہ ان سے پہلے کوئی پیغمبر کسی قوم کی طرف نہیں بھیجا گیا مگر یہ کہ اسے جادوگر یا مجنون کہا گیا۔ (ذاریات۔ ۵۲)

۵۔ تبلیغی اور تربیتی روش میں اور مخاطب شناسی میں، غفلت کے شکار لوگوں کو اکثر ڈرانے کے طریقہ پر عمل کیا جاتا ہے، انہیں خوشخبری نہیں دی جاتی۔ ''اِنۡ ہُوَ اِلَّا نَذِیۡرٌ''

۶۔ مغرور اور خواب غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کے لیے صاف صاف اور دوٹوک بات کہنی چاہیے۔ ''مُّبِیۡنٌ ﴿۱۸۴﴾''

آیت نمبر ۱۸۵

اَوَلَمۡ یَنۡظُرُوۡا فِیۡ مَلَکُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ

مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

ترجمۃ الآیات

کیا وہ آسمانوں اور زمین کے ملکوت (اور باطن) میں اور ہر اس چیز کے بارے میں خوب غور وفکر سے کام نہیں لیتے جسے خدا نے پیدا کیا ہے، (تاکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ ان تمام چیزوں کے پیدا کرنے میں یقیناً کوئی مقصد کارفرما ہے) اور ان کی تخلیق بے سود نہیں اور یہ کہ شاید ان کی (موت) نزدیک ہو چکی ہے؟ پس اس قدر (روشن آیات) کے بعد پھر کسی بات پر ایمان لائیں گے؟ (۸۵)

نکات:

☆ ''مَلَكُوْتِ'' کا کلمہ ''ملک'' سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں، حکومت اور مالکیت اور اس آیت میں یہ کلمہ عالم ہستی پر خداوند عالم کی حکومت مطلقہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔

پیغام:

۱۔ نگاہ کو عمیق اور تفکر کے ساتھ استعمال کرنا چاہیے تا کہ وہ کسی نتیجہ پر جا پہنچے، اس کائنات کے باطنی نظام میں توجہ اور غور وفکر اور اس کا خالق کائنات کے رابطہ کے بارے میں عمیق سوچ سے کام لینا انسان کو خدا سے جاملاتا ہے، توحید اور نبوت کو عقل وفکر کے ساتھ سمجھنا چاہیے، کسی کی تقلید نہیں کرنی چاہیے۔ ''اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا، اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا''

۲۔ توحید، نبوت کا سرچشمہ اور پشت پناہ ہے۔ کائنات کے نظام میں غور وفکر کرے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اس نظام کو راہبر اور قائد کے بغیر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ ''اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا ۔۔۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ''

۳۔ انسان کی زیادہ تر بدبختیاں، اس کی موت سے غفلت کے باعث ہیں۔ ''عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ''

(ضد وہٹ دھرمی کو ختم کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر، موت کو یاد کرنا ہے۔ فرصت سے استفادہ کرتے ہوئے، موت کا وقت آن پہنچنے سے پہلے لوگوں کو ایمان لانے پر تاکید کریں۔)

۴۔ کسی ایک ذرہ کی تخلیق بھی بے مقصد نہیں ہے۔ ''مِنْ شَيْءٍ ۙ''

۵۔قرآن اور آیات الٰہی ہی بہترین کتاب اور بہترین سخن ہے، انہیں قبول نہ کرنے پر کوئی عذر قابل قبول نہیں ہے۔'' فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ ''

۶۔جو کوئی قرآن مجید اور اس کے معارف پر ایمان نہ لائے تو پھر وہ کسی بھی ہدایت کے بات پر ایمان نہیں لائے گا۔'' فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ۝۱۸۵ ''

آیت نمبر ۱۸۶

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۝۱۸۶

ترجمۃ الآیات

جسے اللہ (اس کے برے اعمال کی وجہ سے) گمراہ کردے تو پھر کوئی اُسے ہدایت کرنے والا نہیں اور اللہ انہیں ان کی بغاوت اور سرکشی میں چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ سرگرداں رہیں۔(۱۸۶)

پیغام:

۱۔جو لوگ انبیاء کرام کے خبردار کرنے پر کان نہیں دھرتے اور ان کے فرمودات کے بارے میں غور و فکر نہیں کرتے، ان کی سزا یہ ہے کہ ہمیشہ خدائی قہر و غضب میں جکڑے رہیں اور اپنے حال میں مگن رہیں۔'' فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ۝۱۸۵ ۔۔۔وَيَذَرُهُمْ ''

۲۔اضلال و گمراہی، خدا کا کام ہے لیکن ان کے لیے اسباب کی فراہمی انسان کی نیت اور اس کے عمل میں مضمر ہے۔ جو اس بات کا موجب ہوتی ہے کہ انسان کا دل زنگ آلود ہو جاتا ہے اور ہدایت الٰہی اس کے شامل حال نہیں رہتی۔'' يُّضْلِلِ اللّٰهُ '' دوسری آیات بھی اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں، منجملہ: '' وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ۝۲۶ '' (بقرہ۔۲۶)، '' بَلْ ۜ رَانَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝۱۴ '' (مطففین۔۱۴)

۳۔لوگوں کی سرکشی زبردستی نہیں ہوتی۔ انسانوں کی گمراہی خود ان کے اپنے غلط انتخاب کی وجہ سے ہے۔'' طُغْيَانِهِمْ '' (انسان، ابتدا ہی سے برا خلق نہیں کیا گیا۔)

۴۔طاغوت ہمیشہ، سرگردان اور پریشان حال رہتا ہے۔'' فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۝۱۸۶ ''

۵۔ اگر خدا تعالی کی طرف سے ہدایت نہ ہو تو انسان کی گمراہی و سرگردانی ہمیشہ کیلئے ہوتی ہے اور مسلسل بڑھتی رہتی ہے ''یَعۡمَهُوۡنَ﴿۱۸۶﴾''

آیت نمبر ۱۸۷

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرۡسٰىهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّیۡ ۚ لَا یُجَلِّیۡهَا لِوَقۡتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ لَا تَاۡتِیۡکُمۡ اِلَّا بَغۡتَةً ؕ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنۡهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴿۱۸۷﴾

ترجمۃ الآیات

تجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی، کہہ دو: اس کا علم میرے پروردگار کو ہے، اور اس کے علاوہ کوئی اس وقت کو واضح نہیں کرسکتا (لیکن قیامت کا قیام) آسمانوں اور زمین میں سخت (اہمیت کا حامل) ہے۔ وہ تمہارے تعاقب میں نہیں آئے گی مگر اچانک (پھر وہ) تجھ سے یوں سوال کرتے ہیں گویا تو اس کے وقوع پذیر ہونے کے زمانہ سے باخبر ہے۔ کہہ دو اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ (۱۸۷)

نکات:

☆ کفار قریش نے کچھ لوگوں کو یہودی علماء کے پاس بھیجا تاکہ ان سے چند مشکل اور پیچیدہ سوالات سیکھ کر آئیں اور پیغمبر اسلامؐ سے جا کر پوچھیں اور وہ ان مشکل سوالوں کا جواب نہیں دے پائیں گے جس کی وجہ سے وہ (نعوذ باللہ) مغلوب ہو کر شکست کھا جائیں گے۔ ان مشکل سوالات میں سے ایک قیامت کے واقع ہونے کے وقت کے تعین کے بارے میں بھی تھا۔ (تفسیر برہان)

☆ ''السَّاعَةِ'' قیامت کے شروع ہونے کا وقت ہے۔ ''القیامة'' حساب و کتاب، پاداش اور جزا کا وقت ہے۔ (تفسیر مراغی)

''مُرۡسٰی '' ثابت اور واقع ہونے کے معنی میں ہے۔ ''جبال راسیات '' یعنی محکم اور استوار پہاڑوں کو کہتے ہیں۔

''حَفِیٌّ '' سے مراد تحقیق اور جستجو کرنا ہے۔ پیغمبر کا حفی کرنا، اس سے مراد ہے کہ گویا پیغمبر اکرمؐ نے قیامت کے آنے کے بارے خدا تعالیٰ سے بار بار سوال کیا، اس کی تحقیق کر لی اور وہ اس بارے میں پوری طرح سے آگاہ ہو چکے ہیں۔

☆ آسمانوں اور زمین میں قیامت کی سنگینی سے مراد شاید آسمانوں کے ایک دوسرے پر گرنے، مختلف کرات کے ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرانے، سورج کے بے نور ہو جانے اور زمین کے اوپر تلے ہو جانے، وغیرہ کی صورت میں ہوگی۔ شاید قیامت کی سنگینی سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قیامت کے دن کیفر و سزا بھاری ہوگی۔

دعائے کمیل میں ہم پڑھتے ہیں: ''و هذا ما لا تقوم لها السموات و الارض '' تمام آسمان اور زمین، جہنم کے عذاب کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

☆ حضرت قائم علیہ السلام کے ظہور و خروج بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا، آپؐ نے فرمایا: ''مثله مثل الساعة '' ان کا قیام، قیامت کے اچانک آ جانے کی طرح ہے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''لَا یُجَلِّیۡهَا لِوَقۡتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ لَا تَاۡتِیۡكُمۡ اِلَّا بَغۡتَةً ؕ '' یہی حدیث امام رضا علیہ السلام سے بھی روایت ہوئی ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ لوگ مسلسل، پیغمبر اکرمؐ سے سوال کیا کرتے تھے اور کبھی قیامت کے وقوع پذیر ہونے سے متعلق سوال کرتے تھے۔ ''یَسۡـَٔلُوۡنَكَ '' (فعل مضارع دوام اور استمرار کی علامت ہے۔)

۲۔ خداوند عالم کے علاوہ کوئی بھی شخص قیامت کے واقع ہونے کے وقت کو نہیں جانتا۔ ''اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّیۡ ۚ '' قیامت کے وقت کو نہ جاننا، انسان کی تربیت اور ہمہ وقت آمادہ رہنے کے لیے بہتر ہے۔

۳۔ قیامت کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی، جب اس کا انتظار نہیں ہوگا، وہ اچانک وقوع پذیر ہو جائے گی۔ ''بَغۡتَةً ؕ '' (''بَغۡتَةً ؕ '' اس موقعہ پر بولا جاتا ہے جب انسان کسی چیز کے بارے احتمال بھی نہیں دے رہا ہوتا، انسان کے ذہن میں اس بارے میں کوئی گمان بھی نہ ہو اور وہ بات ہو جائے۔)

۴۔ قیامت کی گھڑی بہت سخت ہوگی حتی کہ آسمانوں اور زمین تک کے لیے بھی بہت سخت ہوگی۔ اللہ جانے انسان کا کیا حال ہوگا؟ ''ثَقُلَتۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ ''

۵۔ جس چیز کے بارے ہم نہیں جانتے، اس کے بارے یہ کہنا کہ ''میں نہیں جانتا'' اس سے نہیں گھبرانا چاہیے۔ اس

آیت میں دومرتبہ پیغمبر کیلئے فرمان آیا کہ کہیں: ''قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ --- قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ'' دوسری جگہ بھی فرمایا: میں آپ کی اور اپنی تقدیر کے بارے نہیں جانتا ''قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ '' کہہ دو کہ میں کوئی نیا ظہور کرنے والا پیغمبر نہیں ہوں، میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا، مجھ پر جو وحی ہوتی ہے میں صرف اس پر عمل کرتا ہوں۔ (احقاف۔ ۹)

۶۔ قیامت کی خصوصیات اور جزئیات کو نہ جاننے سے قیامت کے اصل نبوت اور معاد کے عقیدہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کوئی بھی شخص اپنی موت کے زمانے اور مکان کو نہیں جانتا لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ اصل موت کا ہی منکر ہے۔ ''اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ''

آیت نمبر ۱۸۸

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۖ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۱۸۸

ترجمۃ الآیات

کہہ دو: میں اپنے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں، مگر جو کچھ اللہ چاہے، (غیب اور اسرار سے بھی باخبر نہیں ہوں مگر جو کچھ خدا چاہے) اور اگر میں غیب سے باخبر ہوتا تو اپنے لیے بہت سے منافع فراہم کر لیتا، اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا، میں تو صرف ایمان لانے والوں کو (عذاب خدا سے) ڈرانے والا اور (اس کی عظیم جزاؤں کی) خوشخبری دینے والا ہوں۔ (۱۸۸)

نکات:

☆ قرآن مجید اور روایات میں بہت سے مطالب ملتے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء اور اولیاء الٰہی علم غیب سے آگاہ تھے۔ اس کے مقابلے میں ایسی آیات اور روایات بھی ہیں، جیسے یہ آیت ہے کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم غیب نہیں رکھتے۔ ان دو قسم کی آیات اور روایات کو جمع کرنے کی چند ایک صورتیں ہوسکتی ہیں:

الف: جہاں فرمایا گیا ہے کہ علم غیب نہیں جانتے، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بزرگان خود اپنے سے غیب کے بارے کچھ نہیں جانتے۔ جہاں کہا گیا ہے کہ علم غیب جانتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ارادہ، الہام اور وحی الٰہی کے ذریعے جانتے ہیں۔

اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ جیسے ہم کہتے ہیں: فلاں شہر میں تیل نہیں ہے اور فلاں شہر میں تیل ہے۔ جس شہر میں تیل نہیں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی زمین کے اندر تیل کے ذخائر موجود نہیں ہیں اور جہاں ہم کہتے ہیں کہ تیل ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہاں مختلف ذرائع مثلاً پائپ لائن، گاڑیوں کے ذریعے، بحری جہاز یا ریل گاڑی کے ذریعے تیل پہنچ چکا ہے۔

ب: علم غیب، دو طرح کا ہے، جس کا زیادہ تر حصہ انبیاء جانتے ہیں جیسے بعض خبریں جو علم غیب کے عنوان سے قرآن کی وحی کے ذریعے پیغمبر اسلامؐ تک پہنچی ہیں، فرمایا: ''تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ ج '' (ہود۔ ۴۹) جبکہ علم غیب کا بعض حصہ صرف خدا تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے اور کوئی بھی اس سے باخبر نہیں ہے۔ جیسے روز قیامت کے برپا ہونے کے وقت کا علم۔ لہٰذا جہاں وہ بزرگان علم غیب سے آگاہ نہیں ہیں وہ یہی علم ہے جو خدا تعالیٰ سے مخصوص ہے، جہاں وہ علم غیب سے آگاہ ہیں تو وہ وہی علم ہے جو اس کے علاوہ ہے۔

ج: ان بزرگان کے مخاطبین مختلف ہیں۔ بعض لوگ غلو و مبالغہ کرنے والے تھے کہ انبیاء اور ائمہ اطہار نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ہمیں غیب کا علم نہیں ہے تاکہ وہ لوگ ان بزرگوں کے بارے میں مبالغہ نہ کریں۔ دوسرے ایسے لوگ تھے جو بزرگان کے بارے میں ضعیف اعتقاد رکھتے تھے، پوری معرفت نہیں رکھتے تھے کہ جن کی رشد و ہدایت کیلئے انبیاء اور ائمہ اپنے علم غیب میں سے کچھ مختصر حصہ کا اظہار کیا کرتے تھے۔

د: علم غیب کے نہ جاننے کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور کا ذہنی کا نہ ہونا لیکن روایات کے مطابق ائمہ معصومین کیلئے نور کا ایک مینار ہے جس کی طرف رجوع کرنے سے وہ ہر چیز کے بارے علم حاصل کرسکتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے فلاں شخص کا فون نمبر معلوم نہیں ہے اور پھر وہ فون نمبرز والی کتاب سے دیکھ لیتا ہے اور اسے نمبر معلوم ہوجاتا ہے۔

ھ: علم غیب کا معلوم ہونا، ہر جگہ عظمت و کمال کی علامت نہیں ہے بلکہ کبھی نقص بھی شمار ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہجرت کی رات حضرت علیؑ، پیغمبر اکرمؐ کے بستر پر سوئے تھے، اگر وہ علم رکھتے کہ یہاں کوئی کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے تو اس بستر پر لیٹنا اور سونا کوئی بڑی بات نہ تھی کیونکہ اس صورت میں کوئی بھی اس مقصد کیلئے تیار ہوسکتا تھا۔ لہٰذا یہاں علم غیب کا نہ جاننا ایک عظمت اور کمال شمار ہوتا ہے۔

و: جس علم غیب میں نفع و نقصان کا احتمال ہو، وہ علم خدا تعالیٰ ان بزرگان کو عطا نہیں فرماتا، جیسے کہ یہی مذکورہ آیت ہے لیکن جہاں علم غیب کا مقصد لوگوں کی ہدایت و راہنمائی ہو تو وہاں خداوند تعالیٰ انہیں علم غیب سے مطلع فرماتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں سے فرمایا: میں یہ بھی بتاسکتا ہوں کہ آپ لوگوں نے اپنے گھروں میں کیا کیا چیز ذخیرہ کر رکھی ہے۔ ''وَمَا تَدَّخِرُوْنَ لا فِیْ بُیُوْتِكُمْ ط '' (آل عمران۔ ۴۹)

☆ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ مکہ والوں نے رسول خداؐ سے کہا: اگر تمہارا خدا سے رابطہ ہے تو پھر آئندہ اجناس کی قیمت کے اتار چڑھاؤ کے بارے میں خبر کیوں نہیں رکھتے تا کہ منافع کما سکو اور جو چیز اس میں تمہارے نقصان میں ہے اس سے بچ سکو۔ اس موقع پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مجمع البیان اور تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔ جس کسی کا ایمان زیادہ ہو، اسی قدر خدا تعالیٰ کے احکام اور مرضی کے سامنے اس کا سرتسلیم ہوگا اور اسی قدر وہ اپنے پروردگار کے حضور عجز و نیاز مندی کا اظہار کرے گا۔ ''لَّاۤ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِىۡ ۔۔۔''

۲۔ ہر قسم کے سود و زیان کو خدا تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے تحت ہی جاننا چاہیے۔ ''اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ''

۳۔ پیغمبر خدا اپنی طرف سے اور اپنی نجی زندگی کیلئے غیب کا علم حاصل نہیں کرتے۔ خداوند متعال کی جانب سے غیب کی خبریں انبیاء کو نبی ہونے کی حیثیت سے عطا کی جاتی ہیں۔ ''وَلَوۡ كُنۡتُ اَعۡلَمُ ۔۔۔''

۴۔ روز قیامت کے برپا ہونے کا وقت، غیبی امور میں سے ہے۔ ''يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ ۔۔۔ وَلَوۡ كُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ''

۵۔ آئندہ کے بارے میں آگاہی، آسائش اور آسودگی کی راہ ہموار کرتی ہے اور اس کے بارے میں لاعلمی، نقصان اور مشکلات کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ ''وَلَوۡ كُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ لَاسۡتَكۡثَرۡتُ ۔۔۔''

۶۔ پیغمبر خداؐ کی زندگی بھی دوسرے لوگوں کی طرح رنج والم اور مشکلات سے پُر تھی۔ ''وَمَا مَسَّنِىَ السُّوۡٓءُ ۛۚ''

۷۔ پیغمبر عالیقدر تمام عالم انسانیت کیلئے بشیر و نذیر ہیں لیکن اس سے فائدہ صرف مومنین ہی حاصل کرتے ہیں، اور اس کی تاثیر قبول کرتے ہیں۔ ''نَذِيۡرٌ وَّبَشِيۡرٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۸۸﴾''

آیت نمبر ۱۸۹

هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰٮهَا حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِيۡفًا فَمَرَّتۡ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَٮِٕنۡ اٰتَيۡتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۸۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور وہ (اللہ) وہ ہے جس نے تمہیں ایک ہی نفس (جان) سے پیدا کیا اور اس کی بیوی کو اسی کی جنس (اور نوع) سے قرار دیا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔ اس کے بعد جب وہ اس کے نزدیک ہوا تو وہ ایک ہلکے سے (بوجھ کے ساتھ) حاملہ ہوگئی، جس کے ہوتے ہوئے وہ اپنے دوسرے کام جاری رکھے ہوئے تھی اور جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں نے مل کر اپنے پروردگار سے دعا کی کہ اگر تو نے ہمیں نیک (صالح) فرزند عطا فرمایا تو ہم شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔ (۱۸۹)

پیغام:

۱۔ زن و مرد کا وجودی جوہر ایک ہی ہے۔ ''وَّجَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا''

۲۔ شادی اور بیوی، روح اور زندگی کے آرام وسکون کا موجب ہوتی ہے اور شادی انسان کی نفسیاتی الجھنیں دور کرتی ہے۔ ''لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا ۚ''

۳۔ زندگی انس والفت کی بنیادوں پر استوار ہے، اختلاف اور انتشار پر نہیں۔ ''لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا ۚ''

۴۔ جنسی مسائل کے بارے میں کنایہ کے ساتھ بات کرنی چاہیے۔ ''تَغَشّٰهَا''

۵۔ زن وشوہر کی ہمبستری، پوشیدہ ہونی چاہیے۔ ''تَغَشّٰهَا''

۶۔ شکم میں پروان چڑھنے والے بچے کی نشوونما تدریجی ہوتی ہے تا کہ عورت میں اس کے اٹھانے کی آمادگی پیدا ہو جائے۔ ''خَفِيۡفًا فَمَرَّتۡ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ''

۷۔ جب تک انسان پر بوجھ اور دباؤ میں اضافہ نہ ہو وہ اپنی ذمہ داری کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ ''فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا'' مشکلات، خدا کی طرف توجہ کا باعث ہیں اور روحانی اور معنوی حالت پیدا ہوتی ہے، انسان کے دل اور ضمیر کو زندہ کرتی ہیں۔ جیسے حاملہ عورتیں چونکہ تقدیر الٰہی سے بے خبر ہوتی ہیں، مسلسل مضطرب ہوتی ہیں اور ہر طرح کی نصیحت اور راہنمائی کو قبول کرنے کیلئے آمادہ ہوتی ہیں۔

۸۔ والدین اپنی اولاد کے انجام اور نتائج میں خود کو شریک سمجھتے ہیں۔ ''دَّعَوَا''

۹۔ انسان فطری طور پر نسل اور اولاد کی بقا کی طرف مائل ہوتا ہے۔ ''اٰتَيۡتَنَا''

۱۰۔ اولاد کو خدا کا عطیہ سمجھو، اس میں اپنا کمال یا کسی اور کا عمل دخل نہ سمجھو ''اٰتَيۡتَنَا''

۱۱۔جنسی ملاپ صرف لذت اور شہوت کی تسکین کے لیے نہیں بلکہ نیک اور صالح نسل کی بقا اور دوام کے لیے ہوتا ہے۔ ''صَالِحًا''

۱۲۔فطری طور پر انسان صلاح و بہتری کا خواہاں ہوتا ہے، فساد اور بے پرواہی کا نہیں۔''اٰتَيْتَنَا صَالِحًا'' نہیں فرمایا: ''اٰتَيْتَنَا وَلَدًا''

۱۳۔اولاد کی اصلاح اور صحیح تربیت کیلئے، ان کی پیدائش سے پہلے اقدام کرتے ہوئے خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔''فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا''

آیت نمبر ۱۹۰۔۱۹۱

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾

ترجمۃ الآیات

پس جونہی خدا نے انہیں صالح فرزند عطا فرمایا تو وہ اس نعمت میں جو خدا نے انہیں عطا فرمائی تھی، خدا کا شریک ٹھہرانے لگے، یقیناً اللہ تعالیٰ اس چیز سے بلند و برتر ہے جس کو وہ خدا کا شریک جانتے ہیں۔(۱۹۰)

کیا وہ ایسے موجودات کو اس کا شریک قرار دیتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود مخلوق ہیں؟!(۱۹۱)

پیغام:

۱۔اولاد کا تعلق ماں سے بھی ہے اور باپ سے بھی ہے، دونوں سے ہے۔''اٰتٰىهُمَا''

۲۔اللہ تعالیٰ تو ہمیں نیک، صالح اور شائستہ اولاد عطا فرماتا ہے، اور یہ ہم ہیں جو ان کی کجی، گمراہی اور بے پرواہی کا موجب بنتے ہیں۔''اٰتٰىهُمَا صَالِحًا''

۳۔ سختی اور مشکلات میں انسان بہت پکے وعدے کرتا ہے، ''لَنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾'' لیکن کشادگی اور آسانی کے وقت بے وفا ہو جاتا ہے۔ ''جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ''

۴۔ اولاد خدا کا عطیہ ہے، اسے کسی اور شخص، چیز یا عمل کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا اور والدین یہ تصور نہ کریں کہ شکل و شباہت یا اولاد کی صحت و سلامتی میں ان کا کوئی الگ سے کردار ہے، کیونکہ یہ ایک طرح کا شرک ہے۔ ''جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ''

۵۔ معبود ہونے کی سب سے اولین شرط اس کا تخلیق پر قدرت کاملہ رکھنا ہے، تعجب کی بات ہے کہ آج کے ترقی یافتہ اور علم و صنعت کے دور میں بھی لاکھوں کروڑوں افراد بت پرستی کرتے ہیں۔ ''اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ''

آیت نمبر ۱۹۲۔ ۱۹۳

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾
وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور (ان کے یہ معبود) ان لوگوں کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، حتیٰ کہ وہ تو اپنی نصرت و حمایت بھی نہیں کر سکتے۔ (۱۹۲)

اور اگر تم ان (معبودوں) کو ہدایت کے لیے بلاؤ تو وہ تمہاری التجا نہیں کریں گے تمہارے لیے برابر ہے کہ تم انہیں بلاؤ یا خاموش رہو۔ (۱۹۳)

نکات:

☆ ممکن ہے کہ ''تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى'' کا ایک معنی یہ بھی ہو کہ اگر تم ان سے یہ درخواست کرو کہ وہ تمہاری راہنمائی کریں تو وہ اس کا جواب تک نہیں دیں گے۔ بہر حال اگر چہ بات بے جان بتوں کے بارے ہو رہی ہے۔ آیت میں ذوی العقول کی جمع استعمال ہوئی ہے تا کہ مشرکین کے اس باطل عقیدے سے پردہ اٹھایا جائے کہ وہ انہیں عقل مند بلکہ اس سے بھی بالاتر تصور کرتے تھے۔ وہ ان کی پوجا کرتے اور ان سے مدد طلب کرتے تھے۔

☆ قرآن مجید نے ان تعبیرات ''لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا '' اور ''لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا '' (رعد۔ ۱۶) کے ذریعے اشیا اور افراد کی الگ سے کسی طاقت یا ان کے اثر کے بارے میں نفی کی ہے۔

پیغام:

۱۔ ایسی چیزیں جو دوسروں کی امداد نہیں کر سکتے اور نہ ہی اپنا دفاع کر سکتے ہیں پھر ان کی پرستش کیسی؟ '' وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۔۔۔''

۲۔ دوسروں انسانوں کی پرستش کی بھی کوئی دلیل نہیں تو کیسے ہوسکتا ہے کہ ایسی چیزیں اور موجودات جو انسان سے بھی کمتر حیثیت رکھتے ہیں، جو کسی کی راہنمائی یا حمایت نہیں کر سکتے، وہ قابل پرستش ہوں؟ ''اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ''

آیت نمبر ۱۹۴

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴿۱۹۴﴾

ترجمۃ الآیات

جنہیں وہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں (اور جن کی پرستش کرتے ہیں) تمہاری ہی طرح کے بندے ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو انہیں پکارو تو انہیں چاہیے کہ وہ تمہیں جواب دیں (اور تمہارے تقاضوں کو پورا کریں۔) (۱۹۴)

نکات:

☆ ''عِبَادٌ'' سے مراد ممکن ہے وہ انسان ہوں جنہیں یہ لوگ خدا تصور کرتے تھے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا فرشتے مراد ہوں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بت ہوں جنہیں بت پرست ''الہ'' سمجھتے تھے۔ اگر یہ لفظ مخلوقات کے معنی میں لیا جائے تو اس میں ہر وہ چیز شامل ہوتی ہے جسے خدا کی بجائے پرستش کیا جاتا ہے۔

پیغام:

۱۔ پرستش اور پوجا پاٹ کیلئے دلیل اور کسی خاص امتیاز کی ضرورت ہوتی ہے۔ معبود کو عبادت کرنے والے سے بالاتر اور برتر ہونا چاہیے۔ مخلوقات یا اپنے جیسے انسانوں کی بندگی کے لیے نہ تو کوئی دلیل ہے اور نہ ہی انہیں کسی قسم کا امتیاز حاصل ہے۔ ''عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ''

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

آدم از بے بصری بندگی آدم کرد
گوہری داشت ولی نذر قباد و جم کرد
یعنی از خوی غلامی زسگان پست تر است
من ندیدم کہ سگی پیش سگی سر خم کرد

انسان نے معرفت نہ ہونے کی بنا پر دوسرے انسان کی بندگی اختیار کی۔

اس نے انسانیت جیسے عظیم گوہر کی بے قدری کرتے ہوئے اسے قباد اور جمشید جیسے بادشاہوں کے قدموں میں ڈال دیا۔

ایسے انسان تو خصلت کے لحاظ سے کتوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ میں نے کبھی کسی کتے کو دوسرے کتے کے آگے سر جھکائے ہوئے نہیں دیکھا۔

۲۔ وہ معبود لائق پرستش ہے جو مخلوق کی، اپنے بندوں کی حاجات کو برآوردہ کرے۔ اسے ہدایت دے اور اس کی راہنمائی کرے۔ بندے اور اس کے درمیان دوطرفہ روابط ہوں۔ ''فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ''

۳۔ آپ کی حاجات پر کوئی جواب نہ دینا، بنائے ہوئے معبود کے عاجز، بے وقعت اور جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔ ''فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾''

آیت نمبر ۱۹۵

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

ترجمۃ الآیات

کیا وہ (کم از کم خود تمہاری طرح) پاؤں رکھتے ہیں جن کے ساتھ چلیں پھریں (یا) کیا وہ ہاتھ رکھتے ہیں جن سے وہ اپنا کوئی زور دیکھائیں، (یا) کیا وہ آنکھیں رکھتے ہیں کہ ان سے دیکھ سکیں (یا) کیا ان کے کان ہیں کہ ان سے سن سکیں؟ (اے پیغمبر!) کہہ دو (جب ایسا ہے تو) ان بتوں کو جنہیں تم نے خدا کا (خیالی) شریک بنا رکھا ہے (میرے خلاف) انہیں پکارو، میرے خلاف سازش کرو اور مجھے لحظہ بھر کی مہلت نہ دو۔ (تا کہ تم جان سکو کہ ان سے کچھ ہونے والا نہیں۔) (۱۹۵)

نکات:

☆ ''یَبۡطِشُوۡنَ'' کا لفظ 'بطش' سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کو پوری قوت اور زور سے پکڑنا۔

☆ اس آیت میں ان مشرکین کی تنبیہ کی گئی ہے جو خدا کیلئے ایسے شریک ٹھہراتے ہیں جو ان سے بھی زیادہ عاجز اور لاچار ہیں کیونکہ یہ مشرکین تو اپنے پاؤں سے چل بھی سکتے ہیں، ہاتھوں سے پکڑ بھی سکتے ہیں، آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، کانوں سے سن سکتے ہیں جبکہ وہ بے روح مجسمے ایسی تمام قوتوں سے محروم ہیں۔ اگر ان سے درخواست کی جائے کہ فلاں کام کر دیں تو وہ ایسا کرنے سے عاجز ہیں تو پھر ان کی یہ بت پرستی، یہ پوجا پاٹ کیا ہے؟ یہ لوگ ہوش کے ناخن کیوں نہیں لیتے؟

پیغام:

۱۔ خدائی راہبر میں اس قدر جرأت اور قدرت ہونی چاہیے کہ پورے اطمینان کے ساتھ مخالف کو للکار سکے۔ اس میں ایسی طاقت ہونی چاہیے کہ وہ باطل اور طاغوتی طاقتوں کو چیلنج کرتے ہوئے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہے: تمہارے جو بھی خطرناک، ناپاک اور گھناؤنے عزائم ہیں، انہیں بے شک عملی جامہ پہناؤ، تم مجھے میرے راستے سے نہیں ہٹا سکتے۔ یوں ان لوگوں کی عجز و ناتوانی اور اندرونی کھوکھلا پن ثابت ہو جائے گا۔ ''قُلِ ادۡعُوۡا ۔۔۔''

۲۔ جن کے ہاتھ پاؤں ہیں وہ، مشرکین کی مدد نہیں کر سکتے تو یہ بے دست و پا چیزوں کی کیا مجال ہے کہ وہ ان مشرکین کی کوئی مدد کر سکیں۔ یہ چیزیں تو خود اپنی مدد نہیں کر سکتیں۔ ''اَلَهُمۡ اَرۡجُلٌ یَّمۡشُوۡنَ بِهَاۤ ۔۔۔''

۳۔ مشرکین، پیغمبر کی اطاعت کرنے پر راضی نہیں چونکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے ہی جیسے انسان ہیں لیکن دوسری طرف ایسے بتوں کی عبادت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں جو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے!! ان کی عقل پر افسوس ہے۔ ''قُلِ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ ۔۔۔''

۴۔ تبلیغ اور تربیت کا بہترین شیوہ یہ ہے کہ سوال بھی ہو، تنقید بھی کی جائے، دباؤ بڑھایا جائے، کہیں للکارا جائے اور ساتھ ہی چیلنج بھی کیا جائے۔ (اس آیت کے اور اس سے قبل آیت کے پیش نظر)

آیت نمبر ۱۹۶

اِنَّ وَلِیِّ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹۶﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک میرا ولی اور سرپرست وہ اللہ ہے جس نے یہ (آسمانی) کتاب نازل فرمائی ہے اور وہ سب نیکوں اور صالحین کا سرپرست (اور ہدایت کرنے والا) ہے۔ (۱۹۶)

نکات:

☆ اس سے پہلی آیات میں باطل معبودوں کی ناتوانی اور عاجزی کا تذکرہ تھا اور اس آیت میں حق معبود کا تعارف کروایا گیا ہے۔

☆ صالحین کا خداوند متعال کے ہاں بہت بلند مقام ہے۔ تمام انبیاء صالحین میں سے ہیں۔ ''كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۵﴾'' (انعام۔ ۸۵) سب صالحین کے ساتھ ملحق ہونے کی دعا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں'' تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ '' (سورۃ یوسف ۱۰۱) ہم بھی ہر نماز کے آخر میں ان پر سلام کہتے ہیں: ''السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین''

پیغام:

۱۔ قرآن مجید کے ذریعے خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اکرمؐ کی حمایت اور سرپرستی کی۔ ''اِنَّ وَلِیِّ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ''

۲۔ صالحین کا خدا تعالیٰ کی سرپرستی کی طرف متوجہ رہنا، ان کی ثابت قدمی اور دشمن سے نہ ڈرنے کا موجب ہے۔ ''ثُمَّ كِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّ اللّٰهُ۔۔۔''

۳۔ پروردگار عالم کا مومن انسان کے ساتھ بہت گہرا اور قریبی رابطہ ہے۔ ''وَلِیِّ'' (''ولی'' کا اصل معنی بالکل پیچھے کھڑے ہونا اور بالکل پیچھے پیچھے آنا ہے۔)

۴۔آسمانی کتاب کا نزول حقیقت میں ولایت الٰہی کا پر تو ہے۔''وَلِیِّۧ اللّٰہُ الَّذِیۡ نَزَّلَ''

۵۔حقیقی معبود وہ ہے جو منصوبے اور پروگرام بھی بھیجتا ہے''نَزَّلَ الۡکِتٰبَ ۚۖ''اس کے اجرا اور نفاذ کے دوران اس پر عمل درآمد کرنے والوں کی سرپرستی بھی کرتا ہے۔''یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾''

(جہاں سے قانون بن کر آتا ہے وہیں سے، اس قانون پر عمل درآمد کرانے والوں اور اس کی اطاعت کرنے والوں کی سرپرستی اور حمایت بھی ہونی چاہیے۔)

۶۔نہ ڈرو!! کیونکہ پروردگار عالم صالحین کا سرپرست ہے اور اس نے مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔''اِنَّ وَلِیِّۧ اللّٰہُ۔۔۔یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾''

۷۔عام انسانوں کی مشکل یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی ٹھوس پروگرام نہیں، یا پھر ان کا کوئی سچا و ہمدرد سرپرست نہیں ہے، جبکہ مومن انسان کے لیے مذکورہ دونوں مشکلات میں سے کوئی بھی مشکل موجود نہیں۔''نَزَّلَ الۡکِتٰبَ ۚۖ۔۔۔یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾'

۸۔صالح اولیاء کیلئے خدا تعالیٰ کی سرپرستی ہمیشہ کیلئے اور عام ہے۔''یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾''کافر لوگ خدا تعالیٰ کی حمایت سے خارج ہیں، وہ خدائی امداد سے محروم ہیں۔''وَاَنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ لَا مَوۡلٰی لَہُمۡ ﴿۱۱﴾ ''اور بے شک کافر لوگوں کا تو کوئی سرپرست ہی نہیں ہے۔(محمد۔۱۱)

۹۔مومنین، صالحین اور نیک افراد کو کہیں کبھی بھی ایسی مشکل پیش نہیں آتی جس کا کوئی نہ کوئی حل موجود نہ ہو۔''یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾''ایک اور آیت میں فرمایا:''اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ؕ''جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کا سرپرست ہے اور وہ انہیں تاریکیوں سے نجات دے کر نور کی طرف ہدایت کرتا ہے۔(بقرہ۔۲۵۷)

۱۰۔باصلاحیت افراد کا معاشرے میں ایک مقام ہونا، قرآنی تائید کا حامل ہے۔''یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾''

آیت نمبر ۱۹۷۔۱۹۸

وَالَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَکُمۡ وَلَاۤ اَنۡفُسَہُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۷﴾

وَاِنۡ تَدۡعُوۡہُمۡ اِلَی الۡہُدٰی لَا یَسۡمَعُوۡا ؕ وَتَرٰىہُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ وَہُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۹۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور جن (بتوں کو) تم ان کے علاوہ پکارتے ہو (اور ان کی عبادت کرتے ہو) وہ تمہاری مدد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور (حتیٰ کہ) وہ اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ (۱۹۷)

اور اگر ان (بت پرستوں یا ان بتوں) سے ہدایت چاہو تو وہ تمہاری باتوں کو نہیں سنتے، اور تم انہیں دیکھو گے کہ تمہیں دیکھ رہے ہیں، لیکن درحقیقت وہ نہیں دیکھ سکتے۔ (گویا وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں لیکن ان کی نگاہیں ہر طرح کے شعور اور عمق سے خالی ہیں۔) (۱۹۸)

نکات:

☆ گذشتہ آیات سے مجموعی طور پر استفادہ ہوتا ہے کہ معبود اور رب کو:

الف: خالق اور مالک ہونا چاہیے۔ ''اَیُشۡرِکُوۡنَ مَا لَا یَخۡلُقُ شَیۡـًٔا وَّ هُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ﴿۱۹۱﴾''

ب: ناصر اور مددگار ہونا چاہیے۔ ''وَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ لَهُمۡ نَصۡرًا''

ج: حاجات اور دعاؤں کو سننا اور قبول کرنا چاہیے۔ ''سَوَآءٌ عَلَیۡکُمۡ اَدَعَوۡتُمُوۡهُمۡ اَمۡ ---''

د: قادر اور توانا ہونا چاہیے۔ ''اَمۡ لَهُمۡ اَیۡدٍ یَّبۡطِشُوۡنَ بِهَاۤ ---''

ھ: سننے اور دیکھنے والا ہو۔ ''اَمۡ لَهُمۡ اَیۡدٍ یَّبۡطِشُوۡنَ بِهَاۤ اَمۡ لَهُمۡ اَعۡیُنٌ یُّبۡصِرُوۡنَ بِهَاۤ''

و: دشمنوں کی چالوں کو ناکام بنانے والا ہو۔ ''ادۡعُوۡا شُرَکَآءَکُمۡ ثُمَّ کِیۡدُوۡنِ''

ز: کتاب اور قانون دینے والا ہونا چاہیے۔ ''نَزَّلَ الۡکِتٰبَ''

ح: نیک اور صالح افراد کو اپنی مخصوص حمایت عطا کرنے والا ہو۔ ''یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ﴿۱۹۶﴾''

پیغام:

۱۔ بت پرستوں کی بت پرستی کا مقصد ان سے مدد حاصل کرنا ہے، جسے قرآن مجید رد کر رہا ہے۔ ''وَالَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَکُمۡ''

۲۔ بتوں اور مصنوعی معبودوں کو حوادث میں کم سے کم اپنا بچاؤ تو کرنا چاہیے جو کہ وہ نہیں کر سکتے اور نہ ہی کوئی دوسر ان کی حفاظت کر سکتا ہے۔ ''وَلَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ﴿۱۹۷﴾''

۳۔ ایسے معبود جن کے پاس شعور، ارادہ کی قوت نہیں ہے وہ عبادت کے لائق نہیں ہیں۔ ''لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ، لَا یَسۡمَعُوۡا، لَا یُبۡصِرُوۡنَ﴿۱۹۸﴾''

آیت نمبر ۱۹۹

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

ترجمة الآیات

ان سے نرمی برتو، ان کا عذر قبول کرلو، (ان کیلئے آسانی پیدا کرو۔) انہیں (شائستہ کاموں اور)نیکیوں کی طرف دعوت دو اور جاہلوں سے رُخ موڑ لو۔ (۱۹۹)

نکات:

☆ کلمہ ''عَفْوَا'' کے کئی ایک معنی بیان ہوئے ہیں، منجملہ: درمیانی حد اور متوسط، خطا کار کے عذر کو قبول کر کے اسے معاف کر دینا، کاموں میں سختی سے کام نہ لینا۔ ظاہری طور پر اس آیت میں کلمہ ''عفو'' سے مراد پہلا معنی ہے۔

☆ ''خُذِ الْعَفْوَ'' سے مراد ''عفو'' کو اپنے اختیار میں لینا اور صحیح جگہ استعمال کرنا ہے لہٰذا بعض موقعوں پر مضبوطی اور سختی کے ساتھ پیش آنا چاہیے، ''وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ'' اللہ کے دین میں ان کے ساتھ نرمی نہ برتو۔ (نور۔ ۲) چنانچہ ''اعرض عن الجاھلین'' سے مراد جاہلوں اور دشمنوں کو آزاد چھوڑ دینا نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کے ساتھ میل جول نہ رکھو، ان کی طرف رغبت نہ رکھو لیکن کبھی ان کو موعظہ کرنا، نصیحت کرنا ضروری ہوتا ہے لہٰذا بوقت ضرورت ان کے ساتھ رابطہ کرنا لازمی ہے۔ ''فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ'' (نساء۔ ۶۳)

☆ یہ آیت اختصار اور سادگی کے باوجود تمام اخلاقی اصولوں کیلئے جامع آیت ہے۔ انفرادی اخلاق ''عفو'' اجتماعی اخلاق ''وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ'' دوستوں کے ساتھ اخلاق ''عفو'' دشمن کے ساتھ رویہ ''اَعْرِضْ'' زبانی جیسے ''وَاْمُرْ'' عملی ''اَعْرِضْ'' مثبت جیسے ''خُذْ'' اور منفی ''اِعْرِضْ'' علاوہ ازاین راہبر کے لیے بھی، امت کے واسطے، گذشتہ زمانے کے لیے، موجودہ اور آئندہ دور کے لیے بھی اخلاقی اصول دیے گئے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: مکارم اخلاق کے اعتبار سے پورے قرآن مجید میں اس سے زیادہ جامع آیت موجود نہیں۔ (تفسیر فرقان)

اس میں شک نہیں ہے کہ عفو انسان کے ذاتی مسائل میں ہے، حق الناس اور بیت المال کے معاملات میں عفو کا کسی کو حق نہیں۔

☆ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے جناب جبرائیلؑ سے اس کی وضاحت طلب کی تو جبرائیلؑ بار دیگر یہ پیغام لے کر آئے۔ ''تعفو عمن ظلمك و تعطی من حرمك و تصل من قطعك'' جس نے تم پر ظلم کیا اسے معاف کر دو اور جس نے تمہیں محروم کر دیا، اسے عطا کرو اور جو تم سے تعلقات توڑ دے اس سے اپنے تعلق کو بحال کرو۔ (تفسیر مجمع البیان ؛ بحار، ج ۶۷، ص ۴۱۴)

☆ قرآن مجید کی اس پوری سورۃ میں مختلف الفاظ میں اعتدال اور میانہ روی پر رہنے کی دعوت دی گئی ہے، مثلاً حقوق میں میانہ روی کا ذکر'' آیت ۲۹ '' میں آیا ہے اور اشیا کا مصرف'' آیت ۳۱ '' زینت'' آیت ۳۲ '' عبادت'' آیت ۵۶ '' عمارت سازی'' آیت ۷۶ '' اقتصاد و معاشیات میں میانہ روی اختیار کرنے کی تاکید'' آیت ۸۵ '' میں کی گئی ہے، علاوہ ازاین آیت ۱۵۷ اور آیت ۱۸۱ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں حق وانصاف کو نافذ کرنے سے متعلق قابل غور اور قابل قدر نکات بیان ہوئے ہیں۔

پیغام:

۱۔ ہمیشہ میانہ روی اور اعتدال کا راستہ اپنانا چاہیے۔ ''خُذِ الۡعَفۡوَ''

۲۔ صرف اچھا ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ معاشرے میں اچھائیوں کی ترویج کریں اور تاکید کرتے رہیں۔ ''وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ''

۳۔ اس آیت کے مخاطب صرف پیغمبر اکرمؐ ہی نہیں ہیں بلکہ ہر مسلمان، ہر مبلغ اور معاشرے کی اصلاح کرنے والے یہ مخاطب ہے اور ان سے کہہ رہی ہے کہ ان کو چاہیے کہ ضدی اور جاہل افراد، بیہودہ ولغو گوئی کرنے والوں کے ساتھ روگردانی والی حکمت اپنانی چاہیے، ان کی طرف رغبت کا اظہار نہ کریں۔ ان کی طرف سے ہونے والی توہین اور تہمت لگائے جانے پر چشم پوشی کریں، صبر سے کام لیں، لڑائی جھگڑے سے پرہیز کریں۔ (لیکن بوقت ضرورت گوشمالی کرنے کیلئے آمادہ رہیں۔) ''وَاَعۡرِضۡ ۔۔۔''

۴۔ معروف نیکیوں کا حکم دینا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ اچھے اور معروف انداز وطریقوں کو اپناتے ہوئے نیکیوں کو عام کرنا چاہیے۔ ''وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ''

۵۔ جاہل سے مراد بے خرد لوگ ہیں، لاعلم نہیں۔ ''وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِيۡنَ﴿۱۹۹﴾'' قرآنی ثقافت میں اور روایات میں عام طور پر لفظ جہل کو لفظ عقل کے مقابل میں استعمال کیا گیا ہے۔

۶۔ جاہلوں سے میل ملاقات یا عفو و درگذر کے موقع پر ان کی مرضی یا خواہشات کے مطابق عمل نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ان کی طرف توجہ کرنی چاہیے کیونکہ ان کی باتیں عقل ومنطق کے مطابق نہیں ان سے روگردانی کرتے ہوئے مضبوط اور پائیدار

قدموں کے ساتھ کھڑے ہوجانا چاہیے۔''وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴿۱۹۹﴾''

۷۔فرائض اور ذمہ داری انسانی طاقت اور وسعت کے مطابق ہونی چاہیے اس سے زیادہ نہیں''خُذِ الْعَفْوَ'' (اگر''عَفْوَ'' حدوسط کے معنی میں لیا جائے۔)

آیت نمبر ۲۰۰

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴿۲۰۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر تمہیں شیطان (اور شیطان صفت لوگوں) سے کوئی وسوسہ دامن گیر ہو تو تم خدا کی پناہ طلب کرو، کیونکہ وہ یقینی طور پر سننے والا اور جاننے والا ہے۔(۲۰۰)

نکات:

☆''نَزْغ'' کا معنی ہے کسی کام میں فساد پیدا کرنے اور گڑبڑ پھیلانے کی غرض سے شامل ہونا۔

☆اسی سورت کی آیت ۱۶ سے ۲۷ تک شیطان کے حضرت آدمؑ کو وسوسے ڈالنے کا تذکرہ ہے۔سورۃ کے آخر میں بھی شیطانی وسوسوں سے خبردار رہنے کے لیے کہا گیا ہے۔

☆ اس سے پہلی آیت میں جاہل لوگوں سے روگردانی اختیار کر لینے کی دعوت دی گئی تھی۔جس پر رسول خداؐ نے جناب جبرائیلؑ سے دریافت فرمایا: غصے کے عالم میں اس پر کیسے قابو پایا جاسکتا ہے؟ تو اس کے جواب میں یہی آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر نمونہ اور تفسیر المنار)

اللہ کی پناہ میں جانا صرف کلمہ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ'' کہنے سے نہیں ہے بلکہ یہ ایک روحانی رابطہ وتعلق ہے، توکل کرنا اور خود کو پروردگار عالم کے سپرد کردینا ہے۔

☆اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام، سب کے سب معصوم ہیں لیکن شیطان ان کے لیے بھی وسوسے ڈالنے سے نہیں چوکتے چنانچہ یہ آیت فرماتی ہے:''وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ'' یا یہ والی آیت''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ''(انعام۔۱۱۲) یہ آیات انبیاء کے مخالفین کی نشاندہی کر رہی ہیں۔انبیاء کے کام کی قدر اور ان کی

عظمت بھی اسی میں ہے کہ بشری غرائز رکھنے کے باوجود اور شیطانی وسوسوں کا سامنا کرنے کے باوجود، صالح، باتقویٰ اور گناہوں سے دور ہیں۔

حقیقت میں شیطان اپنے وسوسوں کے ذریعے تمام انسانوں کو گمراہ کرنے کا قصد رکھتا ہے لیکن مخلصین کے مقابلے میں شکست کھا جاتا ہے۔ ''قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾'' (ص۔ ۸۲۔ ۸۳)

پیغام:

۱۔ گناہ یا وسوسے کا فرض کر لینا اس کے واقع ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ صرف متوجہ اور خبردار کرنا مقصود ہوتا ہے۔ (''اِمَّا'' کا لفظ شرط کے سانچے میں ہے ثبوت اور وقوع کی صورت میں نہیں۔ جیسے آیت ''لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ'' اگر شرک کرو گے تو تمہارا عمل تباہ ہو جائے گا۔ (زمر۔ ۶۵)

۲۔ شیطانی وسوسے حتمی ہیں۔ ''يَنْزَغَنَّكَ'' (تاکید کی نون کے ساتھ بیان ہوا ہے۔)

۳۔ شیطانی وسوسے دائمی اور مسلسل ہوتے ہیں۔ ''يَنْزَغَنَّكَ'' (فعل مضارع، استمرار کی علامت ہے۔)

۴۔ شیطان کے چھوٹے سے چھوٹے وسوسہ سے بھی غافل نہیں رہنا چاہیے لہٰذا پناہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہیے اور خود کو اس کے سپرد کر دینا چاہیے۔ ''نَزْغٌ''

۵۔ تمام انبیاء معصوم ہیں اور ان کی عصمت کا ایک راستہ خدا سے امداد طلب کرنا، اس کی طرف متوجہ رہنا اور اسی سے پناہ مانگنا ہے۔ ''فَاسْتَعِذْ''

۶۔ خداوند عالم سے مدد خواہی اور پناہ طلبی، شیطانی وسوسوں کا بہترین علاج ہے۔ ''فَاسْتَعِذْ''

۷۔ انبیاء کرام کو بھی خدا کی امداد اور پناہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ''فَاسْتَعِذْ''

۸۔ خطرے کے وقت خصوصی ہوشیاری اور زیرکی درکار ہوتی ہے۔ ''فَاسْتَعِذْ''

۹۔ چونکہ شیطانی وسوسے مختلف انداز اور مختلف صورتوں میں ہوتے ہیں لہٰذا پروردگار عالم سے پناہ طلب کرنی چاہیے جو کہ کمال اور خوبیوں کی تمام صفات کا جامع ہے۔ (''بِاللّٰهِ'' فرمایا گیا ہے، ''بالغنی'' یا ''بالعلیم'' وغیرہ نہیں فرمایا گیا۔)

۱۰۔ اس خدا سے پناہ طلب کرنی چاہیے جو سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے۔ ظاہری اور باطنی مسئلے سے آگاہ ہے لہٰذا بتوں یا کسی اور خرافات کی پناہ بے سود ہے۔ ''اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾''

آیت نمبر ۲۰۱۔ ۲۰۲

اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾

وَ اِخۡوَانُهُمۡ یَمُدُّوۡنَهُمۡ فِی الۡغَیِّ ثُمَّ لَا یُقۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾

ترجمة الآیات

یقیناً جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، جب شیطانی وسوسوں میں گرفتار ہوں تو (خدااوراس کی جزاوسزا کی) یاداور ذکر میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ پس وہ بینا ہوجاتے ہیں۔(۲۰۱)

اوران کے (شیطان صفت گمراہ کن) بھائی انہیں ہمیشہ گمراہی میں آگے بڑھاتے رہتے ہیں پھراس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔(۲۰۲)

نکات:

☆''مَسّ'' کے معنی جسم سے لگتے ہوئے ٹکرانا ہیں۔''طٰٓئِفٌ''طواف کرنے والے کو کہتے ہیں۔شیطانی وسوسے انسانی فکروروح کا گویاطواف کرتے ہوئے مسلسل ان کے گردچکر کاٹتے ہیں تاکہ نفوذ کرنے کا کوئی راستہ تلاش کرسکیں۔(تفسیرنمونہ)

☆اس آیت پرتوجہ کرنے سے مراد شاید یہ ہے کہ خداتعالیٰ کی شنوائی اور بینائی کی قدرت کی معرفت حاصل کی جائے کہ جسے گذشتہ آیت کے آخر میں بیان کیا گیا ہے۔اس بات پرتوجہ ہونی چاہیے کہ خداتعالیٰ انہیں دیکھ رہا ہے،ان کی باتوں کوسن رہا ہے۔اس طرح خداتعالیٰ کے سامنے ہروقت حاضر رہنے کا تصورانسان کو گناہ سے دورکرتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں: گناہ کا وسوسہ جب انسان کے پیچھے آتا ہے،اس وقت انسان خدا کو یاد کرتا ہے،نصیحت حاصل کرتا ہےاور پھر گناہ انجام نہیں دیتا۔(تفسیرنورالثقلین)

شیطانی وسوسوں کودورکرنے کیلئے بعض روایات میں''لا الہ الا اللہ'' کا ذکرمکرر پڑھنے پر بہت تاکید کی گئی ہے۔(تفسیراثنیٰ عشری)

☆کبھی شیطانی وسوسے دور سے ہوتے ہیں،''فَوَسۡوَسَ اِلَیۡهِ''(طٰہٰ۔۱۲۰) کبھی جان وروح میں نفوذکر کے

شیطان وسوسہ کرتا ہے، ''فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ''(ناس۔۵) ،کبھی ہم نشینی کے ذریعے وسوسہ کرتا ہے، ''فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ'' (زخرف۔۳۶) ،کبھی براہ راست رابطے اور ٹکرانے سے وسوسہ کرتا ہے۔ ''مَسَّهُمْ''

پیغام:

۱۔شیطان، مومن اور متقی افراد کو بھی اغوا کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔''اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ''

۲۔شیاطین گمراہ کرنے کی خاطر ہمیشہ اپنی مشقوں میں لگے رہتے ہیں اور مسلسل چکر لگاتے رہتے ہیں۔''طائف'' (نفسانی اور شیطانی وسوسے، جراثیم کی طرح ہر جگہ موجود ہوتے ہیں اور کمزور ایمان افراد کو تلاش کرتے ہیں تا کہ ان پر اپنا وار کرسکیں۔)

۳۔علماء مصلحین اور تربیت کنندگان کو خاص طور پر ہوشیار اور خبردار رہنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مشکوک اور مجہول الحال لوگوں کے ساتھ تعلقات قائم کر کے دشمن کی چالوں اور ان کے جالوں میں نہ پھنس جائیں۔لہٰذا ایسے لوگوں کو خاص طور سے خدا کی پناہ طلب کرنا چاہیے۔''اِذَا مَسَّهُمْ ۔۔۔تَذَكَّرُوْا''

۴۔خدا کی یاد انسان کو بصیرت عطا کرتی ہے اور وسوسوں سے محفوظ رکھتی ہے۔''تَذَكَّرُوْا ،مُّبْصِرُوْنَ''

۵۔متقی افراد خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے شیطان شناس اور آگاہ ہوتے ہیں۔''اتَّقَوْا ۔۔۔تَذَكَّرُوْا''

۶۔گنہگار اور شیطان کے شکنجوں میں جکڑا ہوا انسان دل کا اندھا ہوتا ہے اور ابلیس کے دام سے محفوظ لوگ با بصیرت ہوتے ہیں۔''مُّبْصِرُوْنَ''

۷۔اگر کوئی بھی معاشرہ، اخلاقی، سیاسی، اقتصادی اور عسکری اعتبار سے پاک و پاکیزہ اور متقی افراد پر مشتمل ہو تو شیطان صفت لوگوں کی اس معاشرے میں آمد و رفت اور میل جول معاشرہ کے افراد پر کوئی اثر نہیں کرسکتا۔''تَذَكَّرُوْا ،مُّبْصِرُوْنَ''

۸۔اگر تقویٰ اور یاد خدا نہ ہو تو شیطان، انسانوں کے بھائی بھائی بن جائیں اور انسانوں پر ان کی گرفت آسان اور مؤثر ہو جائے۔پھر وہ انسان کو گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں دھکیل کر لے جائیں گے۔''اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ''

۹۔انحراف اور گمراہی کی راہیں بے انتہا اور لامحدود ہیں۔''يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ''

۱۰۔اللہ تعالیٰ صالح اور متقی افراد کو اپنی ولایت کے سایہ میں لے لیتا ہے جیسا کہ ہم نے پہلی آیات میں پڑھا: ''اِنَّ وَلِيِّ اللهُ ۔۔۔وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ'' لیکن غیر متقی اور بے ایمان لوگ شیطانی اخوت کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔''وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ''

۱۱۔جو لوگ شیطانوں کے بھائی بند بن جاتے ہیں، شیطان انہیں گمراہی کے اندھے کنویں میں پھینک دینے کے بعد ان

سے دور ہٹ جاتے ہیں اور بھائی بندی ختم کر دیتے ہیں۔ پھر ایسے انسان اندھے کنوؤں میں پائی جانے والی دلدل میں غرق ہو جاتے ہیں۔ ''فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ﴿۲۰۲﴾''

۱۲۔ شیطان صفت لوگ انسانوں کو گمراہ کرنے کے بارے میں کسی پر رحم نہیں کرتے اور کسی سے بھی پیچھے نہیں ہٹتے۔ ''لَا يُقْصِرُوْنَ﴿۲۰۲﴾''

آیت نمبر ۲۰۳

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۲۰۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب (نزول وحی میں تاخیر ہو جائے اور) تو ان کے لیے کوئی آیت نہ لے آئے تو کہتے ہیں تو خود سے اپنی طرف سے اسے کیوں نہیں چُن لیتا؟ کہہ دو! میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی ہوتی ہے۔ یہ (قرآن) تیرے پروردگار کی طرف سے ایمان لانے والوں کے لیے بینائی کا وسیلہ اور ہدایت و رحمت کا ذریعہ اور سبب ہے۔ (۲۰۳)

نکات:

☆ ''اجتبا'' کا لفظ ''جبایت'' سے ہے، اس کے معنی حوض میں پانی جمع کرنے کے ہیں۔ حوض کو بھی ''جابیہ'' کہتے ہیں۔ خراج اور مالیات اکٹھا کرنے کو بھی ''جبایت'' کہتے ہیں۔ اس کے بعد انتخاب شدہ چیزوں کی جمع آوری کو ''اجتباء'' کہا جانے لگا۔

اس آیت کا معنی شاید یہ ہو کہ جس معجزے کی تم نے درخواست کی تھی، اسے انتخاب کیوں نہیں کیا اور دوسرا معجزہ کیوں لے آئے اور ہمارے طریقہ کار کے مطابق عمل کیوں نہیں کیا؟

☆ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''اذا اردتم عیش السعداء و موت الشهداء و النجاة یوم الحشرة و الظل یوم الحرور و الهدیٰ یوم الضلالة فادرسوا القرآن فانه کلام الرحمن و حرز من الشیطان و رجحان فی المیزان'' اگر سعادتمند زندگی اور شہادت جیسی موت چاہتے ہو، قیامت کے گرم اور جلا دینے والے دن، رہائی اور نجات چاہتے ہو تو قرآن سیکھو۔ کیونکہ قرآن مجید خدائے رحمٰن کا کلام ہے، شیطان سے محفوظ رہنے کیلئے ڈھال ہے اور قیامت کے دن میزان میں سنگینی کا باعث ہے۔ (بحار، ج ۸۹، ص ۱۷)

ایک اور روایت میں فرمایا: ''فیه کمال دینکم ما عدل احد عن القرآن الا الی النار'' قرآن تمہارے دین کا کمال ہے، جو کوئی قرآن سے منہ موڑے گا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (کافی، ج ۲، ص ۶۰۰)

پیغام:

۱۔ قرآن کی آیات، رسالت پیغمبر اسلامؐ کی حقانیت پر دلیل اور معجزہ ہے۔ ''لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ''

۲۔ قرآنی آیات بعض اوقات بہت طویل مدت کے زمانی فاصلے کے بعد نازل ہوا کرتی تھیں۔ ''وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ''

۳۔ ضروری نہیں ہے کہ مبلغ ہر روز کوئی نئی بات کرے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کبھی خاموش رہنا ہی لازم ہو۔ ''لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ''

۴۔ آیات قرآن کو کفار سمجھتے تھے کہ یہ پیغمبرؐ کے اپنے منتخب کردہ مطالب ہیں، جو ادھر اُدھر سے اکٹھے کیے گئے ہیں اور اب لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں، یہ وحی الٰہی نہیں ہے۔ ''لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ''

۵۔ بہانے بنانے والے کفار، وحی کے نزول میں زمانی فاصلہ ہو جانے کی صورت میں باتیں بناتے اور مذاق اڑاتے تھے۔ ''قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ''

۶۔ الٰہی راہبر کا فرض بنتا ہے کہ لوگوں کے حیلوں بہانوں اور ان کے ناجائز مطالبات کے آگے سر تسلیم خم نہ کر دے بلکہ اپنے موقف پر ڈٹ کر اور صاف صاف واضح بیان کر دے۔ ''قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ ۔۔۔''

۷۔ پیغمبر گرامیؐ صرف اور صرف وحی کے سرچشمہ سے ہی اپنی راہیں متعین کرتے ہیں اور احکام لیتے ہیں۔ خود سے کسی چیز کا انتخاب نہیں کرتے اور پیش نہیں کرتے۔ ''اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ''

۸۔ وحی، پیغمبر اور امت دونوں کیلئے تربیت کا ذریعہ ہوتی ہے اور ربوبیت کا لازمہ ہے۔ ''رَّبِّيْ ؕ، رَّبِّكُمْ''

۹۔ قرآن مجید کی ہدایت خالص ہے، اس میں ذرہ برابر بھی گمراہی کی ملاوٹ نہیں ہے۔ (کلمہ ''هُدًى'' کو 'ہاد' کی بجائے استعمال کرنا، اس بات کی علامت ہے کہ پورے کا پورا قرآن مجید ہدایت ہے۔)

۱۰۔ ہدایت و راہنمائی، بصیرت کی اساس پر ہونی چاہیے۔ ''بَصَآئِرُ، هُدًى''

۱۱۔ قرآن مجید ایک طرف تو فکری بصیرت اور معرفت کی کتاب ہے۔ ''بَصَآئِرُ'' دوسری طرف ہدایت اور عملی حرکت

کے لیے راہنما بھی ہے۔ ''هُدًى'' اور اس کی اتباع و پیروی کا نتیجہ بھی دونوں جہانوں میں رحمت اور برکت ہی ہوتا ہے۔ ''وَّرَحْمَةٌ''

۱۲۔ قرآن مجید اگرچہ عمومی طور پر ہر ایک کے لیے کتاب ہدایت ہے لیکن اس سے فائدہ صرف صاحبان ایمان ہی اٹھاتے ہیں۔ دل کے اندھے، بصیرت سے محروم بھی ہوتے ہیں اور ہدایت الٰہی سے دور بھی ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ ''هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۲۰۳﴾''

آیت نمبر ۲۰۴

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴿۲۰۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب قرآن پڑھا جائے تو کان دھر کر سنو اور خاموش رہو تاکہ رحمت خدا تمہارے شامل حال ہو۔ (۲۰۴)

نکات:

☆ کلمہ ''اَنْصِتُ'' کا معنی ہے کہ کان لگا کر سننے کے لیے خاموش ہونا۔

☆ یہ آیت کہتی ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت ادب کی خاطر خاموش ہو جاؤ اور آیات کو توجہ سے سنو۔ البتہ واجب سکوت صرف اس وقت ہے جب پیش نماز دوران نماز جماعت سورۃ حمد اور کوئی سی سورۃ پڑھ رہا ہو۔ اس وقت ماموین کو خاموش رہنا چاہیے۔ باقی مواقع پر سکوت مستحب اور ادب کی علامت ہے۔ اگر اس خاموشی کا حکم نہ ہوتا تب بھی عقل اور ادب کا تقاضا یہ تھا کہ خالق و مالک کے کلام کے سامنے خاموش رہیں۔

☆ حضرت علی علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے تو ساتھ ہی ایک منافق بار بار قرآن کو بلند آواز سے پڑھنے لگا۔ حضرت خاموش ہو گئے، جب وہ پڑھ چکا تو آپ نے باقی سورۃ کو مکمل کیا، اور نماز کو جاری رکھا۔ (تفسیر نمونہ)

☆ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: قرآن کے قاری تین طرح کے ہیں:

۱۔ ایک گروہ وہ ہے جو قرآن کو اپنی کمائی اور اپنی معاش کا ذریعہ بنا لیتا ہے اور لوگوں کے سروں پر سوار ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ ایسا ہے جو قرآن کو صرف اپنی زبان کی حد تک رکھتے ہیں اور اس کے احکام کی پروا نہیں کرتے، ان پر

عمل نہیں کرتے۔

۳۔تیسرا گروہ ان افراد کا ہے جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور اسے اپنے دردوں کی دوا سمجھتے ہیں۔وہ ہمیشہ سے اس کے ساتھ مانوس ہیں۔خدا تعالیٰ ان کے واسطے عذاب کو دور کرتا ہے اور باران رحمت نازل فرماتا ہے لیکن ایسے افراد بہت کم ہیں۔ ''اعزمن الکبریت الاحمر''(کافی، ج۲،ص ۶۲۷)

پیغام:

۱۔جو شخص بھی قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو، ہمیں چاہیے کہ خاموش ہو جائیں اور غور سے سنیں۔''وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ''(''قرء''مجہول آیا ہے۔)

۲۔قرآن مجید کو خاموشی سے سننا، رحمت الٰہی کے حصول کا موجب ہے۔''لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۲۰۴''

آیت نمبر ۲۰۵

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۝۲۰۵

ترجمۃ الآیات

اور اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں تضرع وخوف سے اور آہستہ وآرام سے صبح وشام یاد کرو اور غافلین میں سے نہ ہو جاؤ۔(۲۰۵)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں تلاوت قرآن کے آداب کو بیان کیا گیا تھا اور اس آیت میں ذکر ودعا کے آداب کو بیان کیا جا رہا ہے۔ذکر ودعا میں تضرع، خوف، خشوع اور امید ہونی چاہیے۔

☆ ''اٰصَالِ''جمع ہے''اصیل''کی، جس کے معنی ہیں: غروب کے نزدیک شام کا وقت۔''غُدُوِّ''جمع ہے''غدوۃ''کی، جس کے معنی ہیں: طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کا وقت۔

☆ بعض نے کہا ہے کہ اس آیت میں''ذکر''سے مراد پنجگانہ واجب نمازیں ہیں۔ابن عباس سے منقول ہے کہ اس آیت

کی بنیاد پر پیش نماز کو چاہیے کہ نماز فجر اور رات کی نماز میں بلند آواز سے قرات کرے۔ اتنا کہ ماموین سن سکیں، اس سے زیادہ نہیں۔

پیغام:

۱۔ ہر شخص کو ہمیشہ یاد خدا میں رہنا چاہیے حتیٰ پیغمبروں کو بھی مسلسل یاد خدا میں رہنا چاہیے۔ ''وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ''

۲۔ زبان سے ذکر کرنے کے علاوہ قلبی اور اندرونی ذکر کی قرآن نے تعریف کی ہے۔ ''فِيۡ نَفۡسِكَ''

۳۔ جب یاد خدا بغیر تظاہر اور شور شرابے کے بغیر ہو تو غفلت کو دور کرتی ہے ورنہ خود یاد خدا صرف ایک طرح کی سرگرمی اور غفلت بن جائے گی۔ ''تَضَرُّعًا وَّخِيۡفَةً وَّدُوۡنَ الۡجَهۡرِ''

۴۔ پروردگار عالم کی ربوبیت دائمی ہے لہٰذا سزاوار ہے کہ اس کی یاد بھی ہمیشہ اور مسلسل ہوتی رہے۔ ''وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ۔۔۔ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ''

۵۔ وہ ذکر، یاد الٰہی انسان کو محفوظ رکھتی ہے جو عاشقانہ اور سوزناک ہو اور ہر صبح وشام کی جائے۔ ''تَضَرُّعًا۔۔۔ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ''

۶۔ صبح وشام خدا کو یاد کرنا چاہیے یعنی جب کام کا آغاز کیا جائے اور دن کے پروگرام مرتب کیے جائیں تو پہلے خدا کو یاد کرنا چاہیے اور جب سارے دن کے کاموں کے نتیجے کو سمیٹا جائے اور کام کی جمع بندی کی جائے تو بھی اسے یاد کیا جائے۔ ''بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ''

۷۔ جو لوگ صبح وشام خدا کو یاد نہیں کرتے وہ لوگ غافلین میں سے ہیں۔ ''وَاذۡكُرۡ۔۔۔ وَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِيۡنَ ﴿۲۰۵﴾''

آیت نمبر ۲۰۶

اِنَّ الَّذِيۡنَ عِنۡدَ رَبِّكَ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوۡنَهٗ وَلَهٗ يَسۡجُدُوۡنَ ۩ ﴿۲۰۶﴾

ترجمۃ الآیات

وہ جو (مقام قرب میں) تیرے پروردگار کے نزدیک ہیں، کسی حالت میں اس کی عبادت کے بارے میں تکبر نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کے لیے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

نکات:

☆ ''الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ'' کے جملے میں خدا تعالیٰ کے مقربین میں فرشتے بھی شامل ہیں اور ایسے لوگ بھی شامل ہیں جن کا ذات الٰہی سے رابطہ ہے اور وہ خود کو خدا تعالیٰ کے حضور میں سمجھتے ہیں۔

☆ مذکورہ بالا آیت کو سنتے وقت اور تلاوت کرتے وقت سجدہ کرنا مستحب ہے۔ (تفسیر نمونہ) قرآن مجید کی پندرہ آیات ایسی ہیں جن میں سجدہ آیا ہے، ان میں سے چار موقعوں پر سجدہ واجب ہے جیسے سورت سجدہ کی آیت ۱۵، سورت فصلت کی آیت ۳۷، سورت نجم کی آیت ۶۲، سورت علق کی آیت ۱۹، ان کے علاوہ گیارہ آیات میں سجدہ مستحب ہے جیسے اعراف۔ ۲۰۶، رعد۔ ۱۵، نحل۔ ۴۸، اسراء۔ ۱۰۷، مریم۔ ۵۸، حج۔ ۱۸ و ۷۷، فرقان۔ ۶۰، نمل۔ ۲۵، ص۔ ۲۴، انشقاق۔ ۲۱۔

پیغام:

۱۔ اپنی عبادت کے ذریعے خود کو فرشتوں کے ہم رنگ اور ہم سنگ کرو۔ ''وَاذْكُرْ رَّبَّكَ ۔۔۔ اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ''

۲۔ تکبر کرنے والے کبھی بھی خداوند عالم کے مقام قرب تک نہیں پہنچ سکتے۔ ''اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ'' مقربین الٰہی، متواضع، عجز و انکساری کرنے والے ہوتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔

۳۔ ذکر خدا، عبادت کی بہترین مثال ہے۔ ''وَاذْكُرْ رَّبَّكَ ۔۔۔ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ''

۴۔ خداوند عالم سے غفلت، خود کو بڑا سمجھنے اور تکبر کرنے کے اثر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ''وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ''

۵۔ خداوند عالم کے قرب تک کا راستہ اس کے سامنے عاجزی اختیار کرنے، عبادت اور خالص سجدہ کرنے سے ہو کر گذرتا ہے۔ ''عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ۔۔۔ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾''

۶۔ سجدہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات کیلئے مخصوص ہے اور مقربین اس بات کو قبول کرتے ہیں ''لَهٗ یَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾''

(''یَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾'' پر ''لَهٗ'' کا مقدم ہونا اختصاص کی علامت ہے۔)

۷۔ اپنی عبادت پر مغرور نہ ہو جائیں کیونکہ خداوند متعال کے ہاں ایسے فرشتے بھی ہیں جو ہر وقت اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ ''اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ ۔۔۔ یُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾''

۸۔ سب سے پہلے استکباری کیفیت کو خیر باد کہا جائے پھر اس کی تسبیح بیان کی جائے اور اس کے بعد سجدہ کیا جائے۔ ''لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ، یُسَبِّحُوْنَهٗ، یَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾''

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سُوۡرَةُ الۡاَنۡفَالِ

سورۃ انفال: ۸ آیات: ۷۵ پارہ: ۹ اور رکوع ۱۰ ہیں

سورۃ انفال ایک نظر میں

اس سورۃ کی پچھتر آیات ہیں اور یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اس سورۃ کے شروع میں کلمہ ''انفال'' کے آنے اور اس سورۃ میں انفال نیز عمومی مال واموال کے احکام بیان ہونے کی وجہ سے اس سورت کا نام ''انفال'' رکھا گیا ہے۔

اس سورۃ کا ایک دوسرا نام ''بدر'' ہے، کیونکہ اس کی زیادہ تر آیات غزوہ بدر سے متعلق ہیں۔ غزوہ بدر مسلمانوں کی مشرکین کے ساتھ پہلی جنگ تھی۔ اس جنگ میں پروردگار عالم کی طرف سے مسلمانوں کی غیبی امداد کی گئی۔

اس سورۃ میں حق و باطل کے لشکر کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ اس سورۃ میں پیغمبر اسلام کے تاریخی واقعات، مسلمانوں کے ساتھ حضورؐ کا سلوک، انفال کے مسائل، بیت المال، احکام جہاد، غنائم، اسیر، خمس، اس کی تقسیم، ہجرت کا واقعہ اور لیلۃ المبیت، سچے مومنین کی صفات، اختلاف اور تفرقہ سے بچاؤ وغیرہ کے بارے میں بیان موجود ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو رحمٰن و رحیم ہے

آیت نمبر ۱

يَسۡـئَلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ‌ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ‌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ‌ ۖ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱﴾

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبر!) تم سے انفال (غنائم اور ہر وہ مال جس کا مالک مشخص نہ ہو) کے بارے میں

سوال کرتے ہیں (کہ یہ کس کا ہے؟) کہہ دو: انفال اللہ اور رسول سے مخصوص ہے پس اللہ (کے حکم کی مخالفت) سے ڈرو۔ اور وہ بھائی جو آپس میں لڑے ہوئے ہوں ان میں صلح کرا دو اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرو۔ (۱)

نکات:

☆ قرآن مجید میں تقریباً ۱۳۰ مرتبہ لفظ ''سوال'' یا اس کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں، اور ۱۵ مرتبہ ''یَسْـَٔلُوْنَكَ'' کا جملہ استعمال ہوا ہے۔

☆ ''انفال'' جمع ہے ''نفل'' کی، جس کے معنی ہیں ''زیادہ اور عطیہ'' واجب نماز سے زیادہ کو ''نافلہ'' کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند کو بھی ''نافلہ'' کہا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ''وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ط وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ط'' (انبیاء۔ ۷۲)

☆ روایات میں اور فقہی اصطلاح میں درج ذیل چیزوں کو انفال کہا جاتا ہے:

قدرتی وسائل اور قومی سرمایہ، جنگی غنائم، متروکہ املاک، لاوارث اموال، جنگلات، پہاڑی درے، ویران جگہیں، بنجر زمینیں، ہر قسم کے معدنی ذرائع وغیرہ۔ (تفسیر نور الثقلین؛ بحار، ج ۹۳ ص ۲۰۵ اور کافی، ج ۱ ص ۵۳۹)

☆ اسلام سے پہلے، جنگی غنائم کی تقسیم طبقہ بندی کی بنیاد پر ہوتی تھی۔ جنگ بدر کے بعد جو کہ مسلمانوں کی پہلی جنگ تھی اور اس میں بہت سے غنائم ہاتھ لگے تھے۔ اس بارے میں مختلف سوالات ذہنوں میں گردش کرنے لگے تھے: ان غنائم کا کیا کیا جائے؟ کسے دیے جائیں گے اور کسے نہیں دیے جائیں گے؟ کن لوگوں کا پہلے حق بنتا ہے؟ اس سلسلے میں کئی ایک رائے پائی جاتی تھیں۔

لوگوں کی درخواست پر مال غنیمت کی تقسیم کا کام سرکار رسالت مآب نے خود اپنے ذمہ لے لیا اور ہر ایک کا حصہ منصفانہ طور پر اسے دیا تاکہ زمانہ جاہلیت کے فرضی امتیازی سلوک کو ختم کر دیا جائے اور مستضعفین کی حمایت اور پشت پناہی کی جائے۔ ہر چند کہ کئی لوگوں نے اس مساویانہ سلوک کو سخت ناپسند بھی کیا۔ (تفسیر نمونہ؛ فروغ ابدیت، ج ۱ ص ۴۲۳)

☆ تقریباً تمام سورۃ جنگ بدر کے بارے میں ہے لہٰذا یہ آیت بھی زیادہ تر جنگی غنیمت پر نظر رکھے ہوئے ہے لیکن اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ (تفسیر المیزان اور تفسیر نمونہ)

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: '' انفال چند حصوں میں تقسیم ہوگا، ان میں سے ایک حصہ خدا تعالیٰ کیلئے ہے اور خدا تعالیٰ کا حصہ، رسول خداؐ کے زیر نظر استعمال ہوگا۔'' (تفسیر نمونہ)

☆ لوگوں کے درمیان صلح اور دوستی کروانے کا ثواب ایک سال مستحبی نماز و روزہ سے زیادہ ہے۔ (تفسیر اطیب البیان) امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے شاگرد مفضل سے فرمایا: اگر ہمارے چاہنے والے دو افراد میں ناراضگی ہو جائے تو

ہمارے مال سے خرچ کرواور ان کی صلح کروا دو۔ (کافی، ج ۲، ص ۲۰۹)

☆ اسلام میں تعلق کو جوڑنے مضبوط کرنے ،تفرقہ اور نفاق کے اسباب کو ختم کرنے کی اس قدر اہمیت ہے کہ طرفین کے درمیان صلاح کروانا ہی واجب نہیں بلکہ بعض مراحل کیلئے اگر سہم امام علیہ السلام سے بھی کچھ خرچ کرنا پڑے تو اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ (تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔ لوگوں کا انفال سے متعلق سوال کرنا اور پیغمبر اکرمؐ کا انہیں جواب دینا، اس بات کی علامت ہے اسلام معاشرے کے اقتصادی مسائل کو حل کرنے میں دلچسپی رکھتا۔ ''یَسْـَٔلُوْنَكَ ۔۔۔''

۲۔ مسائل چاہے عمومی ہوں یا اقتصادی، ان کے بیان کرنے کا اصل مرجع الٰہی راہبر ہی ہے۔ ''یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ۔۔۔''

۳۔ اسلام میں جہاد کا مقصد، باطل پر حق کی کامیابی ہے۔ مال غنیمت کا مسئلہ فرعی اور اضافی ہے۔ (''اَنْفَالِ'' کے معنیٰ ''اضافہ'' ہے۔)

۴۔ اسلامی حکومت کو اقتصادی پشت پناہی کی ضرورت ہے اور انفال اسلامی نظام کیلئے پشت پناہی ہے۔ ''الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ''

۵۔ دین اسلام کے پاس تو جنگلوں اور بیابانوں تک کے لیے بھی قانون ہیں۔ ''الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ''

۶۔ حضرت رسول خدا کے تمام مصارف، الٰہی اہداف کی روشنی میں ہوتے ہیں۔ ''لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ''

۷۔ عمومی اموال کی حفاظت کرنے کیلئے پاکیزگی اور توجہ ضروری ہے۔ ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ'' (کیونکہ بیت المال اور عمومی اموال، غلط استفادہ کی وجہ بن سکتے ہیں۔)

۸۔ جو کوئی اصلاح کا ارادہ رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ خود باتقویٰ ہو۔ ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا''

۹۔ لوگوں کے درمیان اتحاد کی فضا کو باقی رکھنا اور اصلاح کرنا، سب کیلئے ضروری ہے۔ ''وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪''

۱۰۔ مومن کو چاہیے کہ اخلاقی معاملات میں، معاشرے اور سیاست میں خدائی احکام پر عمل کرے تاکہ اس کے کام جائز ہوں اور وہ کامیابی تک پہنچ جائے۔ ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ''

۱۱۔ ایمان کا تعلق صرف دل ہی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ ظاہری طور پر اور عملی اطاعت بھی ضروری ہوتی ہے۔ ''اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ①''

۱۲۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ محاذ پر جانے اور جان کی بازی میں تو کامیاب ہو جائیں، لیکن مال کی آزمائش، غنیمت اور انفال کی تقسیم کے موقع پر مار کھا جائیں اور ناکام ہو جائیں۔ ''اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴿۱﴾''

۱۳۔ صرف محاذ پر چلے جانا ہی ایمان کی نشانی نہیں ہے، جنگی غنیمت سے بے نیازی، برادری اور بھائی چارے کی حفاظت اور راہبر اور قائد کے حکم کی بجا آوری بھی لازمی شرط ہے۔ (تمام آیات)

۱۴۔ اموال عمومی مال خدا ہے لہٰذا اسی ذات کے مقدس ترین اور محبوب ترین شخص کے اختیار میں اموال عمومی ہونے چاہئیں۔ ''قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ‌ۚ''

آیت نمبر ۲۔ ۳

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَاِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۖ ۚ﴿۲﴾ الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ؕ﴿۳﴾

ترجمة الآيات

صحیح بات یہ ہے کہ مومن تو درحقیقت وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جائے تو (اس کی عظمت سے) ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیات پڑھی جائیں تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ (۲)

یہی وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے (معاشرہ کے محروم لوگوں پر) خرچ کرتے ہیں۔ (۳)

نکات:

☆ اس سورۃ کی دوسری آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ'' خدا کی یاد مومنوں کے دلوں کو منقلب کر دیتی ہے۔ جبکہ دوسری جگہ فرماتا ہے: ''اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ؕ﴿۲۸﴾'' خدا کی یاد کے ساتھ دلوں کو آرام و سکون ملتا ہے۔ (رعد۔ ۲۸) ان دو آیتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ایک جگہ عظمت خدا کا خوف ہے اور دوسری جگہ

خدا تعالیٰ پر اطمینان کا ہونا ہے۔

چنانچہ ایک اور آیت میں پڑھتے ہیں: "اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ" جو لوگ خدا تعالیٰ سے خوف رکھتے ہیں، قرآن پڑھنے یا سننے سے ان کے بدن کی جلد کانپنے لگتی ہے، پھر کچھ دیر میں وہ سکون میں آجاتے ہیں اور ان کے دل نرم ہو جاتے ہیں۔ (زمر۔۲۳)

جی ہاں! قہر الٰہی اور خدائی عذاب کی یاد مومن کے دل کو لرزا دیتی ہے اور پھر لطف الٰہی اور خدائی مہر و محبت کی یاد سے دل کو سکون ملتا ہے۔ ایک بچے کی مانند جو اپنے والدین سے ڈرتا ہے اور انہی کی محبت اسے آرام و سکون دیتی ہے۔

☆ "تَوَجِلَ" انسان کی اضطراب کی کیفیت، ڈر اور خوف کی حالت کو کہا جاتا ہے۔ کبھی بھاری ذمہ داریوں سے آگاہی اور فرائض کے تکمیل نہ ہونے کا خدشہ انسان پر ڈر کی کیفیت طاری کر دیتا ہے، اور کبھی مقام الٰہی کی عظمت کو جاننے سے ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔

ہم قرآن مجید میں پڑھتے ہیں: "اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ" صرف علماء اور آگاہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ سے خوف رکھتے ہیں۔ (فاطر۔۲۸) (تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔ جو اذان کی آواز اور آیات الٰہی کو سننے کے بعد بھی لاپرواہ ہے، اسے اپنے ایمان کی تکمیل میں شک کرنا چاہیے۔ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ"

۲۔ ذکر خدا کوئی بھی کرے، کسی بھی طرف سے ہو، مومن کے دل پر اثر کرتا ہے۔ "اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ"

۳۔ ایمان، عشق و اندرونی خوف کے ساتھ ہوتا ہے۔ "الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ"

۴۔ ایمان کے مختلف درجات ہیں، کئی مرتبے ہیں، جن میں کمی یا اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ "زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا"

۵۔ ایسا خوف جس کی جڑیں جہالت میں ہوں یعنی جہالت یا لاعلمی کی وجہ سے پیدا ہونے والا خوف برا ہے لیکن معرفت اور شناخت کی وجہ سے پیدا ہونے والا خوف پسندیدہ ہے۔ "الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ"

۶۔ قرآن پاک کی ہر آیت، حجت، دلیل اور نور ہے جو ایمان کے اضافے کا موجب بن سکتی ہے۔ "اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا"

۷۔ مومن ہمیشہ خوف اور امید دو حالتوں کے درمیان رہتا ہے۔ "الْمُؤْمِنُوْنَ، وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ، يَتَوَكَّلُوْنَ"

۸۔ جو کوئی صرف پروردگار عالم کو اپنا حقیقی رب جانتا ہے، وہ اسی پر توکل کرتا ہے۔ "عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲"

۹۔ کامل ایمان کی علامت یہی ہے کہ مومن کے دل میں یاد خدا سے خوف خدا پیدا ہوتا ہے۔ ''وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ'' تلاوت کے ذریعے، آیات الٰہی کو یاد کرنے سے، اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ''زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا'' خدا پر توکل کرتا ہے، ''يَتَوَكَّلُوۡنَ﴿۲﴾'' نماز کو قائم کرتا ہے، ''يُقِيۡمُوۡنَ'' اور دوسروں کی مدد کرتا ہے۔ ''يُنۡفِقُوۡنَ﴿۳﴾''

۱۰۔ ہر کسی کا عمل اس کے نظریات، اعتقادات اور احساسات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ''اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔ ۔ ۔ يُقِيۡمُوۡنَ۔ ۔ يُنۡفِقُوۡنَ﴿۳﴾''

۱۱۔ مال و دولت میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو اسلام نے ضروری قرار دیا ہے، سارے مال و دولت کو نہیں۔ ''مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ﴿۳﴾'' (''مِن'' کے معنی میں سے ایک معنی تبعیض ہے۔)

۱۲۔ مومن کا نماز قائم کرنا اور خدا کی راہ میں خرچ کرنا وقتی نہیں ہے بلکہ مسلسل اور دائمی ہے۔ ''يُقِيۡمُوۡنَ۔ ۔ ۔ يُنۡفِقُوۡنَ﴿۳﴾''

۱۳۔ راہ خدا میں حلال مال اور خدا کی عطا کردہ روزی سے ہی خرچ کیا جانا چاہیے۔ ''مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ﴿۳﴾'' (چونکہ رزق کی نسبت خدا تعالیٰ سے دی گئی ہے اور خدا تعالیٰ حرام رزق نہیں دیتا۔)

۱۴۔ مومن اپنے مال و دولت کو خدائی عطیہ سمجھتا ہے، اپنے ہاتھوں کی کمائی نہیں جانتا۔ یہ بات اس کے اندر معاف کرنے اور انفاق کرنے کی خصلت کو آسان بنا دیتی ہے۔ ''مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ﴿۳﴾''

آیت نمبر ۴

اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَهُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَمَغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ۚ﴿۴﴾

ترجمۃ الآیات

حقیقی مومن وہی ہیں جن کے لیے انکے پروردگار کے پاس (بے حد) درجات ہیں اور انکے لیے مغفرت اور بے عیب و کریمانہ روزی ہے۔ (۴)

نکات:

☆ ''رِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ۚ﴿۴﴾'' سے مراد ہمیشہ کسی کے احسان کے بغیر وسیع اور خالص روزی ہے۔

پیغام:

ا۔ایمان اس وقت کامل ہوتا ہے جب اس کے ساتھ خوف خدا، توکل، نماز، راہ خدا میں خرچ کرنا بھی اکٹھے ہو جائیں۔ جی ہاں! ایمان نعرے کے ساتھ نہیں بلکہ عمل کے ساتھ ہوتا ہے۔''اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ''

۲۔خداوند تعالیٰ سے درجات حاصل کرنے کا راز ایمان اور نماز میں پوشیدہ ہے۔''يُقِيْمُوْنَ ۔۔۔يُنْفِقُوْنَ ؕ﴿۳﴾ ،لَهُمْ دَرَجٰتٌ''(دنیاوی مقام ومنزلت کو حاصل کرنے کیلئے ساری عمر کوشش کرتے ہیں،لیکن الٰہی درجات اور مقام ومنزلت سے غافل ہیں۔)

۳۔درجات جو خدا تعالیٰ عطا فرمائے گا، دنیاوی انسان کیلئے ناشناختہ اور بہت ہی اہم ہونگے۔(''دَرَجٰتٌ'' کا کلمہ نکرہ آیا ہے۔)

۴۔لوگوں کا ایمان کم یا زیادہ ہوسکتا ہے اس لیے الٰہی درجات میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور کمی بھی آجاتی ہے۔''زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا ۔۔۔ لَهُمْ دَرَجٰتٌ''

۵۔الٰہی درجات صرف جنت کیلئے مخصوص نہیں ہیں، اسی دنیا میں اور برزخ میں بھی درجات پائے جاتے ہیں۔(''عِنْدَ رَبِّهِمْ''مطلق آیا ہے۔)

۶۔حتیٰ حقیقی مومنین بھی مقام لغزش پر ہوتے ہیں، اس لیے انہیں بھی الٰہی مغفرت کی ضرورت رہتی ہے۔''الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ ۔۔۔مَغْفِرَةٌ''

۷۔انسان صرف سچے ایمان کے ساتھ ہی اپنے حقیقی مقام کو حاصل کرسکتا ہے، نیز الٰہی مغفرت اور خصوصی نعمات الٰہی وصول کرسکتا ہے۔''الْمُؤْمِنُوْنَ ۔۔۔عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۴﴾''

آیت نمبر ۵

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ﴿۵﴾

ترجمۃ الآیات

(مال غنیمت سے متعلق تم میں سے بعض کی ناگواری) اسی طرح ہے جیسے اللہ نے تجھے تیرے

گھر سے حق کے ساتھ باہر (جنگ بدر کی طرف) نکالا جبکہ مومنین کا ایک گروہ اسے (جنگ میں شرکت کو) پسند نہیں کرتا تھا۔(۵)

نکات:

☆ جس طرح کہ افرادی قوت اور وسائل کی کمی کی وجہ سے محاذ جنگ پر جانا اور دشمن کے ساتھ بدر کے میدان میں جہاد کرنا کچھ لوگوں کیلئے سخت دشوار اور بہت ہی ناگوار تھا، بدر میں جنگی غنائم کی تقسیم بھی ان کے لیے ناگوار تھی اور پھر سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ اسی طرح یہ ناگواری بھی گذر جائے گی۔ اللہ کے رسول کو تو بس اس بات کی فکر ہونی چاہیے کہ حقیقی مصلحت کیا ہے اور احکام خداوندی کی بجا آوری کیسے کی جاتی ہے؟ لوگوں کی ناگواری اور ناپسندیدگی تو ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔

پیغام:

۱۔ پیغمبر اسلام کا مدینہ سے جنگ بدر کے لیے باہر نکلنا حکم خداوندی کے مطابق اور اپنی تدبیر کے تحت تھا۔ ''اَخْرَجَكَ رَبُّكَ''

۲۔ جنگ و جہاد، ترقی اور تربیت کا موجب ہوتا ہے۔ ''اَخْرَجَكَ رَبُّكَ''

۳۔ محاذ جنگ میں تمام امور کا محور و مرکز قائد اور راہبر ہی ہوتا ہے۔ (اگرچہ جہاد کے لیے کئی اور لوگ بھی باہر نکلے تھے، لیکن آیت صرف پیغمبر اکرم کے نکلنے کو بیان کر رہی ہے۔) ''اَخْرَجَكَ رَبُّكَ''

۴۔ مدینہ، پیغمبر اکرم کا گھر ہے۔ (ہر شخص کے لیے گھر وہی ہوتا ہے جہاں وہ اپنی شخصیت کو منواتا ہے، صرف جائے پیدائش ہی گھر نہیں کہلاتی۔) ''بَيْتِكَ''

۵۔ آسمانی احکام قوانین حق کی بنیاد پر ہوتے ہیں اور حق تک پہنچنے کیلئے ہوتے ہیں۔ ''اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ''

۶۔ جہاد کو ناپسند کرنے سے ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑتا بشرطیکہ انکار و نافرمانی کے ہمراہ نہ ہو اور اطاعت میں فرق نہ آنے پائے۔ ''مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ۝''

۷۔ جس کے پاس مال یا مالی اختیارات ہوتے ہیں، اس کے مخالف بھی ہوتے ہیں، لوگ اس سے ناراض بھی ہوتے ہیں، چاہے وہ معاشرے با ایمان افراد پر مشتمل ہو اور پیغمبر اکرمؐ جیسا شخص اس معاشرے کا سرپرست ہو۔ ''فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ۝''

۸۔ قائد کو اپنے فرائض کی انجام دہی اور حق کو ثابت کرنے کی فکر ہو چاہیے۔ ''بِالْحَقِّ''

۹۔ کبھی انسان آغاز میں شوق کے ساتھ اور مخلص ہو کر محاذ جنگ پر جاتا ہے لیکن آخر میں مالی معاملات اور غنائم کی وجہ

سے دل گرفتہ اور ناراض ہوجاتا ہے۔ ''لَكٰرِهُوۡنَ'' (اس لئے کہ یہاں مال غنیمت کی تقسیم کے حکم پر ناراضگی کا ذکر کیا گیا ہے۔)

آیت نمبر ٦

يُجَادِلُوۡنَكَ فِى الۡحَـقِّ بَعۡدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوۡنَ اِلَى الۡمَوۡتِ وَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ ؕ‏ ﴿۶﴾

ترجمۃ الآیات

وہ لوگ (جنگ بدر) کے حق کے بارے میں اس کے واضح ہو جانے کے بعد بھی آپؐ سے لڑائی جھگڑا کرتے ہیں۔ (اور اس قدر ڈر چکے ہیں) گویا یہ (اپنی نابودی کو اس طرح) دیکھ رہے ہیں کہ موت کی طرف ہنکا کر لے جائے جا رہے ہیں۔ (٦)

نکات:

☆ مسلمانوں کے ایک گروہ کا پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ جھگڑا جنگ بدر کے بارے میں تھا، اور وہ بھی اس بات پر کہ نہ تو کافی مقدار میں وسائل جنگ ہیں اور نہ ہی افرادی قوت، اور پھر یہ کہ قریش تاجروں کا مال لینے کے لیے باہر نکل رہے ہیں لہذا ہم لشکر قریش سے جنگ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ اس حقیقت کو جانتے بھی تھے کہ یہ حکم خداوندی ہے لیکن وہ اپنے اعتراض سے پیچھے نہیں ہٹ رہے تھے۔

چنانچہ کچھ لوگ تو جنگ نہ کرنے کی باتیں کرتے تھے اور کچھ دوسرے (جیسے حضرت مقداد) کہتے تھے: ہم حضرت موسیٰ کے اصحاب کی مانند نہیں ہیں کہ خود بیٹھ جائیں اور پیغمبرؐ سے کہیں کہ آپ خود جائیں اور لڑیں۔ ہم جنگجو لوگ ہیں، آپؐ جو حکم دیں گے ہم بسر وچشم بجالائیں گے۔ لیکن ڈرپوک وبزدل لوگ جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے اور حضرت رسول خداؐ سے لڑائی جھگڑا کرتے تھے جہاد اور جنگ بدر میں جانے کو موت کی طرف بڑھنا تصور کر رہے تھے لیکن بعد کے واقعات اور جنگ میں کامیابی نے واضح کر دیا وہ غلطی پر تھے۔

☆ اگر جدل وجھگڑا، حق کے انکار کیلئے ہو تو ناپسندیدہ ہے، اس کی چند اقسام ہیں:

الف: کبھی حق کے واضح ہوجانے کے بعد ہوتا ہے۔ ''يُجَادِلُوۡنَكَ فِى الۡحَـقِّ بَعۡدَ مَا تَبَيَّنَ''

ب: کبھی علم و آگاہی کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ ''فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِيۡمَا لَيۡسَ لَكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ ''(آل عمران۔۶۶)

ج: کبھی حق کو نابود کرنے کے ارادے سے ہوتا ہے۔ ''وَيُجَادِلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِيُدۡحِضُوۡا بِهِ الۡحَقَّ '' (کہف۔۵۶)

البتہ کبھی بحث و گفتگو حق کو واضح کرنے کیلئے ہوتی ہے کہ جسے سب سے اچھے طریقے سے انجام دینا چاہیے۔'' وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ؕ ''(نحل۔۱۲۵)

پیغام:

۱۔ بعض یاران پیغمبر، آنحضورؐ کے امر کے سامنے مطیع نہ تھے۔ ''يُجَادِلُوۡنَكَ''

۲۔ تن پرور اور ڈرپوک لوگ جنگ و جہاد اور فرمان حق سے گریز کے طور پر ہمیشہ لڑائی جھگڑے، توجیہات، تاویلیں اور بہانے تراشا کرتے تھے۔ ''يُجَادِلُوۡنَكَ فِى الۡحَـقِّ''

۳۔ اگر حوصلے پست اور دل خراب ہو جائیں تو فقط حق کا علم ہونا کافی نہیں ہوتا۔ ''بَعۡدَ مَا تَبَيَّنَ''

۴۔ کبھی انسان ایسا گر جاتا ہے کہ حق کو پہچانتے ہوئے بھی اس کی مخالفت کرتا ہے۔ ''يُجَادِلُوۡنَكَ فِى الۡحَـقِّ بَعۡدَ مَا تَبَيَّنَ''

۵۔ کمزور ایمان اور حوصلہ ہار جانے والے سپاہیوں کا میدان جنگ کی طرف جانا ایسے ہے جیسے کسی تابوت کو اٹھا کر لے جایا جا رہا ہو۔ ''كَاَنَّمَا يُسَاقُوۡنَ اِلَى الۡمَوۡتِ''

آیت نمبر ۷

وَاِذۡ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحۡدَى الطَّآئِفَتَيۡنِ اَنَّهَا لَـكُمۡ وَتَوَدُّوۡنَ اَنَّ غَيۡرَ ذَاتِ الشَّوۡكَةِ تَكُوۡنُ لَـكُمۡ وَيُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّحِقَّ الۡحَـقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقۡطَعَ دَابِرَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۙ‏ ﴿۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور وہ وقت (یاد کرو) جب اللہ نے تم سے وعدہ کیا کہ وہ گروہوں میں سے ایک (قریش کا

تجارتی قافلہ یا دشمن کا جنگی لشکر) تمہارے قبضے میں دے گا۔لیکن تم (اپنے آرام وسکون اور مادی فائدوں کی وجہ سے) چاہتے تھے کہ غیر مسلح قافلہ (تجارتی گروہ) تمہارے قبضہ میں آ جائے لیکن اللہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات (اور اپنی سنت کے ذریعے) سے حق کو تقویت دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔(اسی وجہ سے تمہیں کم تعداد اور جنگی آمادگی نہ رکھنے کے باوجود بدر میں لشکر قریش کے سامنے کیا اور پھر کامیابی عطا فرمائی۔)(۷)

نکات:

☆''شَّوْ كَةِ '' کا لفظ''شوك '' سے لیا گیا ہے جس کے معنی کانٹے اور نیزے کی انیاں ہیں، یہ لفظ مسلح گروہ کیلئے ایک کنایہ ہے۔''غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْ كَةِ '' سے مراد غیر مسلح تجارتی گروہ ہے۔

☆''کلمات حق '' سے مراد الٰہی سنت اور احکام نیز اولیائے الٰہی ہیں۔''دابر'' کے معنی پیچھے یا کسی چیز کا پچھلا حصہ ہے۔''يَقْطَعَ دَابِرَ ''جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے معنی میں ہے۔

☆ سال دو ہجری ماہ رمضان میں پیغمبر اکرمؐ کو اطلاع دی گئی کہ ابوسفیان کی سربراہی میں ایک انتہائی اہم تجارتی قافلہ مدینہ پہنچنے والا ہے۔حضور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کی طاقت کو کمزور کرنے اور مہاجر مسلمانوں کے مال کی تلافی کے لیے جو کہ کفار مکہ نے ان سے چھین لیا تھا یا قبضہ کر لیا تھا، آپؐ ۳۱۳ لوگوں کے ہمراہ اس تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔اس منصوبے کا ابوسفیان کو جب علم ہوا تو اس نے اس کی خبر مکہ والوں کو بھی پہنچا دی، اور خود قافلے کو غیر معروف راستے سے مکہ کی طرف لے کر چل پڑا۔

بہت سے مکہ کے مشرکین کا اس تجارتی قافلے میں حصہ تھا، اسی لیے ان کی زبردستی کرنے کی وجہ سے تقریباً ایک ہزار افراد جنگ کیلئے تیار ہو کر، مکہ کے بڑوں اور سرداروں کے ہمراہ پورے جنگی ساز وسامان کے ساتھ، ابوجہل کی قیادت میں، ان چالیس تاجروں کے گروہ کی حفاظت اور دفاع کیلئے مکہ سے نکلے۔سترہ ماہ رمضان کو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بیابان میں یہ تینوں گروہ پہنچ گئے: مسلمان، لشکر کفار اور کافروں کا تجارتی قافلہ۔

دشمن کے لشکر کے بارے اطلاع ملنے کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ تجارتی قافلے کے پیچھے جایا جائے یا لشکر کفار کے ساتھ مقابلہ کیا جائے؟ بہت سی مختلف رائے آئیں لیکن بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ لشکر کفار کے ساتھ مقابلہ کیا جائے اس کے باوجود کہ مسلمانوں کے پاس جنگی ساز وسامان نہ ہونے کے برابر تھا، وہ جنگ یا جھڑپ کی نیت سے باہر نہیں آئے تھے جبکہ دوسری طرف کافروں کی تعداد بھی ان سے تین گنا تھی۔آخر کار خدا تعالیٰ کی غیبی امداد کے ساتھ وہ دشمن پر فتح یاب ہوئے۔اس جنگ میں ابوجہل اور ستر کافر مارے گئے۔ان میں سے زیادہ تر علی ابن ابی طالبؑ کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ستر کافروں کو

قیدی بنالیا گیا تھا۔ جبکہ لشکر اسلام میں سے صرف چودہ افراد شہید ہوئے تھے۔ (تفسیر المیزان)

پیغام:

۱۔ خدائی امداد کی یاد آوری لازمی ہے اور ایمان کی تقویت کا موجب ہوتی ہے۔ ''وَاِذْ''

۲۔ کامیابی صرف افرادی قوت کے زیادہ ہونے یا جنگی ساز وسامان کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اہم سبب ارادہ الٰہی ہے۔ ''یُرِیْدُ اللہُ'' کیونکہ پروردگار عالم کا ارادہ تمام طبیعی عوامل پر غالب ہے۔

۳۔ بعض اوقات خدا کا ارادہ مومنین کے ہاتھوں انجام پاتا ہے۔ ''یُرِیْدُ اللہُ''

۴۔ انسان طبعی طور پر آرام طلب ہے۔ ''تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ'' (سختی اور مشکلات کی وجہ سے بنیادی اور اصولی پروگرامز کو غیر اہم اور غیر اصولی مسائل پر قربان نہیں کر دینا چاہیے۔)

۵۔ احقاق حق، اللہ اور اولیاء اللہ کے کلمات اور خدائی اوامر وقوانین کے ذریعہ ہوتا ہے۔ عزت وفتح، جہاد اور فداکاری کے سایہ میں ہے، نہ کہ سیاسی مذاکرات اور مختلف سازشوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ ''یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِهٖ''

۶۔ باطل پر حق کی کامیابی، اقتصادی فوائد سے زیادہ اہم ہے۔ ''تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ۔۔ ۔یُرِیْدُ اللہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِهٖ''

۷۔ کائنات میں حق کی عزت اور باطل کی ذلت کے ساتھ ہی آخری فتح حاصل ہوگی۔ ''یُرِیْدُ اللہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِهٖ ۔۔۔وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ۝''

۸۔ اسلامی جہاد کا اصل مقصد ومطلوب، حق کو ثابت کرنا اور باطل کی بیخ کنی ہوتا ہے کشور کشائی اور زمینوں پر قبضہ کرنا نہیں۔ ''وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ۝''

آیت نمبر ۸

لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ کَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ۝۸

ترجمۃ الآیات

تاکہ (خداوند عالم) حق کو پائیدار کر دے اور باطل کو نیست ونابود کر دے، اگرچہ مجرمین اس بات کو ناپسند کرتے ہوں۔ (۸)

نکات:

☆ یہ آیت پیغمبر اکرمؐ اور مسلمانوں کو تسلی اور دلجوئی دے رہی ہے کہ آخر کار حق کامیاب ہوگا اور باطل نیست و نابود ہو جائے گا۔

☆ بعض روایات، حضرت مہدی علیہ السلام کے دور ظہور کو اس آیت کا واضح مصداق قرار دیتی ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین) اس لیے کہ آپؑ کے ظہور اور قیام کے بعد باطل کا تسلط ختم ہو جائے گا، دنیا پر حق و عدل کی حکمرانی قائم ہو جائے گی۔

پیغام:

ا۔ خداوند عالم کے وعدے کسی کے ذاتی اور مادی مفادات کے لیے نہیں بلکہ حق کے پائیدار کرنے اور باطل کی نابودی کے لیے ہوتے ہیں۔ ''لِيُحِقَّ الْحَقَّ''

۲۔ حق ہمیشہ رہنے والا اور ثابت قدم ہے جبکہ باطل نہ رہنے والا اور فنا ہو جانے والا ہے۔ ''لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ''

۳۔ کافر دشمن کا اس بارے میں کیا ردعمل ہوتا ہے، اس سے کسی کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے، خداوند عالم اپنے ارادے کو خود ہی عملی جامہ پہنائے گا۔ ''وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸''

آیت نمبر ۹

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝۹

ترجمۃ الآیات

وہ وقت (یاد کرو جب میدان بدر میں پریشانی کے عالم میں) اپنے رب سے تم مدد چاہ رہے تھے اور اس نے تمہاری خواہش کو پورا کر دیا (اور کہا) میں تمہاری ایک ہزار ایسے فرشتوں سے مدد کروں گا جو ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے ہوں گے۔ (۹)

نکات:

☆ ''مُرْدِفِ'' کا لفظ ''ارداف'' سے لیا گیا ہے، اس کے معنی ''ردیف'' ہیں، یعنی ایک دوسرے کے پیچھے ہونا، گویا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کی امدادیں ہمیشہ جارہ رہے گی۔ مدد کرنے والے فرشتوں کی مسلسل آمد کا سلسلہ جاری رہے گا۔

سورہ آل عمران کی ۱۲۴ ویں آیت میں ''ثَلٰثَةِ الٰفٍ'' تین ہزار فرشتوں کی مدد کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کی آیت میں پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں کا تذکرہ ہے۔ شاید یہ اس لیے ہے کہ مسلمانوں کی مقاومت و پائیداری جتنی بڑھتی گئی، غیبی امداد میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا گیا۔ بنابرایں ''مردفین'' سے مراد وہ ہزار فرشتے ہیں جن کے بعد کئی ہزار فرشتے ہیں۔

☆ بعد والی آیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے صرف مومنوں کی تسلی اور اطمینان خاطر کیلئے نازل ہوئے تھے، جنگ میں دشمنوں سے مقابلے کیلئے نہ اترے تھے کیونکہ اس کے علاوہ بدر کے مجاہدین کیلئے کوئی فضیلت نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ کافروں میں سے ہر قتل ہونے والے کا منظر اور اس کے قاتل کا نام بھی تاریخ میں ذکر ہوا ہے۔ (تفسیر نمونہ)

☆ جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کفار کی تعداد کے ایک تہائی تھی، جبکہ ان کے عسکری ذرائع اور حربی وسائل بھی کفار سے بہت ہی کم تھے۔ حضرت علی علیہ السلام کے بقول ان کے درمیان صرف حضرت مقداد کے پاس سواری تھی۔ (تفسیر فرقان)

اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں ذہنی آمادگی بھی نہیں تھی، مسلمان وحشت زدہ، مضطرب ہو کر خدا سے پناہ مانگنے لگے۔ اس صورت حال میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اپنے رب کے حضور ان الفاظ میں دعا مانگی: اللهم انجز لی ما وعدتنی، اللهم ان تهلك هذه العصابة لا تعبد فی الارض۔ (تفسیر کنز الدقائق)

خداوندا! تو نے جو مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اسے میرے لیے پورا فرما، بارالہا! اگر مسلمانوں کا یہ چھوٹا سا گروہ بھی شہید ہو گیا تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔

خدا تعالیٰ نے بھی اپنی غیبی امداد کو ظاہر کرنے سے آپؐ کی دعا کو قبول کیا اور مسلمان بہادری و دلیری کے ساتھ لڑے اور آخر کار کامیاب ہو گئے۔

پیغمبر اکرمؐ کے حکم سے کافروں میں سے قتل ہونے والوں کو ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ اس گڑھے کے کنارے پر آپؐ آئے اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا: کیا تم نے پروردگار کے وعدے کو حق و سچ پایا؟ تم برے لوگ تھے۔ کیونکہ تم نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی ہے، مجھے تم نے اپنے گھر بار سے باہر نکال دیا، میرے ساتھ جنگ کی۔ دوسروں نے میری تصدیق کی اور اپنے درمیان مجھے جگہ دی اور میری مدد کی۔ اصحاب نے پوچھا: کیا وہ سن رہے ہیں؟ آنحضورؐ نے فرمایا: تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے، لیکن صرف وہ جواب نہیں دے سکتے۔ پھر آپؐ نے ابوجہل کے جسد کی طرف رخ کیا اور فرمایا: یہ فرعون زیادہ گستاخ تھا، کیونکہ جب فرعون نے اپنی یقینی ہلاکت کو سامنے دیکھا تو توحید کا اقرار کیا، لیکن اس نے آخری لحظہ تک بت پرستی سے ہاتھ نہیں کھینچا

(تفسیر المیز ان، تفسیر نمونہ، تفسیر فرقان)

پیغام:

۱۔ سختی و مشکلات کے دنوں میں کبھی بھی خداوند عالم کی نعمتوں اور امداد کو فراموش نہ کریں، کیونکہ الٰہی نعمتوں کو یاد کرنے سے انسان کے اندر شکر گذاری اور بہادری کے احساسات بڑھتے ہیں۔ ''اِذْ''

۲۔ خدا تعالیٰ دعا کے بغیر بھی عطا کرسکتا ہے لیکن دعا انسان کی تربیت کیلئے ایک الٰہی طریقہ کار ہے۔ ''اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ''

۳۔ محاذ جنگ میں موجود مجاہدین کی دعا اور ان کا استغاثہ مؤثر ہوتا ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ''تَسْتَغِيْثُوْنَ ۔۔۔ فَاسْتَجَابَ''

۴۔ دعا، قبولیت کی کنجی ہے۔ ''تَسْتَغِيْثُوْنَ ۔۔۔ فَاسْتَجَابَ''

۵۔ بعض اوقات انسانی زندگی میں فرشتے بہت مؤثر ہوتے ہیں۔ ''مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ''

۶۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے غیبی امداد اس وقت آتی ہے جب ہم بھی ان اسباب کو کام میں لائیں جو اللہ نے ہمیں ظاہری طور پر عطا فرمائے ہیں۔ ''مُمِدُّكُمْ''

۷۔ لشکروں کے آمنے سامنے آجانے کی صورت میں یا میدان جنگ میں ترتیب میں رہنا اور نظم باقی رکھنا بہت ضروری ہے، یہ بات کامیابی کے اسباب میں سے ایک ہے۔ ''مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾''

آیت نمبر ۱۰

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور اللہ تعالیٰ نے اس (فتح اور فرشتوں کے نزول) کو اور کچھ بھی قرار نہیں دیا سوائے اس کے کہ تمہارے لیے خوشخبری ہو اور یہ کہ تمہارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو جائے، اور نصرت و کامیابی خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف سے نہیں ہوتی (اپنے آپ پر اور فرشتوں کی مدد پر بھی

انحصار نہ کرو)۔ یقیناً خداوند عالم غالب اور حکمت والا ہے۔(۱۰)

نکات:

☆ قرآن مجید میں مومنین کے لیے امداد کرنے والے فرشتوں کا بارہا تذکرہ ہوا ہے۔حتیٰ کہ جب مومن کی روح قبض ہورہی ہوتی ہے اور جان نکل رہی ہوتی ہے تو اس وقت بھی خداوند کریم فرشتے کو بھیجتا ہے تاکہ وہ مومن کے دل کی ڈھارس بن سکے اور حق کے کلمات اس کی زبان پر جاری کرائے اور اسے شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھے۔(فصلت۔۳۰)

جنگ بدر میں بھی مومنین کے حوصلے بڑھانے کیلئے فرشتے نازل ہوئے تھے جبکہ انہوں نے جنگ نہیں کی اور دشمن کا سامنا نہیں کیا۔اس لیے کہ تاریخ میں واضح ہے کون کس کے ہاتھوں مارا گیا، اس جنگ میں مارے جانے والے زیادہ تر کافر حضرت علی علیہ السلام کی تلوار سے قتل ہوئے تھے۔

☆ خداوند عالم کی تخلیق وآفرینش میں القا دو طرح کا ہوتا ہے:

ایک تو خدا کے فرشتوں کی طرف سے جو مومن لوگوں کے دلوں میں سکون واطمینان کا القا کرتے ہیں۔جبکہ پروردگار عالم فرماتا ہے:'' اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ '' خدا تعالیٰ نے فرشتوں پر وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، پس آپ مومنین کو ثابت قدم رکھو، میں کفار کے دلوں میں خوف اور وحشت ڈال دوں گا۔(انفال۔۱۲)

ایک دوسرا القا شیطان کی طرف سے خوف اور وحشت کی صورت میں ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:''اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ '' یہ تو شیطان ہی ہے جو اپنے پیروکاروں کو ڈراتا ہے۔(آل عمران۔۱۷۵)

پیغام:

۱۔مجاہدین کے حوصلے بلند ہونے چاہئیں۔''وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى '' مجاہدین کی مضبوط نفسیات اور بلند حوصلے فتح کے اسباب میں سے ہے۔

۲۔جب صحیح راستے پر چلنا پیغمبر کی ہدایات کے مطابق ہو تو خداوند کی عنایات کا شامل حال ہونا اور خوف واضطراب کے اسباب کا خاتمہ یقینی ہے۔''وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى ''

۳۔اگر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تھی تو اس میں نہ تو ان کی جنگی چالوں اور وسائل حرب کی وجہ سے ہوئی اور نہ ہی فرشتوں کی وجہ سے بلکہ صرف اور صرف خداوند متعال کے ارادے اور مرضی کے ساتھ ہوئی ہے۔''وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ ''

بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی مرضی سے مومنوں کا ایک چھوٹا گروہ دشمنوں کے بڑے بڑے گروہوں پر فتح حاصل کر لیتا ہے۔

''كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ''(بقرہ۔۲۴۹)

۴۔الٰہی امداد اور مومنین کی حمایت عزت وحکمت کی بنیاد پر ہے۔''عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾''

آیت نمبر ۱۱

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾

ترجمة الآيات

اس زمانے کو یاد کرو جب خداوند عالم نے اپنی طرف سے امن وسکون کی خاطر تم پر مختصری نیند مسلط کر دی اور تم پر آسمان سے پانی برسایا تاکہ اس سے تمہیں پاک کر دے اور تم سے شیطان (کے وسوسوں) کی پلیدی کو دور کر دے، تمہارے دلوں کو محکم کرے اور تمہیں ثابت قدم رکھے۔(۱۱)

نکات:

☆''النُّعَاسَ'' نیند کی ابتدائی حالت اور ہلکی نیند کو کہا جاتا ہے۔استراحت کی حالت ایسی ہے کہ جس میں نیند گہری نہیں ہوتی، ایسی نہیں ہوتی کہ دشمن اس حالت سے فائدہ اٹھا کر شب خون مارے۔(تفسیر نمونہ)

☆ قریش کا لشکر، وافر جنگی ساز وسامان، کافی مقدار میں زاد سفر لے کر میدان میں آیا تھا۔انہوں نے یہاں تک انتظام کیا تھا کہ اپنے سپاہیوں کے حوصلوں کو بلند رکھنے کیلئے اچھی آواز میں گانے والی عورتوں کو ساتھ لائے تھے۔آغاز میں انہوں نے پانی کے کنوں پر قبضہ کر لیا تھا۔جس کی وجہ سے مسلمان سخت تزلزل کا شکار ہو گئے، پیغمبر خدا نے احساس کیا کہ ہوسکتا ہے اس وجہ سے رات کو اصحاب اچھی طرح نیند نہ کر سکیں اور کل صبح تھکے ہوئے جسم وروح کے ساتھ دشمن کے سامنے کھڑے ہوں۔لہٰذا آپؐ نے بشارت دی کہ اللہ کے فرشتے ان کی مدد کیلئے آئیں گے، آپؐ نے ان کی دلجوئی فرمائی اور اصحاب رات میٹھی نیند سو گئے۔

طہارت اور پیاس بجھانے کیلئے پانی کم ہونے کے ساتھ ساتھ، بدر کے علاقے میں ایک اہم مشکل اور بھی تھی، وہ یہ کہ وہاں کی ریت بہت نرم اور ملائم تھی، ایسے کہ پاؤں نہیں ٹھہرتا تھا۔اس رات بارش ہوگئی اور مسلمانوں کے حوصلے بہت بلند ہو گئے،

ان کے پاؤں کے نیچے زمین سخت ہوگئی۔

البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ ثبات قدم سے مراد استقامت، ثابت قدمی اور پائیداری ہو، نہ کہ بارش والی زمین پر ان کے پاؤں کا جمنا۔ جبکہ دونوں احتمال اکٹھے بھی تصور کیے جاسکتے ہیں۔

☆ ''پلیدی سے پاک ہونے'' سے مراد ہوسکتا ہے کہ شیطانی وسوسوں سے نجات ہو، یا ظاہری جسمانی نجاست جنابت سے پاک ہونا بھی ہوسکتا ہے۔ بہرحال مسلمانوں کی شدید پریشانی کے عالم میں بارش برسنے سے اس طرح کی تمام مشکلات دور ہو گئیں۔ (تفسیر نمونہ)

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: بارش کا پانی پیا کرو کیونکہ اس سے بہت سے بیماریاں دور ہوتی ہیں، آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: یُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ ۔ (کافی، ج ۶ ص ۳۸۷)

پیغام:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مدد کے ساتھ انسان کثیر تعداد مسلح دشمن کی موجودگی میں بھی سکون و آرام کی نیند سو سکتا ہے۔ اگر وہ نہ چاہے تو بہترین باغات میں بھی نہ نیند آسکتی ہے اور نہ قرار مل سکتا ہے۔ ''اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ''

۲۔ بعض اوقات جنگ میں ہلکی سی نیند بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہوتی ہے کہ اس سے ایک تو تھکاوٹ دور ہوجاتی ہے اور ساتھ ہی دشمن کو شب خون مارنے کا موقع بھی نہیں مل پاتا۔ ''النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ''

۳۔ ظاہری پاکیزگی ''لِّيُطَهِّرَكُمْ'' باطنی طہارت ''يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ'' ہر ایک کی اپنی جگہ اہمیت ہے، لیکن سب سے اچھا یہ ہے کہ دونوں صفات ایک جگہ موجود ہوں۔

۴۔ ایک مسلمان مجاہد سے خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے وہ پاکیزگی رکھتا ہو، اس کا حوصلہ بلند ہو، وہ مضبوط اور ثابت قدم ہو۔ ''لِّيُطَهِّرَكُمْ ۔۔۔ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ''

۵۔ اگر ایمان اور صبر ہو تو خداوند متعال طبیعی اسباب کو انسان کے اختیار میں دے دیتا ہے اور تمام عوامل و اسباب کو اس کے فائدے میں قرار دیتا ہے۔ ''يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً''

۶۔ محاذ جنگ پر طبیعی طور پر پیدا ہونے والے اسباب جیسے ہوا، بارش یا نیند کو اتفاقی نہیں سمجھنا چاہیے۔ ''يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ''

آیت نمبر ۱۲

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ﴿۱۲﴾

ترجمۃ الآیات

وہ وقت (یاد کرو) جب تیرے پروردگار نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، جو لوگ ایمان لائے، انہیں ثابت قدم رکھو۔ میں جلد ہی کافروں کے دلوں میں خوف اور دہشت ڈال دوں گا۔ پس تم (دشمنوں کے سروں) گردنوں پر ضربیں لگاؤ اور ان کے ہاتھوں کی انگلیوں کو کاٹ ڈالو۔ (تاکہ ہتھیار نہ اٹھا سکیں۔) (۱۲)

نکات:

☆ "بَنَانٍ" جمع ہے "بنانۃ" کی، جس کے معنی ہیں: ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے سرے یا خود انگلیاں۔

☆ کافروں کے سر اور گردن پر ضرب لگانے، ان کے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کو کاٹنے سے دشمن اسلحہ اٹھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ شاید یہاں جنگی حکمت عملی سکھائی جا رہی ہو اور اس سے مراد یہ ہو کہ اگر دشمن پیدل ہے تو اُس کے سر کو نشانہ بناؤ اور اگر سوار ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں کو نشانہ بناؤ۔ (تفسیر نمونہ)

☆ شاید "فَوْقَ الْاَعْنَاقِ" سے مراد کافروں کے سردار اور اہم افراد ہوں، جیسے سورت توبہ کی آیت ۱۲ میں ہے: "فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ" "دشمن کے سرداروں اور راہبروں پر وار کرو۔ (تفسیر فرقان)

☆ جنگ بدر میں الٰہی امداد کے ذریعے کفر کے لشکر پر رعب اور دہشت طاری ہو چکی تھی چنانچہ لشکر اسلام کے خفیہ نمائندوں نے دشمن کے خیموں کی رپورٹ یوں دی کہ دشمن تمام تر امکانات اور جنگی ساز و سامان رکھنے کے باوجود بہت زیادہ ڈر کا شکار ہو چکا ہے۔ دوسری طرف اسلام کا چھوٹا سا لشکر، امکانات کے نہ ہونے اور نفری کم ہونے کے باوجود بہت بلند حوصلہ ہو چکا تھا اسی وجہ سے پیغمبر اکرمؐ نے پہلے انہیں صلح کی پیش کش کی اور ان کے درمیان اپنا ایک نمائندہ بھیجا، ہر چند بعض افراد اس پیش کش

سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ ابو جہل نے اس پیش کش کو قبول نہ کیا اور جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔

پیغام:

۱۔ پروردگار عالم مومنین کی ہدایت وحمایت بعض اوقات فرشتوں کے ذریعے انجام دیتا ہے۔ ''اِذۡ يُوۡحِىۡ رَبُّكَ اِلَى الۡمَلٰٓـئِكَةِ۔۔۔''

۲۔فرشتوں کے پاس خود سے کوئی قدرت وطاقت نہیں ہوتی بلکہ خدا تعالٰی کی حمایت اور لطف سے انہیں قدرت حاصل ہوتی ہے۔ ''اِذۡ يُوۡحِىۡ رَبُّكَ اِلَى الۡمَلٰٓـئِكَةِ اَنِّىۡ مَعَكُمۡ فَثَبِّتُوا''

۳۔خدا تعالٰی نے استقامت اور پائیداری کے لیے تشویق وترغیب کا کام فرشتوں کے ذریعہ قرار دیا ہے، لیکن کافروں کے دلوں میں رعب ووحشت کا کام اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ ''فَثَبِّتُوا ،سَاُلۡقِىۡ''

۴۔خداوند عالم اہل ایمان پر سکون واطمینان نازل فرماتا ہے جبکہ کفار کے دلوں میں رعب ڈال کر انہیں وحشت زدہ کر دیتا ہے۔ ''اِذۡ يُوۡحِىۡ۔۔۔فَثَبِّتُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ سَاُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡبَ''

۵۔دل خدا کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور ان کا سکون یا اضطراب بھی اسی کی طرف سے ہوتا ہے۔ ''اِذۡ يُوۡحِىۡ رَبُّكَ۔۔۔فَثَبِّتُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ سَاُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡبَ''

۶۔جنگ بدر میں کافروں کی شکست کے عوامل میں سے ان کے دلوں پر طاری ہونے والا رعب اور وحشت اہم عامل تھا۔ ''سَاُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡبَ''

۷۔انسان کے اعتقادات اور نظریات اس کی تقدیر میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، حتی خدا کی رحمت کے حصول اور عذاب کے وصول کا مؤثر ذریعہ بھی ہوتے ہیں۔ ''فَثَبِّتُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ سَاُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡبَ''

۸۔توانائی اور وسائل وذرائع ہی آرام وسکون کا باعث نہیں ہوتے۔ (جنگ بدر میں مسلمانوں کو عددی قلت کے باوجود آرام وسکون نصیب ہوا جبکہ دشمن کثیر تعداد میں اور ہر طرح سے منظم ہونے کے باوجود غمناک اور مرعوب ہو گیا۔ ''اَمَنَةً مِّنۡهُ۔الرُّعۡبَ''

۹۔میدان جنگ میں اپنی رزمی توانائیوں سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ، اور حساس مقامات پر ضربیں لگاؤ۔ ''فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ وَاضۡرِبُوۡا مِنۡهُمۡ كُلَّ بَنَانٍ ؕ﴿۱۲﴾''

آیت نمبر ۱۳ ۔ ۱۴

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

ترجمۃ الآیات

(دشمن کے سروں اور انگلیوں کے پوروں پر مارنے کا) یہ حکم اس لیے تھا کہ انہوں نے خدا اور اس کے رسول کے مقابلے میں سرکشی کا مظاہرہ کیا تھا، اور جو شخص خدا اور اس کے پیغمبر کے ساتھ الجھتا اور ان کی مخالفت کرتا ہے تو یقیناً خدا بھی سخت عذاب دینے والا ہے۔ (۱۳)

یہ ہے (دنیا میں ہماری سزا) پس چکھو اور (جان لو) کافروں کے لیے تو (جہنم کی) آگ کی سزا (آمادہ) ہے۔ (۱۴)

پیغام:

۱۔ خدا کا قہر و غضب، سرکش عناصر کی سرکشی کا نتیجہ ہوتا ہے کسی پر بلا وجہ عذاب نازل نہیں ہوتا۔ ''ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ ---''

۲۔ رسول خدا کی مخالفت، خدا تعالی کی مخالفت ہے۔ ''شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ''

۳۔ خداوند عالم کا ازل سے یہی شیوہ چلا آ رہا ہے کہ جو بھی حق کے ساتھ الجھے گا، نیست و نابود ہو جائے گا۔ ''وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ ---فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾''

۴۔ کفار دنیا میں بھی خدائی انتقام و ہلاکت کا شکار ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی عذاب الہی میں جکڑے جائیں گے۔ ''فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا ۔لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾''

۵۔ دنیاوی عذاب خواہ کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں اخروی عذاب کی نسبت صرف ایک جھلک ہے ''ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾''

آیت نمبر ۱۵

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا زَحۡفًا فَلَا تُوَلُّوۡهُمُ الۡاَدۡبَارَ ﴿۱۵﴾

ترجمۃ الآیات

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو! جب کافروں کی کثیر تعداد (میں لشکر کشی) کا سامنا کرو تو ان سے پشت نہ پھیرو۔ (۱۵)

نکات:

☆ ''زَحۡفًا'' کے معنی ہیں گھٹنوں یا سر کے بل زمین پر گھسیٹنا، ایک انبوہ اور جرار لشکر کی حرکت کو اس لیے ''زحف'' کہتے ہیں کہ وہ دور سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر گھسیٹتا چلا آ رہا ہے۔

☆ امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام نے فرمایا: ''جہاد سے فرار، دین کی اہانت ہے، حق کے راہبر کو کمزور کرنا ہے، دشمن کے جری ہونے کا باعث ہے اور مذہب کے مٹ جانے کا موجب ہے۔'' (تفسیر نور الثقلین)

☆ حضرت علی علیہ السلام کے فضائل میں ہے کہ ''تمام عمر انہوں نے ایک مرتبہ بھی کسی محاذ سے راہ فرار اختیار نہ کیا۔'' (تفاسیر نمونہ اور نور الثقلین)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: پسندیدہ ترین موت، شہادت ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں فرزند ابو طالب کی جان ہے، تلوار کے ساتھ ہزار ضربت کے ساتھ قتل ہونا میرے لیے بستر پر موت سے زیادہ بہتر ہے۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۲۱)

پیغام:

۱۔ مومنین سے پروردگار عالم کو خصوصی توقع ہے۔ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا ۔۔۔''

۲۔ دشمن کی تعداد کا زیادہ ہونا، محاذ سے فرار کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ ''اِذَا لَقِیۡتُمُ ۔۔۔ زَحۡفًا فَلَا تُوَلُّوۡهُمُ''

۳۔ لڑائی کے دوران جنگ سے فرار کر جانا جائز نہیں ہے۔ ''اِذَا لَقِیۡتُمُ ۔۔۔ فَلَا تُوَلُّوۡهُمُ''

(البتہ فرار وہاں ممنوع ہے جہاں دونوں فریق آمادگی کے ساتھ جنگ کیلئے میدان میں اترے ہوں۔لیکن اگر مسلح دشمن غافلگیر کر کے شب خون مارے اور مسلمان آمادگی نہ رکھتے ہوں، ایسی صورت میں عقب نشینی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔)(تفسیر فرقان)

۴۔اسلامی جنگیں مکتب اور مذہب کے لیے لڑی جاتی ہیں جن کا استعمار اور ہوا و ہوس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔''الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا۔۔۔الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا''

آیت نمبر ۱۶

وَمَنۡ يُّوَلِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوۡ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدۡ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاۡوٰهُ جَهَنَّمُ‌ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ‏ ﴿۱۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان لوگوں کے علاوہ جو جنگی ساز و سامان کے لیے دوبارہ واپس جاتے ہیں یا جو لوگ دوسرے گروہ کی مدد کو جاتے ہیں کوئی اور شخص جنگ کے دن دشمن کو پیٹھ دکھائے گا تو وہ خداوند عالم کے غیظ و غضب کا شکار ہو جائے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور جہنم بہت بری جگہ ہے۔(۱۶)

نکات:

☆''مُتَحَرِّفًا'' کے معنی ہیں تکنیکی بنیادوں پر دشمن کو زچ کر کے اور دھوکہ دے کر اس کو کاری ضرب لگانے کے لیے خود کو ایک طرف کر لینا۔

''مُتَحَيِّزًا'' سے مراد ہے کہ جب مجاہد کو تنہائی اور دشمن سے مقابلے کی ناتوانی کا احساس ہونے لگے تو اس وقت دوسرے مجاہد گروہ کے ساتھ جا ملنا اور اس کے پہلو بہ پہلو دشمن کی طرف آگے بڑھنا۔

☆''بَآءَ بِغَضَبٍ'' کے معنی ہیں ہموار کرنا اور غیظ و غضب کو برداشت کرنا۔

☆آیت میں بتایا گیا ہے کہ میدان جنگ سے بھاگ جانا حرام ہے، سوائے دو موقعوں کے:

ایک تو جنگی تکنیک ''مُتَحَرِّفًا'' کے تحت ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ پر جاگزین ہونا،

اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ اپنی جگہ سے فرار کر کے مسلمانوں کے دوسرے گروہ سے جا ملنا اور وہاں سے دشمن پر یکبارگی حملہ کرنا۔ ''مُتَحَيِّزًا''

البتہ تفسیر کی بعض دوسری کتابوں میں کچھ اور مواقع بھی ذکر ہوئے ہیں، مثلاً مسلمانوں تک اطلاع پہنچانے کے لیے فرار کرنا یا موجودہ مورچے سے زیادہ اہم کسی اور مورچے کی حفاظت کرنے کے لیے دوڑ لگانا۔ (تفسیر فی ظلال القرآن) لیکن یہ سب پہلی والی بات کے مختلف مصادیق ہیں۔

☆ محاذ سے فرار کرنے والوں پر خدا کا غیظ وغضب ہوتا ہے۔ ''وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ . . . فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ'' یہ وہ لوگ ہیں جن سے دوری اختیار کرنے کیلئے ہر نماز میں دعا کی جاتی ہے۔ ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' البتہ یہ گناہ قابل توبہ اور قابل بخشش ہے۔ دلیل یہ آیت ہے۔ ''اِنَّ الَّذِيْنَ...... عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ''

پیغام:

۱۔ میدان جنگ سے فرار گناہ کبیرہ ہے اور خدا نے اس پر اپنے قہر وغضب اور عذاب کا وعدہ کیا ہے۔ ''وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ . . . فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ''

۲۔ تکنیکی بنیادوں پر پیچھے ہٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ''مُتَحَرِّفًا''

۳۔ جنگ میں دشمن کو دھوکہ وفریب دینا جائز ہے۔ ''مُتَحَرِّفًا''

۴۔ جس طرح صرف محاذ جنگ پر چلے جانا ہی اہم نہیں ہے بلکہ وہاں سے فرار نہ کرنا بھی اہم ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ میدان جنگ میں تو چلے جاتے ہیں لیکن پھر وہاں سے بھاگ کر، جہنمی ہو جاتے ہیں۔ ''وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ . . . مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ''

۵۔ فتح وکامرانی خداتعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن فوجی فنون اور تکنیک اور جنگی حکمت عملی بھی ضروری ہوتی ہے۔ ''مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا''

۶۔ جہاد سے فرار کرنے والوں کی جگہ اور اللہ کے غیظ وغضب کا شکار ہونے والوں کی جگہ جہنم ہے۔ ''مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ'' (حقیقت میں جو کوئی جہاد سے فرار کرتا ہے، وہ کسی امن والی جگہ اور پناہ گاہ کی تلاش میں ہوتا ہے جبکہ اس کے لیے سوائے جہنم کے کوئی پناہ گاہ باقی نہیں بچتی۔)

۷۔ جنگ کے میدان سے فرار دنیا میں ذلت کا ''بَآءَ بِغَضَبٍ'' اور آخرت میں عذاب کا موجب ہوتا ہے۔ ''مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ'' فراریوں کیلئے بری عاقبت ان کا انتظار کر رہی ہوتی ہے۔ ''بِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑯''

۸۔ تفتیش وتحقیق میں کوئی فیصلہ جلد بازی کی بنیاد پر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ظاہری عمل میں تبدیلی کسی حکمت

عملی کا نتیجہ ہو۔ ''مُتَحَرِّفًا''

آیت نمبر ۱۷

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

ترجمۃ الآیات

یہ تم ہی نہ تھے جنہوں نے انہیں (کفار کو اپنی طاقت کے ساتھ) قتل کیا ہو بلکہ اللہ نے انہیں (غیبی امداد کے ساتھ) قتل کیا ہے۔ اور (اے پیغمبرؐ) یہ تو نہ تھا جس نے تیر پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا تھا (تاکہ کافروں کو مرعوب کرے) اور اللہ چاہتا تھا کہ وہ مومنین کو اچھی طرح آزما لے، یقیناً اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ (۱۷)

نکات:

☆ جنگ بدر کے دن پیغمبر اکرمؐ نے جناب علیؑ سے فرمایا: زمین سے ایک مٹھی بھر خاک اور کنکریاں اٹھائیں اور مجھے دیں۔ علیؑ نے ایسا ہی کیا۔ پیغمبرؐ نے دعا پڑھتے ہوئے انہیں دشمن کی طرف پھینکا، جس کے بعد معجزہ کی صورت میں ایک طوفان برپا ہو گیا، جس کی وجہ سے دشمن کے دل پر عجیب وحشت طاری ہو گئی۔ (تفاسیر المیزان ونمونہ)

یقیناً جنگ بدر کی کامیابی میں اہم ترین عامل الٰہی ارادہ اور غیبی امداد تھی۔ مادی وسائل، قواعد وضوابط اور جنگی حکمت عملی اصلی وجہ نہ تھی کیونکہ ایک ایسا چھوٹا لشکر جس میں صرف ایک یا دو سوار موجود ہوں، کس طرح ایک منظم و آراستہ لشکر، تمام جنگی وسائل سے لیس لشکر پر، جس میں ایک سو گھڑسوار موجود تھے، کامیاب ہو سکتا ہے؟

☆ ''بلاء'' کے معنی آزمائش کے ہیں۔ اگر یہ آزمائش نعمت اور کامیابی کے ساتھ ہو تو اسے ''بلاء حسن'' کہتے ہیں اور اگر یہ آزمائش مصیبت اور سزا کے عنوان سے ہو تو اسے ''بلاء سیء'' کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن بنی اسرائیل کے بارے میں فرماتا ہے: ''وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ'' (اعراف۔ ۱۶۸؛ تفسیر نمونہ)

☆ اگر انسان صحیح اعتقاد کے ساتھ حق کے راستے پر چلے، حکم خدا کے مطابق جد و جہد کرے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے غیبی امداد اس کے شامل حال رہیں گی۔ ''لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ط''، اس طرح اُس کا وجود خدائی وجود بن جائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ خداوند متعال فرماتا ہے: جو بندہ نوافل اور مستحب امور کو انجام دے تو وہ مقام قرب میں یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کا ہاتھ میرا ہاتھ ہو جاتا ہے، اس کا کان میرا کان ہو جاتا ہے اور اس کے تمام اعضاء و جوارح خدائی ہو جاتے ہیں۔ جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ''انه ليتقرب الى بالنافلة حتى أُحبه فاذا احببته كنتُ سمعه الذى يسمع به و بصره الذى يبصر به و لسانه الذى ينطق به و يده الذى يبطش بها ان دعانى اجبته و ان سالنى اعطيته۔۔۔'' (کافی، ج ۲، ص ۳۵۲)

ایسا مطیع بندہ جو بھی کام انجام دیتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ''وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج''

دوسری طرف اگر کوئی شخص غیر الٰہی راستے پر چلے اور غیروں کے مطابق اعمال انجام دے تو حقیقت میں اس کے اندر ایک شیطانی وجود بن جاتا ہے۔ چنانچہ جنگ جمل میں امیر المومنین علیؑ کی سپاہ کے مقابلے میں ایک شخصیت نے پیغمبر اکرمؐ کی نقل کرتے ہوئے ایک مٹھی خاک اٹھائی اور سپاہ علیؑ کی طرف پھینکتے ہوئے دعا کی۔ اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: یہ شیطان تھا کہ جس نے ایسا کیا۔ ''وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج'' (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۲۵۷)

پیغام:

۱۔ جنگ میں کامیابی تمہارے غرور و تکبر کی وجہ نہ بن جائے، خدا تعالیٰ اور اس کی امداد کو بھول نہ جانا۔ ''فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ص۔۔۔''

۲۔ انسان اپنے کاموں میں خدا تعالیٰ کے ارادے سے باہر نہیں ہے اور نہ ہی وہ مجبور ہے۔ کام، چونکہ انسان کے اپنے اختیار کے ساتھ انجام پاتے ہیں لہذا اُسی سے اس کی نسبت دی جاتی ہے لیکن دوسری طرف چونکہ یہ کام خدا کی دی ہوئی طاقت اور اثر خداوندی کی وجہ سے انجام پا رہا ہوتا ہے اور وہی اس کا حوصلہ اور قوت عطا کرتا ہے، لہذا یہ کام خدا کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ ''مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج''

۳۔ غیبی امداد کے آنے میں پیغمبر اور راہبر کا وجود اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ''وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ۔۔۔''

۴۔ جنگ و جہاد، آزمائش الٰہی کا ذریعہ ہیں تاکہ سچے مومنین، سست ایمان اور بے ایمان افراد سے الگ ہو جائیں۔ ''بَلَآءً حَسَنًا ط''

۵۔ الٰہی امداد اور مومنوں کی کامیابی اور دشمنوں کی شکست اتفاقی اور بغیر حساب کتاب کے نہ تھی، بلکہ خدا کے علم اور

ارادہ سے تھی۔ ''اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑰ ''

آیت نمبر ۱۸

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ⑱

ترجمۃ الآیات

یہ (دشمن کی شکست اور تمہاری کامیابی، خدا کا لطف تھا) اور (جان لو کہ) خدا تعالیٰ یقیناً کافروں کی چالوں کو ناکام کردینے والا ہے۔ (۱۸)

نکات:

☆ ''ذٰلِكُمْ'' جنگ بدر میں موجود مسلمانوں اور کافروں کی حالت کی طرف اشارہ ہے اور آسمان وزمین سے آنے والی الٰہی امداد نیز دشمن کی شکست کو یاد دلاتا ہے، گویا یوں کہا جارہا ہے: ''ذلکم لطف اللہ علیکم''

☆ دشمن کے دل میں رعب پڑنا، ان کے رازوں کا فاش ہونا، ان کے درمیان تفرقہ پیدا ہوجانا، طوفان اور رعد وبرق کا انہیں اپنی لپیٹ میں لے لینا، دشمن کے تمام نقشوں کی ناکامی کی دلیل تھی۔

پیغام:

۱۔ دشمنوں کی طرف سے مومنین کے خلاف بننے والے منصوبوں کو خدا تعالیٰ خاک میں ملا دیتا ہے۔ ''اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ⑱ ''

(اگر ایمان والی زندگی کی حفاظت کی جائے تو خداوند متعال ہمارے خلاف خفیہ طور پر بنائے جانے والے دشمن کے منصوبوں کو بھی خنثی کر دیتا ہے اور انہیں تباہ وبرباد کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اپنے دور میں طبس کا واقعہ دیکھا ہے، ہم خواب کی حالت میں تھے اور اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔)

۲۔ الٰہی حمایت کے حصول کیلئے ایمان لازمی شرط ہے جبکہ کفر، انسان کیلئے سستی اور نابودی کا موجب ہے۔ ''ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ⑱ ''

۳۔ ہر حال میں خداوند متعال پر توکل کرنا چاہیے اور دشمنوں سے اور ان کی سازشوں سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ ''اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ⑱ ''

آیت نمبر ۱۹

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩﴾

ترجمۃ الآیات

اگر تم (کافرلوگ اسلام کی) فتح وکامرانی کے انتظار میں ہو تو وہ فتح تمہاری طرف آئی ہے (اور اسلام کی حقانیت آشکار ہوگئی ہے) اور اگر تم (مخالفت سے) اجتناب کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور اگر تم (اپنے کفر وعناد کی طرف) لوٹ آؤ تو ہم بھی (اپنے قہر وغضب کی طرف) پلٹ آئیں گے اور تمہاری جمعیت چاہے کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ تمہارے کچھ کام نہیں آسکتی کیونکہ اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔ (۱۹)

نکات:

☆اس آیت میں مخاطب کون ہے؟ اس بارے میں دو احتمال ہیں:

ایک یہ کہ اس کے مخاطب جنگ بدر میں شکست خوردہ کفار ہیں۔

دوسرا یہ کہ اس کے مخاطب وہ مسلمان ہیں جو جنگی غنائم پر جھگڑا کر رہے تھے۔

پہلے احتمال کی تائید میں اس آیت سے قبل کی آیات اور اس آیت کے درمیان رابطہ موجود ہے، ''اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٨﴾ '' وہی وہ لوگ تھے جو ''فئة کثیرة '' زیادہ تعداد میں تھے، وہی وہ لوگ تھے جو پہلے سے کفر پر تھے اور غضب کا شکار تھے، اس آیت میں فرمایا: ''وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ ''

اسی طرح مشرکین کا سردار ابوجہل جب جنگ کیلئے مکہ سے باہر آیا تو کعبہ کا پردہ پکڑ کر بولا: خدایا! ان دو گروہوں میں سے ہدایت یافتہ گروہ کو کامیابی عطا فرما۔ (تفسیر مجمع البیان) وہ اپنی کامیابی کیلئے بہت پر امید تھا لیکن بالآخر شکست کھا گیا۔

خطاب اگر مسلمانوں سے ہو تو ان کیلئے آگاہی اور خبردار کرنا ہے کہ فتح کے بعد جھگڑے اور اعتراضات میں نہ پڑنا۔

اگر اعتراضات اور (جنگ اور تقسیم غنائم سے) پہلے والی لڑائیوں کو جاری رکھا تو لطف الٰہی ان سے دور رہے گا اور وہ دشمنوں کے سامنے چھوڑ دیے جائیں گے اور وہ شکست سے دو چار ہو جائیں گے۔ (البتہ پہلے والے معنی زیادہ مناسب ہیں۔)

پیغام:

۱۔ انسان کی بہتری و بھلائی، گمراہی سے دوری اختیار کرنے اور خدا اور رسول سے مقابلہ نہ کرنے میں ہے۔ ''اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ''

۲۔ اللہ کا قہر و غضب یا لطف و کرم ہمارے اپنے انتخاب اور کارناموں سے وابستہ ہے۔ ''اِنْ تَنْتَهُوْا ۔۔۔ اِنْ تَعُوْدُوْا''

۳۔ خداوند عالم نے اتمام حجت کر دی ہے اور ہر قسم کے حیلے بہانوں کے رستے بند کر دیئے ہیں۔ ''اِنْ تَنْتَهُوْا ۔۔۔ اِنْ تَعُوْدُوْا''

۴۔ تشویق و ترغیب اور تنبیہ و انتباہ کو ساتھ ساتھ ہونا چاہیے۔ ''خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ''

۵۔ خلاف ورزیوں کا تدارک کرنا چاہیے اور بات دو ٹوک کرنی چاہیے۔ ''اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ'' ہمیشہ معاف کرنا اور درگذر نہیں کرنا چاہیے۔

۶۔ خداوند متعال کے قہر و غضب کے آگے عددی برتری، افرادی کثرت کا کوئی بس نہیں چل سکتا۔ ''لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ''

۷۔ خداوند متعال کے ساتھ اور مدد کیلئے ایمان ضروری شرط ہے۔ ''اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑲''

آیت نمبر ۲۰۔۲۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۚ ⑳

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ㉑

ترجمۃ الآیات

اے صاحبان ایمان ! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جب اس کی باتیں سنو تو (ان سے) روگردانی نہ کرو۔(۲۰)

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو کہتے تھے ہم نے سنا ہے لیکن در حقیقت وہ سنتے نہ تھے۔(۲۱)

نکات:

☆ پورے قرآن میں جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم ہے وہاں اس کے رسول کی اطاعت کا حکم بھی مذکور ہے اور گیارہ مقامات پر ''اتَّقُوا اللهَ'' کے بعد ''اَطِيْعُوْنِ'' کا جملہ مذکور ہے، یعنی الٰہی تقویٰ کیلئے ضروری ہے کہ اس کے رسول کی اطاعت کی جائے۔

☆ اس کے باوجود کہ خدا اور رسول دونوں کی اطاعت ضروری ہے لیکن اس آیت میں صرف رسول کے حکم کی نافرمانی سے منع کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کیلئے خدا کی نہیں بلکہ رسول کی اطاعت مشکل تھی اور وہ بھی خصوصی طور پر جنگ بدر میں اور فوجی مسائل کے بارے میں آنحضرتؐ کے فرامین کی اتباع زیادہ مشکل تھی۔

☆ بعد والی آیت کو دیکھتے ہوئے یہاں ''وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ⁦۝٢٠⁩'' میں پیغمبر اکرمؐ کے ارشادات کو سننے سے مراد آپؐ کے ارشادات کو سمجھنا اور ان کی حقیقت کو درک کرنا ہے۔

پیغام:

۱۔ مومنین بھی خدا و رسول کی نافرمانی کر سکتے ہیں لہذا انہیں خبردار کرنے کی ضرورت ہے۔ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا۔۔۔''

۲۔ پیغمبر کی نافرمانی اصل میں خدا کی نافرمانی ہے۔ ''وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ'' فرمایا گیا ہے، ''عنهما'' نہیں فرمایا گیا۔ (اس لیے کہ خدا اور رسول کے احکام کی حقیقت ایک ہی ہے لہذا خدا کی اطاعت کرنا رسول کی اطاعت کرنے کے ذریعے ہی ممکن ہے۔)

۳۔ سننا اور سمجھنا، انسان پر ذمہ داری عائد کر دیتا ہے۔ ''وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ⁦۝٢٠⁩''

۴۔ دور سابق میں خلاف ورزی کرنے والوں کے حالات سننا اور ان سے آگاہ ہونا عبرت کا موجب ہوتا ہے۔ ''وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ۔۔۔''

۵۔ راہبر کی اطاعت صدق دل سے کرو، صرف ''ہم نے سن لیا ہے'' کہہ کر جان نہ چھڑاؤ۔ قائد سے کیے ہوئے

وعدے پورے کرو، عمل کے بغیر ایمان کے دعوے نہ کرو۔ ''وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ﴿۲۱﴾''

آیت نمبر ۲۲

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الۡبُكۡمُ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ﴿۲۲﴾

ترجمة الآيات

زمین پر چلنے والوں میں اللہ کے نزدیک بدترین وہ (جو حق کو سننے کی نسبت) بہرے اور (جو حق کو کہنے کی نسبت) گونگے افراد ہیں جو عقل وفکر نہیں رکھتے۔ (۲۲)

نکات:

☆ ''صُمٌّ'' جمع ہے ''اصم'' کی جس کے معنی ہیں بہرا، اور ''بُكۡمٌ'' جمع ہے ''ابکم'' کی جس کے معنی ہیں گونگا۔ یہاں دونوں لفظ اس بات کا کنایہ ہیں کہ حق بات نہیں سنتے اور حق بیان کرنے کیلئے لب بند کیے بیٹھے ہیں۔

☆ جو لوگ انبیاعلیہم السلام کی الٰہی تربیت کو قبول نہیں کرتے اور نہ ہی حق کے آگے اپنے دل وجان کو جھکاتے ہیں، قرآن کی تعبیر میں انہیں کہیں تو:

الف: مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے: ''فَاِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى'' آپ یقیناً مردوں کو نہیں سنواتے۔ (روم۔ ۵۲)

ب: چوپایوں سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے: ''اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ'' (اعراف۔ ۱۷۹)، ''يَاۡكُلُوۡنَ كَمَا تَاۡكُلُ الۡاَنۡعَامُ'' ایسے کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں۔ (محمد۔ ۱۲)

ج: کبھی چوپایوں سے بھی بدتر کہا گیا ہے جیسے: ''كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ ؕ'' چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ (اعراف۔ ۱۷۹)

د: روئے زمین پر چلنے والوں میں سے بدتر کہا گیا ہے جیسے: ''شَرَّ الدَّوَآبِّ'' (زمین پر) بدترین چلنے والے ہیں۔ (انفال۔ ۲۲)

☆ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: چلنے والوں میں سے بدترین وہ ہیں جو حق کو سمجھتے ہیں، لیکن ہٹ دھرمی کرتے ہوئے اس کا انکار کرتے ہیں۔ (تفسیر درالمنثور)

☆ قیامت میں ایک گروہ اقرار کرے گا کہ وہ حق بات پر کان نہیں دھرا کرتے تھے، یا اس میں غور وفکر نہیں کیا کرتے

تھے اور یہی چیز ان کے جہنمی ہونے کی وجہ بنی۔ ''لَوۡ كُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا كُنَّا فِيۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ⑩ ''اگر ہم کان دھرتے یا ہم غور وفکر کر لیتے تو آج جہنمیوں میں سے نہ ہوتے۔ (ملک۔۱۰)

پیغام:

۱۔ایمان کا دعویٰ کرنے والے اور جو خدا اور رسول کی اطاعت کو ضروری قرار نہیں دیتے، ''وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ㉑ ''ایسے لوگ بدترین چلنے والے ہیں۔ ''اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ''

۲۔انسان کی قدر و قیمت اس وجہ سے ہے کہ وہ عقل سے کام لیتا ہے۔ اگر ایسا نہیں کرتا تو ہر چلنے والے سے بدتر ہو جائے گا۔ ''اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ۔۔۔الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ㉒''

(یقیناً! کان، زبان اور عقل کا ہونا اس وقت فائدہ مند ہے کہ جب ان سے صحیح استفادہ کیا جائے۔ جو کوئی مثلاً اپنی زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتا، وہ گونگوں کی مانند ہے۔)

۳۔جنہوں نے دین کی تعلیمات سے منہ موڑا ہے وہ بے خرد ہیں۔ ''وَلَا تَوَلَّوۡا عَنۡهُ۔۔۔لَا يَعۡقِلُوۡنَ㉒''

آیت نمبر ۲۳

وَلَوۡ عَلِمَ اللّٰهُ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا لَّاَسۡمَعَهُمۡ ؕ وَلَوۡ اَسۡمَعَهُمۡ لَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ㉓

ترجمۃ الآیات

اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو ان کے کانوں تک پہنچاتا (حق بات کو ان دل کے کان تک پہنچاتا)، لیکن (ان کی موجودہ ہٹ دھرمی کی حالت میں) اگر حق ان کے کانوں تک پہنچاتا ہے تو وہ مخالفت کرتے ہیں اور روگرداں ہو جاتے ہیں۔ (دل میں یقین کر لیتے ہیں لیکن ظاہر میں اقرار نہیں کرتے۔) (۲۳)

نکات:

ہٹ دھرم لوگ

☆ ہٹ دھرم لوگ چند قسم کے ہیں:

۱۔ بعض لوگ بالکل بھی حق سننا نہیں چاہتے۔ ''لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ '' (فصلت۔۲۶)

۲۔ بعض لوگ حق سنتے ہیں لیکن اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ''قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ '' (انفال۔۳۱)

۳۔ بعض سنتے ہیں، سمجھتے بھی ہیں لیکن اس میں تحریف کر دیتے ہیں۔ ''يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا '' (نساء۔۴۶)

۴۔ بعض لوگ اپنی شدید وابستگیوں کی وجہ سے، حسد اور سخت دلی کی وجہ سے حق کو پہچان نہیں پاتے۔ ''وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً '' (مائدہ۔۱۳)

پیغام:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے طریقہ ہائے ازلی میں سے ہے کہ وہ اپنا فیض باصلاحیت افراد کو عطا کرتا ہے، ہر وہ شخص جو اپنی لیاقت اور ہمت کے مطابق اپنے اندر حق کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، اسے اسی قدر توفیق دیتا ہے اور لطف کرتا ہے۔ ''وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ''

۲۔ الطاف الٰہی سے استفادہ کرنے کیلئے ہمیں خود کو زمین ہموار کرنا ہوگی۔ ''وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ''

۳۔ صرف آیات کو سیکھ لینا اور یاد کر لینا معیار نہیں ہے، حق کو قبول کرنا اور اس کے سامنے تسلیم ہونا بھی ضروری ہے۔ ''وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا ''

۴۔ خداوند متعال کو کسی کی ہدایت کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں ہے لیکن ہٹ دھرم لوگ خود ہی حق سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ''لَوْ عَلِمَ ۔۔۔ لَّاَسْمَعَهُمْ''

۵۔ انسان کے پاس اختیار کی قوت موجود ہے، وہ چاہے تو حق کی آواز پر لبیک نہ کہے۔ ''وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝۲۳ ''

(یقیناً جو شخص اپنے اندر ہدایت پانے کی صلاحیت کو ختم کر لے پھر وہ پروردگار عالم کے فیض کو بھی قبول نہیں کرتا۔)

آیت نمبر ۲۴

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمۃ الآیات

اے صاحبان ایمان! اللہ اور پیغمبر کی دعوت قبول کرو جب وہ ایسی چیز کی طرف پکارے جو تمہاری زندگی کا سبب ہے اور جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ کہ تم سب اس کے پاس محشور ہو گے۔ (۲۴)

نکات:

☆ حیات کی چند مختلف اقسام ہیں:

۱۔ نباتاتی حیات: ''اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ'' بے شک خدا تعالیٰ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔ (حدید۔ ۱۷)

۲۔ حیوانی حیات: ''لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ'' خداوند مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ (فصلت۔ ۳۹)

۳۔ فکری حیات: ''مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ'' وہ جو مردہ تھا اسے ہم نے زندہ کر دیا۔ (انعام۔ ۱۲۲)

۴۔ ابدی حیات: ''قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۴﴾'' کاش ہم نے اپنی زندگی کیلئے پہلے سے کچھ بھیجا ہوتا۔ (فجر۔ ۲۴)

☆ انبیاء کی دعوت سے جو زندگی وجود میں آتی ہے وہ حیات حیوانی نہیں ہے کیونکہ انبیاء کی دعوت کے بغیر بھی اس قسم کی حیات وجود رکھتی ہے، بلکہ اس سے مراد حیات فکری، عقلی و معنوی، اخلاقی، سماجی حیات ہے، اور بالآخر یہ حیات، تمام شعبہ ہائے زندگی کیلئے ہے۔ البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ حیات کی دعوت سے مراد جہاد کی دعوت ہو۔ (اس وجہ سے کہ آیت جنگ بدر کی آیات کے ساتھ آئی ہے۔)

☆ انسان کی زندگی، ایمان اور صالح اعمال میں ہے، خداوند متعال اور انبیاء نے بھی لوگوں کو اسی زندگی کی طرف

دعوت کی ہے۔ ''دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ '' ان کے فرامین کی اطاعت ایسی پاک وطیب زندگی تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ ایک دوسری جگہ پڑھتے ہیں: ''مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً '' مرد یا عورت میں سے کوئی عمل صالح انجام دے گا اور وہ مومن ہوگا تو پھر ہم اسے پاکیزہ زندگی (دے کر) زندہ کردیں گے۔ (نحل۔ ۹۷)

شیعہ وسنی روایات کے مطابق پاکیزہ زندگی کے مصادیق میں سے ایک یہ ہے کہ انسان، علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور اہل بیت علیہم السلام کی ولایت کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو قبول کرلے۔ (تفسیر فرقان)

☆ خدا کا انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہر جگہ پر حاضر وناظر ہے اور وہ ہر چیز کو اپنے قبضہ قدرت میں لیے ہوئے ہے۔ تمام توفیقات اسی کی طرف سے ہیں، وہ ہم سے ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ عقل وروح کی کارکردگی بھی اسی کے دست قدرت میں ہے۔ اگر اس کا لطف وکرم نہ ہوتا تو ہرگز انسان حق کی سچائی اور باطل کے جھوٹ کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ خدا کا انسان کے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہونے کے مصادیق میں سے ایک محو واثبات کا مسئلہ ہے، یعنی محو کفر اور اثبات ایمان۔ غفلت اور شک کا محو ہو جانا اور تذکر ویقین کا ثابت ہو جانا ہے۔ (تفسیر فرقان)

دوسری جگہ فرمایا: خداوند متعال نہیں چاہتا کہ انسان باطل کو حق دیکھے۔ (بحار، ج ۵، ص ۲۰۵)

مزید فرمایا: کبھی انسان اپنے کان، آنکھ اور زبان وہاتھ کی وجہ سے کسی چیز کو پسند کرتا ہے لیکن جب اسے انجام دیتا ہے تو دل اس کا ساتھ نہیں دیتا، انسان جانتا ہے کہ جس چیز کو وہ چاہ رہا ہے، وہ حق نہیں ہے۔ (تفسیر نور الثقلین) یہ بھی ممکن ہے کہ حائل ہونے سے مراد ''موت'' ہو۔

پیغام:

۱۔ حقیقی ایمان کی شرط، خدا اور رسول کی دعوت کو قبول کرنا ہے۔ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ''

۲۔ خدا اور رسول کی دعوت میں ایک ہی حقیقت پائی جاتی ہے، اس دعوت کی ایک ماہیت ہے۔ ''دَعَاكُمْ'' فرمایا گیا ہے، ''دعوا کم'' نہیں فرمایا۔

۳۔ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے سے حقیقی زندگی ملتی ہے اور ان سے ہٹ کر چلنے سے انسانیت کی موت ہے۔ ''دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ''

۴۔ تمام دینی احکام اور انبیاء کے فرامین حتیٰ جنگ وجہاد کے بارے میں حکم بھی فرد اور معاشرے کیلئے زندگی کا سرمایہ ہے۔ ''دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ''

۵۔جس شخص کا اس بات پر ایمان ہوتا ہے کہ خدا حاضر و ناظر ہے اور وہ ہر چیز پر محیط ہے تو وہ انبیاء کی دعوت کو قبول کرنے سے روگردانی نہیں کرتا۔ ''اسْتَجِيبُوا ۔۔۔ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ''

۶۔جب تک فرصت باقی ہے، حق کو قبول کرلو۔ (اس تفسیر کی بنا پر خدا کا بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہونا، موت سے کنایہ ہے۔) ''اسْتَجِيبُوا ۔۔۔ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ''

۷۔مومن کو اپنے ایمان پر مغرور نہیں ہونا چاہیے اور کافر کے کفر سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ دلوں کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہ ''مقلب القلوب'' ہے۔ ''يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ''

۸۔انسان کے دل میں جو بھی فکر اور خیال آتا ہے، خدا تعالیٰ اس سے آگاہ ہوتا ہے۔ ''يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ''

۹۔پروردگار عالم ہر چیز سے زیادہ انسان سے قریب ہے حتیٰ انسان خود اپنے دل سے اتنا قریب نہیں جتنا وہ اس کے دل سے قریب ہے۔ ''يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ''

۱۰۔ہم سب لوگ چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے قیامت میں محشور ہونگے، لہذا الٰہی مرسلین کو مثبت جواب دیں۔ ''اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ ۔۔۔ اِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾''

۱۱۔توحید اور خدا کی واحدانیت کو قبول نہ کرنے کی کوئی وجہ قابل قبول نہیں ''يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ'' اس لئے کہ توحید ایک فطری امر ہے۔

آیت نمبر ۲۵

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور اس فتنہ سے ڈرو (اور خود کو بچاؤ) جو صرف تمہارے ظالموں کو نہیں پہنچے گا، (بلکہ سب کو گھیر لے گا کیونکہ دوسروں نے ظالموں کے سامنے خاموشی اختیار کی تھی،) اور جان لو کہ اللہ شدید العقاب ہے۔ (۲۵)

نکات:

☆ ''فتنہ'' کے کئی معنی ہیں مثلاً شرک، کفر، بلا، آزمائش عذاب اور شکنجہ وغیرہ، اور اس آیت میں اس کے معنی معاشرتی بلائیں اور مصیبت کے ہیں۔ (تفسیر نمونہ)

☆ سابقہ آیت میں پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے ''حیات طیبہ'' کی دعوت قبول کرنے کا حکم تھا اور اس آیت میں فرماتا ہے: ''اگر تم نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو یاد رکھو ایسے فتنے میں گرفتار کر لیے جاؤ گے جس کی آگ سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

بنا بر این معلوم ہوتا ہے کہ فتنے کا ایک عملی نمونہ پیغمبرؐ کی اطاعت نہ کرنا ہے، اس آیت کا مفہوم اور ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا'' (آل عمران۔ ۱۰۳) کی آیت کا مفہوم ایک جیسا ہے۔ (تفسیر المیزان)

فتنے کا ایک مصداق فساد اور فحاشی ہے اور یہ فساد و فحاشی ایک نظام کی چھت کو گرا دیتے ہیں جس کا نقصان سب کو پہنچتا ہے جیسے بنی امیہ کے حکام کا فساد ہے، کیونکہ جب لوگوں نے پیشوائے حق کی ولایت کا انکار کر دیا تو بنی امیہ کے فساد کی زنجیروں میں صدیوں تک ذلیل و خوار ہو کر جکڑے رہے۔

☆ خاموشی اختیار کرنا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ترک کرنا، فتنے کا موجب ہے اور بڑی سطح پر عذاب کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ پیغمبرؐ نے فرمایا: پروردگار عالم ہرگز بھی تمام لوگوں کو ان میں سے بعض افراد کے گناہوں کی وجہ سے سزا نہیں دے گا، مگر اس وقت جب ان کے درمیان منکرات آشکار ہو جائیں اور دوسرے لوگ اس کا انکار کر سکنے کی استطاعت بھی رکھتے ہوں اور اس کا مقابلہ کر سکنے کی قوت رکھنے کے باوجود خاموشی اختیار کر لیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو پروردگار عالم ان سب (خاص و عام) کو عذاب کرے گا۔ (تفسیر نمونہ)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: اگر گناہ پوشیدہ طور پر انجام پائے تو خدا تعالیٰ عام لوگوں کو عذاب نہیں کرتا، لیکن اگر کچھ لوگ منکرات کو آشکارہ طور پر انجام دیں اور بعض دوسرے لوگ اس کی مذمت نہ کریں تو دونوں گروہ عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔ (تفسیر اثنیٰ عشری)

☆ فتنہ و فساد کے کام جو سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں، ان سے بچنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان ان سب کاموں سے لاتعلق ہو جائے اور گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جائے بلکہ ان حالات میں انسان کو ہوشیار اور متوجہ رہنا چاہیے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: فتنوں میں اونٹ کے بچے کی طرح رہو، جس پر نہ کوئی وزن ڈال سکے اور نہ کوئی اس کا دودھ دھو سکے اور نہ ہی اس سے کسی اور قسم کا کام لیا جا سکے۔'' کن فی الفتنة کابن اللبون، لا ظهر فیرکب و لا ضرع فیحلب'' (نہج البلاغہ، حکمت ۱)

☆ اس آیت کے نزول کے وقت پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: میرے بعد جو کوئی علیؑ کی جانشینی کے بارے ظلم کرے،'' فکانما جحد نبوتی و نبوة الانبیاء قبلی '' گویا اس نے میری رسالت اور پہلے والے تمام انبیاء کی نبوت کا انکار کر دیا ہے۔ (تفسیر فرقان)

پیغام:

۱۔ دین کی مخالفت اور الٰہی احکام سے انکار، فتنہ کے ظاہر ہونے اور عذاب الٰہی کے نازل ہونے کا موجب بنتا ہے۔'' دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ ---وَاتَّقُوا فِتْنَةً---''

۲۔ نہ تو خود فتنہ برپا کرو، نہ دوسرے فتنہ پرور لوگوں کی ہاں میں ہاں ملاؤ اور نہ ہی ان کی فتنہ پردازیوں پر خاموشی اختیار کرو۔''وَاتَّقُوا فِتْنَةً''

۳۔ باایمان معاشرہ کے افراد اپنے کاموں کے علاوہ دوسروں کے کاموں پر بھی نظر رکھیں، کیونکہ خلاف ورزی کے مضر اثرات سب کو اپنی لپیٹ میں لے سکتے ہیں۔ جس طرح کہ کشتی کے پیندے میں سوراخ کر دینے سے اس میں سوار تمام افراد ڈوب سکتے ہیں۔''وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۖ''

۴۔ عذاب الٰہی کی شدت اور سختی پر توجہ کرنے سے ظلم اور گناہ سے دوری کے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔''وَاتَّقُوا فِتْنَةً ---اَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴿۲۵﴾''

۵۔ انسان اور معاشروں کی تقدیر ان کے اعمال کی بنیاد پر طے ہوتی ہے۔''وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ''

آیت نمبر ۲۶

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴿۲۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور وہ وقت یاد کرو جب تم (مکہ کی) زمین پر ایک مختصر، چھوٹا اور کمزور گروہ تھے، یہاں تک کہ تم ڈرتے تھے کہ کہیں (دشمن) تمہیں اُچک نہ لیں، لیکن اس (خداوند متعال) نے تمہیں (مدینہ میں) پناہ دی، تمہاری مدد کی اور تمہیں پاکیزہ رزق سے بہرہ مند کیا، تاکہ تم اس کی نعمت کا شکر ادا کرو۔(۲۶)

نکات:

☆ ''تَخَطَّفَ'' کے معنی تیزی کرنا اور اُچک لینا، ہیں۔

☆ پیغمبر اکرمؐ کی مدینہ ہجرت سے پہلے مکہ کے مسلمان، مشرکین کی طرف سے مسلسل اذیت، تکلیف اور شکنجہ میں گرفتار تھے، اس لیے پیغمبر اکرمؐ کی ہدایت کے مطابق بعض افراد حبشہ، یمن اور طائف ہجرت کر رہے تھے، کچھ افراد شعب ابی طالب میں پناہ لے رہے تھے، سب پر خوف اور اضطراب کی کیفیت طاری تھی۔ جب مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان کے پاس گھر بار کچھ نہ تھا۔ اصحاب صفہ کے علاوہ زیادہ تر افراد نے مسجد نبوی میں اپنے لیے جگہ مخصوص کر لی تھی۔

پیغمبر اکرمؐ نے جب مدینہ ہجرت فرمائی تو آغاز میں انصار بھی فقر و تنگدستی کا شکار تھے، یہاںتک کہ کھجوروں پر گذر بسر کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ یہودیوں کے معاشی ظلم و ستم کے شکار تھے۔ بعثت کے آخر میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسی طاقت و توانائی عطا فرمائی کہ اہل ذمہ لوگ انہیں جزیہ دینے لگے تھے۔ دوسری طرف مشرکین پر مسلمانوں کے ہاتھوں قتل اور اسیر ہونے کا خوف طاری ہو چکا تھا۔ وہ مسلمانوں کی غلامی اور کنیزی سے ڈرنے لگے تھے۔ کچھ لوگ رضا مندی کے ساتھ یا نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے مال و اموال مسلمانوں کے حوالے کر رہے تھے۔ یہ وہ موقعہ تھا جب خدا تعالیٰ نے انہیں وہ وقت یاد دلایا جب وہ کمزور اور ناتوان تھے تاکہ وہ اپنی موجودہ شان و شوکت اور قائم ہونے والے امن و سکون پر شکر ادا کریں۔ (تفسیر اطیب البیان)

پیغام:

۱۔ ناتوانی اور امداد الٰہی کے ایام کی یاد، فتنوں سے دور رہنے کا موجب ہوتی ہے۔ ''وَاتَّقُوْا فِتْنَۃً۔ وَاذْكُرُوْٓا''

۲۔ ابتدا میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ (''قلیلون'' کی بجائے ''قَلِیْلٌ'' کا لفظ آنا، تعداد کے کم ہونے پر تاکید ہے۔)

۳۔ مدینہ ہجرت سے پہلے مکہ میں مسلمان مسلسل خوف و وحشت کا شکار تھے۔ ''تَخَافُوْنَ'' (فعل مضارع استمرار کی علامت ہے۔)

۴۔ راہ حق میں افرادی قلت، کمزوری اور ناتوانی اور جلاوطنی سے نہیں گھبرانا چاہیے ''وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ'' کیونکہ اللہ کی مدد یقینی ہے۔ ''فَاٰوٰىكُمْ وَاَیَّدَكُمْ''

۵۔ امن ''فَاٰوٰىكُمْ'' جنگی توانائی اور کامیابی ''اَیَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ'' اور معاشی صورت حال میں بہتری ''رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ'' خدا تعالیٰ کی خاص نعمات میں سے ہیں۔

۶۔ کمزوری اور ضعف کے دنوں کی یاد دہانی اور کامیابی کے دنوں کے ساتھ اس کا موازنہ، اس کے ساتھ عشق و محبت اور اس پر توکل کا سبب ہوتا ہے۔ ''وَاذْكُرُوْٓا ۔۔۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۲۶''

۷۔ایمان کے سایہ میں خداوند متعال چھوٹے، کمزور اور ڈرے ہوئے گروہ کو عزت وقدرت وامن عطا کرتا ہے۔
(وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۲۶)

آیت نمبر ۲۷

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۲۷

ترجمۃ الآیات

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور (خیانت کرنے کی) اس صورت میں تم آگاہانہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو گے۔ (۲۷)

نکات:

☆اس آیت کے شان نزول میں شیعہ اور سنی تفسیروں میں مذکور ہے کہ جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق بنی قریظہ کے یہودیوں کا محاصرہ کیا گیا تو اس دوران انہوں نے صلح کی پیش کش کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ اس جگہ کو چھوڑ کر شام چلے جائیں گے، لیکن آنحضرتؐ نے ان کی اس پیشکش کو قبول نہ فرمایا بلکہ اس بارے میں مذاکرات کے لیے سعد بن معاذ کو مامور فرمایا۔

اس وقت ان کے ہمراہ ''ابولبابہ'' نامی ایک مسلمان موجود تھا، اس کی یہودیوں کے ساتھ پرانی دوستی تھی، اس دوران اس نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ سعد بن معاذ کی حکمیت کو قبول کرنے کی صورت میں سب تہ تیغ کر دیے جاؤ گے۔ جبرائیل علیہ السلام نے ابولبابہ کے اس اشارے کی حضرت رسول خداؐ کو خبر دے دی۔ ابولبابہ بہت شرمندہ ہوا کہ اس نے تو بہت بڑی خیانت کی ہے۔ اس نے اس کی پاداش کے طور پر اپنے آپ کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دیا اور سات رات دن تک کچھ نہ کھایا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو قبول فرمایا۔ (تفاسیر مجمع البیان، صافی ونمونہ)

اس آیت کی ایک اور بھی شان نزول بتائی گئی ہے کہ جنگ بدر میں بعض مسلمانوں نے ابوسفیان کو خط لکھا، جس میں انہوں نے حضرت پیغمبر خداؐ کے منصوبوں سے اسے آگاہ کیا۔ جس کی وجہ سے ابوسفیان نے مشرکین مکہ سے مدد طلب کی اور ایک

ہزار آدمی اس کی مدد کے لیے بدر کی جانب چل دیے۔ (تفاسیر مجمع البیان والمیزان)

☆ قرآنی ثقافت میں امانت کا وسیع مفہوم ہے، جس میں انسان کی سیاسی، سماجی، اخلاقی زندگی کے تمام پہلو شامل ہیں: منجملہ

الف: تمام مادی ومعنوی نعمتیں جیسے مکتب، قرآن، راہبر، اولاد، پانی اور مٹی۔

ب: اہل بیت پیغمبر علیہم السلام۔ (ملحقات احقاق الحق، ج ۱۴، ص ۵۶۴)

ج: ہم اپنے لیے خود ہی امانت ہیں، چنانچہ ایک آیت میں پڑھتے ہیں: ''اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ'' بے شک تم خود اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے۔ (بقرہ۔۱۸۷) معاشرہ بھی ہمارے لیے امانت ہے۔

د: انفال، غنائم، خمس، زکوٰۃ اور عمومی اموال۔ (سورۃ انفال کی آیت اور جنگ بدر کا مال غنیمت)

ھ: امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: دین کے احکام، الٰہی واجبات اور فرائض بھی امانت ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

حکومت اور حکومتی ذمہ داریاں

اس بنا پر مذکورہ امانتوں کی نسبت نافرمانی اور اپنے حقوق وفرائض کو ادا نہ کرنا، خیانت ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں: جو کوئی بھی اسلامی احکامات میں سے کسی چیز کو ترک کرے، وہ خدا اور رسول کے ساتھ ایک طرح کی خیانت کا مرتکب ہوا ہے۔ (تفسیر نمونہ)

جیسا کہ صالح افراد کی جگہ غیر صالح افراد کا معاشرتی ذمہ داریوں کے عہدوں پر آجانا بھی خدا، رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت ہے۔

☆ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی امانت میں خیانت کرے، منافق ہے، ہر چند وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: لوگوں کا نماز روزہ تمہیں دھوکہ نہ دے کیونکہ کبھی یہ سب کچھ عادت کی بنا پر ہوتا ہے۔ لوگوں کو سچائی اور امانتداری کے ذریعے آزماؤ اور پہچانو۔ (کافی، ج ۲، ص ۱۰۴)

☆ امانت میں خیانت نہ کرنا، انسانی فرائض اور حقوق میں سے ہے، اس بنا پر حتی غیر مسلم کی امانت میں بھی خیانت نہیں کرنی چاہیے۔

پیغام:

۱۔ باایمان ہونا اور خیانت بھی کرنا، آپس میں ایک جگہ نہیں ہو سکتے۔ ایمان کا لازمہ امانتداری ہے۔ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا''

۲۔ بعض اوقات دشمن کے حق میں ایک اشارہ بھی خیانت میں شمار ہوتا ہے۔ (پہلی شان نزول کو مدنظر رکھتے ہوئے۔)

۳۔ فوجی رازوں کو افشا کرنا بدترین خیانت ہے۔ (دوسری شان نزول کو مدنظر رکھتے ہوئے۔)

۴۔پیغمبرؐ کے ساتھ خیانت، خداوند متعال کے ساتھ خیانت ہے۔"لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ"
("لَا تَخُوْنُوا" خدا اور سول دونوں کیلئے استعمال ہوا ہے، اور دوسرے تمام لوگوں کیلئے تکرار ہوا ہے۔)

۵۔خدا اور سول کے ساتھ خیانت کرنا، اصل میں خود اپنے ساتھ خیانت کرنا ہے، اس کا نقصان بھی خود انسان کی طرف پلٹ کر آتا ہے۔"لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ"
(آیت کے اس معنی کے مطابق جو کہ ظاہر آیت کے ساتھ سازگار ہے"تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ" میں"لَا" کو پوشیدہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی۔)

۶۔لوگوں کی امانت ایسے ہی ہے جیسے ہماری خود اپنی امانت ہو، اس لیے اس میں خیانت اپنے آپ سے خیانت ہے۔"لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ"

۷۔خیانت فطری طور پر بری اور قابل مذمت عادت ہے۔"وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۲۷"

۸۔جان بوجھ کر خیانت کرنا اور بھی خطرناک ہے۔"وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۲۷"(خیانت کی برائی سے بھی آگاہ ہو اور اس کے برے نتائج واثرات سے بھی آگاہ ہو۔)

آیت نمبر ۲۸

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۝۲۸

ترجمۃ الآیات

اور جان لو کہ تمہارے اموال واولاد (تمہارے لیے) آزمائش کا ذریعہ ہیں، اور اللہ کے ہاں (ان کے لیے) اجر عظیم ہے (جو امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں۔) (۲۸)

نکات:

☆ مال اور اولاد کے ساتھ انسان کی محبت، انسان کے لیے بہت سی لغزشوں اور گناہوں کا سبب بن سکتی ہے، جیسے حرام کا کاروبار، دروغ گوئی، ذخیرہ اندوزی، کم فروشی، راہ خدا میں خرچ نہ کرنا خمس وزکوۃ کی عدم ادائیگی، حرص ولالچ تخریب کاری، جھوٹی قسمیں، حقوق الناس کا ضیاع، غرض اس قسم کی کئی دوسری خرابیوں کی اصل جڑ مال کے ساتھ بے تحاشا محبت ہے۔اسی طرح

میدان جنگ سے فرار، افراد خاندان سے جدا نہ ہونا، اسی طرح کی دوسری خامیوں کا اصل سبب مال اور اولاد کے ساتھ محبت ہے۔

پس یہ سب کچھ الٰہی امتحان کے اسباب وعوامل ہیں، جس طرح (سابقہ آیت کی رو سے) ابولبابہ ایک لغزش کا شکار ہو گیا تھا، تو اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اپنے مال اور اولاد کو بچانے کے لیے (اپنے ہی) دشمن کے ساتھ ہمکاری پر آمادہ ہو گیا تھا۔

☆ جنہوں نے مدینہ سے ابوسفیان کو خبر دی تھی کہ مسلمان تجارتی قافلے پر قبضہ کرنے کی خاطر افراد کو اکٹھا کر کے روانہ کر رہے ہیں، یہ ایسے مہاجرین تھے جن کا مال اور ان کے بچے مکہ میں تھے۔ (تفسیر المیزان)

☆ قرآن مجید نے مختلف تعبیرات کے ساتھ مال واولاد کو فتنہ کہتے ہوئے ان سے گہری وابستگی پر خبردار کیا ہے، ان کے ذریعے گمراہ ہونے کے خطرے سے آگاہ کیا ہے، منجملہ:

الف: انسان کے مال اور اولاد میں شیطان کی شرکت: ''شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ'' ان کی دولت اور اولاد میں شریک ہو سکتے ہو، (اسراء۔ ۶۴)

ب: مال ودولت اور اولاد میں اضافہ کی خواہش اور اس کے منفی اثرات: ''تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ'' (حدید۔ ۲۰)

ج: مال اور اولاد کا یاد خدا سے دور رکھنا: ''لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ'' کہیں تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہیں یاد خدا سے غافل نہ کر دے۔ (منافقون۔ ۹)

د: قیامت میں مال اور اولاد کا نجات نہ دلوانا: ''لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ'' ان کا مال اور ان کی اولاد انہیں خدا کے عذاب سے دور نہیں کر سکتے۔ (آل عمران۔ ۱۰)

☆ آیت میں ایسے نکات نظر آتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مال اور اولاد کی آزمائش بہت سخت اور سنجیدہ مسئلہ ہے نیز اس میں کامیاب ہونا انتہائی اہم ہے۔ جیسے:

۱۔ آیت کا آغاز ''وَاعْلَمُوْٓا'' کے ساتھ ہوا ہے جو کہ ایک انتباہ ہے۔

۲۔ ''اَنَّمَآ'' بتا رہا ہے کہ مال واولاد کی آزمائش میں کسی چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے، یہ امر حتمی ہے۔

۳۔ مال اور اولاد کو فتنہ کہا گیا ہے، آزمائش کا ذریعہ نہیں کہا گیا۔ (تفسیر راہنما)

☆ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''لا یقولن احد کم اللھم انی اعوذبك من الفتنة لانه لیس احد الا و هو مشتمل علی فتنة'' کسی کو بھی فتنہ وآزمائش سے دوری نہیں مانگی چاہیے کیونکہ بلا استثنیٰ تمام لوگ اس سے دوچار ہونگے، اس لیے خداوند متعال سے آزمائش کے دوران لغزش اور گمراہی سے دوری کی دعا کرنی چاہیے۔ پھر آپؑ نے الٰہی امتحان کی وجہ اور اس کے فلسفہ کے بارے میں فرمایا: تاکہ راضی اور ناراضی معلوم ہو سکیں، ہر کسی کے اعمال میں سے اس کی سعادت اور شقاوت کے اسباب معلوم ہو سکیں۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۹۳)

پیغام:

۱۔ مال واولاد سے حد سے محبت اور لگاؤ انسان کو خیانت کی طرف لے جاتا ہے۔ ''لَا تَخُوْنُوا ۔۔۔ وَاعْلَمُوْٓا ۔۔۔'' حتیٰ بعض اوقات انسان انسانی ودینی (امانت کے لین دین میں) اصولوں سے بھی ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ (گذشتہ آیت کی شان نزول کو دیکھتے ہوئے۔)

۲۔ ہوسکتا ہے کہ مال اور اولاد دو خوبصورت دھوکہ دینے والے پھندے ہوں۔ ''اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ''

۳۔ دنیا سے دل کو نہ لگانے اور خیانت کو ترک کر دینے کیلئے اہم ترین سبب پروردگار عالم کی طرف سے ملنے والی عظیم جزا ہے۔ ''اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾''

۴۔ مال واولاد میں جتنی بھی کشش ہو، الطاف و پاداش الہٰی کے سامنے ہیچ ہے۔ (''اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ'' کے مقابلے میں ''اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾'' آیا ہے۔)

(اب جب میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں، عاشورہ حسینی کی شب ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے ایک دن میں اپنی ہر چیز کا خدا کے ساتھ معاملہ کرلیا، ایسے دکھ دیکھے کہ ان میں سے ہر ایک الگ اپنی جگہ، انسان کے پاؤں اکھاڑنے کیلئے کافی ہے۔ لیکن جس چیز نے امام علیہ السلام کو ان تمام واقعات میں ثابت قدم رکھا وہ یہ تھا کہ خود کو خدا تعالیٰ کے سامنے ناچیز تصور کر رہے تھے۔ حتیٰ جب ان کے چھ ماہ کے بچے کو ان کے سامنے شہید کر دیا تو فرمایا: صرف یہی کہ خدا اس سے آگاہ ہے میرے لیے کافی ہے۔ حضرت بی بی زینب سلام اللہ علیھا نے عصر عاشورہ جب اپنے بھائی کے پارہ پارہ بدن کو دیکھا تو فرمایا: اس قلیل قربانی کو ہم سے قبول فرما۔ پھر یزید کے دربار میں فرمایا: میں نے جو کچھ کربلا میں دیکھا، خدا کے جمال کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ یقینا دنیا کی کوتاہی اور دنیا کے عارضی ہونے پر ایمان، پروردگار عالم سے ملنے والے عظیم اجر پر ایمان کے ساتھ سخت ترین واقعات کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔)

آیت نمبر ۲۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾

ترجمۃ الآیات

اے صاحبان ایمان! اگر اللہ کے حکم کی مخالفت سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لیے (حق و باطل کو

الگ الگ کرنے کی قوت) فرقان عطا فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائے گا تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ عظیم فضل و بخشش کا مالک ہے۔ (۲۹)

نکات:

☆ حق کو باطل سے الگ پہچاننے کیلئے چند ایک معیارات ہیں: منجملہ

الف: انبیاء اور اولیائے الٰہی۔ جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کو فاروق کہا گیا ہے۔ (تفسیر فرقان) یا ایک حدیث میں ہے کہ ''مَن فارق علیا فقد فارق الله'' جس کسی نے علیؑ کو چھوڑ دیا اس نے اللہ کو چھوڑ دیا۔ (ملحقات احقاق الحق، ج ۴، ص ۲۶)

ب: آسمانی کتاب؛ معاملات کو اس کے مطابق پرکھ کر حق کو باطل سے الگ کیا جا سکتا ہے۔

ج: تقویٰ؛ کیونکہ نفسانی خواہشات، تقویٰ کے بغیر محبت و نفرت، حقائق کو سمجھنے میں رکاوٹ ہیں۔

د: عقل و خرد؛ ان کے بغیر حتیٰ وحی سے بھی تمسک نہیں کیا جا سکتا۔

☆ فرقان، حق کو باطل سے الگ پہچان کرنے کی صلاحیت، خدا تعالیٰ کی دی ہوئی حکمت اور بصیرت ہے، جو اہل تقویٰ افراد کو دی جاتی ہے۔ اس کا علم اور پڑھنے لکھنے نیز معلومات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

☆ تفسیر کبیر فخر رازی کے بقول ''تکفیر سیئات'' دنیا میں پردہ پوشی، اور ''مغفرت'' یعنی آخرت میں قہر الٰہی سے چھٹکارا ہے۔ تفسیر نمونہ کے مطابق '''تکفیر'' سے مراد گناہ کے نفسیاتی اور معاشرتی اثرات کا محو ہونا ہے اور ''مغفرت'' جہنم کے عذاب کی بخشش ہے۔

☆ جو افراد تقویٰ اختیار کریں اور نفسانی خواہشات کو ترک کر دیں تو انہیں حق کو تشخیص کرنے کی قوت عطا کی جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم ایک دوسری آیت میں پڑھتے ہیں: ''اتَّقُوا اللّٰہَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ'' خدا کا تقویٰ اختیار کرو خدا تمہیں علم عطا فرمائے گا، تمہاری یادداشت کو بڑھا دے گا۔ (بقرہ۔ ۲۸۲)

گویا روح ایک آئینہ ہے جس پر پڑی گرد کو تقویٰ صاف کر دیتا ہے اور حق کا نور اس میں منعکس ہوتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: تقویٰ الٰہی، دل کا دارو اور درمان ہے، دل کے اندھے پن کیلئے نور اور بصیرت ہے، بیمار جسم کی شفا اور تمہارے سینوں کی اصلاح ہے، روح کی طہارت ہے، اندرونی خوف کیلئے امن ہے، تاریکیوں کے چھٹنے کا نام ہے۔ ''فان تقوی الله دواء داء قلوبکم و بصر عمی افئدتکم و شفاء مرض اجسادکم و صلاح فساد صدورکم و طهور دنس انفسکم و جلاء عشا ابصارکم و امن فزع جاشکم و ضیاء سواد ظلمتکم ۔۔۔'' (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۸۹)

لالچ و طمع، عقل کی خطا کا سبب بنتے ہیں، حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اکثر مصارع العقول تحت بروق المطامع'' عقل کی خطا، زیادہ تر طمع کی چمک دھمک کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۲۱۹)

حقیقت سرائی است آراستہ
ہوا و ہوس گرد بر خاستہ
نبینی کہ جا کہ برخاست گرد
نبیند نظر ، گرچہ بیناست مرد

حقیقت تو سجی دھجی بیٹھی ہے لیکن ہوا و ہوس کی گرد اس پر پڑ رہی ہے۔ تم نے نہیں دیکھا کہ کہاں سے کس نے یہ گرد اڑائی، آنکھ نہیں دیکھ سکتی اگرچہ انسان دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

پیغام:

۱۔ اگر ہم تقویٰ رکھتے ہوں تو خدا تعالیٰ، مال اور اولاد کی آزمائش میں ہماری مدد فرمائے گا کہ کس طرح ان سے سلوک کریں۔ ''اَمۡوَالُكُمۡ وَاَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ ۙ ---اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّكُمۡ فُرۡقَانًا''

۲۔ انسان کا عمل اس کی فکر میں اثر رکھتا ہے، جو کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے، علم، فطرت عقل اور تجربہ کے علاوہ خدا تعالیٰ اسے خاص قسم کی بصیرت اور پہچان عطا فرماتا ہے۔

(''فُرۡقَانًا'' کا لفظ نکرہ استعمال ہوا ہے تاکہ معلوم ہو سکے اس سے مراد خاص قسم کی بصیرت ہے۔)

۳۔ تقویٰ، صحیح معرفت کا عامل ہے۔ ''فُرۡقَانًا'' اسی سے انسان کی معاشرتی حیثیت اور آبرو قائم رہتی ہے ''يُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ'' اور آخرت میں مغفرت نصیب ہوتی ہے۔ ''يَغۡفِرۡ لَكُمۡ ؕ''

۴۔ پرہیزگاروں کو خصوصی بصیرت عطا ہونا اور ان کے گناہوں کو معاف کر دینا، پروردگار عالم کی طرف سے فضل ہے۔ ''يَجۡعَلۡ لَّكُمۡ فُرۡقَانًا---وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۝۲۹''

آیت نمبر ۳۰

وَاِذۡ يَمۡكُرُ بِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِيُثۡبِتُوۡكَ اَوۡ يَقۡتُلُوۡكَ اَوۡ يُخۡرِجُوۡكَ ؕ وَيَمۡكُرُوۡنَ وَيَمۡكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرُ الۡمٰكِرِيۡنَ ۝۳۰

ترجمة الآيات

اور وہ وقت (یاد کرو) جب کافر تمہارے بارے میں سازش کر رہے تھے کہ تمہیں قید کر لیں یا

تمہیں قتل کر دیں، یا (مکہ سے) نکال دیں۔ وہ سوچ بچار کر رہے تھے (اور لائحہ عمل بنا رہے تھے) اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تو بہترین چارہ جو (اور مدبر) ہے۔ (۳۰)

نکات:

☆ ''مکر'' کے معنی تدبیر، چارہ اندیشی، لائحہ عمل، سوچ بچار ہے۔

☆ اس آیت میں ''لیلۃ المبیت'' (شب ہجرت) اور کفار کے رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے شیطانی منصوبوں کی طرف اشارہ ہے۔ آنحضرتؐ کو جبرائیلؑ کے ذریعہ اس منصوبے کا علم ہوگیا اور آپؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر لٹایا اور خود راتوں رات غار ثور کی طرف چل دیے اور وہاں سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔

ضمناً شب ہجرت جب حضرت علیؑ اپنی جان کو پیغمبر اکرمؐ پر قربان کرنے کیلئے آمادہ ہوگئے تو آیت ''وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ ؕ'' لوگوں میں سے بعض اپنی جان کو اللہ کی مرضی کی خاطر فروخت کر دیتے ہیں۔ (بقرہ ۔۲۰۷) حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ اس آیت کے مطابق آنحضرتؐ کے متعلق تین طرح کے منصوبے کفار کے پیش نظر تھے اور یہ مشرکین کے ''دار الندوہ'' میں ان کے مشترکہ اجلاس میں پیش ہوئے۔ بالآخر دوسری تجویز پاس ہوئی اور طے پایا کہ ہر قبیلے میں سے ایک ایک آدمی لیا جائے اور تمام افراد مل کر آپؐ پر حملہ کر کے آپؐ کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ (نعوذ باللہ) یوں پیغمبرؐ کے لواحقین کسی سے آپؐ کے خون کا بدلہ نہ لے سکیں اور تمام قبائل کے ساتھ جھگڑ پڑیں۔

☆ یہ آیت ممکن ہے کہ اسی سورت کی آیت ۲۷ کے مفہوم کو آگے بڑھاتی ہو، جس میں فرمایا: خدا اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور اگر خیانت کرو گے تو خدا کی تدبیر کے ساتھ رسوا ہو جاؤ گے۔

☆ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ پروردگار عالم ایک چھوٹے ضعیف وجود کے ذریعے اہم ترین امور کو انجام دے یا بڑی سے بڑی سازش کو ان کے ذریعے ختم کر دے۔ آدمؑ کے فرزند ایک کوے سے درس سیکھتے ہیں۔ سلیمانؑ کی موت کا علم چیونٹیوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ بلقیس کو ھدھد کے ذریعے دعوت دی جاتی ہے۔ ابرہہ کے ہاتھی سوار سور ما چھوٹے چھوٹے پرندوں ابابیل کے ذریعے، اور نمرود ایک چھوٹے سے مچھر کے ذریعے نابود ہوگیا۔ کفار مکہ کی سازش ایک مکڑی کے وسیلہ سے خنثیٰ کر دی گئی۔ یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی بے انتہا قدرت کے سامنے انسان کی کمزوری اور ناتوانی کو سمجھانے کیلئے ہے۔

پیغام:

۱۔ الٰہی امداد اور جو خطرات اللہ نے تم سے دور کیے ہیں انہیں خاطر میں لاؤ تا کہ دل کو قوت اور قلب کو سکون حاصل ہو۔ ''وَاِذۡ يَمۡكُرُ بِكَ ...''

۲۔قید، قتل اور جلا وطنی، جباران تاریخ کا قدیم سے شیوہ چلا آ رہا ہے کہ وہ حق کا مقابلہ کرنے کے لیے ایسے حربے ہی اختیار کیا کرتے تھے۔''لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ۔۔۔''

۳۔کفر، انسان کو پیغمبر کشی کی حد تک لے جاتا ہے۔''الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔۔۔يَقْتُلُوْكَ''

۴۔حق بات کے مقابلے میں کوئی دلیل و منطق وجود نہیں رکھتی۔کافر مسئلہ کو حل کرنے اور حق کو قبول کرنے کے بجائے، حق بات کو ختم کرنے اور مردان حق کو مٹانے کے درپے ہوجاتے ہیں۔''الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ۔۔۔''

۵۔کافروں کی مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہمیشہ سے ہیں اور مسلمانوں کیلئے پروردگار عالم کی حمایت بھی دائمی ہے۔''يَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ''

(ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ دشمن اپنے مقاصد کو پالیں، خداوند متعال اپنی تدبیر کے ساتھ ان کی سازشوں کو پلٹ دیتا ہے اور ختم کر دیتا ہے۔)

۶۔جو کوئی حق کے طرفداروں کے خلاف سازشیں کرتا ہے درحقیقت وہ خدا کے مقابلے میں آن کھڑا ہوتا ہے۔''يَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ''

۷۔اللہ تعالی اپنی کتاب اور اپنے دوستوں کا حامی ہوتا ہے اور مکڑی کے جالے سے اشرف المخلوقات کی حفاظت کرتا ہے، تاریخ کی عظیم ترین سازش کو ناکام بناتا ہے اور تاریخ کے دھارے موڑ دیتا ہے۔''وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۳۰''

۸۔جہاں ضروری ہوتا ہے اللہ تعالی اپنے اولیاء کو سازشوں سے آگاہ کر دیتا ہے۔جس سازش کے بارے میں دشمن چاہتا ہے کسی کو اس کا علم نہ ہونے پائے اسے ساری دنیا جان جاتی ہے۔''وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۳۰''

آیت نمبر ۳۱

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۱

ترجمة الآیات

اور جب ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے سنا (کوئی اہم چیز نہیں)۔اگر ہم بھی چاہیں تو ایسی (قرآن جیسی) باتیں کہہ سکتے ہیں۔یہ تو گذرے ہوئے

لوگوں کے افسانوں کے سوا کچھ نہیں۔(۳۱)

نکات:

☆ گذشتہ آیت میں پیغمبر اکرمؐ کو قتل کرنے کے بارے میں کافروں کی طرف سے مسلسل مکر و فریب اور قتل کے منصوبے کی بات ہو رہی تھی اور اس آیت میں دشمن کی طرف سے ان کے مکتب اور قرآن کو سبک کرنے کی گفتگو ہو رہی ہے۔

☆ ''اَسَاطِيْرُ'' جمع ہے ''اسطورہ'' کی، جس کے معنی ہیں خرافاتی اور خیالی قصے، کہانیاں۔ جو کہ پہلے انسانوں کے بارے میں ہیں یا ان کی بنائی ہوئی ہیں۔

☆ نضر بن حارث نے ایران سفر کے دوران رستم اور اسفند یار کے قصے یاد کر لیے تھے، جب وہ حجاز واپس آیا تو لوگوں کو یہ قصے سنایا کرتا تھا، اس نے دعویٰ کیا کہ میں بھی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مانند قصے کہانیاں بیان کر سکتا ہوں۔ (تفاسیر مجمع البیان، روح المعانی، فی ظلال القرآن)

پیغام:

۱۔عوام فریبی، حقارت اور حق کو سبک سمجھنا دشمن کے حربوں میں شامل ہے۔ ''قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ'' لیکن دشمن ڈھول کا پول ہوتے ہیں، وہ بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور عمل میں قرآن جیسی مثال لانے سے عاجز ہیں۔

۲۔دشمن بھی قرآن کی برتری کو قبول کرتے تھے اور تصورات سے بالاتر ہونے کا اعتراف کرتے تھے۔ ''اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴿۳۱﴾''

۳۔قدیم الایام سے مومنین کو قدامت پسند، سنت گرا، رجعت پسند کی تہمتوں سے متہم کیا جاتا رہا ہے۔ ''اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴿۳۱﴾''

آیت نمبر ۳۲

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴿۳۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (مخالفین نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور) انہوں نے کہا:
پروردگارا! اگر یہ (اسلام اور قرآن) حق ہے اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے
پتھروں کی بارش برسا، یا ہمارے لیے دردناک عذاب بھیج۔(۳۲)

نکات:

☆اس قسم کی نفرین یا تو ان کے شدید تعصب اور سخت ہٹ دھرمی کی بنا پر ہوتی ہے جو کہ اپنی راہوں کو حق اور اسلام کو باطل سمجھتے تھے۔ یا پھر عوام کو دھوکہ دینے کے لیے کہ اپنے لیے بددعا کرتے ہیں تاکہ سادہ لوح عوام کو اس بات کا احساس دلائیں کہ اسلام (نعوذ باللہ) باطل ہے۔

جب میدان غدیر خم میں پیغمبر خداؐ نے اللہ کے حکم سے علی ابن ابی طالبؑ کو امامت کے لیے منصوب کر کے ''من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ'' کے ذریعہ اس کا اعلان فرمایا تو نعمان بن حارث جو کہ ایک منافق شخص تھا، آنحضرتؐ کے پاس آکر گستاخانہ لہجے میں کہنے لگا: تو نے ہمیں توحید، نبوت، جہاد، حج اور روزے، نماز اور زکوۃ کا حکم دیا، ہم نے قبول کیا، اب اس جوان کو بھی ہمارے لیے امام مقرر کر دیا؟!! اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ خدا کے حکم سے ہے۔

اس نے سخت غصے میں اپنے لیے بددعا کی اور اس بددعا میں اسی آیت کے الفاظ سے اقتباس کیا۔(الغدیر، ج ۱، ص ۲۳۹۔۲۶۶؛ منقول از ۳۰ علمائے اہلسنت)

ابھی اس نے چند قدم بھی نہ اٹھائے تھے کہ آسمان سے ایک پتھر آیا اور اس کے سر پر لگا، جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد سورت معارج کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔(تفسیر مجمع البیان) ''سئل سائل بعذاب واقع''

پیغام:

۱۔ کبھی کبھی خود کو مقدس ظاہر کرنا اور قسمیں کھانا، مومنین کو دھوکہ دینے کیلئے دشمن حربہ کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ ''اللّٰھُمَّ۔۔''

۲۔ دشمنی اور ضد، انسان کو اپنی نابودی کیلئے بھی راضی کر دیتی ہے۔ ''فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً۔۔۔''

۳۔ پیغمبرؐ کے مخالفین میں سے بعض افراد خدا پر اور کائنات میں اس کی تاثیر اور دعا کے مؤثر ہونے کے بارے میں معتقد تھے۔ ''اللّٰھُمَّ اِنۡ كَانَ۔۔۔ اَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا۔۔۔ اَوِ ائۡتِنَا۔۔۔''

آیت نمبر ۳۳

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۳۳

ترجمة الآيات

لیکن جب تک تم (اے پیغمبرؐ) ان کے درمیان ہو اللہ ان پر عذاب نہیں بھیجے گا، نیز جب تک وہ استغفار کرتے رہیں، اللہ انہیں عذاب نہیں کرے گا۔ (۳۳)

نکات:

☆ بعد والی آیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اس میں کفار مکہ کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں عذاب کی نفی سے مراد پیغمبر گرامی اسلامؐ کے وجود مبارک کی وجہ سے مسلمانوں سے عمومی عذاب اٹھالیا گیا، جس سے سابقہ اقوام دوچار ہوا کرتی تھیں، ورنہ انفرادی طور پر بہت سے افراد خصوصی مواقع پر عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے ہیں۔ جیسے گذشتہ آیت میں نعمان بن حارث کے بارے ذکر آیا۔

☆ احادیث شریفہ میں ہے کہ خداوند عالم بعض پاک دل افراد اور علمائے ربانی کی وجہ سے بھی لوگوں کے سروں سے عذاب کو ٹال دیتا ہے۔ چنانچہ قوم لوط کو قلع قمع کرنے کے واقعہ میں حضرت ابراہیمؑ عذاب پر مامور فرشتوں سے کہتے ہیں: ''ان فیھا لوطا''، یعنی کیا خطے میں ایک خدائی انسان کی موجودگی کے باوجود اس جگہ کو تباہ کردو گے؟ فرشتوں نے کہا: ہم جانتے ہیں کہ جناب لوط وہاں ہیں، اس لیے ان سے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ وہاں سے دور چلے جائیں۔ (عنکبوت ۔ ۳۱ ۔ ۳۲)

حضرت علیؑ نے پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد فرمایا: دو امان میں سے ایک امان ہمارے درمیان سے چلی گئی، اب دوسری امان جو کہ استغفار ہے، اس کی حفاظت کرو۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۸۸)

ایک روایت میں پڑھتے ہیں کہ امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام نے زکریا بن آدم سے فرمایا: قم شہر میں رہو، جس طرح خدا تعالیٰ نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے واسطے سے بغداد والوں سے بلا و عذاب کو ٹال دیا تھا، اسی طرح تمہارے وجود کے واسطے اس شہر سے بلا و مصیبت کو دور فرمائے گا۔ (بحار، ج ۵۷، ص ۲۱۷)

☆ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''میری موت اور زندگی تم لوگوں کیلئے خیر ہے؛ میری زندگی میں خدا تعالیٰ تم سے عذاب کو دور

رکھے گا اور میری موت کے بعد تم لوگوں کے اعمال مجھے پہنچائے جائیں گے، میری استغفار اور بخشش طلب کرنے سے، خیر میں شامل کر لیے جاؤ گے۔''اما فی مماتی فتعرض علی اعمالکم فاستغفر لکم ''(تفسیر نور الثقلین)

☆ نافرمانی اور بعض گناہ انجام دینا، بعض مصائب اور عذاب الٰہی کے نزول کا سبب ہیں۔ ان کا ازالہ کرنے کا ایک ہی طریقہ توبہ واستغفار ہے۔''وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ '' دعائے کمیل میں پڑھتے ہیں:''اللھم اغفر لی الذنوب التی تنزل البلاء ''اے اللہ میرے ایسے گناہ معاف فرما دے جو مصیبتوں کے نزول کا سبب بنتے ہیں۔

خداوند متعال فرماتا ہے:''وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ﴿۱۱۷﴾'' جب تک لوگ اصلاح چاہتے ہیں، اس کیلئے کوشش کرتے ہیں اللہ تعالی انہیں ہلاک نہیں کرتا۔(ہود۔۱۱۷)

پیغام:

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مردان خدا کا وجود گرامی اہل زمین کے لیے امان ہے۔''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ''

۲۔ استغفار، بلاؤں کو روک دیتی ہے۔''وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴿۳۳﴾''(کفر والحاد سے پلٹنا بھی ایک طرح کا استغفار ہے۔)

۳۔ توبہ واستغفار کی خدا تعالی کے ہاں خاص اہمیت ہے جو کہ کسی امت کی تقدیر کو بھی بدل سکتی ہے۔''وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴿۳۳﴾''

آیت نمبر ۳۴

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۳۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور کیوں نہ خدا انہیں عذاب میں مبتلا کرے؟ حالانکہ وہ (لوگوں کو) مسجد الحرام سے روکتے ہیں

جبکہ وہ اس جگہ کے سرپرست بھی نہیں ہیں، متقی اور پرہیزگار لوگوں کے علاوہ کسی اور کو وہاں کی تولیت اور سرپرستی کا حق حاصل نہیں ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ (۳۴)

نکات:

☆ گذشتہ آیت میں یہ بات ہو رہی تھی کہ لوگوں کے درمیان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک اور ان کے پلٹنے وتوبہ اور ان کی استغفار کی وجہ سے قوم عاد وثمود پر نازل ہونے والے عذابوں جیسے آسمانی عذاب اٹھا لیے گئے ہیں اور اس آیت میں ان کو ملنے والے عذاب کی بات ہو رہی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ ہوسکتا ہے کہ اس عذاب سے مراد دنیاوی عذاب ہو اور زمین پر جنگ کی سختیاں، مصیبتیں اور قید و بند کی مشکلات ہو، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایسے لوگ عذاب کے مستحق تو ہیں لیکن یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر کی وجہ سے انہیں عذاب نہیں کرتا۔ یا یہ کہ انہیں دنیا میں عذاب نہیں دیا جاتا لیکن آخرت کا عذاب ان سے کبھی نہیں ٹل سکے گا۔ (تفسیر نمونہ)

☆ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''اللہ اللہ فی بیت ربکم لا تخلوہ ما بقیتم فانہ ان ترک لم تناظروا'' اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، اللہ کے گھر کے بارے میں ڈرو، اگر تم نے اسے چھوڑ دیا اور وہ بند ہو گیا، بے شک خدا کا عذاب تمہارے دامن گیر ہو کر رہے گا۔ (نہج البلاغہ، نامہ ۴۷)

پیغام:

۱۔ جو مومنین کو مسجد الحرام میں جانے سے روکتے ہیں، وہ بے تقویٰ لوگ ہیں اور انہیں عذاب الٰہی کا منتظر ہونا چاہیے۔ ''وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ ---''

۲۔ کافر، خود کو ناحق مسجد الحرام کا متولی تصور کرتے ہیں۔ ''وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ط''

۳۔ جس گھر کی تولیت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں میں رہی ہو اور جس کی بنیادیں تقویٰ پر رکھی گئی ہوں اس کی تولیت غیر متقی افراد کے ہاتھوں میں نہیں ہونی چاہیے۔ ''اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ''

۴۔ مسجد الحرام کے معاملات کو دیکھنے کیلئے کسی سرپرست کا تعین ضروری ہے۔ ''اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ''

(اگر ہم یہ کہیں کہ آیت تولیت کے مسئلہ کو بیان نہیں کر رہی بلکہ متولی کی شرائط کو بیان کر رہی ہے تو متولی کا تعین کرنا بھی ضروری ہے۔)

آیت نمبر ۳۵

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمۡ عِنۡدَ الۡبَيۡتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصۡدِيَةً ؕ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ۝۳۵

ترجمة الآيات

ان کی (دعا اور) نماز اللہ کے گھر (خانہ کعبہ) کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی۔ پس تم اپنے کفر کی بنا پر عذاب (خدا) چکھو۔ (۳۵)

نکات:

☆ ''مُكَآءً'' کے معنی ہیں سیٹی بجانا اور ''تَصۡدِيَةً'' کے معنی ہیں تالی بجانا۔

☆ مشرکین شاید اس لیے سیٹیاں بجاتے تھے تا کہ خانہ کعبہ کے اندر رکھے ہوئے بتوں کو باور کروا سکیں کہ وہ بتوں کے سامنے حاضر ہیں۔

☆ مفسرین ''فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ'' کے جملے میں عذاب کا واضح ترین مصداق مشرکین کی جنگ بدر میں شکست قرار دیتے ہیں۔ (تفاسیر مجمع البیان، المیزان، فی ظلال القرآن)

پیغام:

۱۔ مقدس مقامات کی بے احترامی اور وہاں لغو و بیہودہ کام انجام دینا، جیسے تالیاں اور سیٹیاں بجانا، اس بات کی علامت ہیں کہ ایسے لوگ مقدس مقامات کی تولیت کی اہلیت نہیں رکھتے۔ ''اِنۡ اَوۡلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ ۔۔۔ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمۡ عِنۡدَ الۡبَيۡتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصۡدِيَةً ؕ''

۲۔ تاریخی طور پر مذہبی مراسم بھی تحریف اور لغو امور سے اٹے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ ''صَلَاتُهُمۡ عِنۡدَ الۡبَيۡتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصۡدِيَةً ؕ''

۳۔ بعض اوقات مقدس ترین مراکز بھی خرافات کا بالا ترین محور بن جاتے ہیں۔ ''عِنۡدَ الۡبَيۡتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصۡدِيَةً ؕ''

۴۔ مقدسات کی توہین اور کفر، الٰہی عذاب کا پیش خیمہ ہیں۔ ''مُكَآءً وَّتَصۡدِيَةً ؕ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ

تَكْفُرُونَ﴿۳۵﴾"

۵۔ضد، ہٹ دھرمی اور کفر پر باقی رہنا اور گمراہی اختیار کرنا، عذاب کے نازل ہونے کا سبب ہے۔" فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴿۳۵﴾"

آیت نمبر ۳۶

اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ لِیَصُدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ
فَسَیُنۡفِقُوۡنَهَا ثُمَّ تَكُوۡنُ عَلَیۡهِمۡ حَسۡرَةً ثُمَّ یُغۡلَبُوۡنَ ؕ۬
وَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰی جَهَنَّمَ یُحۡشَرُوۡنَ ﴿ۙ۳۶﴾

ترجمۃ الآیات

جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ اپنے اموال لوگوں کو راہ خدا سے روکنے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ عنقریب وہ ان اموال کو خرچ کریں گے، لیکن یہ (اموال کا خرچ کرنا) ان کے لیے حسرت کا سبب ہوگا اور پھر وہ شکست کھا جائیں گے اور کافر سب کے سب جہنم کی طرف جائیں گے۔ (۳۶)

نکات:

☆ بعض افراد کے نزدیک یہ آیت کفار مکہ کی جنگ بدر کے لیے سرمایہ کاری کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جس کے تحت انہوں نے ایک عظیم بجٹ جنگ کے لیے مخصوص کر دیا تھا، لیکن آیت کی عمومیت اس قسم کی سرمایہ کاریوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے جو دین اسلام سے مقابلہ اور نبرد آزمائی کے لیے مخصوص کی جاتی ہیں۔

☆" الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا " کے جملے کا تکرار شاید اس لیے ہے کہ سرمایہ لگانے والے کافروں میں سے بعض بعد میں مسلمان ہو گئے تھے لیکن خرچ کی ہوئی رقوم پر کف افسوس ملا کرتے تھے۔ بعض جو اپنے کفر پر باقی رہے وہ اہل جہنم ہو گئے۔ یقیناً جہنم ایسے کافروں کیلئے ہے جو اپنے کفر پر باقی رہتے ہیں۔ مومنین اگر نتیجہ تک نہ پہنچیں تب بھی کف افسوس نہیں ملتے کیونکہ خدا تعالیٰ ان کا اجر عطا فرماتا ہے۔

پیغام:

۱۔ کفار ہمیشہ سے اسلام کے پھیلاؤ کو روکنے کیلئے اپنا سرمایہ خرچ کرتے چلے آ رہے ہیں لیکن آخر میں افسوس، حسرت

اور یقینی شکست کے سوائے ان کے نصیب میں کچھ نہیں ہوتا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾

۲۔ پیغمبر اکرمؐ غیب کی خبر دے رہے ہیں کہ آئندہ بھی ایسے لوگ اسلام کے خلاف سرمایہ کاری کریں گے، لیکن فتح و کامرانی اسلام کیلئے ہے۔ ''فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ''

۳۔ کافروں کی کوششوں کا صلہ صرف دنیاوی شکست ہی نہیں بلکہ انہیں آخرت میں بھی عذاب ہوگا۔ ''يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾''

۴۔ بے ایمانی اور کفر، انسان کے سقوط اور جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہے۔ ''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾''

آیت نمبر ۳۷

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمۃ الآیات

(یہ حسرت اور شکست) اس لیے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ (اس جہان اور اس جہان میں) ناپاک لوگوں کو پاک و پاکیزہ لوگوں سے جدا کر دے اور ناپاک اور پلید لوگوں کو آپس میں ملا دے، اور باہم یکجا کر کے انہیں جہنم میں بھیج دے، یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ (۳۷)

نکات:

☆ ''يَرْكُمَهٗ'' کے معنی کئی چیزوں کو ایک دوسرے کے اوپر تہ بہ تہ رکھنا ہے۔

☆ اگرچہ جہنم بہت بڑی ہے اور مسلسل کہے گی: ''هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾'' (ق۔۳۰) زیادہ سے زیادہ مانگے گی لیکن پھر بھی جہنمیوں میں سے ہر ایک تنگی میں ہوگا، ایک بڑی دیوار کی مانند جس میں بہت سے کیل (میخ) لگے ہیں لیکن ہر کیل کے درمیان بہت کم فاصلہ ہے۔

پیغام:

۱۔حق و باطل کی جنگ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے ہمت وحوصلوں کا، مقاصد کا، اعمال، پائیداری اور سازشوں کا پتہ چلتا ہے اور انسان کے جوہر کھلتے ہیں۔ ''لِيَمِيْزَ اللّٰهُ''

۲۔حق اور باطل کے طرفداروں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ابتدا ہی سے خدا تعالیٰ کا کام چلا آرہا ہے۔ ''لِيَمِيْزَ اللّٰهُ'' چنانچہ قیامت کے دن بھی خطاب ہوگا: ''وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۝۵۹'' (یٰسٓ۔۵۹)

۳۔ تہ بہ تہ جمع ہونا، دباؤ اور مکانی تنگی میں ہونا، جہنم اور جہنمیوں کی خصوصیات میں سے ہے۔ ''فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ''

۴۔انسان کا حقیقی نقصان، اس کا جہنمی ہوجانا ہے۔ ''فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝۳۷''

آیت نمبر ۳۸

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ۝۳۸

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبر!) کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر (گمراہی اور ناشائستہ افعال سے) باز آجائیں تو ان کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اگر (اپنی سابق کارستانیوں کی طرف) پلٹ جائیں تو خدائی طریقہ کار جو گذشتہ لوگوں کے ساتھ چلا آرہا ہے (ان کے بارے میں بھی) جاری ہوگا۔ (۳۸)

نکات:

☆''اِنتِهاء'' کے معنی ہیں نہی کو قبول کرنا، ہاتھ کھینچ لینا، کسی کام سے نہی کی وجہ سے اسے انجام نہ دینا۔

پیغام:

۱۔پیغمبر کی ماموریت ہے کہ وہ سنت خدا (توبہ کی صورت میں مغفرت، کافروں کی ضد کی صورت میں ان کی تنبیہ اور سرکوبی) کے بارے میں لوگوں کو بتائیں۔ ''قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ ---وَاِنْ يَّعُوْدُوْا---''

۲۔کافر اور بے دین شخص کی توبہ قابل قبول نہیں ہے۔''قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَھُوْا یُغْفَرْ لَھُمْ ''

۳۔اسلام میں لوگوں کیلئے ہمیشہ توبہ اور اصلاح کی راہیں کھلی ہیں اور اسلام کبھی بند راہوں میں محدود نہیں ہوتا۔''اِنْ یَّنْتَھُوْا یُغْفَرْ لَھُمْ ''

۴۔فیصلہ کرتے وقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ افراد کی موجودہ حالت کیا ہے، سابقہ حالت کو نہیں دیکھا جاتا۔''قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَھُوْا ۔۔۔''

۵۔اسلام، جنگ کا خواہاں نہیں بلکہ اصلاح طلب دین ہے۔''اِنْ یَّنْتَھُوْا یُغْفَرْ لَھُمْ ''

۶۔مسلمان ہونا، سابقہ گناہوں اور خلاف ورزیوں کو مٹا دیتا ہے۔''اِنْ یَّنْتَھُوْا یُغْفَرْ لَھُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ؕ' چنانچہ حدیث میں پڑھتے ہیں:''الاسلام یجبّ ما قبله''(مستدرک، ج ۷، ص ۴۴۸)

۷۔ترغیب وتشویق کے ساتھ ساتھ دھمکی بھی ہوتی ہے۔''اِنْ یَّنْتَھُوْا ۔۔۔اِنْ یَّعُوْدُوْا''

۸۔امید کا دروازہ کھلا رکھنے سے کسی کو یہ احساس نہیں ہونا چاہیے کہ کسی قسم کی کمزوری کی وجہ سے مجرمین کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔'' اِنْ یَّنْتَھُوْا ۔۔۔اِنْ یَّعُوْدُوْا''

۹۔پہلے تشویق وترغیب اور اتمام حجت پھر دھمکی اور سختی۔'' اِنْ یَّنْتَھُوْا ۔۔۔اِنْ یَّعُوْدُوْا''

۱۰۔اللہ کے عادلانہ اور حکیمانہ قوانین ہر دور میں ہر ایک کے لیے یکساں اور ناقابل تبدیلی ہیں۔''فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ۝۳۸ ''

۱۱۔انبیاء کی نجات اور ان کی کامیابی سنت الٰہی ہے جبکہ پہلے والوں کے کفر کی بنا پر انہیں کیفر کردار تک پہنچانا بھی خدائی طریقہ کار رہا ہے۔''فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ۝۳۸ ' دوسری آیت میں فرمایا:''کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ؕ ''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرا رسول ہی کامیاب رہیں گے۔(مجادلہ۔۲۱)

۱۲۔تاریخ اور دوسروں کی سرنوشت سے عبرت حاصل کریں۔''فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ۝۳۸ ''

۱۳۔لوگوں کو سوچنے، توبہ کرنے اور نظر ثانی کرنے کا موقعہ دیا جانا چاہیے۔''اِنْ یَّنْتَھُوْا ۔۔۔''

آیت نمبر ۳۹

وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۝۳۹

ترجمۃ الآیات

اوران (دشمنوں) کے ساتھ اتنی جنگ کرو کہ (کفر اور شرک کا) فتنہ ختم ہو جائے اور دین سب کا سب اللہ کے ساتھ مخصوص ہو جائے۔ پس اگر انہوں نے (اپنے کفر سے) اجتناب کیا، تو جو کچھ وہ انجام دیتے ہیں اللہ اسے دیکھنے والا ہے۔(۳۹)

نکات:

☆ اسلام میں جنگ و جہاد، کشور کشائی کیلئے نہیں بلکہ دین اسلام کی وسعت و ہمہ گیری اور فتنوں سے مقابلے کے لیے ہے۔قرآن مجید میں فتنہ کو قتل سے بالاتر ''اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ'' (بقرہ۔۲۱۷) کہا گیا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ شدید قرار دیا گیا ہے۔ ''اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ'' (بقرہ۔۱۹۱)

☆ ''فتنہ'' کے وسیع معنی ہیں اور دباؤ پر مبنی ہر طرح کے اعمال کو بھی شامل ہے۔قرآن مجید میں فتنہ ''شرک'' کے معنی میں بھی آیا ہے۔شاید یہ اس لیے ہے کہ مشرکین کی طرف سے انسانی افکار، معاشرے اور حق طلب افراد پر مختلف قسم کی حد بندیاں اور طرح طرح کے دباؤ ڈالے جاتے ہیں، یا پھر اس لیے کہ شرک چونکہ ابدی عذاب کا موجب ہوتا ہے اسی لیے مومنین اور پاک فطرت لوگوں پر کفر کا مسلط کرنا بھی ایک فتنہ ہے۔(تفسیر نمونہ)

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام کی فرمائش کے مطابق اس آیت کا قطعی اور نہائی تحقق حضرت مہدی علیہ السلام کے دور میں ہوگا۔(تفسیر نور الثقلین)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اس آیت کی تاویل ابھی نہیں آئی، جب اس آیت کی تاویل آئے گی تو فتنہ گر قتل کر دیے جائیں گے اور شرک کا وجود نہ ہوگا۔(کافی، ج۸، ص۲۰۱)

☆ یہ آیت دین میں آزادی اور ''لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ'' (بقرہ۔۲۵۶) کے منافی نہیں ہے۔اس لیے کہ طاغوت اور فتنے کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا جائے تا کہ آزادی کے ساتھ اسلام کو انتخاب و اختیار کرنے کی فضا سازگار ہو۔

پیغام:

۱۔اسلام میں جنگ کا مقصد، حق کی دعوت کے لیے فتنے اور کفار کے تسلط کا خاتمہ اور صاف ستھری فضا قائم کرنا ہے۔'' وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ۔۔۔''

۲۔جب تک کفار فتنہ پردازی میں مشغول رہیں گے، فتنے کے قلع قمع کرنے کا حکم بھی موجود رہے گا۔''قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ''

۳۔جس وقت بھی دشمن جنگ سے ہاتھ اٹھالے،اس کے ساتھ اسی وقت میں مناسب سلوک کیا جائے۔''فَاِنِ انْتَهَوْا ۔''

آیت نمبر ۴۰

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۴۰

ترجمۃ الآیات

اور اگر (پھر بھی) وہ سر پیچی کرتے ہوئے روگردانی کریں تو جان لو کہ اللہ تمہارا مولیٰ و سرپرست ہے، وہ بہترین سرپرست اور مددگار ہے۔(۴۰)

پیغام:

۱۔فوجی معاملات کی سرپرستی اورنگرانی کرتے ہوئے اور سیاسی منصوبہ بندی کرتے ہوئے تمام جوانب کو نگاہ میں رکھنا چاہیے نیز ہر طرح کے حالات کی پیش بینی کرنی چاہیے۔''فَاِنِ انْتَهَوْا ۔وَاِنْ تَوَلَّوْا''

۲۔آپ اپنے فریضہ پر عمل کریں، اگر دوسرے لوگ عمل نہ کریں یا منہ موڑلیں تو خداوند متعال آپ کا حامی وناصر ہے ۔''وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ''

۳۔خدا کی ولایت، سرپرستی اور مدد ونصرت سے کبھی غفلت نہ برتو۔''فَاعْلَمُوْٓا''

(خدا کی ولایت ونصرت پر ایمان، فتنہ پرداز لوگوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی قوت وہمت کو بڑھاتا ہے۔اس کے الطاف واکرام کی یاد سازشوں اور ہٹ دھرمیوں کے مقابلے میں مومنین کے دل کو اطمینان وسکون فراہم کرتی ہے۔)

۴۔خداوند متعال بہترین مولا ہے، کیونکہ وہ ہمیں دوسروں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑتا، اور نہ ہی ہمیں فراموش کر دیتا ہے۔وہ ہمیں اپنے کسی ذاتی مفاد کے تحت نہیں چاہتا اور نہ ہی وہ کسی کے حق اور اجر کو ضائع کرتا ہے۔''نِعْمَ الْمَوْلٰى''

۵۔ہر یار و یاور سے بالاتر خداوند کی مدد ونصرت ہے۔''نِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۴۰''

دسواں پارہ

آیت نمبر ۴۱

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور جان لو کہ جس قسم کی غنیمت (فائدہ) تمہیں ملے تو اللہ، اللہ کے رسولؐ ، ذی القربیٰ (اس کی اہلبیتؑ)، یتیموں، مسکینوں اور (سادات) مسافروں کے لیے اس کا (خمس) پانچواں حصہ ہے، اگر تم اللہ پر اور جو کچھ ہم نے اپنے بندہ پر حق کی باطل سے جدائی کے دن اور (صاحب ایمان اور بے ایمان) دو گروہوں کی مڈبھیڑ کے دن (جنگ بدر کے دن) نازل کیا، ایمان لے آؤ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۴۱)

نکات:

☆ نزول کے وقت اس آیت کے مخاطبین وہ لوگ ہیں جو جنگ بدر میں پیغمبرؐ کے ہمراہ شرکت کر رہے تھے۔ انہوں نے جانثاری اور بہادری کے ساتھ فتح و کامرانی کو حاصل کیا۔ وہ لوگ جو نماز کے پابند، روزہ رکھنے والے، ہجرت اور جہاد کرنے والے اور شہادت کی طرف بڑھنے والے تھے۔ پیغمبر اکرمؐ کی امیدیں انہی سے تھیں۔ اس کے باوجود خدا تعالیٰ اس آیت میں فرما رہا ہے: اے بدر کے مجاہدو! اگر خدا، پیغمبر اور قرآن پر ایمان رکھتے ہو تو غنائم پر خمس ادا کرو، یعنی خدا پر ایمان کی شرط نماز و روزہ اور جہاد کے علاوہ بھی ہے اور وہ ایک واجب کا ادا کرنا یعنی خمس کی ادائیگی ہے۔

☆ ''غنیمت'' اور ''غرامت'' کے الفاظ میں سے ہر ایک چھ مرتبہ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ جس طرح غرامت

ہر طرح کے مالی نقصان کو کہا جاتا ہے، صرف جنگی نقصان کو نہیں، اسی طرح غنیمت بھی صرف جنگی نفع کو نہیں کہا جاتا بلکہ ہر طرح کے نفع کو کہا جاتا ہے۔

لغت کی کتب میں سے جیسے لسان العرب ہے، تاج العروس، قاموس ہے اور اہل سنت مفسرین جیسے قرطبی، فخر رازی اور آلوسی نے بھی اس کے وسیع معنی میں شک نہیں کیا۔ اسی طرح مفردات راغب میں ہے کہ ہر چیز جو انسان کے ہاتھ لگے اسے غنیمت کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں غنیمت کا لفظ جنگی غنائم کے علاوہ بھی استعمال ہوا ہے: ''فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ'' پس اللہ کے پاس ہیں ہر طرح کے کثیر غنائم۔ (نساء۔ ۹۴)

حضرت علی علیہ السلام بھی فرماتے ہیں: ''مَن اخذ بها لحق و غنم'' جو کوئی خدا کے آئین پر عمل کرے، وہ مقصد تک پہنچ گیا اور اس سے بہرہ مند ہوگا۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۲۰)

☆ شیعی نقطہ نظر اور روایات کی رو سے اس آیت میں ''غنیمت'' جنگی غنائم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ ہر طرح کی آمدنی کو شامل ہے خواہ وہ معدنیات ہوں، غوطہ زنی ہو، تجارت ہو یا کوئی اور ذریعہ آمدنی ہو۔ جنگ بدر کے موقع پر آیت کا نزول اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ خمس صرف جنگی غنیمت پر ہے۔ اگر غنیمت سے مراد جنگی غنیمت ہی لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خمس کا ایک موقع اور محل اسی آیت میں ہے اور دیگر موارد روایات میں بیان ہوئے ہیں۔

☆ روایات میں خمس کے موضوع کو خاص طور سے بیان کیا گیا ہے۔ یہانتک بیان ہے کہ اگر کوئی اپنے مال کا خمس ادا نہ کرے تو اس کا مال حلال نہیں ہوگا اور وہ اس میں تصرف کا حق نہیں رکھتا۔

☆ فقہا خمس کو سات چیزوں میں واجب قرار دیتے ہیں۔ ۱۔ سالانہ درآمد میں نفع، کسب و کار میں نفع، ۲۔ خزانہ، ۳۔ کان یا معدنیات ۴۔ غوطہ لگانے سے ہاتھ آنے والے موتی و جواہرات، ۵۔ حلال مال جو حرام مال کے ساتھ مخلوط ہو گیا ہو، ۶۔ وہ زمین جو ذمی کافر مسلمان سے خریدے، ۷۔ جنگی مال غنیمت۔ (تفصیلات کیلئے توضیح المسائل کی طرف رجوع کیا جائے۔)

☆ بہت واضح سی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کو خمس کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لیے خدا کا حصہ خدا کے قانون کو لاگو کرنے، ولایت رسول کو بیان کرنے، دنیا والوں کے کانوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے، پسے ہوئے لوگوں کی نجات کیلئے اور فساد پھیلانے والوں کو روکنے کیلئے خرچ ہونا چاہیے۔

روایات کے مطابق خدا کے حصے کا اختیار رسول کے پاس ہے اور رسول کے حصے کا اختیار، ان کے بعد امام کے پاس ہے۔ (تفسیر صافی) یہ حصہ امام کی غیبت میں ان کے خاص نائبین اور پھر عام نائب یعنی مجتہد جامع الشرائط اور مرجع تقلید کیلئے ہے۔ (تفسیر نمونہ)

☆ ''ذَوِي الْقُرْبٰى'' بہت سی شیعہ روایات کے مطابق اور بعض اہل سنت روایات کے مطابق پیغمبر اکرمؐ کے تمام

عزیز و اقارب نہیں ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین اور کافی، ج ۱ ص ۵۴۴)

اس سے مراد اہلبیت کے ائمہ ہیں، جن کے پاس امامت کا مقام ہے اور وہ معاشرے کے راہبر ہیں۔ خمس، راہبر اور اسلامی حکومت سے متعلق ہے، پیغمبر کے تمام رشتہ داروں کیلئے نہیں ہے۔

اس سب کے علاوہ ان کا ''لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ'' کے ساتھ ہی ساتھ ذکر ہونا اور خاص طور پر حرف ''لام'' کے ساتھ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ذوی القربی سے مراد مخصوص افراد ہیں جو خدا اور اسکے رسول کے راستے پر ہیں۔

☆ روایات میں خمس کے دیگر مصارف میں سے مساکین اور سادات بنی ہاشم کے درماندہ مسافر ہیں۔ چونکہ سادات فقرا پر زکوۃ وصول کرنا حرام ہے، لہذا خمس کے ذریعے سے ان کی ضروریات کو پورا کیا جانا چاہیے۔ (تفسیر مجمع البیان؛ وسائل، ج ۶، کتاب الخمس)

حقیقت میں اسلام نے معاشرے کے اندر محرومیت کو ختم کرنے کیلئے دو چیزوں کو واجب قرار دیا ہے: ایک زکوۃ ہے جو کہ معاشرے کے تمام فقیروں کیلئے ہے، دوسرا خمس ہے کہ اس کا کچھ حصہ سادات فقرا کیلئے ہے۔ خمس اور زکوۃ میں سے فقرا کو ان کی ایک سال کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے دیا جانا چاہیے، اس سے زیادہ نہیں دیا جانا چاہیے۔

☆ امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: آیت میں ذکر ہونے والے چھ موارد میں سے ہر ایک کے حصہ سے متعلق فیصلہ کرنا، امام کے ذمہ ہے۔ (تفسیر صافی)

پیغام:

۱۔ خمس کی ادائیگی واجب ہے، خواہ آمدنی یا غنیمت کم ہو۔ ''غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ''

۲۔ اب جبکہ تم جنگ بدر میں خدا کی مدد سے کامیاب ہو گئے ہو لہذا غنیمت کے مال سے خدا، رسول اور اس کی اہلبیتؑ کا حق اور خمس کی ادائیگی کے لیے ٹال مٹول سے کام نہ لو۔ ''غَنِمْتُمْ ۔۔۔ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَهٗ''

۳۔ اسلام، افراد کی قانونی ملکیت کو قبول کرتا ہے۔ ''لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی''

۴۔ فقر و فاقہ اور محرومیت کو دور کرنا اسلام کے پروگراموں میں شامل ہے لہذا جہاد اور غنیمت کے ثمرات سے فقرا اور مساکین کو بہرہ ور کیا جانا چاہیے۔ ''وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ''

۵۔ فرائض پر عمل کرنے اور ایثار و قربانی کا موثر عامل ایمان ہے۔ ''لِلّٰہِ خُمُسَهٗ ۔۔۔ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ''

۶۔ مال و دولت سے دل اٹھانا، اس قدر دشوار ہے کہ کبھی مجاہدین بھی اس میں رہ جاتے ہیں۔ ''غَنِمْتُمْ ۔۔۔ اِنْ كُنْتُمْ ۔۔۔''

۷۔ کامل ایمان کی نشانی یہ ہے کہ خمس ادا کیا جائے ایمان، عبادت، ہجرت و جہاد کے بیان کے بعد فرمایا: ''لِلّٰہِ خُمُسَهٗ

---اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ ---''اس لیے خمس کا وجوب دائمی اور مسلسل ہے، موسمی اور وقتی نہیں، کیونکہ یہ ایمان کی شرط ہے۔

۸۔ معارف الٰہی کے حصول کی رمز عبودیت ہے، پیغمبر اکرمؐ اللہ کے خالص بندے تھے۔ ''وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا''

۹۔ مسلمانوں کے درمیان پیغمبر اکرمؐ کے وجود مبارک کا ہونا اللہ کی مدد کے آنے اور ان کی کامیابی کا موجب ہے۔ ''مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ''

۱۰۔ جنگ بدر میں الٰہی امداد سے اسلام کی حقانیت واضح ہوگئی۔ ''یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ'' اور یہ مدد اللہ کی قدرت کی نشانی تھی۔ ''وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴۱﴾''

۱۱۔ محروم لوگوں کو عزت دینے کی خاطر ان کے نام کو خدا، رسول اور اہلبیت کے نام کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ''لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ...''

آیت نمبر ۴۲

اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَۃِ الدُّنۡیَا وَہُمۡ بِالۡعُدۡوَۃِ الۡقُصۡوٰی وَالرَّکۡبُ اَسۡفَلَ مِنۡکُمۡ ؕ وَلَوۡ تَوَاعَدۡتُّمۡ لَاخۡتَلَفۡتُمۡ فِی الۡمِیۡعٰدِ ۙ وَلٰکِنۡ لِّیَقۡضِیَ اللّٰہُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ۬ۙ لِّیَہۡلِکَ مَنۡ ہَلَکَ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ وَّیَحۡیٰی مَنۡ حَیَّ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَسَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿ۙ۴۲﴾

ترجمۃ الآیات

(وہ وقت یاد کرو) اس وقت تم نچلی طرف تھے اور وہ (دشمن) اوپر کی طرف تھے (اور اس طرح سے دشمن تم پر برتری رکھتا تھا) اور (ابوسفیان کا تجارتی) قافلہ تم سے نچلی طرف تھا اور ان پر دسترس ممکن نہ تھی اور ظاہراً کیفیت ایسی تھی کہ اگر تم ایک دوسرے سے وعدہ کرتے (کہ میدان جنگ میں حاضر ہونگے) تو بالآخر اپنے وعدہ میں اختلاف کرتے (کیونکہ ایک دشمن تو تمہارے اوپر تھا اور ایک نشیب میں اور تم دو مخالف صفوں کے درمیان ہوتے اور ہرگز ایسی جنگ میں شرکت نہ کرتے) اس لیے تھے کہ اللہ اس کام کو جسے انجام پانا چاہیے، عملی

صورت بخشے تا کہ وہ جو ہلاک (اور گمراہ) ہوتے ہیں اتمام حجت کے طور پر ہوں اور جو زندہ رہتے ہیں (اور ہدایت حاصل کرتے ہیں) واضح دلیل کے طور پر ہوں اور خدا سننے، جاننے والا ہے۔(۴۲)

نکات:

☆ ''عُدْوَةِ'' کا لفظ ''عَدو'' سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں حد سے بڑھ جانا۔ ہر چیز کے حاشیہ اور اطراف کو جو درمیانی حد سے بڑھ چکی ہو اسے بھی ''عدوہ'' کہتے ہیں۔

''دنیا'' کا لفظ ''دنو'' سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں نیچے اور نزدیک تر، جبکہ ''قُصْوٰی'' اور ''اقصیٰ'' کے معنی ہیں ''دور تر اور بالاتر'' یہ دو الفاظ جنگ بدر کی لڑائی والے علاقے کی حالت بیان کر رہے ہیں کہ مسلمان کفار کی نسبت مدینہ سے زیادہ نزدیک تھے، یا وہ نچلے اور نشیبی علاقے میں تھے اور دشمن اونچے اور بالائی علاقے پر تھے۔

☆ جنگ بدر میں کفار کو صرف اسلحے، افرادی قوت اور آمادگی کے لحاظ ہی سے برتری حاصل نہیں تھی، بلکہ لشکر کے پڑاؤ کے اعتبار سے بھی علاقائی فوقیت رکھتے تھے۔ اس طرح جگہ کا انتخاب کیا ہوا تھا کہ بوقت ضرورت بحیرہ احمر کی طرف بھاگ کر جا سکتے تھے، لیکن خداوند عالم نے کفار اور ان کے اموال ان کے قبضہ میں دینے کے لیے مسلمانوں کو کفار کے مقابل لا کھڑا کیا اور جنگ کے سوا چارہ کار نہ رہا، اور خدا کے لطف و کرم نے انہیں سرفراز اور کامیاب و کامران کر دیا۔

جنگ بدر ایک نظر میں

سورۃ کی ابتدا سے یہاں تک آیات کی روشنی میں الٰہی مدد و نصرت پر ایک نگاہ کرتے ہیں۔

۱۔اے مسلمانو! تم جنگ بدر میں مال ہتھیانے کی فکر میں تھے اور جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ''تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ ''(انفال آیت ۷)

۲۔ جب جنگ شروع ہوئی تو تم میں سے بعض پریشان اور ناراض تھے۔'' فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ''(انفال آیت ۵)

۳۔کچھ تو موت سے ڈر رہے تھے۔ ''كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ ''(انفال آیت ۶)

۴۔پریشان ہو کر نصرت طلبی کر رہے تھے۔ ''تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ ''(انفال آیت ۹)

۵۔نجاست سے پاک ہونے کیلئے اور ریتلی زمین کو سخت کرنے کی خاطر ہم نے بارش بھیجی۔(انفال آیت ۱۱)

۶۔لشکر کے فرمانروا کی مکمل اطاعت نہیں کی۔ ''قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ''(انفال آیت ۲۱)

۷۔تم میں سے بعض پہلے خیانت کے مرتکب ہو چکے تھے۔(ابولبابہ کی طرح) (انفال آیت ۲۷)

۸۔تمہارا قائد، دشمن کی سازشوں اور دھمکیوں میں گھر چکا تھا۔ ''یَمْکُرُ بِكَ'' (انفال آیت ۳۰)

۹۔اگر جنگ کا مسئلہ تمہارے اختیار میں ہوتا تو ان مشکلات کی وجہ سے کسی بات پر اتفاق نہ کر پاتے۔ ''لَاخْتَلَفْتُمْ''

اسی طرح اور بہت سی نشانیاں ہیں جو بتاتی ہیں کہ جنگ بدر کا واقعہ ہونا، خدا تعالیٰ کا منصوبہ تھا تاکہ مسلمانوں کی قدرت وطاقت کو آشکار کیا جائے اور کفار و مشرکین کو نفسیاتی طور پر کاری ضرب لگائی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر کے دن کو۔ گذشتہ آیت میں۔ ''فرقان کا دن'' کہا گیا ہے، کیونکہ اس دن اس قدر غیبی امدادیں نازل ہوئیں کہ سب لوگوں پر حق وحقیقت واضح ہوگئی لیکن اس کے باوجود جس نے بے توجہی سے کام لیا اور اس پر ایمان نہیں لایا تو یہ اس کی ہٹ دھرمی، عناد اور ضد کا نتیجہ تھا۔ ''لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ''

پیغام:

۱۔گذشتہ واقعات اور الٰہی امداد کو یاد کرنا، ان پر تجزیہ کرنا، تحقیق کرنا ضروری ہے۔ ''اِذْ اَنْتُمْ ۔۔۔''

۲۔جہاں خداوند عالم چاہے، کمزوری کے تمام اسباب کو ختم کر سکتا ہے۔ ''لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا''

۳۔جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی، شرک کے خلاف روشن علامت اور توحید واسلام کی حقانیت پر واضح دلیل ہے۔ ''لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى ۔۔۔''

۴۔ہدایت اور آگاہانہ ایمان قابل قدر ہے، جیسا کہ ہلاکت اور آگاہانہ گمراہی انتہائی بری اور قابل مذمت چیز ہے۔ ''يَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ''

۵۔اسلام، روشن و واضح دلائل پر استوار ہے، ایسا دین زندگی کا سرمایہ ہے۔ ''وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ''

۶۔خدا تعالیٰ نے پہلے سے ہی مسلمانوں کی کامیابی کو لکھ دیا تھا، اس لیے واقعات کے مناظر اور فیصلے بدل گئے۔ ''لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا'' یہیں سے اسے پہچانا جا سکتا ہے کہ وہ ہر چیز کا سننے والا اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾''

آیت نمبر ۴۳

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ

بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴۳﴾

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبر!) اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے عالم خواب میں تمہیں ان (دشمنوں) کی تعداد کم کر کے دکھائی اور اگر (خدا تعالیٰ) انہیں (تمہاری آنکھوں میں) زیادہ کر کے دکھاتا تو یقیناً تم سست ہو جاتے (اور ان سے جنگ کرنے کے سلسلے میں) تم میں اختلاف پڑ جاتا لیکن اللہ نے (تمہیں ان سب سستی اور جھگڑوں سے) محفوظ رکھا۔ جو کچھ سینوں کے اندر ہے اللہ اس سے دانا اور آگاہ ہے۔ (۴۳)

نکات:

☆ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر اپنے لطف وکرم اور امداد کے سلسلے میں مسلمانوں کی نگاہوں میں کفار کی تعداد کم کر کے دکھانے کی بات کر رہا ہے۔ ایک نہیں کئی مرحلوں پر ایسا ہوا ہے، ایک تو خود پیغمبر اکرمؐ نے خواب میں ان کی تعداد کو بہت ہی کم دیکھا اور یہ خواب مسلمانوں کو بتایا جس سے ان کے حوصلے بلند ہو گئے۔

دوسری صورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی نگاہوں میں مسلمانوں کی تعداد کو کم کر کے دکھایا، تا کہ اس طرح سے وہ مکہ سے تازہ دم لشکر نہ منگوائیں۔ (بعد کی آیت میں اس کا ذکر ہے۔)

حضرت رسولخداؐ کی عمہ محترمہ جناب عاتکہ نے جنگ بدر سے تین دن پہلے مکہ میں خواب دیکھا کہ کوئی شخص بلند آواز سے کہہ رہا ہے کہ اے مکہ والو! اپنے مقتل کی طرف جانے میں جلدی کرو، اتنے میں آواز دینے والے نے کوہ ابوقبیس سے ایک پتھر کے ٹکڑے کو ہلایا جس سے اس کے کئی ٹکڑے ہو گئے اور ایک ایک ٹکڑا کر کے ایک گھر میں جا گرا جس سے پورے شہر سے خون جاری ہو گیا۔

یہ خواب ہر ایک کی زبان پر جاری ہو گیا، جس سے کفار کے دلوں پر وحشت طاری ہو گئی۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں مسلمانوں کو کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔ (تفسیر نمونہ)

☆ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: خواب تین قسم کے ہیں، خدا تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوتا ہے یا شیطان کی طرف سے غم واندوہ ہوتا ہے یا انسان اپنی روزمرہ کی مشکلات کو خواب میں دیکھتا ہے۔ (بحار، ج ۱۴، ص ۴۴۱)

انبیاء اور اولیاء کے خواب پہلی قسم کے ہیں، اس لیے حجت رکھتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں پڑھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: صالح افراد کے رویا خداوند کی طرف سے بشارت ہوا کرتے ہیں اور یہ اجزائے نبوت میں سے ایک جزو ہے۔ (بحار،

ج ۶۱، ص ۱۷۷)

اولیائے خدا کے خواب کی تعبیر ضروری ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب کہ جس میں سورج، چاند اور ستاروں نے ان کیلئے سجدہ کیا۔ بعض اوقات ان کے خواب کسی حکم یا کسی واقعہ کو بیان کرر ہے ہوتے ہیں اور اس کی تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی اس کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب ہے، جس میں وہ اپنے فرزند جناب اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم پاتے ہیں ، اور جیسے جناب رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خواب ہے جو کہ اس آیت میں ذکر ہوا ہے۔

☆ اگر چہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی کا پرتو ہوا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں بار ہا حضرت ابراہیمؑ اور جناب رسالت مآبؐ کے رویا صادقہ کا ذکر آیا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے خواب میں جو کم تعداد دیکھی تھی وہ اصل میں کفار کا باطن تھا جو کہ ان کی کمزوری اور اندرونی خوف کی غماض کر رہا تھا۔ جیسا کہ ایک جگہ ارشاد ہے۔ ''تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ (سورہ حشر۔ ۱۴)'' تم ان کے۔۔خیال کرتے ہو کہ اکٹھے ہیں جبکہ ان کے دل الگ الگ ہیں۔

پیغام:

۱۔ اطلاعات، اعداد و شمار، دشمن کی قوت کے نکات کو بیان کرنا وغیرہ یا جس سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جائے یا ان کے حوصلے پست ہو جائیں ایسی چیزوں کو ظاہر کرنا، خصوصا محاذ جنگ میں ایسی چیزوں کا فاش کرنا ممنوع ہے۔ ''وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ ۔۔۔''

(فتح و کامیابی اور شکست میں مجاہدین کی نفسیاتی کیفیت بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔)

۲۔ خداوند عالم سخت ترین بحرانی لمحات میں بھی مومنین کی حفاظت فرماتا ہے۔ ''وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ''

گر نگھدارِ من آنست کہ من می دانم

شیشہ را در بغلِ سنگ نگہ می دارد

اگر میری حفاظت کرنے والا وہ ہے جسے میں جانتا ہوں تو وہ شیشہ کو پتھروں کے بیچ بھی بچا کر رکھتا ہے۔

۳۔ خواب بھی رابطہ اور مدد طلب کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ خواب حوصلوں کو بڑھانے اور امداد الٰہی حاصل کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے ''يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ''

۴۔ خواب و رویا کی حیرت ناک دنیا کی بھی اپنی ایک رازدارانہ زبان ہے۔ تعبیر اور تاویل خواب کی لغت میں دشمن کی کمزوری اور شکست کو افراد کی کمی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، چاہے ان کی تعداد زیادہ ہو۔ ''فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ''

آیت نمبر ۴۴

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۴۴

ترجمۃ الآیات

اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب تم دشمن سے دوبدو ہوئے، اس وقت خدا نے دشمن کو تمہاری نگاہ میں کم کر کے دکھایا (تاکہ تم پوری جرأت کے ساتھ ان پر حملہ کرو) اور تمہیں بھی ان کی نظروں میں کم کر کے دکھایا (تاکہ کفار مکہ سے کمک کی درخواست نہ کریں) یہ اس لیے تھا تاکہ جو کام ہونا تھا، اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دے، اور (جان لو کہ) تمام امور خدا کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔ (اور اس کا ارادہ پورا ہو کر رہے گا۔) (۴۴)

نکات:

☆ جب کفار کی نگاہ مسلمانوں پر پڑی تو انہیں اس قدر کم نظر آئے کہ کہنے لگے: ان کے ساتھ لڑنے کے لیے تو ہم اپنے نوکر غلام ہی بھیجیں گے، جو مسلمانوں کو نابود کر دیں گے، ہمیں لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (تفسیر صافی)

جب جنگ شروع ہوگئی تو دوران جنگ ہی انہیں مسلمانوں کی تعداد دوگنی نظر آئی اس پر وہ سخت مرعوب ہو گئے۔ (تفسیر نمونہ اور تفسیر المیزان)

چنانچہ ایک دوسری جگہ خداوند عالم نے فرمایا: ''يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ'' (آل عمران۔ ۱۳)

پیغام:

۱۔ الٰہی تقدیر، انسان سے ارادے کی قوت کو سلب نہیں کرتی۔ ''وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ'' دونوں لشکروں کو جنگ کیلئے ترغیب دلانا، اس بات کو واضح کرتا ہے کہ جنگ بدر کا ہونا یا نہ ہونا، ان دونوں کے اختیار سے باہر نہ تھا۔

۲۔ جنگ سے پہلے بھی مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ملتی رہی ہے۔ ''فِيْ مَنَامِكَ'' اور جنگ کے موقعہ پر بھی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد جاری رہی ہے۔''یُرِیۡکُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ ۔۔۔''

۳۔بعض اوقات خداوند مسلمانوں کی مدد کرنے کی خاطر اپنی ولایت تکوینی کو استعمال میں لاتے ہوئے آنکھوں پر تصرف کرلیتا ہے۔''یُرِیۡکُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِکُمۡ قَلِیۡلًا''

۴۔ظاہری حواس سے استفادہ کرنا بھی خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔''فِیۡۤ اَعۡیُنِکُمۡ قَلِیۡلًا وَّیُقَلِّلُکُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِہِمۡ''

۵۔کامیابی اور فتح کا دارومدار صرف افرادی قوت اور عددی برتری پر نہیں ہے بلکہ مجاہدین کے ایمان وحوصلے اور لطف الٰہی وارادہ الٰہی پر منحصر ہے۔ وَاِذۡ یُرِیۡکُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِکُمۡ قَلِیۡلًا وَّیُقَلِّلُکُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِہِمۡ لِیَقۡضِیَ اللّٰہُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ؕ وَاِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۴۴﴾

۶۔اگر خدا کا ارادہ کسی کام کے ہونے پر ہو تو تمام رکاوٹیں ہٹ جاتی ہیں۔''لِیَقۡضِیَ اللّٰہُ اَمۡرًا ۔۔۔''(یہ جملہ ایک بار آنمبر ۴۴ میں اور دوسری مرتبہ اس آیت میں تکرار ہوا ہے۔)

آیت نمبر ۴۵

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِیۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۴۵﴾

ترجمۃ الآیات

اے صاحبان ایمان! جب (دشمن کے) کسی گروہ کا سامنا ہو تو ثابت قدم رہو اور خدا کو زیادہ یاد کرو تا کہ تم لوگ کامیاب ہو جاؤ۔(۴۵)

نکات:

☆ آیت میں ذکر اور یاد خدا سے مراد صرف زبان اور لبوں کے ساتھ ذکر کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے لطف وکرم، احسان ومہربانی اور غیبی امداد اور وعدوں، عزت وعظمت اور اس کے احکام وفرامین کی یاد بھی مراد ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اہم مسائل میں سے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے جس بات کو ضروری قرار دیا ہے، وہ خدا کو بہت زیادہ یاد کرنا ہے۔ بندے کو چاہیے کہ جب کبھی حلال اور حرام کا سامنا ہو تو اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرے اور اگر اس

میں اطاعت الٰہی کو دیکھے تو اس پر عمل کرے اور اگر اس میں معصیت خدا نظر آئے تو اسے چھوڑ دے۔ (بحار، ج ۹۳، ص ۱۶۳)

پیغام:

۱۔ ثابت قدمی، ایمان کا لازمہ ہے۔ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا''

۲۔ ہم محاذ پر ثابت قدم رہیں، یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ ''فَاثْبُتُوْا'' لیکن اسی ثابت قدمی کو خداوند سے چاہیں۔ ''رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا'' (سورہ بقرہ۔ ۲۵۰)

۳۔ مسلمانوں کے محاذ جنگ کی فضا یادِ خدا سے پُر ہونی چاہیے، جس قدر مشکلات میں اضافہ ہو اُسی قدر یادِ خدا میں بھی اضافہ ہونا چاہیے۔ ''وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا''

۴۔ خداوند کو چند مرتبہ یاد کر لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ خدا کو بہت زیادہ یاد کرنا چاہیے۔ ''وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا'' کیونکہ اگر جنگ کے بحران اور محاذ جنگ کے حوادث میں خدا کی یاد نہ ہو تو اہداف و مقاصد میں انحراف اور اعمال و افعال میں گمراہی کے پیدا ہو جانے کا بہت زیادہ اندیشہ ہوتا ہے۔

۵۔ محاذ جنگ میں زن و فرزند اور مال و دولت کی یاد کی بجائے یادِ خدا کو جاگزین ہونا چاہیے۔ ''وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا'' امام سجاد علیہ السلام سرحدوں کی حفاظت کرنے والوں کیلئے دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں: خدایا! مال اور اولاد وغیرہ کی یاد کو مجاہدین کے دل سے دور فرما دے اور ان کی آنکھوں کے سامنے بہشت کو جلوہ گر فرما دے۔ (صحیفہ سجادیہ، دعا ۲۷)

۶۔ استقامت اور یادِ خدا، محاذ جنگ پر کامیابی کا راز اور ہمیشہ کی فلاح کا راستہ ہے۔ ''فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾''

۷۔ محاذ جنگ اور مورچے، فلاح پانے کے مراکز ہیں۔ ''لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾''

آیت نمبر ۴۶

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں تنازعہ نہ کرو تاکہ (کمزور اور) سست

نہ ہو جاؤ اور تمہاری طاقت (اور شوکت و ہیبت) ختم نہ ہو جائے اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کرو اور اللہ صبر و استقامت کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(۴۶)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں مومنوں کی فتح اور کامیابی کے دو اہم عوامل ''پائیداری'' اور ''خدا کی یاد'' کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس آیت میں دو عوامل ''اطاعت'' اور ''وحدت'' کی بات ہو رہی ہے۔ گذشتہ آیت میں جسمانی و ظاہری طور پر ثابت قدم رہنے کی بات کی گئی ہے اور اس آیت میں نفسیاتی اور باطنی طور پر صبر کی تلقین کی جا رہی ہے۔

☆ ''ریح'' یعنی ہوا، قدرت اور شان و شوکت کا کنایہ ہے۔ جیسے ہوا اس پرچم کو لہراتی ہے جو تمہاری کامیابی اور عزت و عظمت کی علامت ہے۔ اگر تمہارے اختلاف و انتشار اور لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے یہ ہوا عزت و عظمت سے خالی ہو جائے تو تم ذلیل و خوار اور حقیر ہو جاؤ گے۔ جب گاڑی کے ٹائر سے ہوا نکل جاتی ہے، یا جب فٹبال سے ہوا نکل جاتی ہے تو بہت سی حرکتیں، سفر اور کھیل رک جاتے ہیں۔

☆ اتحاد، یکجہتی، اختلاف سے پرہیز اور تفرقہ سے دوری اختیار کرنا، خداوند عالم کی اہم تاکیدات میں سے ہے۔ متعدد آیات میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ تمام جوانب میں اس فرمان پر عملدرآمد ہونا چاہیے۔ مخصوصاً دشمن کے ساتھ جنگ اور مقابلہ کے وقت اس کی زیادہ ضرورت ہے۔

پروردگار عالم نے سورۃ صف میں مجاہدین کے درمیان اتحاد، ہم آہنگی اور نظم کی تعریف کی ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴'' (صف۔۴)

پیغام:

۱۔ مسلمانوں کا جہاد، مسلمانوں کے راہبر کی قیادت میں نیز خدا و رسول (اور رسول کے برحق جانشینوں) کے حکم کے مطابق ہونا چاہیے۔ ''اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا ۔۔۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ''

۲۔ قانون اور الہی راہبر، وحدت کا محور و مرکز ہیں۔ ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ''

(''اَطِيْعُوا'' قوانین الہی اور ''رَسُوْلَهٗ'' آسمانی راہبر کی طرف اشارہ ہے۔)

۳۔ باہمی نزاع تمہیں اندر سے کھوکھلا اور باہر سے بے عزت و بے آبرو کر دے گا۔ ''فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ''

(صرف اس آیت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے تاریخ میں مسلمانوں کو کتنی ہی کمزوریوں اور شکستوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔)

۴۔ اطاعت اور وحدت کیلئے پائیدار رہیں، اگر کوئی بات ہماری طبع کے خلاف ہو، یا ہمارے مزاج کے خلاف کسی بات پر عمل کیا جائے تو صبر کریں اور ایک دوسرے کو برداشت کریں۔ ''وَاصْبِرُوْا''

۵۔ اس بات پر ایمان ہونا کہ خدا تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ، انسان کو صبر و استقامت پر آمادہ کرتا ہے۔
''وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۟ۚ''

۶۔ الٰہی امداد و نصرت صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۟ۚ''

آیت نمبر ۴۷

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۴۷

ترجمۃ الآیات

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ، جو اپنے گھروں (اور علاقہ) سے ہوا پرستی، غرور اور لوگوں کے سامنے خودنمائی کے لیے (میدان جنگ کی طرف) نکلے ہیں اور وہ (لوگوں کو) راہ خدا سے روکتے تھے اور جو عمل وہ کرتے تھے اللہ اس پر احاطہ (اور) آگاہی رکھتا ہے۔ (۴۷)

نکات:

☆ جب ابوسفیان کا تجارتی قافلہ مسلمانوں سے بچ کر صحیح سالم مکہ پہنچ گیا تو ابوسفیان نے ابوجہل کو پیغام بھیجا کہ ہم خیر و عافیت کے ساتھ مکہ پہنچ گئے ہیں، تم لوگ جو کہ ہماری امداد کے لیے نکل گئے ہو، واپس آ جاؤ۔

ابوجہل نے نہایت مغرورانہ انداز میں کہا: ''جب تک ہم مسلمانوں کو دھول نہ چٹا لیں اور اسی خوشی میں جام شراب نہ پی لیں اور جب تک اپنی قدرت انہیں نہ دکھا لیں، واپس نہیں آئیں گے۔'' دوسری طرف اللہ کے فضل و کرم سے وہ لوگ شکست سے دوچار ہوئے اور ابوجہل نے اس جنگ میں جام مرگ نوش کیا۔

☆ اس آیت میں اور اس سے پہلے کی دو آیات میں محاذ جنگ میں کامیابی کے عوامل کو یوں بیان کیا گیا ہے: ثبات قدم، یاد خدا، راہبر کی اطاعت، اختلافات سے دوری، صبر کی پابندی، غرور ریاکاری اور دنیا طلبی سے پرہیز کامیابی کی علامت ہے۔

پیغام:

۱۔ محاذ جنگ پر غرور اور ریاکاری، قدرت کے نشہ کی آفات ہیں۔ ''خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ''

۲۔اسلامی اور غیر اسلامی جنگوں میں اصولی فرق ان کے اہداف ومقاصد میں ہوتا ہے، کیونکہ مسلمانوں کا ہدف دنیا سے فتنہ کی بیخ کنی ہے۔(اس سورت کی آیت ۳۹) جبکہ دوسروں کا مقصد استعمار، سامراج اور تسلط واظہار قدرت ہوتا ہے۔''بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ''

۳۔محاذ جنگ پر روانہ ہوتے وقت اپنی نیت کو خالص کرلیا کرو، خودنمائی کی فکر میں نہ رہو۔''رِئَآءَ النَّاسِ''

(اگرچہ آیات کا سیاق جنگ بدر سے متعلق ہے لیکن اس میں ایسے منافقین کو بھی خبردار کیا گیا ہے جو محاذ پر صرف ریاکاری، خودنمائی، پراپیگنڈہ کرنے اور مجاہدین کے حوصلوں کو پست کرنے کی خاطر جاتے ہیں۔)

۴۔ باطل محاذ کے لوگ راہ حق کو بند کرنے، معاشرے میں روحانی والٰہی تحریک کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ''وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ''

۵۔دشمنوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ جس قدر بھی خدا کے مقابلے میں کوشش کرلیں ہرگز بھی خدا تعالیٰ کے دائرہ قدرت سے باہر نہیں جاسکتے۔''وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۴۷''

آیت نمبر ۴۸

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴۸

ترجمة الآيات

اور وہ وقت (یاد کرو) جب شیطان نے ان (مشرکین) کے اعمال کو ان کی نظر میں مزین کیا اور کہا کہ لوگوں میں کوئی بھی تم پر کامیاب نہیں ہوگا اور میں تمہارا ہمسایہ (اور تمہیں پناہ دینے والا) ہوں، لیکن جب دو گروہ ایک دوسرے کے سامنے آئے (اور فرشتے سپاہ اسلام کی مدد کو آئے) تو شیطان پیچھے کی طرف پلٹا اور کہا کہ میں تم سے بیزار ہوں۔ میں ایسی چیز دیکھ رہا

ہوں جسے تم نہیں دیکھتے میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ شدید العقاب ہے۔(۴۸)

نکات:

☆''جار'' کے معنی مددگار، شریک، ہمسایہ اور اکٹھے قسم کھانے والا، ہیں۔ یہاں پہلا معنی مناسب تر ہے۔''نَكَصَ'' کے معنی خودداری اور برگشت ہیں۔''عقب'' کا معنی پاؤں کا پنجہ ہے۔''نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ'' یعنی وہ اپنے دونوں پاؤں کے پنجوں پر گھما اور پیچھے کو پلٹ گیا۔

☆اس آیت میں بیان ہونے والی شیطان کی اپنے دوستوں سے گفتگو، ہوسکتا ہے کہ وہی شیطانی وسوسے ہوں، جوان کے دلوں میں پیدا ہوئے یا چونکہ شیطان انسانی قالب میں ڈھل کر اپنے ناپاک مقاصد کو پورا کرتا رہتا ہے لہذا اس موقع پر بھی اس نے انسانی شکل میں ان کے دلوں میں وسوسے ڈالے ہوں۔روایات بھی اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔(تفسیر مجمع البیان اور نور الثقلین)

جنگ بدر میں شیطان، قبیلہ بنی کنانہ کے ایک شخص سراقہ بن مالک کی صورت میں مشرکین کے پاس آیا، اور وہ انہیں تشویق کرتا رہا، جنگ لڑنے پر اکساتا رہا، انہیں ساتھ دینے اور کامیابی کے وعدے دیتا رہا لیکن سپاہ اسلام کی نصرت کیلئے آنے والے فرشتوں کو دیکھ کر وہاں سے بھاگ گیا۔شکست کے بعد جب کفار و مشرکین مکہ واپس آئے تو اسے کہنے لگے: تو ہماری شکست کا سبب بنا۔جبکہ اس نے قسمیں کھائیں کہ وہ تو مکہ سے باہر گیا ہی نہیں تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شیطان، سراقہ کی صورت میں ان کے پاس آیا تھا، انہیں فتح و کامیابی کے وعدے دیئے، پھر بھاگ گیا۔

☆ باطل طرف والوں کیلئے شیطان تبلیغات کرتا ہے، مقابلہ کے آغاز میں ان کا حوصلہ بڑھاتا ہے لیکن الٰہی امداد کو دیکھنے کے بعد انہیں وہیں چھوڑ کر الٹے پاؤں فرار کر جاتا ہے۔

پیغام:

ا۔ شیطانی فریب کاری کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ برائیوں کو اچھائی کی صورت میں پیش کرتا ہے۔''زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ''

(برے کاموں کو اچھا خیال کرنا، برائیوں کو اچھا کہنا، انسانی افکار میں شیطان کے نفوذ کی علامت ہے۔)

۲۔ شیطان اور شیطان صفت لوگ، دوسرے لوگوں کو فساد برپا کرنے کے لیے مختلف توجیہات کے ذریعے انہیں برائیوں پر اکساتے ہیں۔''زَيَّنَ۔غَالِبَ۔جَارٌ لَّكُمْ''

۳۔ایمان، فرشتوں کی حمایت کو اور کفر، شیطان کی حمایت کو اپنی طرف مبذول کراتا ہے۔''جَارٌ لَّكُمْ''

۴۔شیطان، منافق، دھوکہ باز، جھوٹا اور بے وفا ہے۔''جَارٌ لَّكُمْ ۔۔۔اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ''

۵۔شیاطین، فتنے کی آگ تو بھڑکاتے ہیں لیکن خود وارد معرکہ نہیں ہوتے۔''اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ''

۶۔غیر خدا پر توکل، انسان کو مشکلات میں پھنسا دیتا ہے۔''اِنِّیْ جَارٌ لَّکُمْ ۔۔۔اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ''

۷۔خدائی راہوں سے ہٹ کر مراسم اور روابط ہمیشہ ناپائیدار اور غیر قابل اطمینان ہوا کرتے ہیں۔''قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ''

۸۔شیطان، فرشتوں کی قدرت سے آگاہ ہے۔''اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ''فرشتوں کی طاقت کو دیکھنے کی وجہ سے وہ عقب نشینی کر جاتا ہے۔''قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ''

۹۔شیطان، بعض پوشیدہ امور کو دیکھ سکتا ہے۔''اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ''

۱۰۔شیطان، خداوند پر اعتقاد رکھتا ہے اور اس کے عذاب کی شدت سے آگاہ ہے۔''اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾''جناب ابن عباس کے بقول:''شیطان، خدا سے ڈرنے کے دعویٰ میں بھی جھوٹا ہے ورنہ اس کی نوبت یہاں تک نہ پہنچتی''(تفسیر اثنی عشری)

آیت نمبر ۴۹

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۴۹﴾

ترجمۃ الآیات

اس وقت کو یاد کرو جب منافقین اور وہ جن کے دلوں میں بیماری تھی، کہنے لگے: (مسلمانوں کے) اس گروہ کو ان کے دین نے مغرور کیا (اور دھوکا دیا) ہے۔ (جس کی وجہ سے وہ بے خوف ہو کر حملے کرتے ہیں، وہ اس بات سے غافل ہیں کہ مسلمان تو خدا پر توکل کرتے ہیں۔) اور جو شخص اللہ پر توکل کرے (وہ جان لے کہ) یقیناً اللہ عزیز (شکست ناپذیر) وحکیم ہے۔ (۴۹)

نکات:

☆ نصرت الٰہی پر اعتقاد نہ رکھنے والے منافقین اور کمزور ایمان افراد کو یہ تصور تک نہ تھا کہ مسلمان اپنے تھوڑے سے ہتھیاروں کے ساتھ فتح حاصل کر لیں گے، اسی لیے وہ کہتے تھے کہ دین نے ان لوگوں کو دھوکہ دیا ہے۔

منافقین سے مراد ہو سکتا ہے کہ مدینہ کے بعض مسلمان ہوں۔''وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ''یعنی کمزور ایمان

افراد جو کہ ہوسکتا ہے کہ مکہ میں رہنے والے بعض افراد ہوں (تفسیر کبیر فخر رازی) منافقین سے مراد مدینہ کے وہ لوگ جو ظاہری طور پر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے یا وہ جو مکہ میں مسلمان ہوئے تھے، ہوسکتے ہیں۔ لیکن ایسے افراد نے پیغمبر کی حمایت اور مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

پیغام:

۱۔ جن کے حوصلے پست ہوتے ہیں وہ منافقین کے ہم نوا ہو جاتے ہیں۔ ''اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ''

۲۔ منافق لوگ مسلمانوں کو فریب خوردہ اور مغرور سمجھتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں کہ کیا ممکن ہے کہ خالی ''اللہ اکبر'' کے نعرے کے ساتھ ہر قسم کے جدید اسلحہ کا مقابلہ کیا جائے؟ کیا ایسا ہوسکتا ہے؟۔۔) ''غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ''

۳۔ رجحانات اور نظریات، انسان کے طرز تفکر پر گہرے اثرات رکھتے ہیں۔ ایک ہی عمل کے متعلق مختلف نظریئے قائم کیے جاسکتے ہیں، کوئی اسے توکل سمجھتا ہے اور کوئی اسے فریب کھانا اور غرور سمجھتا ہے۔ ''اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ ۔۔۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ''

۴۔ خدا پر توکل کچھ اور ہے اور غرور کی بات اور ہے۔ ''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ ۔۔۔'' (جنگ بدر میں خدا پر توکل کامیابی کی ضمانت تھا۔)

۵۔ اس قدرت و طاقت پر بھروسہ کیا جانا چاہیے کہ جسے کوئی شکست نہیں دے سکتا اور اس کی حمایت بھی حکمت پر مبنی ہے۔ ''عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۹'' (خداوند کی قدرت، عزت و حکمت کے ہمراہ ہے۔)

آیت نمبر ۵۰۔۵۱

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۵۰

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۵۱

ترجمۃ الآیات

(اے رسولؐ) اگر تو کفار کو دیکھے کہ جب فرشتے ان کی روح نکال رہے ہوتے ہیں اور ان کے چہروں اور ان کی پشتوں پر ضربیں لگا رہے ہوتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) چکھو جلانے والے عذاب کو۔ (۵۰)

یہ (سزا) ان کاموں کے بدلہ میں ہے جو تم آگے بھیج چکے ہو اور شک نہیں ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر کبھی ظلم وستم روا نہیں رکھتا۔ (۵۱)

نکات:

☆ قرآن مجید میں کئی بار کفار کی سخت جانکنی کا تذکرہ آیا ہے، جن میں سے سورۃ محمد کی آیت ۲۷ اور سورۃ انعام کی آیت ۹۳ میں بھی یہی چیز مذکور ہے۔ دوسری طرف مسلمان کی جانکنی کے وقت آسانی پیدا ہونے کے بارے میں بیان ہوا ہے، منجملہ ہم سورۃ نحل کی آیت ۳۲ میں پڑھتے ہیں: ''الَّذِيۡنَ تَتَوَفّٰٮهُمُ الۡمَلٰۤـئِكَةُ طَيِّبِيۡنَ ۙ يَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۳۲''

☆ ''يَتَوَفَّى'' پکڑنے کے معنی میں ہے اور قرآن فرماتا ہے: ہم کفار کو یوں پکڑتے ہیں کہ ان کے اجساد دنیا میں ہی رہ جاتے ہیں۔ پس معلوم یہ ہوا کہ ان کی روح کو پکڑتے ہیں۔ اس بنا پر انسان کی حقیقت اس کی روح کے ساتھ ہے۔ جب تک انسان زندہ ہے روح اس کے جسم کے ہمراہ ہے اور موت کے بعد روح اس کے جسم سے الگ ہو جاتی ہے اور باقی رہتی ہے۔

پیغام:

۱۔ کفار پر قہر کے ذکر سے خداوند، پیغمبر اور مومنین کو تسلی خاطر اور حوصلہ دے رہا ہے۔ ''وَلَوۡ تَرٰۤى ۔۔۔''

۲۔ اللہ کے فرشتے، مومنوں اور کافروں کو پہچانتے ہیں۔ ''اِذۡ يَتَوَفَّى الَّذِيۡنَ كَفَرُوا ۙ''

۳۔ کافروں پر اخروی قہر الٰہی کا آغاز، ان کی جانکنی کے لمحہ ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ ''اِذۡ يَتَوَفَّى ۔۔۔ يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ ۔۔۔''

۴۔ برزخ میں بھی عذاب ہے۔ ''وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ۝۵۰''

۵۔ خدا کی سزائیں، انسان کا اپنا کیفر کردار ہے، یہ اللہ کا انتقام نہیں ہے۔ ''ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ ۔۔۔''

۶۔ ایک شخص پر ظلم، تمام لوگوں پر ظلم کے مترادف ہے۔ ''لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ۝۵۱''

(اللہ تعالیٰ کی طرف سے چھوٹا سا ظلم بھی بہت بڑا ستم ہوگا درحالیکہ وہ اس سے منزہ ہے۔)

۷۔خدا تعالیٰ کی طرف سے جزا و سزا، عدل کی بنیاد پر ہے۔''لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴿۵۱﴾ ''

آیت نمبر ۵۲

کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴿۵۲﴾

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبر! آپؐ کے زمانے کے کافروں کی عادت بھی) فرعون والوں اوران سے پہلے کے کفار جیسی عادت ہے کہ جنہوں نے (عناد اور دشمنی کی بنا پر) آیات خداوندی کا کفر کیا، تو اللہ نے بھی انہیں ان کے گناہوں کی سزا میں اپنی گرفت میں لے لیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ طاقتور اور سخت عذاب دینے والا ہے۔(۵۲)

پیغام:

۱۔بعض اوقات کفر اور ہٹ دھرمی لوگوں کی ایسی عادت اور خصلت ہو جاتی ہے کہ عذاب کے نزول کا سبب بن جاتی ہے۔''کَدَاْبِ''

۲۔تمام اقوام، خداوند کے نزدیک یکساں ہیں اگر گمراہی اور کفر کی راہیں اختیار کریں گی تو سزا پائیں گی۔''کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ'' جی ہاں! اللہ تعالیٰ کا تو قدیم سے یہی طریقہ چلا آ رہا ہے کہ کفار کو ضرور سزا دیتا ہے۔اس لیے جنگ بدر میں مشرکین کیلئے کوئی خاص حکم نہ تھا۔

۳۔گناہ، الٰہی قہر کا سبب ہے۔''فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ''

۴۔خدا تعالیٰ، کافروں کو سزا دینے میں عاجز نہیں ہے، جبکہ تمام اقوام (جیسے مضبوط اور قدرتمند فرعون یا کمزور مشرکین) قہر الٰہی کے سامنے عاجز ہیں۔''اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴿۵۲﴾ ''

آیت نمبر ۵۳

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾

ترجمۃ الآیات

یہ (سزا) اس بنا پر ہے کہ خدا جو نعمت بھی کسی گروہ کو دیتا ہے اسے متغیر نہیں فرماتا، مگر یہ کہ وہ گروہ خود اپنے آپ کو متغیر کریں اور خدا سننے والا، جاننے والا ہے۔ (۵۳)

نکات:

☆ احادیث میں ہے کہ بعض عوامل مثلاً ظلم اور گناہ ایسے ہیں جو نعمتوں کے تبدیل ہو جانے کا موجب بنتے ہیں، اسی طرح اقوام وملل کا گناہوں سے توبہ تائب ہو جانا اور گمراہی کو چھوڑ کر راہ حق کو اپنا لینا، اللہ کی نعمتوں کے نزول کا موجب بن جاتا ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

گناہ اور ظلم انسان کو خدائی نعمتوں سے بہرہ مند ہونے سے دور کر دیتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ قاصعہ میں اس طرف اشارہ کیا اور ہم دعائے کمیل میں پڑھتے ہیں: ''اللھم اغفر لی الذنوب التی تھتك العصم ... اللھم اغفر لی الذنوب التی تغیر النعم ...''

☆ حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے مالک اشتر کے نام لکھے گئے نامہ میں پڑھتے ہیں: ''ظلم وستم سے زیادہ بڑھ کر کوئی چیز بھی نعمات الٰہی کو تبدیل نہیں کرتی، کیونکہ خدا تعالیٰ مظلوم کی آہ وزاری کو سنتا ہے، اور وہ ظالموں کیلئے گھات میں ہے۔'' (نہج البلاغہ، نامہ ۵۳)

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''دن رات میں پیش آنے والی سختیوں اور مشکلات کیلئے، جو کہ خود تمہاری نافرمانی اور تمہارے گناہوں کی وجہ سے ہیں، خدا سے پناہ مانگو۔'' (کافی، ج ۲، ص ۲۶۹)

پیغام:

۱۔ نعمتوں کا زوال خود ہماری طرف سے ہے ورنہ خدائی طریقہ کار نعمتوں کا جاری رکھنا ہے۔ ''ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ

مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ‘‘

۲۔ خدا کی طرف سے نعمتوں کی عطا اور گرفت اس کے حکیمانہ قانون کے تحت ہوتی ہے۔ ’’لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا۔۔۔‘‘

۳۔ پروردگار عالم کی رحمت اس کے غضب سے سبقت لیے ہوئے ہے۔ ’’اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا ‘‘

۴۔ اسلام میں شخصی سزاؤں کے علاوہ اجتماعی اور معاشرتی سزائیں بھی ہیں اور معاشروں کی تبدیلی کے لیے بھی قوانین موجود ہیں۔ ’’عَلٰى قَوْمٍ ‘‘

۵۔ انسان کی فطرت، ایمان اور پاکیزگی پر مبنی ہے، یہ انسان خود ہے جو اپنے آپ کو تبدیل کر لیتا ہے۔ ’’يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ‘‘

۶۔ انسان ہے جو تاریخ کو بناتا ہے نہ کہ اقتصاد، تاریخی جبر اور ماحول، انسان کو بناتا ہے۔ ’’حَتّٰى يُغَيِّرُوْا۔۔۔‘‘ البتہ ماحول اور اقتصادی حالات بے اثر نہیں ہوتے، لیکن اصل کردار انسان کے ارادے کا ہے، کیونکہ کسی بھی طرح کے حالات انسان کو مجبور نہیں کرتے۔

۷۔ افراد، معاشروں کو بناتے ہیں، معاشرے کے اندر کسی بھی قسم کی مثبت یا منفی تبدیلی، افراد کی فکری و تہذیبی تبدیلی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ ’’قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ‘‘

۸۔ اقوام و ملل کی سعادت و شقاوت ان کی اندرونی تبدیلیوں کی مرہون ہوتی ہیں۔ قدرت اور ثروت، سعادت یا بدبختی ایجاد نہیں کر سکتیں۔ ’’حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ‘‘

۹۔ معاشروں کی تقدیر کے تجزیہ و تحلیل میں نتیجہ یہ ہے کہ اصل محور و مرکز لوگوں روحانی و نفسیاتی کیفیت ہوتی ہے۔ اتفاق، خرافات، حکمفرما نظام اور تاریخی جبر وغیرہ، اصلی وجہ نہیں۔ ’’يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ‘‘

۱۰۔ ہم سب خدا کی نگاہوں میں ہیں لہذا کافروں کا کیفر خدا تعالیٰ کے وسیع علم کی بنیاد پر ہے۔ ’’وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾‘‘

۱۱۔ انسان ذاتی طور پر اس لائق ہے کہ اس پر نعمات الٰہی کا نزول ہو۔ ’’اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ ‘‘

آیت نمبر ۵۴

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ‌ۚ وَكُلٌّ كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ۝۵۴

ترجمۃ الآیات

(اے پیغمبر! آپؐ کے زمانے کے لوگوں کی اندرونی کیفیت) فرعون اور ان سے پہلے کے لوگوں جیسی ہے، انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کو جھٹلایا، پس ہم نے بھی انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اور یہ (فرعونی اور کفار قریش) سب لوگ ظالم تھے۔ (۵۴)

نکات:

☆ ''كَدَاْبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ‌ۙ'' کا جملہ اس سے دو آیات قبل بھی گذر چکا ہے۔ اب چونکہ ہر ایک جملے کی نوعیت الگ تھی لہذا اس جگہ پر اسے دوبارہ ذکر کیا گیا، اس لیے یہ تکرار بلاغت کے ساتھ منافات نہیں رکھتا۔ اس جگہ پر ظالم کو سزا دینے کی بات ہو رہی تھی اور یہاں لوگوں کے حالات کی تبدیلی پر نعمتوں کی تبدیلی کا ذکر ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی آیت میں آخرت کا عذاب مراد ہو اور اس آیت میں دنیاوی عذاب مقصود ہو۔

پیغام:

۱۔ گذشتہ لوگوں کے حالات سے درس حاصل کریں۔ ''كَدَاْبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ‌ۙ''

۲۔ آیات الٰہی کی تکذیب، ہلاکت انسان کیلئے بنیاد ہے۔ ''كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ''

۳۔ انسان کے پاس اختیار ہے، اس کی تقدیر اس کے اعمال کی انجام دہی پر منحصر ہے۔ ''كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ''

۴۔ ظلم و گناہ، قہر خداوندی کا موجب ہوتے ہیں، خواہ اپنے نفس پر ظلم ہو یا لوگوں پر یا انبیاء اور دین پر ہو۔ ''فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ ---كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ۝۵۴''

۵۔ بعض سختیاں، حادثات، دنیاوی اتفاقات اور نعمتوں کا زوال، انسان کے اپنے گناہوں کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ''فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ‌ۚ''

۶۔ آیات الٰہی کو جھٹلانا اور گناہ، ظلم ہے۔ ''كَذَّبُوۡا ---كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ۝۵۴''

آیت نمبر ۵۵

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمۃ الآیات

یقیناً اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والے بدترین جانور وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کررکھی ہے اور وہ ایمان نہیں لائیں گے۔(۵۵)

نکات:

☆اسی سورۃ کی ۲۲ ویں آیت میں ''شَرَّ الدَّوَآبِّ '' ان لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو سوچ و بچار اور عقل وفکر سے کام نہیں لیتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے اور کفر پر ڈٹے رہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ کفر کا سرچشمہ، عقل سے صحیح کام نہ لینا ہے۔قرآن مجید انسان کی تصویر کشی عقل اور ایمان میں کرتا ہے یعنی اگر کوئی عقل سے کام نہیں لیتا یا کفر کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ مدار انسانیت سے خارج ہے۔پس حقیقی انسان عاقل اور مومن ہی ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی کافر جو حق کو سمجھتا ہے پھر بھی ایمان نہیں لاتا،لوگوں کے نزدیک کسی عزت واحترام کا حامل ہو لیکن خدا کے نزدیک وہ بدترین جانور ہے۔

پیغام:

۱۔جو لوگ انبیاء کی دعوت کو سنیں لیکن پھر بھی لاپرواہ رہیں ایسے لوگ جانوروں کی مانند ہیں۔''اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ''

۲۔کفر، انسان کو پست ترین حیوانی درجات تک لے جاتا ہے۔''شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ''

۳۔کبھی کفر کی حالت انسان کیلئے پختہ عادت بن جاتی ہے جو اس کے مستقبل کو بھی سیاہ کر دیتی ہے۔''الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾''

آیت نمبر ۵۶

اَلَّذِیۡنَ عٰهَدۡتَّ مِنۡهُمۡ ثُمَّ یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ فِیۡ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمۡ لَا یَتَّقُوۡنَ﴿۵۶﴾

ترجمۃ الآیات

(خدا کے نزدیک چلنے والوں میں بدترین) وہ لوگ جن سے تم نے عہد و پیمان لیا پھر وہ ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑتے ہیں اور وہ (پیمان شکنی اور خیانت سے) پرہیز نہیں کرتے۔(۵۶)

نکات:

☆ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہودیوں کا یہ معاہدہ تھا کہ وہ مشرکین کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہیں کریں گے اور مسلمانوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے، لیکن بدعہد یہودیوں نے اپنے اس معاہدے پر عملدرآمد نہ کر کے اپنی روایتی عہد شکنی کا ثبوت دیا اور جنگ خندق میں مشرکین کی مدد کرتے رہے، انہیں اسلحہ بھی فروخت کیا۔

☆ روایات میں ہے کہ ''جو کوئی وفادار نہ ہو اور عہد شکنی کرے، وہ منافق ہے، خواہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو۔'' (کافی، ج۲، ص۲۹۰)

پیغام:

۱۔ مسلمانوں کا راہبر، کافروں کے ساتھ معاہدہ کر سکتا ہے۔ ''عٰهَدۡتَّ مِنۡهُمۡ'' جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ نے کافروں کے ساتھ کئی ایک معاہدے کیے تھے، یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے بعض اپنے عہد پر باقی نہیں رہے۔ ''یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ فِیۡ كُلِّ مَرَّةٍ''

۲۔ کسی کی عہد شکنی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ پھر سے نئے معاہدے نہ کیے جائیں۔ ''یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ فِیۡ كُلِّ مَرَّةٍ''

۳۔ عہد شکنی، انسانیت سے سازگار نہیں ہے۔ ''شَرَّ الدَّوَآبِّ۔۔۔ یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ''

۴۔ کفر، عہد شکنی کی بنیاد ہے۔ ''الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا۔۔ یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ''

۵۔عہد شکنی، تقویٰ سے دوری ہے۔ ''یَنۡقُضُوۡنَ عَہۡدَہُمۡ ۔۔۔وَّ ہُمۡ لَا یَتَّقُوۡنَ﴿۵۶﴾''

۶۔زیادہ خطرہ ان لوگوں سے ہوتا ہے کہ عہد شکنی جن کا شیوہ بن چکا ہو اور انہیں اس بات کی پروا تک نہ ہو۔ ''یَنۡقُضُوۡنَ ۔۔۔فِیۡ کُلِّ مَرَّۃٍ وَّ ہُمۡ لَا یَتَّقُوۡنَ﴿۵۶﴾''

آیت نمبر ۵۷

فَاِمَّا تَثۡقَفَنَّہُمۡ فِی الۡحَرۡبِ فَشَرِّدۡ بِہِمۡ مَّنۡ خَلۡفَہُمۡ لَعَلَّہُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ﴿۵۷﴾

ترجمۃ الآیات

پس (اے پیغمبر!) جب تم ان کے ساتھ جنگ کرو تو (دشمن کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہوئے) ان کے پیچھے والوں کو وحشت میں ڈال کر، انہیں منتشر کردو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (اور سازشوں سے باز آجائیں۔) (۵۷)

نکات:

☆''تَثۡقَفَنَّہُمۡ'' کا کلمہ ''ثقف'' سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں، خوب غور وحوض اور بڑی تیزی کے ساتھ کسی چیز کا درک کرنا، یعنی کفار کے ساتھ جنگ کے موقع پر مکمل ہوشیاری کے ساتھ ان کا سامنا کرو تا کہ غفلت کا شکار نہ ہو جاؤ۔

☆''تشرید'' کے معنی ہیں بدامنی اور بے چینی پیدا کر کے منتشر کردینا، یعنی دشمن پر اس طرح حملہ کرو اور ایسے جنگی منصوبے کے ساتھ ان سے لڑو کہ ان کے پس پردہ حامی اور مددگار نیز محاذ کے پیچھے چھپے ہوئے ان کے ساتھی اس حد تک گھبرا جائیں اور وحشت ناک ہو جائیں کہ تم پر حملے کا سوچ بھی نہ سکیں۔

پیغام:

۱۔دشمنوں پر تمہارا حملہ اچانک، بڑی تیزی کے ساتھ، پورے حساب وکتاب کے تحت اور تباہ کن ہونا چاہیے، اور یہ فوجی اصولوں میں سے ہے۔''تَثۡقَفَنَّہُمۡ فِی الۡحَرۡبِ فَشَرِّدۡ بِہِمۡ''

۲۔مسلمانوں کے قائد کی نگاہ اس قدر عمیق ہونی چاہیے کہ سازش کرنے والوں کی سازش کی وسعت وگہرائی کو جان سکے

اور پھر ان کے خلاف صحیح و مضبوط فیصلہ کر سکے۔ ''فَشَرِّدْ بِهِمْ''

۳۔ روز کے معمول کے مطابق کیے جانے والے دفاع اور ابتدائی دفاعی حکمت پر اکتفا نہ کریں۔ دشمن کے پیچھے کارفرما ہاتھ اور ہمارے خلاف نقشے بنانے والوں سے غافل نہ رہیں۔ ''مَّنْ خَلْفَهُمْ''

جیسا کہ ڈرائیونگ میں صرف آگے ہی نظر نہیں رکھنی چاہیے بلکہ ادھر اُدھر اور دور تک نظریں گاڑھ کر رکھنی چاہیے۔

۴۔ جو عہد شکن، قوم اور معاشرے کے امن و امان کو درہم برہم کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ خود وحشت زدہ اور غیر مطمئن ہو جائیں۔ ''فَشَرِّدْ بِهِمْ''

۵۔ اگرچہ دین اسلام رحمت و مہربانی کا دین ہے لیکن خیانت، عہد شکنی، گڑبڑ پھیلانے اور امن و امان کا مسئلہ پیدا کرنے والے کو برداشت نہیں کرتا۔ ''فَشَرِّدْ بِهِمْ''

۶۔ اسلامی معاشرے کی ہیبت اور شان و شوکت ہونی چاہیے۔ ''فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ''

۷۔ کفار کے حوصلے اس قدر پست کر دو کہ دوبارہ کبھی تم پر حملہ کرنے کا سوچ بھی نہ سکیں۔ ''فَشَرِّدْ بِهِمْ''

۸۔ اسلام جہاں تبلیغ اور موعظہ کا دین ہے وہاں عہد شکنوں اور نظام کو درہم برہم کرنے والوں کے ساتھ قدرت و طاقت کے ساتھ پیش آنے کے طریقے جانتا ہے نیز پیش قدمی اور حملے سے بھی بے خبر نہیں ہے۔ ''فَشَرِّدْ بِهِمْ'' اگلے مورچوں میں دشمنوں کے ساتھ ایسا کیا جانا چاہیے کہ دوسروں کیلئے درس عبرت بن جائے۔ ''مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴿۵۷﴾''

آیت نمبر ۵۸۔۵۹

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴿۵۸﴾

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ﴿۵۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر ان لوگوں سے اس بات کا خوف محسوس کرو کہ وہ عہد و پیمان میں خیانت کریں گے تو تم پیمان کو یکدم ختم کر کے انہیں بتا دو کہ ان کے ساتھ انہی کے جیسا عمل کیا جائے گا۔ یقیناً اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (۵۸)

اور وہ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ یہ تصور نہ کریں کہ وہ ان اعمال کے ہوتے ہوئے کامیاب ہو جائیں گے (اور وہ ہماری قلمرو سے کہیں باہر چلے گئے ہیں) کیونکہ وہ ہمیں کبھی بھی عاجز نہیں کر سکتے۔ (۵۹)

نکات:

☆ ''فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ'' کا کلمہ ''نبذ'' سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں پھینکنا، اور یہاں پر دشمن کی طرف پیمان پھینکنے سے مراد یہ ہے کہ اسے ختم کر دینے کا اعلان کر دیا جائے تاکہ دشمن بھی غفلت میں نہ رہے اور تمہیں بھی یہ نہ کہا جائے کہ انہوں نے جوانمردی کا ثبوت نہیں دیا۔

☆ ''عَلٰى سَوَآءٍ ؕ'' کے معنی یا تو ''مقابلہ بہ مثل'' کے ہیں یعنی جس طرح وہ دشمن سازشوں اور معاہدہ کے توڑنے کی فکر میں ہیں تم بھی انہی کی طرح معاہدہ کو ختم کر دو، یا پھر معاہدے کے خاتمے کا واضح اعلان مراد ہے، یا پھر دشمن کے ساتھ عادلانہ سلوک مراد ہے۔ (تفسیر نمونہ و تفسیر المیزان)

☆ یہ آیت اس موقع کے لیے ہے جہاں دشمن کی طرف سے اس بات کے قرائن پائے جائیں کہ وہ حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں، تو ایسے موقع پر معاہدہ کو ختم کرنے کے لیے پہل کی جا سکتی ہے۔

پیغام:

۱۔ فوجی اور معاشرتی مہم مسائل میں خیانت کا انتظار نہ کریں بلکہ عقل کے تقاضوں کے مطابق عہد شکنی اور خیانت کا جواب دینے کے بارے میں پہلے سے سوچ کر رکھیں۔ ''وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً''

۲۔ اسلام اپنی قراردادوں اور اپنے معاہدوں پر پابند ہے۔ جب تک خیانت کا شک نہ ہو، وفاداری لازمی ہے۔'' وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ''

۳۔ خیانت کے بارے میں شواہد و قرائن کی تشخیص اور معاہدوں کو باطل قرار دینے اور معاہدے کی مدت ختم کرنے کے فیصلے کا اختیار اسلامی معاشرے کے راہبر کے پاس ہے۔ ''فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ'' (یہاں پیغمبر اسلام مخاطب ہیں نہ کہ اسلامی امت)

۴۔ معاہدے کی پابندی اس وقت تک ہے جب تک کسی قسم کی سازش کا خطرہ نہ ہو، ورنہ اسے ختم کر دینے کا اعلان کر دیا جائے۔ ''فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ''

۵۔ اگر تمہیں دشمن کی طرف سے خیانت کا خطرہ بھی درپیش ہو پھر بھی بددیانتی کا مظاہرہ نہ کرو، معاہدے کے خاتمے کا کھلم کھلا اعلان کرو۔ ''فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ''

۶۔ دشمن کے ساتھ بھی عدل و انصاف سے کام لو۔ ''عَلٰى سَوَآءٍ ؕ'' یعنی بالعدل۔ (تفسیر المیزان)

۷۔ مقابلہ بہ مثل کی بنیاد پر معاہدے کو توڑنا، عادلانہ فعل ہے۔ ''عَلٰی سَوَآءٍ ؕ''

۸۔ خیانت خواہ کسی طرف سے بھی ہو حرام ہے اور قابل مذمت ہے۔ خواہ کفار کی طرف سے ہو یا مسلمین کی طرف سے ہو۔ ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۸﴾''

۹۔ جن کے ساتھ معاہدے ہو چکے ہیں ان کے ساتھ جنگ کرنا، خیانت ہے۔ ''فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ ۔۔۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۸﴾''

۱۰۔ خدائی طریقہ کار سے سبقت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ ''وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ''

۱۱۔ ایسا زیرکانہ طریقہ کار اپناؤ کہ کفار یہ نہ سمجھیں کہ تم سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ ''وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ''

۱۲۔ کفار، خیانت کر کے کسی مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔ ''لَا یُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾''

آیت نمبر ۶۰

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان (دشمنوں کے ساتھ مقابلے) کے لیے جتنا کر سکتے ہو طاقت اور گھوڑے تیار رکھو، تا کہ خدا کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور ان کے علاوہ ان دشمنوں کو ڈراؤ جنہیں تم نہیں جانتے لیکن خدا جانتا ہے۔ اور خدا کی راہ (اور اسلام کی دفاعی بنیاد کو مضبوط کرنے) میں جس قدر بھی خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں ملے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (۶۰)

نکات:

☆ یہ آیت مسلمانوں کو دشمن کے مقابلے میں ہر طرح سے خبردار کر رہی ہے اور ساتھ ہی انہیں ہر دور میں ہر قسم کے اسلحہ، وسائل، امکانات، تبلیغی طریقہ کار حتیٰ کہ نعرے اور ترانے وغیرہ تیار رکھنے کے متعلق آمادہ رہنے کا حکم دے رہی ہے، کہ اے مسلمانو! تم ہر وقت اس حد تک تیار رہو کہ کفار تمہاری جنگی صلاحیتوں سے گھبرا جائیں اور تم پر حملہ کرنے کا سوچ بھی نہ سکیں۔

☆ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ یمن میں جدید اسلحہ تیار کیا جا رہا ہے تو آپؐ نے کسی شخص کو بھیجا کہ وہاں سے وہ خرید کر لے آئے۔ آپؐ ہی سے روایت ہے کہ فرمایا: ایک تیر کے ذریعہ تین آدمی بہشت میں جائیں گے، بنانے والا، تیار کرنے والا اور چلانے والا۔ (تفسیر فرقان)

☆ اسلام میں تیر اندازی اور گھڑ سواری کے مقابلوں کی تاکید کی گئی ہے اور ان مقابلوں میں لگائی جانے والی بازی کو جائز قرار دیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں میں جنگی آمادگی ہمیشہ برقرار رہے۔

☆ ''لَهُمْ'' کی ضمیر کفار اور ان لوگوں کی طرف لوٹ رہی ہے جو سابقہ آیت میں مذکور ہوئے ہیں کہ جن سے خیانت کا خطرہ ہوتا ہے۔ ایسے دشمن کے مقابلے میں جس سے عہد و پیمان کے باوجود خیانت کا خطرہ ہے، تیار رہنا چاہیے۔

پیغام:

۱۔ مسلمانوں کو جنگ کے لیے ہمیشہ مکمل طور پر آمادہ رہنا چاہیے، افرادی قوت کے لحاظ سے، اسلحہ کے اعتبار سے اور وسائل حمل و نقل کے لحاظ سے غرض کسی بھی طرح سے کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے اور اس انتظار میں نہ رہیں کہ دشمن حملہ کرے گا تو پھر تیاری کریں گے۔ ''وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ''

۲۔ فوجی اعتبار سے تیاری کا مقصد، غارت گری اور استعمار گری نہیں بلکہ مسلمانوں کے دین اور وطن کی حفاظت ہے۔ ''وَاَعِدُّوْا لَهُمْ''

۳۔ حکومت کو اسلامی نظام کی حفاظت و دفاع اور خدا کے دشمنوں کے دلوں میں خوف پیدا کرنے کی خاطر زیادہ سے زیادہ بجٹ مختص کرنا چاہیے، اور اسے پورا کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ ''مَّا اسْتَطَعْتُمْ''

۴۔ تمام مسلمانوں کو ہمیشہ دشمن کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کیلئے آمادہ رہنا چاہیے اور انہیں چاہیے کہ وہ اس کی تربیت بھی حاصل کریں۔ ''مَّا اسْتَطَعْتُمْ''

(انقلاب اسلامی کی کامیابی کے ابتدائی دنوں میں جب ایران کی آبادی تقریباً تیس ملین تھی، امام خمینیؒ نے فرمایا: ہمارے پاس بیس ملین افراد پر مشتمل فوج ہونی چاہیے۔)

۵۔ ہر مقام پر منطق اور مذاکرات بھی کارساز اور کافی نہیں ہوا کرتے، کبھی قدرت اور طاقت کا مظاہرہ بھی ضروری ہو

جاتا ہے۔ ''مِّنۡ قُوَّةٍ ''

۶۔ ہر دور میں جدید ترین اور ترقی یافتہ ترین اسلحہ اور دیگر وسائل جنگ کو اپنے دفاع کے لیے آمادہ رکھو اور کسی بھی چیز سے فروگزار نہ کرو۔ سیاسی اور عسکری قوت سے کبھی غفلت نہ برتو، خواہ تبلیغی وسائل ضروری ہوں تو بھی، اور عسکری ذرائع کی ضرورت ہو تو بھی، غافل ہرگز نہ ہونا۔ ''مِّنۡ قُوَّةٍ ''

۷۔ دشمن کے دل میں خوف پیدا کرنے کیلئے ہر وسیلہ سے استفادہ کرنا چاہیے خواہ ظاہر سازی کے ذریعے ہو۔ ''مِّنۡ قُوَّةٍ '' حدیث میں آیا ہے: داڑھی کے بالوں کو خضاب کر کے دشمن کے دل میں خوف پیدا کرو تا کہ وہ یہ نہ کہے کہ اسلامی فوج بوڑھی ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

۸۔ دشمن کو مرعوب کرنے اور اس کو ڈرائے رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ خواتین کو بھی عسکری تربیت دی جائے۔ ''مِّنۡ قُوَّةٍ ---تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ''

۹۔ موجودہ فوجی وسائل پر اکتفا نہ کرو، ان وسائل میں اضافہ بھی کرو اور دفاعی آمادگی کو دشمن کی سرحدوں تک کر کے رکھو۔ ''مِّنۡ قُوَّةٍ ---تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ''

۱۰۔ وحدت اور یکجہتی بھی ایک طرح کی قوت ہے کیونکہ تفرقہ کے ساتھ دشمن کو ڈرایا نہیں جاسکتا۔ ''مِّنۡ قُوَّةٍ ---تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ''

۱۱۔ دین اسلام میں تمام مسلمان مجاہد ہیں، اس لیے عوامی رضا کاروں کی ضرورت نہیں۔ ''اَعِدُّوۡا ، تُرۡهِبُوۡنَ ،تُنۡفِقُوۡا ---''

۱۲۔ اس زمانے کے جنگی گھوڑے ہوں یا آج کے فوجی ہتھیار، ہر وقت تیار رہنے چاہئیں اور ان کی ضرورت کے مطابق ان کی حفاظت ہونی چاہیے۔ ''رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ ''

۱۳۔ افرادی قوت کی آمادگی بھی لازم ہے اور جنگی وسائل کی بھی۔ ''مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ ''

۱۴۔ اسلام کیلئے ایک منظم نظام اور حکومت ہونی چاہیے کیونکہ اس کے بغیر دشمن کو کوئی خوف و ہراس نہیں ہوتا۔ ''تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ ''

۱۵۔ مسلمانوں کی دفاعی بنیادوں کو علمی، ثقافتی، اقتصادی، اعتقادی اور سیاسی ہر حوالے سے اس قدر مضبوط ہونا چاہیے کہ دشمن ہر لحاظ سے مسلمانوں سے خوف کھائے اور ہر محاذ پر اس کے ناپاک عزائم ناکام ہوجائیں۔ (''تُرۡهِبُوۡنَ '' مطلق طور پر بیان ہوا ہے۔)

۱۶۔ الٰہی اقدار کی بھی حفاظت ہونی چاہیے اور حقوق انسانی کی بھی حفاظت کی جانی چاہیے۔ ''عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ ''

۱۷۔ اسلام میں دین و مذہب اور انسانی عزت نفس ہی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، ذاتی، نسلی اور قومی اغراض کو نہیں اہمیت

نہیں دی جاتی۔ ''عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّ كُمْ ''

۱۸۔ تمام دشمن جانے پہچانے نہیں ہیں۔ ''لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ج '' شاید مراد منافقین ہوں، کیونکہ یہی تعبیر ان کیلئے بھی استعمال ہوئی ہے۔ ''لَا تَعْلَمُهُمْ ط نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ط ''(توبہ۔۱۰۱)

۱۹۔ صرف جانے پہچانے دشمن کو مدنظر نہ رکھو، بلکہ حال اور آئندہ میں ہر موقع محل پر ان جانے دشمن کو بھی ضرور مدنظر رکھا کرو۔ ''لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ج ''

۲۰۔ دفاعی آمادگی کیلئے بجٹ ضروری ہے، صرف نعرے اور وعظ ونصیحت کافی نہیں ہے۔ ''تُنْفِقُوْا ''

۲۱۔ جنگ کے بجٹ اور محاذ جنگ کے اخراجات میں لوگوں کو شریک ہونا چاہیے، اور یہ شرکت صرف جنگ کے زمانے کیلئے نہیں ہے۔ ''وَمَا تُنْفِقُوْا ۔۔۔''

(آیت مطلق ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ آمادگی کیلئے پیسہ خرچ کرنا چاہیے۔)

۲۲۔ صرف اسلحہ اور افرادی قوت ہی کافی نہیں ہے بلکہ مالی تعاون بھی ضروری ہے۔ ''وَمَا تُنْفِقُوْا ''

۲۳۔ محاذ جنگ کی امداد صرف مالی لحاظ سے ہی نہیں کی جاتی بلکہ ہر طرح سے کی جاتی ہے، خواہ مالی ہو یا جانی ہو، عزت کی ہو یا آبرو کی، اثر ورسوخ کی ہو یا قلم کی، غرض ہر طرح سے محاذ کی امداد ضروری ہے۔ ''مِنْ شَيْءٍ ''

۲۴۔ اسلامی حکومت کی دفاعی مضبوطی کیلئے ہر طرح کی کوشش، وسائل سے استفادہ اور مالی تعاون، خدا کی راہ میں انفاق کرنے کے مصادیق ہیں۔ ''وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ''

۲۵۔ تمہارے خرچ کرنے اور خیر و برکت کے آثار کا تمہیں اس وقت فائدہ ہوگا جب یہ انفاق خدا کی راہ میں اور خدا کی خوشنودی کے لیے ہوگا۔ اگر مقصود ریاکاری، شہرت، خودنمائی اور شرماشرمی ہوگا تو کوئی فائدہ نہیں۔ ''فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ''

۲۶۔ مالی امداد، امت مسلمہ کی تقویت کا موجب ہوتی ہے جس کا فائدہ خود لوگوں کو ہی پہنچتا ہے اور اسلامی معاشرے کی اقتصادی حالت سدھر جاتی ہے جو مسلمانوں کی عزت وعظمت کا موجب ہوتی ہے۔ ''يُوَفَّ اِلَيْكُمْ ''

۲۷۔ دوسروں کے حقوق کو ضائع کرنا اور کام کی پوری اجرت ومزدوری کو ادا نہ کرنا، ظلم ہے۔ ''يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ ''

آیت نمبر ۶۱

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾

ترجمة الآيات

اگر وہ (دشمن) صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی باب صلح کی طرف سے داخل ہو جاؤ، اور اللہ پر توکل کرو، اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (٦١)

نکات:

☆ حضرت علی علیہ السلام مالک اشتر کو لکھتے ہیں: ''لا تدفعن صُلحا دعاك اليه عدوك و لله فيه رضا فان في الصلح دعة لجنودك و راحة من همومك و امنا لبلادك و لكن الحذر كل الحذر من عدوك بعد صُلحه، فان العدو ربما قارب ليتغفل'' دشمن کی طرف سے صلح کی پیش کش کو نہ ٹھکراؤ لیکن صلح کے بعد ہوشیار رہو، دشمن کے دھوکہ اور چال بازی سے محتاط رہو کیونکہ دشمن کی قربت غافل کرنے کیلئے ہوتی ہے۔ (نہج البلاغہ، نامہ ۵۳)

پیغام:

١۔ مسلمانوں کو اقتدار کی بلندی پر ہونا چاہیے تاکہ صلح کا تقاضا دشمن کی طرف سے ہو۔ ''وَاِنْ جَنَحُوْا''

٢۔ اسلام، جنگ کا خواہاں نہیں ہے۔ ''وَاِنْ جَنَحُوْا ۔۔۔ فَاجْنَحْ''

٣۔ جنگ کا حکم جاری کرنا اور صلح کو قبول کرنے کی منظوری، پیغمبر خدا اور اسلامی معاشرے کے قائد کے اختیارات میں سے ہے۔ ''فَاجْنَحْ'' فرمایا ہے، ''فَاجْنَحُوْا'' نہیں فرمایا۔

٤۔ اقتدار کی طاقت سے غلط فائدہ نہ اٹھاؤ۔ ''فَاجْنَحْ''

٥۔ صلح کی پیشکش کو قبول کرتے ہوئے خدا پر توکل کرو۔ ''فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ''

٦۔ صلح کو قبول کرنے میں خطرے اور سازش کا گمان پایا جاتا ہے۔ بعض دوستوں کی جانب سے اعتراضات بھی ہوں گے لیکن آپ خدا پر توکل کریں۔ ''تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ''

٧۔ خداوند کی سننے کی مطلق قدرت اور وسیع علم پر ایمان، انسان کے توکل کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ ''تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾''

آیت نمبر ۶۲

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۶۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر وہ (دشمن) تمہیں دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تمہارے لیے کافی ہے اور وہ وہی ہے جس نے تمہیں اپنی اور مومنین کی مدد سے تقویت پہنچائی۔ (۶۲)

نکات:

☆ اس آیت کو ۵۸ نمبر آیت کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر راہبر مسلمین کو شواہد و قرائن کے ذریعہ اس بات کا یقین ہو جائے کہ دشمن صلح کے پردے میں دھوکہ دینا چاہتا ہے تو یہ اور بات ہے، ورنہ اگر شک ہو کہ دھوکہ ہے یا نیک نیتی، تو ایسی صورت میں مکمل ہوشیاری کے ساتھ صلح کی پیشکش کو قبول کر لینا چاہیے۔

☆ بعض روایات میں ''مومنین کے ذریعے پیغمبر اکرمؐ کی تائید و حمایت'' سے مراد حضرت علی علیہ السلام کی تائید اور حمایت ہے۔ چنانچہ ابن عساکر اپنی کتاب میں ابوہریرہ سے روایت کرتا ہے کہ عرش الٰہی پر لکھا ہوا ہے: ''لا الٰه الا انا وحدی لا شریك لی، محمد عبدی و رسولی، ایدته بعلی'' میرے سوا کوئی معبود نہیں، میرا کوئی شریک نہیں، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے بندے اور میرے رسول ہیں اور میں نے علی (علیہ السلام) کے ذریعے ان کی تائید اور نصرت کی ہے۔

یہ وہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی: ''هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾'' فکان النصر علیا۔ (تفسیر در المنثور، ج ۳، ص ۱۹۹؛ ملحقات احقاق الحق، ج ۳، ص ۱۹۴؛ بحار، ج ۲۷، ص ۲)

پیغام:

۱۔ اسلامی معاشرے کے قائد کو چاہیے کہ صلح کی پیشکش کو نہ ٹھکرائیں تا کہ دشمن کو ان کے خلاف اس پراپیگنڈے کا موقع نہ مل سکے کہ مسلمان جنگ طلب ہوتے ہیں۔ البتہ ہوشیاری ضروری ہے تا کہ دھوکہ نہ کھا جائیں۔ ''اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ ---وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ'' (یعنی دھوکے کا احتمال باقی ہے۔)

۲۔ اگر عوام آمادہ ہوں اور خدا کا لطف شامل حال ہو، دشمن کی تمام سازشیں ختم ہو جاتی ہیں۔ ''فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ''

۳۔ اگر ہم سب اپنے فریضہ پر عمل پیرا ہوں تو مشکلات سے نہیں گھبرانا چاہیے کیونکہ مشکل کشا خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ ''اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ''

۴۔ خدائی امداد اور عوامی حمایت، ارادہ خداوندی کے ساتھ آپ کی امداد نصرت کیلئے ہے۔ ''اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲''

۵۔ خدا تعالیٰ کے ارادے اور مرضی کے ساتھ عوامی حمایت کارگر ہوتی ہے۔ ''فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ ---بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲''

۶۔ خدا تعالیٰ سے غافل نہ ہوتے ہوئے، لوگوں سے مدد طلب کرنا، شرک نہیں ہے۔ ''اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲''

۷۔ عوام، راہبر کے دست و بازو اور حامی و مددگار ہوتے ہیں۔ ''اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲''

آیت نمبر ۶۳

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۳

ترجمۃ الآیات

اور (اللہ نے) ان (مومنوں) کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی اور اگر تم دلوں میں الفت پیدا کرنے کے لیے روئے زمین کی تمام چیزوں کو صرف کر دیتے تو ایسا نہ کر سکتے، لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا کر دی۔ وہ توانا و حکیم ہے۔ (۶۳)

نکات

سوال: آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اگر روئے زمین کا سارا سرمایہ بھی خرچ کر دیتے تو الفت و محبت پیدا نہیں کر سکتے تھے تو پھر سورۃ توبہ کی آیت ۶۰ میں کیوں فرمایا کہ ''وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ'' زکوٰۃ کے کچھ حصہ سے تالیف قلوب کیا جائے؟

جواب: لوگوں کے درمیان پائے جانے والے کینے اور دشمنان مختلف قسم کی ہیں۔ کبھی ایک مسکراہٹ سے کینہ دور ہو جاتا ہے۔

کبھی دشمنی اتنی گہری ہوتی ہے کہ کسی بھی طرف سے اسے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازاین تالیف قلوب تین طرح سے ہے۔

(الف) مومنین کی مومنین سے الفت۔ (ب) مومنین کی کافروں سے الفت۔ (ج) کافروں کی کافروں سے الفت۔ جس چیز کا درحقیقت کوئی امکان نہیں پایا جاتا وہ کافروں کی کافروں سے الفت ہے۔ جبکہ مومنین کی آپس میں الفت اور بعض کافروں کے ساتھ الفت ومحبت کا ہونا پایا جاتا ہے۔ اور ممکن ہے۔ سورۃ توبہ کی آیت ۶۰ میں الفت قائم کرنے کا حکم خدا تعالیٰ نے دیا جائے۔ حقیقت میں مذکورہ آیت جس پر گفتگو ہو رہی ہے۔ ''وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ '' (سورہ انفال۔ ۱۷)

پیغام:

۱۔ دل اور ان کے درمیان الفت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ''وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ ''

۲۔ وحدت، الفت ومحبت، اللہ کی نعمتیں ہیں جن کا خدا نے ذکر کیا ہے، انہیں لوگوں اور پیغمبر کیلئے بعنوان احسان بیان کیا گیا ہے۔ ''وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ ''

۳۔ ظاہری اتحاد سے زیادہ اہم قلبی اور باطنی رابطہ ہے۔ ''وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ '' ورنہ تو کافر بھی ظاہر میں متحد ہیں۔ جبکہ ان کے دل متفرق ہیں۔ ''تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى '' (حشر۔ ۱۴)

۴۔ لوگ اس وقت اپنے راہبر کے لیے زور بازو بن سکتے ہیں جب وہ متحد ہوں، ورنہ راہبر کی کمر توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ ''اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ ''

۵۔ عرب کے قبائل، اسلام کی طرف مائل ہونے سے پہلے آپس میں سخت قسم کی دشمنیاں رکھتے تھے۔ ''وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ ۔۔۔ مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ''

۶۔ مال ودولت اور جاہ ومقام ہر جگہ پر محبت کا باعث نہیں ہوتے۔ ''لَوْ اَنْفَقْتَ ۔۔۔ مَّاۤ اَلَّفْتَ''

۷۔ مومنین کے درمیان محبت اور گہرا تعلق پیدا کرنا، خدا تعالیٰ کی عزت وحکمت کا پرتو ہے۔ ''وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ ۔۔۔ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾''

آیت نمبر ۶۴

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمۃ الآیات

اے نبی! اللہ اور وہ مومنین جو تیری پیروی کرتے ہیں، تیری حمایت کے لیے کافی ہیں۔
(آپؐ کو دوسروں سے حمایت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔)(۶۴)

نکات:

☆ ممکن ہے اس آیت کا یوں ترجمہ کیا جائے: اے پیغمبر! آپؐ کیلئے اور آپؐ کے باایمان پیروکاروں کیلئے صرف خدا تعالیٰ کی حمایت کافی ہے، یعنی خدا آپؐ کی اور آپؐ کے پیروکاروں کی مدد فرمائے گا۔

پہلے معنی کے مطابق مومنین خدا کے سایہ رحمت میں پیغمبرؐ کے حامی و مددگار ہیں جبکہ دوسرے معنی کے مطابق مومنین ہمراہ پیغمبرؐ خدا تعالیٰ کی حمایت کے اندر ہیں۔

☆ بنی قریظہ اور بنی نضیر میں سے کچھ یہودیوں نے پیغمبر اسلامؐ کو اپنی مدد کی جھوٹی یقین دہانی کرائی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ان کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے، مومنین ہی آپؐ کے لیے کافی ہیں۔ اگلی آیت میں بیان ہونے والے حکم جہاد کا مقدمہ اسی آیت کے ضمن میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

☆ کتاب ''فضائل الصحابہ'' میں اہلسنت کے عالم حافظ ابونعیم روایت کرتے ہیں کہ اس آیت میں مذکور ''مومنین'' سے مراد علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ (الغدیر، ج ۲، ص ۵۱)

☆ اگر لوگوں سے مدد طلب کرنا اور ان کی حمایت پر دل کا پرجوش رہنا، خدا کی مرضی سے ہو تو، توحید کے ساتھ منافات نہیں رکھتا۔ شرک وہاں ہوتا ہے جہاں خدا کی قدرت اور مرضی کے مقابلے میں دوسروں پر انحصار کیا جائے۔ جب تک دل، فکر اور حمایت کو ارادہ الٰہی کے تحت تصور کریں، توحید کے مدار میں باقی رہیں گے۔ ''حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ''

پیغام:

۱۔ ایمان کے ساتھ ہی اطاعت سودمند ہوتی ہے نہ کہ ایمان کے بغیر اطاعت یا اطاعت کے بغیر ایمان۔ ''اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾''

۲۔ خداوند کی طرف سے مومنین کی حمایت پیغمبر اکرمؐ کی پیروی کے ساتھ مشروط ہے۔ ''حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾''

۳۔ بعض مسلمان پیغمبر اکرمؐ کے پیروکار اور مطیع نہ تھے۔ ''مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾'' (اگر ''مِنَ'' کو 'بعضیۃ' لیا جائے 'بیانیۃ' نہ لیا جائے۔ یعنی جو کلمہ 'اتَّبَعَكَ' کو بیان کر رہا ہے۔)

آیت نمبر ۶۵

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ عَلَى الۡقِتَالِ ؕ اِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ يَغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۶۵﴾

ترجمۃ الآیات

اے پیغمبرؐ! مومنین کو (دشمن سے) جنگ کرنے کی (ترغیب دیجئے) تحریک کیجئے۔ اگر تم میں صبر و استقامت کرنے والے بیس افراد ہوں تو وہ دو سو افراد پر غالب آجائیں گے، اور اگر سو افراد (استقامت کرنے والے) ہوں تو کافروں میں ایک ہزار افراد پر کامیابی حاصل کریں گے کیونکہ وہ ایسی قوم ہیں جو (ایمان کے آثار کو) سمجھتے نہیں۔ (۶۵)

نکات:

☆ یہ آیت تعداد کے لحاظ سے افرادی طاقت کی نفی کر رہی ہے اور ایمان، صبر اور حوصلے ہی کو معیار قرار دے رہی ہے، آیت اس تاثر کو ختم کرنے کے لیے کہ بیس آدمی دو سو پر فتح پا سکتے ہیں، اس بات کو ایک بار پھر دہراتی ہے کہ سو آدمی ہزار انسانوں پر غالب آسکتے ہیں بشرطیکہ وہ مومن اور صابر ہوں۔

☆ ابتدائے اسلام کے زمانے کی جنگوں میں کبھی بھی اعداد و شمار کے ذریعے موازنہ نہیں کیا جاتا تھا۔ نہ کہیں پر عددی قوت کو معیار قرار دیا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں ۳۱۳ مجاہد ہزار کفار کے مقابلے میں تھے۔ احد میں تین ہزار کفار کے مقابلے میں صرف سات سو جنگجو تھے۔ جنگ خندق میں تین ہزار مسلمانوں کا دس ہزار کفار سے مقابلہ تھا جبکہ جنگ موتہ میں دس ہزار مسلمان ایک لاکھ کے ساتھ نبرد آزما تھے۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ابتدا میں ایک مومن کے ذمہ تھا کہ وہ دس مشرک کے مقابلے میں جہاد کرے، اسے فرار کرنے اور عقب نشینی کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ (کافی، ج ۵، ص ۶۹)

پیغام:

۱۔ راہبر کے وظائف اور فرائض میں شامل ہے کہ لوگوں کو جہاد کے لیے آمادہ کرے، لشکر کے فرمانروا کا فرض بنتا ہے کہ جنگی کاروائی سے پہلے اپنی دلنشین باتوں سے لشکر کا دل گرما دے۔ ''یَاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ''

۲۔ دشوار اور مشکل کام تشویق و ترغیب اور تلقین کے ذریعہ آسان ہو جاتے ہیں اور اسی میں کامیابی کا راز ہے۔ ''حَرِّضِ''

۳۔ جنگ و جہاد میں تبلیغات ضروری ہیں۔ ''حَرِّضِ''

۴۔ محاذ جنگ میں اصل اہمیت ایمان اور صبر کو حاصل ہے، عددی قلت اور کثرت کی کوئی اہمیت نہیں۔ ''عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ''

۵۔ ابتدائے اسلام میں دشمن کے دسویں حصے کے برابر مجاہدین کی موجودگی سے حکم جہاد صادر ہوجاتا تھا۔ ''عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ'' ابتدائے اسلام کے مسلمان ایسا ایمان، معرفت اور یقین رکھتے تھے کہ اپنے سے دس گنا بڑے لشکر کے سامنے اپنی کامیابی کو یقینی جانتے تھے۔ (''یَغْلِبُوْا'' کامیابی کے یقینی ہونے کو بیان کر رہا ہے۔)

۶۔ اسلام کے مجاہد کے لیے ان تین صفات کا حامل ہونا ضروری ہے: ایمان، صبر اور معرفت۔ (''الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۴﴾''، ''صٰبِرُوْنَ'' جبکہ کفار کے بارے میں فرمایا: ''لَّا یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾'')

۷۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد فرائض انسان کی جسمانی اور فکری توانائی کی بنیاد پر ہیں۔ (وقت کے ایک حصے میں ایک فرد، دس افراد سے مقابلہ کیا کرتا تھا، اس آیت میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر ایک وقت آیا کہ ایک فرد، دو افراد کے مقابلے میں قرار دیا گیا، بعد والی آیت میں اس بات کا اشارہ موجود ہے۔)

آیت نمبر ۶۶

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمۃ الآیات

اب اس وقت اللہ نے تمہیں (امر جہاد میں) تخفیف دی ہے اور جان لیا ہے کہ تم میں کمزوری ہے، اس بنا پر جب تم میں سے سو افراد صابر (با استقامت) ہوں تو دو سو (کافر) افراد پر کامیاب ہوں گے، اور اگر ایک ہزار ہوں تو حکم خدا سے دو ہزار افراد پر غالب آجائیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (٦٦)

نکات:

☆ آیت میں مذکور ''ضعف'' سے مراد اعتقادی اور روحانی کمزوری ہے، کیونکہ سپاہ اسلام میں جسمانی اور عددی اعتبار سے کمی نہیں ہوئی تھی۔

☆ اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں تین ایسے روحانی مسائل کی طرف اشارہ ہوا ہے جو کامیابی کے اصل اسباب ہیں، اور جن کے بغیر شکست یقینی ہے اور وہ ہیں: صبر، ایمان اور معرفت۔ البتہ کامیابی میں اصل عامل خدا تعالیٰ کا اذن اور ارادہ ہے ورنہ جنگ حنین میں افرادی قوت زیادہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گئے۔ ''اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ ۔۔۔ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ'' (توبہ۔ ۲۵)

☆ اس آیت اور ایک آیت پہلے میں بیان کیے گئے احکام میں فرق، دو مختلف گروہوں اور مختلف حالات کی بنا پر ہے، ایسا نہیں ہے کہ پہلا حکم نسخ ہو گیا ہو یا باطل کر دیا گیا ہو۔ (تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔ امور کو چلانے کے لیے بعض خصوصی احوال کی بنا پر آئین اور قوانین میں تبدیلی کرنا پڑتی ہے اور اس سے استقلال مزاجی متاثر نہیں ہوتا۔ ''اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ''

۲۔ فرائض کا عائد کرنا، اور قانون میں تبدیلی، صرف خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ''خَفَّفَ اللّٰهُ''

۳۔ ایمان، کم یا زیادہ ہو سکتا ہے۔ ''اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ''

۴۔ ہر جگہ افرادی قوت کا زیادہ ہونا، حوصلوں کے بڑھنے کا سبب نہیں ہوتا۔ کبھی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے لیکن حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ ''اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ''

۵۔ فرائض کو عائد کرنے میں حکم بھی استطاعت کے مطابق ہوتا ہے اور قانون سازی کے موقع پر کمزور افراد کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ''خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ''

۶۔شکست کے اصل اسباب، انسان کے اندر ہوتے ہیں، ظاہر میں نہیں ہوتے۔''فِيْكُمْ ضَعْفًا '

۷۔سالار لشکر کو سپاہ اسلام کے حوصلوں، ارادوں اور قوت ایمانی پر توجہ رکھنی چاہیے۔''عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ''

۸۔ارادے کی کمزوری، جنگی توانائیوں کو دس گنا سے دوگنا کی حد تک لے جاتی ہے یعنی اسی فیصد تنزلی پر لے آتی ہے۔ ''مائة یغلبوا مأتین'' جبکہ گذشتہ آیت میں آیا تھا کہ ''مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفً''

۹۔کمزور نفسیاتی و روحانی کیفیت میں بھی مسلمانوں کو اپنے سے دو برابر کفار کے قدرت و طاقت کو محفوظ رکھنا چاہیے۔'' فِيْكُمْ ضَعْفًا ---اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ''

۱۰۔اپنی فتح و کامرانی پر اتراؤ نہیں کیونکہ یہ اس ذات کی عطا کردہ ہے۔''بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ''

۱۱۔صبر کرنے والا شخص خدا کا محبوب ہے، اس کی پناہ میں ہے اور الٰہی امداد اس کے شامل حال ہیں۔''وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۝۶۶''

۱۲۔''وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۝۶۶'' کا نعرہ اسلام کے جنگی محاذوں پر لگنا چاہیے۔ جہاں کہیں استقامت اور صبر کی ضرورت ہو وہاں اس نعرے پر تاکید کی جائے۔''وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۝۶۶''

آیت نمبر ۶۷

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۝۶۷

ترجمۃ الآیات

کسی پیغمبر کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کو اسیر بنائے مگر اس کے بعد جب (علاقے اور) زمین پر پوری طرح قابو پا لے۔تم تو (اسیر پکڑنے اور پھر فدیہ لے کر انہیں آزاد کرنے سے) جلد گذر جانے والی دنیا کو چاہتے ہو لیکن اللہ (تمہارے لیے) آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ناقابل شکست اور صاحب حکمت ہے۔(۶۷

نکات:

☆ ''یُثْخِنَ'' کے معنی ہیں ضخامت، سنگینی اور ٹھوس ہونا اور یہ کنایہ ہے جنگ میں کامیابی، واضح غلبہ اور اقتدار سے۔

☆ یہ آیت خبردار کر رہی ہے کہ قیدی بنانا، پھر فدیہ لے کر اسے آزاد کر دینا اور جنگی غنائم کا سمیٹنا مسلمانوں کو اپنے اصل مقصد سے نہ ہٹا دے کہ جس سے وہ اچانک کوئی نقصان اٹھائیں۔

پیغام:

۱۔ جنگ کا طریقہ کار وضع کرنا اور اسیر پکڑنے کے بارے میں حکم دینا، پیغمبر کے فرائض میں سے ہے۔ ''مَا کَانَ لِنَبِیٍّ ---''

۲۔ الٰہی انبیاء کی سیرت یہ رہی ہے کہ جب تک ان کے مراکز مستحکم نہ ہو جائیں، وہ اسیر گرفتار نہیں کیا کرتے تھے۔ ''مَا کَانَ لِنَبِیٍّ ---حَتّٰی یُثْخِنَ''

۳۔ اس بات سے غافل نہیں ہونا چاہیے کہ مومنین بھی دنیا کی لذتوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ''تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ‌ۖ ''

۴۔ جنگ کے دوران، دشمن پر پوری طرح سے غلبہ پانے سے پہلے کسی کو قیدی بنانا منع ہے۔ ''مَا کَانَ ---حَتّٰی یُثْخِنَ''

۵۔ مجاہد کے فرائض میں سے ہے کہ پہلے وہ اپنی پوزشن کو مضبوط و محفوظ بنائے۔ (قیدی پکڑنے اور غنائم کو جمع کرنے میں نہ لگ جائے۔) ''حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ''

۶۔ جنگ کے دوران مقصد میں مرکزیت لازمی ہے اور انتشار و افتراق سے دوری ایک ضرورت ہے۔ ''حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ''

۷۔ دنیا ناپائیدار اور جلد گذر جانے والی ہے۔ ''عَرَضَ الدُّنْیَا ‌ۖ ''

۸۔ دین کے مخالفین کو سرکوب کرنا اور توحید کے مراکز کو مضبوط بنانا، آخرت کا ذخیرہ ہے۔ ''حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ ---وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ ؕ''

۹۔ جنگ و اسلامی جہاد میں اصل ہدف، اخروی منافع کا حصول ہے۔ (رضائے الٰہی کا حصول، حق کی تقویت اور مستضعفین کی نجات ہے۔) غنائم سمیٹنا، قیدی بنانا اور فدیہ لے کر انہیں آزاد کر دینا، اصل مقصد نہیں ہے۔ ''وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ ؕ''

۱۰۔ جنگی مسائل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی راہنمائی حکیمانہ ہے اور ان اصولوں پر عمل کرنے میں عزت و

کامیابی کا راز ہے۔ ''وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۶۷﴾''

۱۱۔ دین اسلام نہ صرف یہ کہ اجتماعی معاشرتی مسائل اور دنیاوی مسائل سے لاتعلق نہیں ہے بلکہ چھوٹے سے چھوٹے جنگی تکنیکی مسائل میں بھی مداخلت رکھتا ہے اور اس کے بارے میں اپنی رائے دیتا ہے۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾

آیت نمبر ۶۸۔۶۹

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾

ترجمۃ الآیات

اگر پہلے سے حکم خدا نہ ہوتا (کہ تبلیغ کے بغیر کسی امت کو سزا نہ دے) تو (اسیر بنانے کا) جو کام تم نے کیا اس پر تمہیں بہت بڑی سزا دیتا۔ (۶۸)

اب جو کچھ مال غنیمت تم لے چکے ہو اس میں سے حلال و پاکیزہ کو کھالو اور خدا (کی معصیت) سے ڈرو۔ اللہ بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (۶۸)

نکات:

☆ ''كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ'' سے مراد کیا ہے اس بارے میں کئی ایک اقوال ہیں:

الف: خداوند عالم کا وہ طریقہ کار ہے کہ کسی حکم کے بیان کرنے سے پہلے کسی کو سزا نہیں دیتا، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾'' جب تک رسول نہ بھیج دیں اس وقت تک ہم عذاب دینے والے نہیں۔ (اسراء۔ ۱۵)

ب: جنگ بدر میں ارادہ الٰہی کے ساتھ مسلمانوں کی کامیابی مراد ہے کہ اگر تقدیر الٰہی نہ ہوتی تو پوزیشن مضبوط ہونے

سے پہلے جو قیدی بنا لیے ہیں اس کی سزا میں تمہیں زبردست زک پہنچا تا۔ (تفسیر اطیب البیان)

ج: یہاں شاید وہ بات مراد ہو جسے ہم نے اسی سورۃ کی آیت ۳۳ میں پڑھا ہے کہ جب تک پیغمبرؐ آپ لوگوں کے درمیان موجود ہیں، پروردگار عالم تم پر عذاب نہیں کرے گا۔ ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط''

اس بنا پر آیت کے معنی یوں ہونگے: اگر آپؐ کا مبارک وجود وہاں نہ ہوتا، کہ جس کا تذکرہ پہلے سے آسمانی کتاب میں ہے، جنگ بدر میں اسیر بنانے کی وجہ سے مسلمان گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر لیتے اور ان پر بڑا عذاب نازل ہو جاتا۔

☆ روایات کے مطابق اس آیت میں ''غنیمت'' سے مراد وہ رقم ہے جو مسلمانوں نے فدیہ کے طور پر ہر قیدی آزاد کرنے کے بدلے میں لی تھی۔ وہ فدیہ ہر قیدی کی طرف سے ایک ہزار سے چار ہزار درہم تک تھا۔

پیغام:

۱۔ جنگ کے دوران میں کسی کو قیدی بنانا، شکست اور شدید عذاب کا سبب ہو سکتا ہے۔ ''لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۶۸''

۲۔ دشمن کو اچھی طرح سے سرکوب کرنے سے پہلے غنائم کے پیچھے جانا ممنوع ہے۔ ''لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۶۸''

۳۔ کسی چیز کے استعمال میں لانے کی شرط اس کا حلال اور پاکیزہ نیز دلپسند ہونا ہے۔ ''حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ''

۴۔ تمام غنائم آپ کے نہیں ہیں، بلکہ اس کا خمس بھی ادا کریں۔ ''فَكُلُوْا مِمَّا۔۔۔'' چنانچہ ہم آیت ۴۱ میں پڑھتے ہیں: ''وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ۔۔۔''

۵۔ ہوشیار اور خبردار رہنا کہیں جنگی غنائم اور قیدیوں کے فدیئے تمہیں جہاد کے اعلیٰ اور والاترین مقصد سے نہ ہٹا دیں، لہذا ہمیشہ خدا کو پیش نظر رکھے رہو۔ ''اتَّقُوا اللّٰهَ ط'' (غنائم سے استفادہ بھی انسان کے پائے استقامت میں لغزش لا سکتا ہے۔)

۶۔ جنگ بدر میں بے موقع قیدی بنانے کی سزا کو معاف کرنا اور قیدیوں کی آزادی سے حاصل ہونے والی آمدنی کو جائز قرار دینا (اس کے باوجود کہ قیدی نہیں بنانے چاہئیں تھے۔) اللہ کی رحمت و مغفرت کا ایک جلوہ ہے۔ ''فَكُلُوْا۔۔۔غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۹''

۷۔ الٰہی مغفرت، اس کی رحمت کا پرتو ہے۔ ''غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۹''

آیت نمبر ۷۰

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ

قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾

ترجمۃ الآیات

اے نبیؐ ! تمہارے پاس جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں کوئی اچھائی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے لیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا (اور تم مسلمان ہو جاؤ گے) اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۷۰)

نکات:

☆ آیت کی شان نزول میں ہے کہ عباس، عقیل اور نوفل، جنگ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تو حضرت رسولخداؐ نے ان سے فدیہ لے کر آزاد کر دیا، اس پر وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ ان کے فدیہ کی رقم انہیں واپس کر دی گئی۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ تفاسیر میں ہے کہ جنگ بدر کے بعد بعض نے کہا: پیغمبرؐ کے احترام کی وجہ سے آپؐ کے چچا جناب عباس کا فدیہ وصول نہ کیا جائے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''واللہ لاتذرن منه درهما'' خدا کی قسم! ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔ پھر آنحضورؐ نے اپنے چچا سے فرمایا: ''آپ دولتمند ہیں، آپ اپنا اور اپنے بھائی عقیل کا فدیہ ادا کریں۔'' جناب عباس نے کہا: ''اگر میں فدیہ ادا کر دوں گا تو میرے پاس کچھ باقی نہیں بچے گا۔'' آنحضورؐ نے فرمایا: ''آپ نے اپنی زوجہ ام الفضل کے پاس مکہ میں جو رقم رکھوائی ہوئی ہے اس میں سے خرچ کر لیں۔'' جناب عباس نے کہا: ''اس بات کا علم کسی کو نہ تھا، میں جان گیا ہوں کہ آپؐ خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔'' اور وہیں انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

☆ اسلامی نظام میں جنگی قیدیوں کیلئے تین صورتیں ہیں:

۱۔ فدیہ لیے بغیر انہیں آزاد کر دیا جائے جیسے فتح مکہ کے موقع پر کسی کو قیدی نہیں بنایا گیا۔ اس کے باوجود کہ مسلمان اسیر گرفتار کرنے کی قدرت رکھتے تھے، وہ ان سے فدیہ بھی وصول کر سکتے تھے لیکن پیغمبر اسلامؐ نے انہیں ''انتم الطلقاء'' کہہ کر سب کو آزاد کر دیا۔

۲۔ فدیہ لے کر قیدی کو آزاد کر دیا جائے یا قیدیوں کا تبادلہ کر لیا جائے۔

۳۔ قیدیوں کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا جائے تاکہ ایک تو دشمن کے طاقت حاصل کرنے میں رکاوٹ ہوگی اور ساتھ ہی وہ بتدریج دینی تعلیم حاصل کر کے اسلام کے بارے میں بہت کچھ سیکھ لیں گے۔

ان تین راہوں میں سے کسی راہ کے انتخاب کرنے کا اختیار اسلامی نظام کے حکمران کے پاس ہے۔

پیغام:

۱۔ پیغمبر یا اسلامی حکومت کے راہبر کی ذمہ داری ہے کہ وہ قیدیوں کے ساتھ بات چیت کر کے انہیں ہدایت کی دعوت دے۔ ''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّمَنۡ فِیۡۤ اَیۡدِیۡکُمۡ ---''

۲۔ قیدیوں کے ساتھ ایسا سلوک کرو جس سے انہیں ہدایت اور ارشاد کی راہ ملے۔ (''خیر'' اور ''مغفرت'' جیسے کلمات ان لوگوں کے لیے استعمال کیے جائیں جو شکست کھانے کے بعد پشیمان ہو چکے ہیں۔)

۳۔ جنگی قیدیوں کیلئے تبلیغ اور وعظ و نصیحت کے پروگرام ضروری ہیں، ہر فرصت سے استفادہ کرتے ہوئے ان کیلئے ایسے مواقع فراہم کیے جانے چاہئیں۔ ''قُلۡ لِّمَنۡ فِیۡۤ اَیۡدِیۡکُمۡ''

۴۔ حقیقی خیر، اسلام و ایمان لانے میں ہے۔ ''اِنۡ یَّعۡلَمِ اللّٰهُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ خَیۡرًا''

۵۔ لوگوں کو امید دلائیں کہ کمترین خیر کے ساتھ بھی سعادت حاصل کی جا سکتی ہے۔ ''اِنۡ یَّعۡلَمِ اللّٰهُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ خَیۡرًا یُّؤۡتِکُمۡ خَیۡرًا''

۶۔ جنگ کا مقصد، قتل و غارت اور قیدی بنانا اور فدیہ لینا نہیں ہے بلکہ اصل مقصد لوگوں کی ہدایت اور طاغوت شکنی ہے۔ ''یُّؤۡتِکُمۡ خَیۡرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنۡکُمۡ''

۷۔ پیغمبر اکرمؐ کے خلاف جنگ میں شرکت کرنے والوں کیلئے بھی توبہ، برگشت اور مغفرت الٰہی کے دروازے بند نہیں ہیں۔ ''قُلۡ لِّمَنۡ فِیۡۤ اَیۡدِیۡکُمۡ --- یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۷۰﴾''

۸۔ اسلام کو قبول کرنا، گذشتہ خطاؤں کی معافی اور لطف و رحمت الٰہی کے حصول کا سبب ہے۔ ''اِنۡ یَّعۡلَمِ اللّٰهُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ خَیۡرًا --- یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۷۰﴾''

آیت نمبر ۷۱

وَاِنۡ یُّرِیۡدُوۡا خِیَانَتَکَ فَقَدۡ خَانُوا اللّٰهَ مِنۡ قَبۡلُ فَاَمۡکَنَ مِنۡهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۷۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر وہ (اسیر) تم سے خیانت کرنا چاہیں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) انہوں نے اس سے پہلے (بھی) خدا سے خیانت کی ہے۔ اور خدا نے (تمہیں) ان پر کامیابی دی، اور اللہ دانا وحکیم ہے۔ (۷۱)

نکات:

☆ اس تمام آیت اور گذشتہ آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ اصلاح، ہدایت اور نصیحت کو منفی احتمالات کی وجہ سے نظر انداز نہیں کر دینا چاہیے۔ ٹھیک ہے کہ مشرکین مکہ کئی سالوں سے پیغمبر اکرمؐ اور مسلمانوں کے ساتھ مخاصمت رکھتے تھے اور ابتدائے اسلام سے ہی انہوں نے بہت تکلیفیں دی تھیں لیکن اگر مصلحت یہ ہو کہ ان کے قیدیوں کو رہا کر دیا جائے تو ان کی طرف سے خیانت کے احتمال کے باوجود فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ نہیں آنی چاہیے۔

دشمن کے قیدیوں سے متعلق نہ سو فی صد سوءظن ہونا چاہیے اور نہ مکمل حسن ظن رکھیں۔ نہ صرف سختی کریں اور نہ ہی صرف نرم دلی سے کام لیں، بلکہ ذہانت، توکل، ثابت قدمی، مہربانی اور لطف وکرم کے ساتھ مناسب رویہ اپنائیں۔

پیغام:

۱۔ قیدیوں کی طرف سے خیانت کا احتمال، انہیں آزاد کرنے میں رکاوٹ نہ بنے۔ ''وَاِنۡ یُّرِیۡدُوۡا خِیَانَتَكَ''

۲۔ دشمن کا سابقہ خیانت اور لاقانونیت سے پر ہے۔ ''خَانُوا اللّٰهَ مِنۡ قَبۡلُ''

۳۔ پروردگار عالم، حق اور حق کے طرفداروں کو غلبہ عطا کرتا ہے۔ ''فَاَمۡكَنَ مِنۡهُمۡ ؕ''

۴۔ اسارت اور مغلوب ہونے کی وجہ خیانت ہے۔ ''خَانُوا۔۔۔ فَاَمۡكَنَ''

۵۔ اللہ تعالیٰ دشمن کی نیتوں سے آگاہ اور حکم فرمائی میں حکیم اور مصلحت اندیش ہے۔ ''وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۷۱﴾''

آیت نمبر ۷۲

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالَّذِيۡنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوۡۤا اُولٰۤـئِكَ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يُهَاجِرُوۡا مَا لَـكُمۡ مِّنۡ وَّلَايَتِهِمۡ مِّنۡ

شَیۡءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوۡا ۚ وَاِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡكُمۡ فِی الدِّیۡنِ فَعَلَیۡكُمُ النَّصۡرُ اِلَّا عَلٰی قَوۡمٍۭ بَیۡنَكُمۡ وَبَیۡنَهُمۡ مِّیۡثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۷۲﴾

ترجمۃ الآیات

جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے ہجرت کی اوراپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کیا، اور وہ جنہوں نے (مجاہدین اور مہاجرین کو) پناہ دی اور مدد کی (وہ لوگ) ایک دوسرے کے اولیا(دوست، جوابدہ اور دفاع کرنے والے) ہیں،اوروہ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، تم ان کے بارے میں کسی قسم کی ولایت (تعہد اور جوابدہی) نہیں رکھتے، جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور (صرف اس صورت میں کہ) جب وہ تم سے (اپنے) دین (کی حفاظت) کیلئے مدد طلب کریں (تو پھر) تم پر لازم ہے کہ ان کی مدد کرو مگر ایسے گروہ کے خلاف نہیں جس کے ساتھ تمہارا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو، اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔(۷۲)

نکات:

☆ بعثت کے تیرہویں سال اور پیغمبر اکرمؐ کی آشکار دعوت کے دسویں سال تک مکہ کے مشرکین کی طرف سے پیغمبرؐ اور مسلمانوں کو اذیت وتکالیف دینے کا سلسلہ نہ تھما تھا اور دن بدن اس میں اضافہ ہو رہا تھا یہاں تک کہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایک منظم سازش کے تحت سب مل کر پیغمبرؐ کو قتل کر دیں اور اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔

پیغمبر اکرمؐ کو اس سازش کی اطلاع ہونے اور حضرت علیؑ کی جانثاری کے جذبے کی وجہ سے رات میں ہجرت کرنے کے مقدمات فراہم ہو گئے۔آنحضورؐ ماہ ربیع الاول کی یکم تاریخ کو پہلے غار ثور میں چلے گئے، وہاں معجزاتی طور پر تین دن تک مخفی رہے۔اس مدت میں حضرت علیؑ آپؐ کے لیے کھانا وغیرہ لے کر جاتے اور آپؐ کو باہر کے تمام حالات وواقعات سے آگاہ کرتے۔ بالآخر پیغمبر اکرمؐ نے مسلمانوں کیلئے یثرب کی طرف ہجرت کا اعلان فرمایا اور خود یثرب کی طرف سفر شروع کیا۔آپؐ نے اپنی اہلبیت کو ساتھ لانے کا حکم دیا۔تقریباً چار سو کلومیٹر کا سفر طے کرنے کے بعد آپؐ بارہ ربیع الاول کو محلہ قبا میں پہنچے، دوسرے مہاجرین بھی وہیں آپؐ سے آملے۔

یثرب کے لوگوں نے آپ کا شاندار استقبال کیا، کھلے بندوں مہاجرین کو قبول کیا اور انہوں نے یثرب کا نام'' مدینة النبی '' اور'' مدینة الرسول '' رکھ دیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے پیش بینی کرتے ہوئے اور تفرقے سے بچنے کی خاطر، مہاجرین اور انصار جو کہ تین سو کی تعداد میں، ان کے درمیان دو دو کا عقد اخوت پڑھ کر انہیں برادری کے تعلق میں مضبوط کر دیا۔ پھر وہیں مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ (تفسیر نمونہ ؛ سیرہ ابن ہشام اور فروغ ابدیت، ج ۱ص ۴۱۷۔ ۴۵۰)

☆ مہاجرین وہ لوگ ہیں جو مکہ میں پیغمبر اکرمؐ پر ایمان لائے اور جب وہاں مختلف قسم کے دباؤ کا شکار ہوئے تو اپنے گھر بار کو چھوڑ کر پیغمبرؐ کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ انصار وہ مسلمان ہیں جنہوں نے پیغمبر اسلامؐ اور مہاجرین کا استقبال کیا، اپنے درمیان انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی۔

☆ اس آیت میں چند اہم باتیں بتائی گئی ہیں، مثلاً مہاجرین اور انصار کا باہمی تعلق، ہجرت کی ضرورت، ہجرت سے جان بچانے والے اشراف سے لاتعلقی، مہاجرین اور انصار کے درمیان معاہدے، پہلے کیے گئے معاہدوں کو نقصان نہ پہنچانے کی صورت میں مسلمانوں کو تکالیف سے نجات، کا ذکر کیا گیا ہے۔

☆ عام طور پر اقوام اپنی سماجی، علمی یا مذہبی زندگی میں رونما ہونے والے اہم ترین اور بڑے واقعات کو اپنی قومی تقدیر بدلنے کا دن قرار دیتی ہیں۔ اس دن کو اپنی تاریخ کی بنیاد قرار دیتی ہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا دن عیسائیوں کے نزدیک ایسی حیثیت رکھتا ہے۔ عام الفیل (وہ سال جب ابرہہ کی فوج نے مکہ پر حملہ کیا اور نابود ہوگئی۔) عربوں کے نزدیک اہمیت کا حامل ہے اور انہوں نے اسے اپنی تاریخ کی بنیاد قرار دیا ہے۔

دین اسلام، کامل ترین آسمانی شریعت ہے اور دوسرے ادیان سے الگ ہے۔ اسی لیے مسلمانوں نے حضرت عیسیٰ کے میلاد کو اپنے سال کی بنیاد قرار نہیں دیا۔ اسی طرح عام الفیل اگرچہ پیغمبر اکرمؐ کی ولادت کا سال ہے، یا پیغمبر اکرمؐ کی بعثت کا دن بھی سال کی بنیاد قرار نہیں دیا گیا، لیکن پیغمبرؐ کی مدینہ ہجرت کہ جس کے بعد وہاں ایک مستقل اور آزاد حکومت کی بنیاد رکھی گئی، اور مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ زندگی گذارنے کا موقعہ ملا، اس واقعہ کو خود پیغمبر اکرمؐ نے سال کی ابتدا کی بنیاد قرار دیا۔ (فروغ ابدیت، ج ۱ص ۴۳۵)

مسجد قبا کی تعمیر کے موقعہ پر نازل ہونے والی آیت ''لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ '' وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی، بہتر ہے کہ اس میں عبادت کیلئے کھڑے ہو۔ (توبہ۔ ۱۰۸) میں جملہ ''مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ '' سے بھی ہجری سال کی بنیاد رکھنے کا مفہوم لیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ پیغمبرؐ کی مدینہ ہجرت کے بعد سب سے پہلا اہم واقعہ مسجد قبا کی تعمیر ہے۔ اگر ہجرت نہ ہوتی، تو شاید اسلام وہیں ایک نقطہ میں محدود رہ جاتا اور نابود ہو جاتا۔ (الصحیح من سیرۃ النبی، علامہ جعفر مرتضی، ج ۳، ص ۴۰)

☆ لوگوں کی زیادہ تر مصیبتیں تعیّشات میں غرق ہونے اور تعمیری ہجرت کو ترک کرنے کی وجہ سے تھیں۔ اگر آج تمام

ذہین، ماہر اور ہنر مند مسلمان جو مغربی ممالک میں زندگی گذار رہے ہیں، اپنے ممالک میں واپس آجائیں تو یہ دشمن پر ایک کاری ضرب ہوگی نیز اسلام اور اسلامی ممالک کی تقویت بھی ہوگی۔

☆ ہجرت، صرف پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ شرک، کفر اور گناہ کے ماحول سے دین و ایمان کی حفاظت کیلئے یا خدا کی نافرمانی سے پلٹنے کی خاطر ہجرت کرنا ضروری ہے۔ ایسے لوگ جو اپنی آلودگی و پلیدی کیلئے بہانے تراشتے ہیں اور گناہ کا ارتکاب کرنے پر ماحول کو خراب کہتے ہیں، وہ کہتے تھے: ''كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ'' خداوند عالم انہیں جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے: خدا کی زمین بہت وسیع تھی کیوں کسی دوسری جگہ ہجرت نہیں کر گئے؟ ''قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً'' (نساء۔ ۹۷) البتہ ''مستضعفین'' سے پتہ چلتا ہے کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو سکے تو معاشرے کو ترک نہیں کرنا چاہیے اور اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جس جگہ تم زندگی گذار رہے ہو اگر وہاں خدا کی معصیت کی جاتی ہے تو وہاں سے دوسری جگہ ہجرت کر جاؤ۔ ''اذا عصی الله فی ارض انت فیها فاخرج منها الی غیرها'' (بحار، ج۱۹، ص ۳۵)

علم و ہنر حاصل کرنے اور اپنے حاصل کردہ علم دوسروں کو سکھانے کیلئے ہجرت ضروری ہے۔ ''فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ'' ہر گروہ میں سے کچھ لوگ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کی خاطر کیوں نہیں چلے جاتے، تاکہ جب تم ان کی طرف پلٹ کر جاؤ تو تم اپنی قوم کو خوف دلاؤ۔ (توبہ۔ ۱۲۲)

☆ ابتدائے اسلام میں دو ہجرتیں ہوئیں۔ پہلی ہجرت بعثت کے پانچویں سال میں ہوئی جب مسلمانوں کے ایک گروہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ دوسری ہجرت بعثت کے تیرہویں سال میں ہوئی جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی گئی۔

پیغام:

۱۔ اسلام، ایمان اور عقیدہ، کوشش اور مجاہدت کے بغیر کافی نہیں ہے۔ ابتدائے اسلام کے مسلمان یا مہاجر تھے یا مہاجرین کو پناہ دینے والے تھے، یا جہاد کرنے والے تھے یا مجاہدین کی حمایت کرنے والے تھے۔ ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۔۔۔ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا''

(مختلف قسم کے حالات ہر شخص کیلئے مختلف قسم کی ذمہ داریاں عائد کرتے ہیں۔ ایک کیلئے ہجرت ضروری ہے اور دوسرے کیلئے مہاجرین کو پناہ دینا ضروری ہے۔)

۲۔ ولایت سے رابطہ ان کیلئے مخصوص ہے جو ہجرت، جہاد اور دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ ''اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ''

۳۔ خدا تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان دوستی اور سرپرستی کا حق قرار دیا۔ ''وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ‘‘

۴۔اسلامی معاشرے کی طرف ہجرت کرنا، ولایت حاصل کرنے کی شرط ہے، اگر کوئی ہجرت نہ کرے تو اس کیلئے حق ولایت نہیں ہے۔’’لَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ ۔۔۔‘‘

۵۔اسلامی معاشرے کے اندر مجاہدین، مہاجرین اور ہجرت سے فرار کرنے والے اشراف کے درمیان فرق روا رکھا جانا چاہیے۔’’اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا‘‘

۶۔اگر کوئی ہجرت نہ کرے تو اس کی مدد نہ کرو اور نہ ہی اس سے مدد چاہو۔(’’وَّلَايَتِهِمْ‘‘ کے کلمہ کو دو طرح سے معنی کیا جا سکتا ہے: ایک یہ کہ آپ کا ان کی حمایت اور ولایت کرنا، دوسرا یہ کہ ان کا آپ کی مدد اور حمایت کرنا۔)

۷۔پہلے خلاف کاری کرنے والے جواب مسلمانوں سے ملنا چاہتے ہیں، کھلے بندوں ان کا استقبال کرنا چاہیے۔’’ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ‘‘

(جب ہجرت کو ترک کرنے والے ہجرت کریں تو آپ ان کی حمایت کریں۔)

۸۔اگر دوسرے علاقوں کے لوگ کفر کے دباؤ میں ہوں تو ان کی مدد کرنے کے بارے میں سوچ میں نہ پڑے رہو۔’’ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ ‘‘

۹۔دوسروں کے ساتھ روابط قائم کرتے وقت اہم اور مہم کو مدنظر رکھنا چاہیے۔جب تک کفار مسلمانوں سے کیے ہوئے اپنے وعدوں پر باقی رہیں، ان کے زیر حکومت رہنے والے مسلمانوں کیلئے کوئی اقدام نہیں کیا جا سکتا۔’’اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ‘‘

۱۰۔کبھی جہاد سے زیادہ اہم ہجرت کرنا ہوتا ہے۔’’حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ‘‘فرمایا ہے،’’حتی یجاھدو‘‘نہیں فرمایا۔

آیت نمبر ۷۳

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ ایک دوسرے کے اولیاء (دوست اور پشت پناہ) ہیں، (تم ان

کے ساتھ ہم پیمان نہ ہو جاؤ) اگر تم (اپنے درمیان یکجہتی) انجام نہ دو گے تو زمین میں عظیم فتنہ وفساد برپا ہو جائے۔(۷۳)

نکات:

☆ ''اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ'' کے معنی میں تین احتمال ہیں:

ا: اگر ہمارے حکم کے مطابق تم مومنین کے ساتھ باہمی موالات پر عمل نہیں کرو گے اور کفار کے ساتھ تعلق رکھو گے تو اس سے بہت بڑا فساد پیدا ہو جائے گا کیونکہ وہ متحد ہیں اور تم لوگ متفرق ہو۔

ب: اگر ان مسلمانوں سے بے پرواہی برتو گے جنہیں تمہاری امداد کی ضرورت ہے اور وہ کفار کے سخت دباؤ میں زندگی گذارنے پر مجبور ہیں تو اس وجہ سے یا تو ان کا قتل عام ہو جائے گا یا پھر وہ اسلام سے منحرف ہو جائیں گے۔

ج: اگر کفار کے ساتھ بین الاقوامی معاہدوں کا پاس نہیں کرو گے اور صرف چند مسلمانوں کی حمایت کرو گے تو کفار اکٹھے ہو کر تمہارے خلاف ہو جائیں گے جس سے بہت بڑے فساد کا اندیشہ ہے۔

پیغام:

۱۔ جب کافر ایک دوسرے کے دوست ہیں: ''وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ؕ '' اور مسلمان آپس میں تعاون نہ رکھتے ہوں تو فتنہ وفساد کا شکار ہو جائیں گے۔''اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ تَكُنۡ فِتۡنَةٌ ''

۲۔ کافروں کی دوستی اور تسلط کو قبول کرنا، زمین میں بڑا فتنہ وفساد پیدا کرنے کا سبب ہے۔''اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ تَكُنۡ فِتۡنَةٌ ''

۳۔ اگر تم مسلمانوں کے درمیان ولایت (دوستی) کا مضبوط رشتہ نہ ہو تو یہ متحد کفار تمہیں نابود کر دیں گے۔''اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ تَكُنۡ فِتۡنَةٌ ''

آیت نمبر ۷۴

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالَّذِيۡنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوۡۤا اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ۞

ترجمۃ الآیات

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اور وہ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی، وہی لوگ تو حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لیے بخشش (اور رحمت خدا) اور مناسب رزق ہے۔ (۷۴)

پیغام:

۱۔ عمل سے پہلے ایمان ہے۔ ''اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا''

۲۔ کاموں کی اہمیت اس وقت ہے جب ان میں الٰہی رنگ ہو، جب ان میں خدائی جذبہ اور نظریہ ہو۔ ''فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

۳۔ حقیقی ایمان کا اس وقت پتہ چلتا ہے جب ہجرت کی بات ہو، مسلمانوں کو پناہ دینے اور مجاہدین کی مدد کرنے کی بات ہو۔ ''وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ''

۴۔ حتی سچے مومنین بھی خطا و گناہ سے مبرا نہیں ہیں، انہیں بھی الٰہی مغفرت کی ضرورت ہے۔ ''الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ''

۵۔ ہجرت اور جہاد، بخشش اور خدا تعالیٰ کی طرف سے خاص رزق کے نزول کا سبب ہے۔ ''اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا ۔۔۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾''

۶۔ اگر ہجرت و جہاد کی وجہ سے رزق میں کمی کو تحمل کر لو تو خدا کی طرف سے عزت والے رزق اور شان شایان رزق تک پہنچو گے۔ ''اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا ۔۔۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾''

۷۔ انسان ہمیشہ ذمہ دار ہے، کبھی اس پر جہاد کی ذمہ داری ہے، کبھی ہجرت کا فرض ہے اور کبھی مہاجرین کو پناہ دینا اس کا فریضہ ہے اور کبھی مجاہدین کی پشت پناہی کرنا واجب ہے۔ (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾)

آیت نمبر ۷۵

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٥﴾

ترجمۃ الآیات

اور وہ جو بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ شامل ہو کر جہاد کیا وہ تم میں سے ہیں، اور رشتہ دار ایک دوسرے کے ساتھ (غیروں کی نسبت) اللہ کے مقرر کردہ احکام میں زیادہ حق دار ہیں اور اللہ تمام چیزوں کو جانتا ہے۔ (۷۵)

نکات:

☆ آیت کے مصادیق میں سے ایک میراث کا مسئلہ ہے کیونکہ اسلام سے پہلے میراث کی بنیاد منہ بولی اولاد اور عہد و پیمان ہوا کرتی تھی۔ اسلام نے میراث کی بنیاد رشتہ داری اور دینداری کو قرار دیا ہے۔

☆ امامت وخلافت کے مسئلہ میں ائمہ اور علما نے کئی بار اس آیت سے استناد کیا ہے۔ علم، جہاد کا سابقہ اور تقویٰ کے علاوہ امام علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار بھی تھے، لہذا حضرت علیؑ کی بلافصل امامت کے اثبات کیلئے یہ بات محکم دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ (تفسیر نمونہ، اطیب البیان)

پیغام:

۱۔ قدیمی اور پہلے والے مومنین، ان لوگوں کو جو آئندہ ایمان لائیں گے اور ہجرت کریں گے، اپنے جیسے سچے مومن شمار کریں۔ ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ط''

اسلامی معاشرے کے دروازے سب کیلئے کھلے ہوئے ہیں۔ مسلمان کسی خاص مدار میں یا کسی حصار میں خود کو بند نہیں رکھتے، اگرچہ ایمان میں پہل کرنے کی وجہ سے روحانی ومعنوی درجات زیادہ ہو سکتے ہیں۔

۲۔ رشتہ دار مومنین کے درمیان رشتہ داری کی بنیاد پر قائم ولایت، سرپرستی اور دوستی کے علاوہ ایمان، ہجرت اور جہاد کے حوالے سے بھی ایک دوسرے کیلئے حق ولایت ہے۔ ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ''

۳۔ قانون الٰہی میں رشتہ داروں کے درمیان بھی سلسلہ مراتب موجود ہے۔ ''وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ''

۴۔ سچے مومنین کے ساتھ الحاق کیلئے ہجرت شرط ہے۔ (اپنی افرادی قوت کو ایک مرکز پر لانے اور اپنی قوت کو منظم کرنے کیلئے ہجرت، کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔) ''هَاجَرُوْا ... فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ط''

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سُوۡرَۃُ التَّوۡبَۃِ

پارہ 10۔11 سورۃ 9 تعداد آیات 129

سورہ توبہ پر ایک نظر

یہ سورۃ بلحاظ ترتیب قرآن حکیم کی نویں سورۃ ہے۔اس میں ایک سوانتیس آیات ہیں اور یہ سورۃ ہجرت کے نویں سال نازل ہوئی تھی۔(تفسیر نور الثقلین)

اس سورۃ کی کچھ آیات جنگِ تبوک سے پہلے اور کچھ آیات جنگ کے دوران اور کچھ آیات جنگ کے بعد نازل ہوئی تھیں۔احادیث میں اس سورۃ کو سورۃ توبہ اور سورۃ برات کے دو مشہور ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔

لفظ ''توبہ'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں متعدد بار انسان کو توبہ کا حکم دیا گیا ہے۔اور باری تعالیٰ کے فضل ولطف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اس سورہ کو برات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ابتداء مشرکین کی برات و بیزاری سے ہوئی ہے

بسم اللہ نہ آنے کی وجہ

اس سورۃ کا آغاز باقی سورتوں سے بالکل منفرد ہے۔ہر سورۃ کا آغاز بسم اللہ شریف سے ہوا ہے۔جبکہ اس سورۃ کا آغاز بسم اللہ سے نہیں ہوا۔کچھ مفسرین نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے۔کہ اس کے کچھ مطلب سورہ انفال کے مطالب سے اتصال رکھتے ہیں لہذا یہ علیحدہ سورۃ نہیں ہے بلکہ سورۃ انفال کا ضمیمہ اور تتمہ ہے۔اسی لئے اس کی ابتدا میں بسم اللہ شریف موجود نہیں ہے۔

ہم نے اہلِ بیت طاہرین سے جو عقیدہ لیا ہے اس کے تحت یہ ایک علیحدہ اور مستقل سورۃ ہے۔یہ سورۃ جلالِ الٰہی کی مظہر ہے،اور اس میں مشرکین کے متعلق قہر آمیز اور مبنی بر غضب باتیں کی گئی ہیں اور بسم اللہ شریف رحمت اور امان کی علامت ہے۔اور سورۃ کی ابتدا پیمان شکن مشرکین سے اعلانِ نفرت سے کی گئی ہے

حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ بسم اللہ شریف امان دینے کے لئے ہے اور سورہ برات امان ختم کرنے کے لئے ہے۔(تفسیر مجمع البیان)

اس سورۃ کی فضیلت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ سورۃ برات اور سورۃ اخلاص کو ستر ہزار ملائکہ لے کر نازل ہوئے تھے۔

آیت نمبر ۱

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞

ترجمۃ الآیات

اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے مشرکین سے بیزاری کا اعلان ہے۔ جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا ہے۔ (۱)

نکات

☆ روایات میں اس سورۃ کو سورۃ توبہ اور سورۃ برات کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ انفال کا حصہ نہیں ہے۔ بلکہ بذاتِ خود مستقل سورۃ ہے۔

☆ اس سورۃ کے مضامین قہرِ الٰہی کے مظہر ہیں اسی لئے اس سورہ کا آغاز بسم اللہ شریف سے نہیں کیا گیا اس ضمن میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہر سورہ کی طرح ابتداء میں جو بسم اللہ شریف لکھی ہوئی ہے وہ اس سورہ کا حصہ ہے اور یہ تکلف اور تبرک پر مبنی نہیں ہے۔

☆ بیزاری اور برات کا اعلان کفار کی اس عہد شکنی کی وجہ سے کیا گیا جسے اس سورۃ کی ساتویں اور آٹھویں آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ عمومی اصول یہ ہے کہ معاہدہ کی پاسداری کی جائے اور جب تک فریقِ ثانی اپنے معاہدہ پر قائم رہے اور اس وقت تک معاہدہ کی پابندی کرنی چاہیے۔ جیسا کہ اس سورۃ کی چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اس سے وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے کوئی پیمان شکنی نہیں کی اور تمہارے خلاف کسی فریق کی پشت پناہی نہیں کی تو ان سے کیا ہوا عہد اس کی مدت تک باقی رکھو۔

اعلانِ برأت کی ضرورت اس لئے بھی تھی کہ مسلمانوں نے اپنی کمزوری کی وجہ سے اس پیمان کو قبول کیا تھا ورنہ مسلمانوں کی دلی خواہش تو یہ تھی کی جتنی جلدی ممکن ہو شرک کا قلع قمع کر دیا جائے۔

ان آیات کے اعلان کا واقعہ

☆ ہجرت کے آٹھویں برس مکہ فتح ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود جزیرہ العرب کے مشرکین اپنی عبادت کی رسومات

کی ادائیگی کے لئے مکہ آتے تھے اور ان کی رسومات خرافات پر مبنی تھیں ان غلط رسومات میں سے ایک یہ رسم بھی تھی کہ جس لباس سے خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے وہ اس لباس کو صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک عورت چاہتی تھی کہ وہ زیادہ طواف کرے اور اس کے پاس دوسرا لباس موجود نہیں تھا۔ کفار نے اسے برہنہ طواف پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ اس نے برہنہ طواف کیا لوگ اسے دیکھتے رہے۔ مسلمان اس وقت قوت و اقتدار رکھتے تھے ان کے لئے یہ حرکت نا قابلِ برداشت تھی۔ لیکن آنحضرتؐ اس کے لئے حکمِ الٰہی کے منتظر تھے اللہ تعالیٰ نے مدینہ میں یہ سورۃ نازل فرمائی تو رسول اکرمؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو ان آیات کی تبلیغ کا حکم دیا کہ وہ مکہ جا کر حج کے اجتماع میں ان آیات کو پڑھ کر سنائیں۔

امکان غالب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کا انتخاب اس لئے کیا ہو کہ وہ بوڑھے انسان تھے اور ان سے کسی کی مخاصمت نہ تھی۔ چنانچہ جب وہ مکہ کے قریب پہنچے تو اللہ کی طرف سے جبریلؑ یہ حکم لے کر نازل ہوئے کہ ان آیات کی تبلیغ وہ کرے جو آپؐ کے خاندان سے ہو۔

رسول اکرمؐ نے یہ کام حضرت علیؑ کے سپرد کیا اور فرمایا کہ ''علی مجھ سے ہے میں علی سے ہوں''

حضرت علیؑ پیغمبر اسلامؐ کے نمائندے بن کر روانہ ہوئے اور راستے میں حضرت ابوبکرؓ سے وہ آیات لیں اور مشرکین کے سامنے ان آیات کی تلاوت کی۔

حضرت علی علیہ السلام کے ذریعہ سے تبلیغ آیات کا واقعہ کتبِ اہل سنت میں موجود ہے اور اصحابِ رسولؐ میں سے اس واقعہ کو حضرت علی علیہ السلام، حضرت ابوبکرؓ، ابنِ عباسؓ، انس بن مالکؓ اور جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے نقل کیا ہے۔

۱۔(حوالے کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۳ صفحہ نمبر ۲۱۲۔ ۲۸۳، مستدرک حاکم جلد ۵۱ / ۳۔ تفسیر المنار جلد ۱۰ صفحہ نمبر ۱۵۷، تفسیر طبری جلد ۱۰ صفحہ نمبر ۴۶، تفسیر ابنِ کثیر جلد ۲ صفحہ نمبر ۳۲۲۔ ۳۳۳ احقاق الحق جلد ۵ صفحہ نمبر ۳۶۸، فضائل الخمسہ جلد ۲ صفحہ نمبر ۳۴۲ علامہ امینی نے الغدیر جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۳۳۸ پر اس واقعہ کو ۷۳ راویوں کے حوالے سے نقل کیا ہے۔)

۲۔ کچھ سنی علماء (جیسا کہ فخر رازی اور آلوسی نے اپنی تفاسیر میں یہ روش اپنائی ہے) نے اس واقعہ کو ایک ''عمومی واقعہ'' بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ان لوگوں نے اس واقعہ کو کچھ اس انداز سے بیان کیا ہے۔ کہ یہ آپ کے لئے کسی امتیاز کا باعث دکھائی نہ دے سکے۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اس سے حضرت علیؑ کی تالیف قلب مقصود تھی اور کسی امتیازی خصوصیت کا اثبات مطلوب نہیں تھا۔

شاید ایسا لکھنے والوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ تالیفِ قلب کے لئے ہمیشہ آسان اور سہل کام ذمہ لگایا جاتا ہے۔ جب کہ شرک کے مرکز میں جا کر مشرکین کے مجمع میں پہنچ کر ان سے اظہارِ برأت کے کام کیلئے جگر گردے کی ضرورت تھی۔ اور حضرت علیؑ کو ایسے مجمع کی طرف بھیجا جا رہا تھا جن کے بیسیوں رشتہ دار آپؑ کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہوئے تھے۔

☆ جب حضرت موسیٰؑ کو خدا نے رسالت کا عہدہ دیا اور فرمایا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے توحید کی دعوت دو۔
حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا پروردگار! میں نے تو ان کے خاندان کے ایک شخص کو قتل کیا تھا میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قصاص میں قتل نہ کر دیں میرے بھائی کو میرے ساتھ بھیجیں۔
جب کہ حضرت علیؑ مشرکین کی بھاری تعداد کو قتل کر چکے تھے اس کے باوجود آپؑ اکیلے گئے اور نہایت اطمینان سے آیتِ برأت کی جا کر تلاوت کی اور وہ بھی منیٰ اور حجرہ عقبہ جیسے حساس مقامات پر۔

☆ حضرت علیؑ نے کفار و مشرکین کے سامنے حسبِ ذیل نکات بیان کئے تھے۔

۱۔ برأت کا اعلان اور تمام پیمانوں کے خاتمہ کا اعلان۔

۲۔ آئندہ سال اجتماعِ حج میں کوئی مشرک شامل نہ ہوگا۔

۳۔ برہنہ حالت میں طواف پر پابندی ہوگی۔

۴۔ بیت اللہ میں مشرکین کے داخلہ پر پابندی ہوگی۔

☆ قرآن کریم میں کئی مقامات پر اللہ اور رسول اللہ کا ذکر اکٹھا کیا گیا ہے۔ اور ان میں سے کچھ اعزازات حسبِ ذیل ہیں۔

ا۔ ہدیہ و احسان میں اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (توبہ/ ۷۴)

ب۔ بیعت میں اِنَّ الَّذِيْنَ .... اللّٰه (الفتح / ۱۰)

ج۔ اطاعت پیروی میں مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء/ ۸۰)

د۔ اغیار سے اظہارِ برأت میں بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ (توبہ/ ۱)

پیغام

۱۔ رہبر کو یہ حق حاصل ہے کہ مشرکین سے کئے ہوئے معاہدوں کو فسخ کر سکتا ہے۔ ''بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ''
(مشرکین سے یہ پیمان باندھا گیا تھا کہ فریقین ایک دوسرے سے تعرض نہیں کریں گے)

۲۔ عہد و پیمان کی پابندی اپنی جگہ لیکن سازشوں کے سامنے گردن جھکانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ''بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ''

۳۔ اگرچہ ہم قانونی اعتبار سے معاہدوں کے پابند ہیں لیکن مشرکین اور گمراہ لوگوں سے قلبی برات دین کا ایک اٹل اصول ہے۔ ''بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ''

۴۔ اگرچہ قانون سازی کا حق خدا کو پہنچتا ہے لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (کہف/ ۲۶)

اور جہاں سیرت و عمل کا مقام آتا ہے تو وہاں رسولِ خدا کا ذکر بھی خدا کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ''مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ''

۵۔ اعلانِ برأت سے حکومت و اقتدار کا اظہار ہوتا ہے۔ جبکہ سازشی اور عہد شکن افراد کے مدِ مقابل خاموشی ذلت اور کمزوری کو ظاہر کرتی ہے۔ ''بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ''

۶۔ مشرکین کے ساتھ چند شرائط پر معاہدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ''اِلَى الَّذِيۡنَ عٰهَدْتُّمۡ''

۷۔ فریقِ ثانی کی خیانت اور سازشوں کی وجہ سے اگر معاہدہ کو ختم کرنا مقصود ہو تو انہیں معاہدہ فسخ کرنے کی اطلاع کر دینا چاہئے۔ تا کہ وہ غفلت میں نہ رہیں۔ ''بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ ... اِلَى .. الۡمُشۡرِكِيۡنَ''

آیت نمبر ۲

فَسِيۡحُوۡا فِى الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخۡزِى الۡكٰفِرِيۡنَ ۝۲

ترجمة الآيات

اے گروہ مشرکین تمہیں چار ماہ تک زمین پر چلنے پھرنے کی اجازت ہے۔ اور تم جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے تم اس عذاب سے بچ نہ سکو گے اور جان لو کہ اللہ کافروں کو ذلیل و خوار کرنے والا ہے۔ (۲)

نکات:

۱۔ برأت کا اعلان عیدِ قربان کے دن دس ذی الحجہ کو ہوا اسی لئے چار ماہ کی مدت دس ربیع الثانی کو ختم ہونی تھی۔ الکافی جلد ۴ صفحہ نمبر ۲۹۰، تفسیر نور الثقلین۔

۲۔ روایات کے مطابق چار ماہ کی مہلت ان لوگوں کو دی گئی تھی جن کا پہلے سے کوئی معاہدہ موجود نہیں تھا اور جن لوگوں سے معاہدہ طے پایا تھا تو انہیں معاہدہ کی مدت پورا ہونے تک کی مہلت دی گئی خواہ وہ مدت چار ماہ سے کم تھی یا زیادہ۔

پیغام:

۱۔ معاہدہ منسوخ کرنے کے بعد دشمن کو سوچنے کے لئے وقت دیا جائے گا۔ تا کہ وہ غور و فکر کر سکے۔ فَسِيۡحُوۡا فِى

الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَۃَ اَشۡہُرٍ تاریخ بیان کرتی ہے کہ ان چار مہینوں میں بہت سے مشرکین نے اسلام قبول کیا تھا۔

۲۔اپنے زمانہ اقتدار میں پیشگی اعلان کے بغیر حملہ نہیں کرنا چاہئے۔''فَسِیۡحُوۡا فِی الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَۃَ اَشۡہُرٍ''

۳۔وہ لوگ جو اسلام لانا نہیں چاہتے انہیں معلوم ہونا چاہئے۔کہ وہ جہاں بھی چلے جائیں پھر بھی خدا کی حکومت سے بھاگ نہیں سکیں گے۔''غَیۡرُ مُعۡجِزِی اللّٰہِ''

۴۔اسلام سے جنگ دراصل خدا سے جنگ ہے۔''غَیۡرُ مُعۡجِزِی اللّٰہِ''

۵۔کفار کو یہ پیغام دیا گیا کہ اگر انہوں نے واپس آنے کی فرصت ضائع کردی تو انہیں سخت بدبختی اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔''مُخۡزِی الۡکٰفِرِیۡنَ''

آیت نمبر ۳

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖۤ اِلَی النَّاسِ یَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَکۡبَرِ اَنَّ اللّٰہَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۬ۙ وَ رَسُوۡلُہٗ ؕ فَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۚ وَ اِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّکُمۡ غَیۡرُ مُعۡجِزِی اللّٰہِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۙ﴿۳﴾

ترجمۃ الآیات

(یہ آیت) حج اکبر عید قربان یا عرفہ کے دن لوگوں کے لئے خدا اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان ہیں۔کہ خدا اور اس کا رسول مشرکین سے بیزار ہیں۔اگر تم توبہ کرو (شرک اور کفر سے دست برداری اختیار کرلو) تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو جان لو (کہ تم سے کچھ بھی نہیں بن پائے گا) کہ تم خدا کو ہرگز عاجز نہ کر پاؤ گے آپ کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔(۳)

نکات:

☆ پہلی آیت میں مشرکین سے بیزاری کا اعلان کیا گیا تھا۔جب کہ اس آیت سے لوگوں تک اپنی بیزاری کا اعلان

پہنچایا گیا ہے۔

☆حج اکبر یا عید قربان کا دن ہے۔(الکافی جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۲۹۰) یا روزِ عرفہ یا پھر تمام مراسم حج (تفسیر البرھان) کو حجِ اکبر کہا جاتا ہے۔ جب کہ عمرہ کو حجِ اصغر کہا جاتا ہے۔

پیغام

۱۔اس سے قبل کہ مخالف اپنے آپ کو مظلوم ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائے اور تمہارے خلاف تبلیغات کرے لوگوں کو اصل حالات سے آگاہ کرو۔''وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ''

۲۔تبلیغات کے لئے زمان و مکان جیسے عناصر سے غفلت نہ کی جائے۔''يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ''

۳۔تنبیہ و ترغیب دونوں سے استفادہ کرنا چاہیے۔''فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا''

۴۔تعلقات کو اس طرح سے منقطع کیا جائے کہ الحاق کے لئے بھی کوئی نہ کوئی راستہ کھلا رہنا چاہیے۔''فَاِنْ تُبْتُمْ''

۵۔چار ماہ کی مہلت خدا کے لطف و کرم کی دلیل ہے اس کے برعکس اس کے عاجز ہونے کی دلیل نہیں ہے۔''غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ''

آیت نمبر ۴

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④

ترجمۃ الآیات

مگر وہ مشرک اس سے مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے معاہدہ کیا اور انہوں نے اپنے معاہدے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی ہے۔اور تمہارے خلاف کسی کی مدد نہیں کی ہے۔تو ان کی مدت معاہدہ ختم ہونے تک معاہدہ کی پابندی کرو۔اور اس کو پورا کرو۔اس میں شک نہیں کہ اللہ پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے۔(۴)

نکات:

☆ اعلانِ برأت کا تعلق صرف پیمان شکن اور سازشی افراد کے خلاف ہے۔ جب کہ بنی ضُمرہ اور بنی خزیمہ جیسے معاہدے کی پابندی کرنے والوں کے خلاف نہیں ہے۔

☆ حضرت علیؑ کا فرمان ہے کہ جس فریق سے تم نے ایک مقررہ مدت کا عہد و پیمان کیا ہو تو مدت پوری ہونے تک اپنے پیمان کی پاسداری کرو اور جن کے ساتھ مدت مقرر نہیں ہوئی تو انہیں چار ماہ کی مہلت دو۔

پیغام

۱۔وہ لوگ جو عہد و پیمان کا احترام کرتے ہوں ان کا عہدو پیمان بھی قابلِ احترام ہے۔''عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ''

۲۔معاہدوں کی پابندی ضروری ہے۔اگرچہ مشرکین سے ہی کیوں نہ ہو۔''عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ''

۳۔جو تمہارے دشمن کی مدد کرتا ہے تو وہ تمہارا دشمن ہے۔''لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا''

معاہدہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ دشمنانِ اسلام کی مدد نہیں کریں گے لیکن اس کے باوجود انہوں نے مدد کی ہے۔اور معاہدے کی شرط کو پامال کیا ہے۔لہذا وہ تمہارے دشمن ہیں۔

۴۔معاہدوں کی پاسداری تقویٰ کی علامت ہے۔''فَاَتِمُّوْٓا ... اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۴''

آیت نمبر۵

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

ترجمۃ الآیات

پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں گے تو مشرکین کو جہاں بھی پاؤ انہیں قتل کر دو۔ انہیں قید کرلو اور ان کا محاصرہ کرلو اور ہر جگہ ان کی گھات میں بیٹھ جاؤ۔ پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہوں کو کھلا چھوڑ دو یعنی ان کے خلاف کوئی اقدام نہ کرو اس میں شک نہیں ہے کہ اللہ زیادہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۵)

نکات:

ایسے کافر جنہوں نے آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو مکہ میں تیرہ برس تک ایذائیں دیں اور پھر ہجرت کے بعد نو برس تک ایذا رسانی پر قائم رہے اور انہوں نے سازش کے کسی بھی موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ تو وہ سرکوبی کے حقدار ہیں۔

''حَیْثُ'' کا کلمہ زبان و مکاں دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لحاظ سے آیت کا مفہوم یہ بنے گا کہ تم مشرکین کو جب اور جہاں پاؤ قتل کر دو۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان لانا شرک کی توبہ ہے۔

پیغام

۱۔ دعوت کے تمام مراحل اور استدلال کی رسائی اور معاہدہ بندی کے بعد بھی اگر مشرکین سازشیں جاری رکھیں اور دشمنی میں مصروف رہیں تو پھر تمام امکانی ذرائع سے ان کی سرکوبی کرنی چاہیئے مثلاً قتل کرنا، قیدی بنانا، ان کے راہوں کو مسدود کرنا اور انکا محاصرہ کرنا۔ ''فَاقْتُلُوا، خُذُوا، احْصُرُوهُمْ''

۲۔ جہاں قطعی فیصلہ ضروری ہے وہاں نرمی بھی ضروری ہے۔ ''اقْتُلُوا، خَلُّوا''

۳۔ آسمانی مذہب کی نشر و تبلیغ کی آزادی درست ہے لیکن فکری انحراف اور عقل و انسانیت کے مخالف نظریات کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ''

۴۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ سازشوں پر گہری نظر رکھیں۔ ''وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ''

۵۔ مسلمانوں کی مخبری اور انفارمیشن کا نظام اتنا اعلیٰ ہو کہ بیرون ملک سازشیوں کی سرگرمیوں کے متعلق بھی انہیں اطلاع ہو ''كُلَّ مَرْصَدٍ''

۶۔ سازشی دشمنوں کی سرکوبی کے لئے تمام راستوں اور سرحدوں کی کڑی نگرانی کی ضرورت ہے۔ ''وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ''

۷۔ توبہ اگر چہ دوران جنگ بھی ہو تو بھی قبول لینی چاہئے کیونکہ اسلام عظمت وشفقت کا دین ہے۔ اسلام انتقام اور کینہ پروری کا درس نہیں دیتا۔ ''فَاقْتُلُوا ... فَإِنْ تَابُوْا''

۸۔ توبہ کا اظہار عمل سے ہونا چاہئے مسلمانوں کو چاہئے کہ بے عمل توبہ کے فریب میں نہ آئیں فَإِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا'

۹۔ شرک سے توبہ ایمان ہے اور نماز اور زکوۃ سچی توبہ کی علامتیں ہیں تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ'

۱۰۔ تمام عبادتوں میں نماز سر فہرست ہے اور جو شخص نماز اور زکوۃ جیسے دینی شعائر کا احترام کرے تو اسے کچھ نہ کہیں۔ ''وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ .. فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ''

آیت نمبر ٦

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۟﴿۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر کوئی مشرک آپ سے امان اور پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ دیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر اسے اس کے مقامِ امن پر پہنچا دیں کیوں کہ یہ جاننے والی قوم ہیں۔(٦)

پیغام:

۱۔ اگر کوئی دشمن اسلام کے عقائد و افکار کی تحقیق کے لئے پناہ کی درخواست کرے تو اسے مثبت جواب دینا چاہیے اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ'

۲۔ فکر وتعقل کا راستہ ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے۔ یہاں تک کے واجب القتل مشرکین کے لئے بھی کھلا ہوا ہے۔ ایک فرد کی امکانی ہدایت کے لئے اس سے دوسروں سے علیحدہ سلوک کیا جائے۔ ''اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ''

۳۔ اسلام رحمدلی، عظمت وکرامت کا دین ہے۔ ''اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ''

۴۔ دشمن کو بھی سوچنے اور انتخاب کی مہلت دو۔ جنگی حالات میں بھی لوگوں کی رُشد فکری پر کوئی قدغن نہیں ہونی چاہیے۔ ''اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ''

۵۔صحیح عقائد کو جانچنا اور انہیں قبول کرنا مہلت کا متقاضی ہوتا ہے۔''فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ''

۶۔قرآن قابلِ فہم ہے۔اور قرآن ہدایت کے لئے زمین کو ہموار کرتا ہے۔ایسا نہیں ہے کہ قرآن کا سمجھنا انسانی عقل کی حدود سے ماوراہو۔''يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ''

۷۔اسلامی حکومت کو چاہیئے کہ وہ منحرف افراد کو کلامِ خدا سننے کے مواقع فراہم کرے۔کیونکہ کچھ لوگوں کو ہم سے کینہ وعداوت نہیں ہوتی وہ اس لئے ہمارے مخالف ہوتے ہیں کہ تبلیغ سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔لہٰذا ایسے افراد کو کلام الٰہی سنایا جائے ممکن ہے کہ وہ حق کو سن کر اسے قبول کرلیں۔''يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ''

۸۔اسلام آزادی پر ایمان رکھنے والوں کا دین ہے۔اس ایمان کی بڑی قدر و قیمت ہے جو غور وفکر کے نتیجہ میں حاصل ہوا ہو۔خوف اور جبر کی وجہ سے اگر کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے اَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ''

۹۔جو مکتبِ فکر منطق پر استوار ہوتا ہے وہ جلد بازی سے پرہیز کرتا ہے۔لہٰذا دشمنوں کو موقع دیں تاکہ کلامِ حق کو اپنے کانوں سے سن سکیں اور اس دوران ان کی حفاظت یقینی بنائیں تاکہ وہ تسلی سے حق و باطل میں سے کسی ایک کا انتخاب کر دیں يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ''

۱۰۔کچھ لوگوں کا کفران کی جہالت کی پیداوار ہوتا ہے اگر لوگوں کو جہالت سے نجات مل جائے تو وہ حق کو قبول کرلیں گے۔''ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ''

آیت نمبر ۷

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷

ترجمۃ الآیات

اللہ اور اس کے رسولؐ کی نظر میں (پیمانِ شکن) مشرکین کے عہد و پیمان کی کیا حیثیت ہے۔لیکن اس سے وہ لوگ مستثنٰی ہیں جن کے ساتھ تم نے مسجد الحرام کے پاس عہد و پیمان کیا تھا جب تک وہ اپنے معاہدے پر قائم رہیں تو تم بھی اس پر قائم رہو۔اس میں کوئی شک نہیں

ہے کہ اللہ پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے۔(۷)

نکات:

☆اس آیت میں سورہ برأت کی پہلی آیت کی توجیہ پیش کی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا کہ اسلامی حکومت کی طرف سے اعلانِ برأت کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین اپنے معاہدوں کی پابندی نہیں کرتے۔

☆کعبہ سے اڑتالیس میل کا ہر طرف رقبہ ''حرم'' کا حصہ ہے اور اس علاقے میں جو بھی معاہدہ کیا جائے تو اسے ''عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' مسجد الحرام کے پاس کا نام دیا جاتا ہے۔حدیبیہ کا صلح نامہ بھی اس ضمن میں شامل تھا کیونکہ وہ صلح نامہ حدیبیہ میں لکھا گیا تھا اور حدیبیہ مکہ سے صرف پندرہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

☆آیتِ مجیدہ میں لفظ ''مَسْجِدِ الْحَرَامِ'' استعمال ہوا ہے اس سے معاہدے کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے گویا قدرت یہ کہنا چاہتی ہے کہ ویسے تو ہر معاہدے کی پابندی ضروری ہے لیکن مسجد الحرام میں منعقد ہونے والے معاہدے کی پابندی تو اور زیادہ ضروری ہے۔

پیغام

۱۔یہود اور مشرکین اہلِ ایمان کے بدترین دشمن ہیں۔لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا (المائدہ۔۸۲)

(تم یہود و مشرکین کو اہلِ ایمان کا بدترین دشمن پاؤ گے) لہٰذا ان سے معاہدے کی پاسداری کی کچھ زیادہ توقع نہیں رکھی جا سکتی۔''كَيْفَ يَكُوْنُ....''

۲۔سب پر تنقید کرنا صحیح نہیں ہے۔اچھے افراد کو استثناء کرنا چاہیے۔''اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ''

۳۔اگر فریق ثانی معاہدے پر کاربند رہے تو تم بھی اس معاہدے کی پاسداری کرو اور اگر دوسرا فریق معاہدہ توڑ دے تو تم پر بھی معاہدے پر کاربند رہنا ضروری نہیں ہے۔''فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ''

۴۔تقویٰ اور معاہدے کی پابندی کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔''فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴿۷﴾''

آیت نمبر ۸

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ

يُرۡضُوۡنَكُمۡ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَتَاۡبٰى قُلُوۡبُهُمۡ ۚ وَاَكۡثَرُهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۝٨

ترجمة الآیات

کس طرح سے (ان کے ساتھ معاہدہ کو قائم رکھا جاسکتا ہے) جب اگر وہ تم پر غالب آ جائیں تو تمہارے متعلق کسی رشتہ داری اور عہد و پیمان کی پرواہ تک نہ کریں گے وہ تمہیں اپنی نرم گفتاری سے راضی کررہے ہیں۔ جب کہ ان کے دل اس کا انکار کررہے ہیں ان کی اکثریت فاسق اور عہد شکن افراد پر مشتمل ہے۔(۸)

نکات:

☆ قرابت داری، ہمسائیگی اور انسانی تعلقات کو لفظ ''اِلًّا'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عہد و پیمان کو ''ذِمَّةً'' کہا جاتا ہے جس کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی فرد یا فریق اسے توڑ ڈالے تو لوگ اس کی مذمت کرکے کہتے ہیں کہ یہ عہد شکن ہے۔

☆ یہ آیات پیمان مشرکین کے متعلق سخت موقف اختیار کرنے کا حکم دیتی ہیں۔

☆ محض اس امکان کی وجہ سے حملہ نہیں کیا جاسکتا کہ اگر دشمن ہم پر غالب آ گیا تو وہ ہم سے برا سلوک کرے گا اس کے تجاوز اور سازشوں کے مکمل کوائف ہونے چاہیں ورنہ اقدام جرم سے قبل قصاص قرار پائے گا۔

پیغام:

۱۔ دشمن جب کمزور ہو تو اس وقت اس کی دشمنی کی گہرائی کا علم نہیں ہوتا اس کی گہرائی کا علم اس کی قدرت و طاقت کے وقت ہوتا ہے۔ ''وَاِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ''

۲۔ بے رحم دشمن کے متعلق خاموشی اور سادگی اختیار کرنا گناہ ہے۔ ''لَا يَرۡقُبُوۡا فِيۡكُمۡ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً''

۳۔ مشرکین کی نظر میں نہ تو رشتہ داری کی کوئی اہمیت ہے اور نہ عہد و پیمان کی کوئی حیثیت ہے۔ ''اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً''

۴۔ دشمن کی مکاری اور چپڑی چکنی باتوں کے فریب میں نہیں آنا چاہیئے۔ ''يُرۡضُوۡنَكُمۡ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَتَاۡبٰى قُلُوۡبُهُمۡ''

۵۔ عہد شکن منافقت، ریاکاری اور سیاست بازی فسق ہے۔ ''وَتَاۡبٰى قُلُوۡبُهُمۡ ۚ وَاَكۡثَرُهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۝٨''

۶۔ مشرکین کی اکثریت فاسق ہے لیکن ان میں بھی کچھ اچھے افراد بھی موجود ہیں اَكۡثَرُهُمۡ ہمیں نسبت دیتے وقت انصاف کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔

آیت نمبر ۹

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹

ترجمة الآيات

(پیمان شکن مشرکین) انہوں نے خدا کی آیات کو تھوڑی سی قیمت کے عوض فروخت کیا ہے اور لوگوں کو راستے سے ہٹادیا اس میں شک نہیں ہے کہ یہ لوگ بہت بُرا کر رہے ہیں۔(۹)

پیغام

۱۔ ہر انسان راستے اور عمل کے انتخاب میں آزاد ہے۔ ''اِشْتَرَوْا''

۲۔ آیاتِ الٰہی ہاتھ سے دے کر جو کچھ بھی حاصل کیا جائے وہ انتہائی کم ہے۔ ''ثَمَنًا قَلِيْلًا''

۳۔ رضائے الٰہی اور جنت کے عوض چند روزہ اور آفات سے لبریز دنیا کو خرید کرنا انتہائی بُرا سودا ہے۔ کیوں کہ دنیا و مافیہا کی لطفِ الٰہی کے مقابلہ پر کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ ''اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ ''

۴۔ دنیا کی خواہش، دین کے مقابلے پر ابھارتی ہے اور لوگوں کو راہ خدا سے روکتی ہے۔ ''اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ''

آیت نمبر ۱۰

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰

ترجمۃ الآیات

پیمان شکن مشرک صرف تمہارے لئے ہی نہیں بلکہ کسی بھی مومن کے متعلق نہ تو قرابت داری کا پاس کرتے ہیں اور نہ ہی عہد و پیمان کا خیال کرتے ہیں۔ یہ لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔(۱۰)

نکات:

☆اس آیت میں مشرکین سے برأت کے خدائی حکم کی حکمت بیان کی گئی ہے۔

☆ سابقہ دو آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین تم سے کسی رعایت کے روادار نہیں ہیں جب کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ کسی بھی مومن کے حق میں رعایت کے طرف دار نہیں ہیں۔ ''لَا يَرۡقُبُوۡنَ فِىۡ مُؤۡمِنٍ ''

پیغام:

۱۔مشرکین کو اہلِ ایمان سے مکمل دشمنی ہے۔لہذا ان کے ساتھ سخت رویہ اپنانے کے لئے تمہیں کسی طرح کا شک و شبہہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ''لَا يَرۡقُبُوۡنَ فِىۡ مُؤۡمِنٍ ''

۲۔کفار کی نظر میں مسلمانوں کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اسی لئے وہ اہلِ ایمان سے دشمنی رکھتے ہیں۔لَا يَرۡقُبُوۡنَ فِىۡ مُؤۡمِنٍ اس کی مثال اس آیت میں ملتی ہے انہیں بس اس بات پر چڑ تھی کہ وہ خداوندِ عزیز وحکیم پر ایمان لائے تھے۔(البروج۔۸)

۳۔عہد شکنی ظلم کی واضح شکل ہے۔''وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُعۡتَدُوۡنَ‏ ﴿۱۰﴾ ''

۴۔رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھنا اور عہد و پیمان کی پابندی کرنا واجب ہے۔ اس سے لاپرواہی حد سے تجاوز کرنے کا مظہر ہے۔''وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُعۡتَدُوۡنَ‏ ﴿۱۰﴾ ''

۵۔عہد شکنی کرنے والے مشرکین سے جنگ دفاعی قسم کی جنگ ہے۔جیسا کہ اس سورۃ کی تیرہویں آیت میں اسے بیان کیا جائے گا۔یہاں واضح کیا گیا ہے کہ جنگ کی ابتداء ہماری طرف سے نہیں۔''وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُعۡتَدُوۡنَ‏ ﴿۱۰﴾ ''

آیت نمبر ۱۱

فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ‌ؕ وَنُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ‏ ﴿۱۱﴾

ترجمۃ الآیات

اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں وہ تمہارے دینی بھائی ہیں ہم اپنی آیات کو علم (فکر) رکھنے والوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔(۱۱)

نکات:

سابقہ آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر مشرک توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ جب کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے نہ صرف یہ کہ انہیں کچھ نہ کہو بلکہ ان کے ماضی کو بھلا دو اور انہیں اپنا دینی بھائی سمجھ کر ان سے برادرانہ سلوک کرو۔

پیغام:

۱۔کسی سے تعلقات استوار کرنے کا اسلوب یہ ہے کہ قدم بہ قدم تدریجی طور پر اس سے تعلقات بڑھائے جائیں۔اس کی ابتدا عدم تعرض سے ہونی چاہیئے۔ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ پھر ان سے برادرانہ روابط قائم کئے جائیں۔''فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ''

۲۔دینی اخوت کے دائرہ میں شامل ہونے کے لئے نماز اور زکوٰۃ اشد ضروری ہے۔''فَاِنۡ... وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ''

۳۔حقیقی توبہ کا اظہار عمل سے ہوتا ہے۔''تَابُوۡا وَاَقَامُوا''

۴۔تارکین نماز اور مانعین زکوٰۃ ہمارے دینی بھائی نہیں ہیں۔''فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ''

۵۔مسلمان کی دوستی اور دشمنی کی بنیاد اس کے مذہب پر ہوتی ہے۔''فَاِنۡ تَابُوۡا... فَاِخۡوَانُكُمۡ اسی طرح سے بعد

کی آیت میں ارشاد ہوا۔ ''وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا ..... فَقَاتِلُوۡۤا''

۶۔کفر پر نادم ہو کر توبہ کرنے والے سے برادرانہ تعلقات رکھنے چاہیں۔ ''فَاِنۡ تَابُوۡا ... فَاِخۡوَانُكُمۡ''

۷۔اسلامی جنگ کا ہدف یہ ہے کہ مشرکین کو عقیدہ توحید کی طرف لایا جائے۔ ''فَاِنۡ تَابُوۡا ... فَاِخۡوَانُكُمۡ''

۸۔کل تک جو لوگ واجب القتل تھے وہ لوگ توبہ، نماز اور زکوٰۃ کی وجہ سے مسلمانوں کے اجتماعی حقوق میں شریک ہو گئے اور ان سے جنگ کرنا حرام قرار پائی۔ ''فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ''

۹۔علم و دانش، آیات الٰہی میں تفکر کی وجہ ہے۔ ''لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ۝۱۱''

آیت نمبر ۱۲

وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡـنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡـكُفۡرِ‌ ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ‏ ۝۱۲

ترجمۃ الآیات

اور اگر وہ (توبہ کی بجائے) عہد باندھنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین کے متعلق (عیب گوئی) اور طعنوں کی زبان کھولیں تو کفر کے سرداروں کے خلاف جنگ کرو کیونکہ یہ لوگ قسموں کی پابندی کرنے کے عادی نہیں ہیں ممکن ہے کہ (تمہاری سختی کی وجہ سے) اپنی حرکات سے باز آجائیں۔ (۱۲)

نکات:

☆کسی نے حضرت علیؑ سے پوچھا آپ نے جنگِ جمل سے بھاگنے والوں کا تعاقب نہیں کیا تھا جب کہ آپ نے صفین سے بھاگنے والوں کا تعاقب کیا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

آپؑ نے جواب دیا کہ صفین میں کفر کے رہبر زندہ تھے اور فرار کرنے والے ان کے اطراف جمع ہو کر منظم ہو سکتے تھے اور نئے سرے سے حملہ کر سکتے تھے جب کہ جنگِ جمل میں ان کے سربراہ مارے گئے تھے۔ لہٰذا ان کے منظم ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

☆امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جو تمہارے دین کے بارے میں زبان طعن دراز کرے تو وہ قطعی طور پر کافر ہے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر نور ثقلین)

پیغام:

۱۔دین سے ارتداد کا تعلق پیمان شکنی اور مکتب کا تمسخر اڑانے سے ہے وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا ممکن ہے کہ "تَابُوۡا" کے بعد "نَّكَثُوۡا" کے الفاظ ارتداد کی طرف اشارہ ہوں۔

۲۔توہینِ اسلام اور اس کے خلاف زبان طعن دراز کرنے کی سزا موت ہے۔ "طَعَنُوۡا ،فَقَاتِلُوۡا مذہبی مقدسات کی توہین کرنے والوں کا سختی سے محاسبہ کرنا چاہیئے۔

۳۔اسلامی جہاد کا مقصد مکتب کا دفاع ہے۔ "نَّكَثُوۡا ،طَعَنُوۡا ،فَقَاتِلُوۡۤا "

۴۔پیمان شکنی اور دین کی تضحیک کا تعلق کفر کے رہبروں سے ہے لہذا ان سے جنگ کرو۔ " فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡكُفۡرِ "

۵۔جنگ کی صورت میں سازشی عناصر کے سرغنوں اور ان کے مراکز اور تنظیمی سرگرمیوں کو نشانہ بنا کر انہیں تہس نہس کر دینا چاہیئے۔

۶۔ہر قسم کے فریب میں نہ آؤ عہد شکن افراد کی قسم پر کوئی اعتماد نہیں ہے۔ "لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ "

۷۔جہاد اسلامی کا مقصود دشمن کی سازشوں کو روکنا ہے۔ "لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ ۝۱۲ "

آیت نمبر ۱۳

اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ وَهَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَهُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝۱۳

ترجمۃ الآیات

کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہ کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں (اور معاہدوں) کو توڑا اور

انہوں نے پیغمبر کو وطن سے نکالنے کا ارادہ کیا تھا اور انہوں نے ہی تم سے جنگ کی ابتداء کی ہے کیا تم ان سے ڈرتے ہو اور اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ اس بات کا استحقاق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ (۱۳)

پیغام:

۱۔ مجاہد مسلمان کے لئے جنگ کے اہداف و مقاصد واضح ہونے چاہیں نَّكَثُوٓا... وَهَمُّوا.. بَدَءُوكُمۡ اس کی وضاحت یہ ہے کہ دشمنوں نے پیمان شکنی کی اور رسولِ خدا کے لئے بُرائی کا ارادہ کیا اور جنگ کی ابتداء ان کی طرف سے ہوئی۔

۲۔ تمھاری جنگ خالصتاً دفاع کے لئے ہے دشمن نے حملہ میں پہل کر کے جارحیت کا ثبوت دیا۔ ''وَهُمۡ بَدَءُوكُمۡ''

۳۔ جنگ کے وقت جنگ کی آگ اور دوزخ کی آگ کا آپس میں موازنہ ضرور کرنا اس سے مجاہدین بہتر طور پر لڑائی لڑسکیں گے۔ ''اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ''

۴۔ حقیقی مومن صرف خدا سے ہی ڈرتا ہے۔ ''فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ﴿۱۳﴾''

آیت نمبر ۱۴

قَاتِلُوۡهُمۡ يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ بِاَيۡدِيۡكُمۡ وَيُخۡزِهِمۡ وَيَنۡصُرۡكُمۡ عَلَيۡهِمۡ وَيَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۙ﴿۱۴﴾

ترجمة الآيات

ان سے جنگ کرو تاکہ خدا تمھارے ہاتھوں سے انہیں عذاب دے اور انہیں ذلیل کرے اور تمھیں ان پر کامیابی دے اور اہلِ ایمان کے (پُر درد) دلوں کو تشفی دے (ان کے دلوں پر مرہم رکھے۔) (۱۴)

نکات

سوال۔ اس سے قبل سورۃ انفال کی ۳۲ ویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جب تک پیغمبر اُن میں موجود ہیں خدا انھیں عذاب نہیں دے گا پھر اس آیت میں انھیں عذاب دینے کا اعلان کس لئے کیا گیا؟

جواب۔اس سے آسمانی عذاب مراد ہے جو انھیں ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹا دے گا جیسا کہ قوم عاد وثمود پر عذاب نازل ہوا تھا جبکہ اس آیت میں آسمانی عذاب کی بجائے جنگ کی سختی کا عذاب مراد ہے۔

پیغام

۱۔میدانِ جنگ اللہ کی امداد کا مرکز ہوتا ہے قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ یعنی جہاد کرنا تمھارا کام ہے اور مدد کرنا خدا کا کام ہے۔

۲۔مجاہدین حق کا بازو ہیں اور احکام الٰہی کے نفاذ کا ذریعہ ہیں۔''يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ''

۳۔خدا کی روش کا اظہار طبعی ذرائع اور ظاہری اسباب کے ذریعے سے ہوتا ہے۔''بِاَيْدِيْكُمْ''

۴۔دشمن کی فوجی شکست اس کی روحانی وسیاسی شکست ہے يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ''

۵۔اللہ تعالیٰ دشمنان دین کی ذلت وشکست اور مومنین کی عزت وکامیابی کا خواہاں ہے۔''وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ''

۶۔جنگ کے اہداف میں کفر کا خاتمہ اور کافروں کی ذلت اور مومنین کی تسکین شامل ہے۔'' يُعَذِّبْهُمْ ...وَيُخْزِهِمْ...وَيَشْفِ صُدُوْرَ''

۷۔جنگ سے پہلے تشویق اور تبلیغ ضروری ہے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو قطعی نوید دیتا ہے۔''يَنْصُرْكُمْ ...وَيَشْفِ صُدُوْرَ''

۸۔صدر اسلام کے مسلمانوں کے دل کفار کی اذیتوں سے زخمی اور داغدار تھے۔''وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۱۴﴾''

۹۔جنگ کی صورت میں اگر چہ کچھ اہلِ ایمان کی شہادت کا احتمال ہے مگر اس سے امتِ اسلامیہ کو پرسکون زندگی ملنے کا یقین ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آیت میں ''صُدُوْرَكُمْ'' نہیں فرمایا بلکہ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۱۴﴾ کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔

۱۰۔اجتماعی مسائل میں مومنین کی تقدیر ایک دوسرے سے پیوستہ ہے لہذا آج کی تمہاری کامیابی باقی اہلِ ایمان کے دلوں کیلئے شفا ہے۔''وَيَنْصُرْكُمْ ...وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۱۴﴾''

آیت نمبر ۱۵

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۵﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ تعالیٰ (تمہاری کامیابی اور دشمن کی خواری سے) مومنین کے دلوں کے غصہ کو دور کرے گا اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اس پر اپنے لطف کو پھیر دیتا ہے (ان کے لئے توبہ کے دروازے کھول دیتا ہے) اللہ صاحبِ علم اور صاحبِ حکمت ہے۔ (۱۵)

پیغام:

اگرچہ جنگ کا اولین ہدف اللہ کی رضا کا حصول اور اپنی سرزمین کا دفاع اور شرک اور سازشوں اور پیمان شکنی سے تحفظ ہے لیکن اس کا ثانوی ہدف اہلِ ایمان کے غصہ کو ٹھنڈا کرنا بھی ہے (اس مفہوم کو ''سَيَجۡعَلُ اللّٰهُ بَعۡدَ عُسۡرٍ يُّسۡرًا'' (طلاق۔۷) اور اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ يُسۡرًا (الم نشرح۔۶) میں بھی بیان کیا گیا ہے وَيُذۡهِبۡ غَيۡظَ قُلُوۡبِهِمۡ''

۲۔ جب تمہیں کامرانی نصیب ہو جائے تو اس کے بعد جو لوگ تم سے تعلقات استوار کرنے کے لئے آئیں تو ان کا پر تپاک استقبال کرو اور کہو کہ اب تک آپ لوگ کہاں تھے؟ ''وَيَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ''

۳۔ توبہ کی قبولیت کسی کا استحقاق نہیں ہے توبہ کی قبولیت خدا کے ارادہ اور مشیت سے مربوط ہے۔ ''وَيَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ''

۴۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آنے والوں کو اس لئے دھتکار دو کہ کہیں وہ فریب نہ کر آئے ہوں اللہ تعالیٰ ریاکاری پر مبنی توبہ اور حقیقی توبہ کو بخوبی جانتا ہے۔ حکمتِ الٰہی اس امر کی متقاضی ہے کہ جو بھی اسلام کا اظہار کرے اس کی بات کو مان لینا چاہئے البتہ حفاظتی اقدامات سے غفلت نہ کی جائے۔ ''عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۵﴾''

آیت نمبر ۱۶

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَلَمۡ يَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوۡلِهٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلِيۡجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾

ترجمۃ الآیات

یا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ (صرف ایمانی دعویٰ کی وجہ سے) تمہیں چھوڑ دیا جائے گا (حالانکہ اللہ نے اپنے امتحان سے ابھی تک تمہیں نہیں آزمایا) اللہ بہر صورت معلوم کرے گا کہ تم میں سے کن لوگوں نے جہاد کیا اور وہ کون ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور اہلِ ایمان کے علاوہ کسی کو اپنا راز دان نہیں بنایا تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔(۱۶)

نکات:

☆ یہ آیت بھی سابقہ آیات کی طرح سے جہاد کی ترغیب دیتی ہے۔

☆ ''وَلِیۡجَةً'' کا کلمہ لفظ ''وُلُوۡج'' سے ماخوذ ہے اور یہ لفظ معنوی طور پر لفظ ''بِطَانَة'' کے مترادف ہے جس کا معنی اندرون خانہ راز ہیں۔اور یہاں پر ''راز دان'' مراد ہے۔

☆ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی رہبر ہی محرمِ اسرار بننے کے اہل ہیں (تفسیر نورِ ثقلین)

پیغام:

۱۔یہ وجود اور اس کا نظام با مقصد ہے انسان اور اس کا مستقبل بھی بے مقصد نہیں ہے لہٰذا تخیلاتی دنیا سے نکل کر واقعیت اور حقیقت کو اپنانا چاہیئے۔''اَمۡ حَسِبۡتُمۡ''

۲۔ایمان کا زبانی دعویٰ کافی نہیں ہے اس کے لئے عمل، جہاد اور آزمائش شرط ہے۔''اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا''

۳۔ایمانی آزمائش میں صرف وہی افراد ہی کامیاب شمار کئے جائیں گے جو اللہ، رسول اور اہل ایمان کو ہی اپنا محرم راز بنائیں گے۔''وَلِیۡجَةً''

صدر اسلام میں مومنین اغیار سے رابطہ رکھتے تھے۔

۴۔اغیار تک راز پہنچانا صحیح نہیں ہے اور انہیں محرم راز جاننا حرام ہے اور یہ ایمانی ضُعف کا مظہر ہے اس سے بے ایمانی چھلکتی ہے اور خدا نے اس پر سخت تنبیہ کی ہے۔''وَلَمۡ یَتَّخِذُوۡا...وَلِیۡجَةً''

۵۔ایک مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ بیرونی دشمن سے جہاد کرے اور اندرونی دشمن سے اپنے رازوں کو پنہاں رکھے۔'' جٰهَدُوۡا...وَلَمۡ یَتَّخِذُوۡا''

۶۔اللہ تعالیٰ لوگوں کے حالات سے بخوبی آگاہ ہے اسے آزمانے کی ضرورت نہیں لیکن امتحان سنتِ الٰہی ہے۔''وَاللّٰهُ خَبِیۡرٌ''

۷۔اگر تم نے قومی راز دشمنوں کے سپرد کر دیئے تو اللہ تعالی اس سے باخبر ہے وہ تمہیں اس کی سزا دے گا۔''وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝۱۶''

آیت نمبر ۱۷

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ۝۱۷

ترجمۃ الآیات

مشرکین کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں جب کہ اپنے خلاف کفر کے واضح گواہ ہوں ان لوگوں کے اعمال (ان کی بے ایمانی کی وجہ سے) ضائع ہو گئے ہیں اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔(۱۷)

نکات:

☆اس آیت کا شانِ نزول تو مسجد الحرام کی آباد کاری اور تولیت کے ساتھ مخصوص ہے لیکن یہ عمومی حکم ہے اور تمام مساجد کو شامل ہے۔یہی وجہ ہے کہ آیتِ مجیدہ میں ''مسجد الحرام'' کی بجائے مساجد کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

☆حضرت علیؑ نے اپنے اعلانِ برأت میں یہ بھی فرمایا تھا کہ مشرکین کو مسجد الحرام کی تعمیر کا حق حاصل نہیں ہے انہیں نہ صرف یہ کہ تعمیر کا حق نہیں ہے بلکہ انہیں مسجد میں داخل ہونے کا بھی کوئی حق حاصل نہیں ہے۔(آیت ۲۷ میں اس ذکر آئے گا)

پیغام:

۱۔مساجد کی تعمیر ہو یا مسلمانوں کے دوسرے دینی اور ثقافتی ادارے ہوں ان میں کفار و مشرکین کو مداخلت کی اجازت نہیں ہے۔''مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ''

۲۔اسلامی مراکز اور دینی مقدسات کے لئے نا اہل افراد سے رقم نہیں لینی چاہیئے تا کہ انہیں مداخلت کا موقع نہ

ملے۔ ''مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ''

۳۔صرف عمل ہی اہم نہیں ہے اس کی بجائے نیت کو اہمیت حاصل ہے۔ ''مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا''

۴۔ہر آمدنی جائز نہیں ہوتی اور نہ ہی ہر طرح کی شراکت بہتر ہوتی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ مساجد کی آبادی کے شوق میں کفار کو دینی معاملات میں دخل اندازی کا موقع مل جائے۔ ''اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰہِ''

۵۔جو لوگ سرِ عام بے دینی کا مظاہرہ کرتے ہوں انہیں دینی معاملات میں مداخلت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ ''شٰھِدِیْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ''

۶۔مشرک بھی کافر ہوتا ہے۔ ''لِلْمُشْرِکِیْنَ ... شٰھِدِیْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ''

۷۔کفر کافروں کے نیک اعمال کی تباہی و بردباری کا سبب بن جاتا ہے۔ '' بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ''

آیت نمبر ۱۸

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمة الآیات

مساجد خداوندی کو بس وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں۔ نماز قائم کرتے ہوں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہوں اور خدا کے علاوہ کسی دوسرے کا خوف نہ رکھتے ہوں انہی لوگوں کے متعلق امید کی جاتی ہے کہ وہ ہدایت یافتہ ہوں۔ (۱۸)

نکات

☆ مسجد مسلمانوں کا اہم عبادی اور اجتماعی مرکز ہے اسی لئے متولیانِ مساجد کو صالح اور پاک ہونا چاہیئے اور مساجد کی تعلیمات انسان ساز اور تربیت پر مشتمل ہونی چاہیئے اور ان کے ذرائع آمدنی جائز اور حلال ہوں اور مساجد میں آنے والے

افراد بھی خوفِ خدا رکھنے والے اور لائق احترام ہونے چاہئیں۔ اس کے برعکس اگر مساجد بنانے والے جبار قسم کے سلاطین ہوں اور مساجد میں امامت کرانے والے جاہل اور بزدل ہوں اور مسجد کے خدام حال سے بے حال ہوں۔ تو مسجد کا اصل مقصد ضائع ہو جائے گا اور ایسی مساجد اپنی معنویت سے دور ہو جائیں گی۔

☆ مرحوم فیض کا شانی تفسیر صافی میں لکھتے ہیں کی ''تعمیر مسجد'' میں مسجد کی مرمت، صفائی مصلے بچھانا اور مسجد میں چراغاں کرنا اور تدریس وتبلیغ جیسے امور شامل ہیں۔

☆ قرآن کریم میں ۳۲ مرتبہ زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا۔ اٹھائیس مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کو اکٹھے بیان کیا گیا۔

☆ حضرت رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔ اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْالَهٗ بِالْاِیْمَانِ (تفسیر در منثور) جب کسی شخص کو مسجد میں آمد ورفت کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔

مسجد میں آمد ورفت رکھنے والوں کے لئے احادیث میں بہت سے فوائد منقول ہوئے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ اس سے ایمانی بھائیوں سے تعارف پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

۳۔ دینی اُمور میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ گناہوں سے دوری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ اس سے انسان اللہ کی رحمت کا حقدار بنتا ہے۔ وسائل۔ (تفسیر در منثور)

پیغام:

۱۔ مسجد کی تولیت اور آبادکاری کی کچھ شرائط ہیں۔

الف۔ مسجد کا متولی وہ بن سکتا ہے جو مبداء ومعاد پر ایمان رکھتا ہو۔ ''اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ''

ب۔ مسجد کے متولی کو نماز اور زکوٰۃ کا پابند ہونا چاہئے۔ ''وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ''

ج۔ مسجد کے متولی کو بہادر اور نڈر ہونا چاہئے۔ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ اگر مسجد کا متولی بہادر ہوگا تو وہ مسجد ظلم و ستم کے خلاف مورچہ کا کام دے گی

۲۔ مساجد کے متولیوں اور مساجد کے آباد رکھنے والوں کو محرومین کا مددگار ہونا چاہئے۔ '' اِنَّمَا یَعْمُرُ ۔۔۔ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ''

۳۔ ایمان عمل سے جدا نہیں ہے۔ اٰمَنَ ۔۔۔ وَاَقَامَ نماز زکوٰۃ سے جدا نہیں ہے۔ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ مسجد انقلاب سے جدا نہیں ہے۔'' مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ''

۴۔ایمان، عملِ صالح، نماز، زکوٰۃ اور شجاعتِ دین ہونے کے باوجود ہمیں پھر بھی مغرور نہیں ہونا چاہئے انحراف کے خطرات پھر بھی موجود ہیں۔''فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴿۱۸﴾''

آیت نمبر ۱۹

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۱۹﴾

ترجمۃ الآیات

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کی آبادی کو اس شخص (کے عمل) کے مانند قرار دیا ہے۔ جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لایا ہے۔اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے یہ خدا کے ہاں یکساں نہیں ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔(۱۹)

نکات:

ایک مرتبہ رسولِ خدا کے چچا عباس اور شیبہ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر فخر کر رہے تھے عباس نے خانۂ خدا کے زائرین کو پانی پلانے کا ناز کیا اور شیبہ نے کعبہ کی کلید برادری کا فخر کیا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا اگر چہ میں تم دونوں سے کم عمر ہوں اس کے باوجود میں یہ فخر کرتا ہوں کہ تم لوگ میری تلوار اور جہاد کی وجہ سے ایمان لائے۔اس بات پر عباس ناراض ہوئے اور رسولِ اکرمؐ کے حضور حضرت علیؑ کی شکایت کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر نمونہ، الکافی جلد۔۸ ص ۲۰۴)

حضرت علیؑ نے اپنی اولویت کے لئے کئی بار اس آیت سے استشہاد کیا تھا اور اس طرح سے آپ نے لوگوں کو یہ بتایا کہ شرک کی حالت میں جو خدمات سرانجام دی جائیں ان کی کوئی معنوی حیثیت نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔عمل پر ناز نہیں کرنا چاہئے ایمان کے بغیر عمل بے جان جسم کی مانند ہے۔''اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ... كَمَنْ

اٰمَنَ''

۲۔مخلص مجاہدین دوسروں سے برتر ہیں ۔''اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ... كَمَنْ اٰمَنَ...وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

۳۔باایمان مجاہدین کا دوسروں سے موازنہ کرنا صریحاً ظلم ہے اور یہ ایک اجتماعی زیادتی ہے۔''اَجَعَلْتُمْ.. كَمَنْ ...جٰهَدَ.. الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾''

آیت نمبر ۲۰

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

ترجمۃ الآیات

وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور جان سے جہاد کی ایسے لوگوں کا خدا کے ہاں بہت بڑا درجہ ہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔(۲۰)

پیغام:

۱۔تقویٰ کی طرح ایمان، ہجرت اور جہاد کا بھی بڑا مقام ہے۔''اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا... اَعْظَمُ دَرَجَةً''

۲۔لوگوں کی نظر میں قبیلہ اور قوم کو بڑی اہمیت حاصل ہے لیکن خدا کے ہاں ایمان، ہجرت اور جہاد پر ہی قدر و قیمت کا انحصار ہے۔تمام صحابہ اور مسلمانوں کی تاریخ پر نظر کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ان میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والا کون ہے اور میدان جہاد میں سب سے زیادہ صعوبتوں کو کس نے برداشت کیا؟ تو پھر حضرت علیؑ کے علاوہ اور کوئی دکھائی نہیں دے گا۔سبقت ایمانی اور جہاد فی سبیل اللہ کی منزل میں حضرت علیؑ سب سے سرفہرست دکھائی دیتے ہیں۔''عِنْدَ اللّٰهِ''

۳۔تمام کمالات کا سرچشمہ ایمان ہے۔''اٰمَنُوْا''

۴۔تمام نیک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔''فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

۵۔اُخروی کامیابی، ایمان، ہجرت اور جہاد کے زیرِ سایہ ہی میسر آسکتی ہے۔''اٰمَنُوْا... وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۝۲۰''

آیت نمبر ۲۱۔۲۲

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝۲۱

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۲

ترجمۃ الآیات

ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور رضا مندی اور ایسے باغات کی بشارت دیتا ہے جن میں ان کے لئے ابدی نعمات ہوں گی۔(۲۱)

اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اس میں شک نہیں کہ اللہ کے ہاں اجرِ عظیم ہے۔(۲۲)

پیغام:

۱۔اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور مجاہدین کو خود ہی جنت کی بشارت دی ہے يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ دوسری آیات میں اور بشارتیں بھی دی گئی ہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ (دہر ۲۱) ان کا رب انہیں پلائے گا۔ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ (البقرۃ ۱۵۷)

(ان پر رب کی طرف سے رحمت ہے)(۲)''نَعِيْمٌ'' کثیر نعمت کو کہا جاتا ہے

۲۔کسی بھی مکتب کی جامعیت کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے پیروکاروں کو اُمید بھی دلاتا ہو۔

۳۔بشارت اور جزاء کا تعلق شعبہ ربوبیت سے ہے۔''يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ''

۴۔رحمت اور رضوان جنت کا حصول کامیابی کا مظہر ہے۔''الْفَآئِزُوْنَ...يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ''

۵۔اللہ کی رحمت اور رضا مادی نعمات سے مقدم ہے بِرَحۡمَةٍ مِّنۡهُ وَرِضۡوَانٍ وَّجَنّٰتٍ (اس آیت میں جنت کا ذکر بعد میں ہے اس سے پہلے رحمت و رضوان کا تذکرہ کیا گیا ہے)

۶۔جنت کے باغات پُرنعمت ہوں گے۔''نَعِيۡمٌ''

۷۔اگر حکمِ الٰہی کے تحت ہم فانی نعمات سے کنارہ کشی کر لیں تو اس کے عوض ہمیں ابدی نعمات میسر آسکتی ہیں۔''نَعِيۡمٌ مُّقِيۡمٌ''

۸۔دنیاوی نعمات کے لئے سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ یہ فنا پذیر اور زوال پذیر ہیں جب کہ اُخروی نعمات کو فنا اور زوال''نہیں ہے۔مُّقِيۡمٌ...خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَآ اَبَدًا ؕ''

۹۔دنیا کا کوئی شخص کسی کو کتنی بھی کیوں نہ عطا کرے وہ پھر بھی چھوٹی ہے جب کہ اجرِ عظیم خدا کا عطا کردہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۝٢٢ سے قبل لفظ عِنۡدَہٗ موجود ہے جو کہ حصر پر دلالت کرتا ہے۔

۱۰۔خدا نے پوری دنیا کو''قَلِيۡل'' کہا ہے لیکن مجاہدین کے اجر کو لفظ عَظِيۡمٌ ۝٢٢ سے تعبیر کیا ہے۔

۱۱۔خدا کا لطف و کرم یہ ہے کہ وہ ہماری فانی اور قلیل چیزوں کو بہت بڑی قیمت کے بدلے خرید کر رہا ہے جب کہ ہم اور ہماری ہستی اور جو کچھ بھی ہمارے پاس موجود ہے وہ سب اسی کا عطا کردہ ہے۔''اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۝٢٢''

آیت نمبر ۲۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَاِخۡوَانَكُمۡ اَوۡلِيَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ عَلَى الۡاِيۡمَانِ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝٢٣

ترجمۃ الآیات

اے اہلِ ایمان! اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان پر کفر کو ترجیح دیں تو ان کی ولایت (دوستی) کو قبول نہ کرو اور تم میں سے جس نے بھی ان کی ولایت کو قبول کیا تو وہی لوگ ظالم ہوں گے۔(۲۳)

نکات:

☆ قرآن کریم نے کفار کی ولایت قبول کرنے سے اتنی سختی سے ممانعت فرمائی ہے کہ اس سے دل لرز اُٹھتے ہیں مثلاً سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ (المائدہ۔۵۱) تم میں سے جو بھی انہیں دوست بنائے گا تو وہ خود انہی میں سے ہو گا سورۂ آلِ عمران میں ارشادِ خداوندی ہے۔ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَلَيۡسَ مِنَ اللّٰهِ فِىۡ شَىۡءٍ (آلِ عمران۔۲۸) جو کوئی ایسا کرے تو اس کا خدا سے رابطہ منقطع ہو جائے گا۔

☆ جب کچھ مسلمانوں نے مکہ سے ہجرت کی تو ان کے والدین ان پر ناراض تھے لیکن انہوں نے دین کی حفاظت کو والدین کی رضا پر ترجیح دی تھی کا فر والدین کی سرپرستی کو قبول نہیں کرنا چاہیئے البتہ ان سے حسنِ سلوک کا مسئلہ دوسرا ہے۔

پیغام:

۱۔ کافر باپ کو مسلمان بیٹے پر حق ولایت حاصل نہیں ہے اور مذہبی روابط خاندانی روابط پر مقدم ہیں۔ ''لَا تَتَّخِذُوۡۤا''

۲۔ خاندان کی محبت کو مذہب وملت کے اقدار پر غالب نہیں آنا چاہیئے۔ ''لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَاِخۡوَانَكُمۡ''

۳۔ کافر کی ولایت کو قبول کرنا شرعاً ممنوع ہے اگرچہ وہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ ''لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ ... اَوۡلِيَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡـكُفۡرَ''

۴۔ دین ومکتب کے احکام ہر طرح کے روابط پر مقدم ہیں۔ ''لَا تَتَّخِذُوۡۤا ... اسۡتَحَبُّوا الۡـكُفۡرَ''

۵۔ کفار کی سرپرستی کو قبول کرنا ظلم ہے۔ ''الظّٰلِمُوۡنَ۝۲۳''

آیت نمبر ۲۴

قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ وَاِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ وَعَشِيۡرَتُكُمۡ وَاَمۡوَالُ اۨقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ۝۲۴

ترجمۃ الآیات

آپ کہہ دیں کہ تمہارے آباء اور اولاد اور بھائی اور بیویاں اور تمہارے خاندان اور تمہاری جمع کردہ دولت اور تمہاری وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تمہیں خوف ہے اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں۔ اگر وہ تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ خدا اپنے (عذاب کے) فرمان کو جاری کردے اور اللہ نافرمان گروہ کو ہدایت نہیں کرتا۔ (۲۴)

نکات

ایک دن حضرت علیؑ نے کچھ لوگوں سے فرمایا کہ تم اسلام کی مدد کے لئے مدینہ کی طرف ہجرت کیوں نہیں کرتے اور پیغمبر سے الحاق کیوں نہیں کرتے؟

انہوں نے جواب دیا کہ ہم اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ قیام پذیر ہیں اور اپنے گھر کا دفاع کر رہے ہیں۔ (تفسیر المیزان)

اس آیت میں جن اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے وہ بطور نمونہ ہیں اسی لئے باپ کے ساتھ ماں، بیٹے کے ساتھ بیٹی اور بھائی کے ساتھ تو بہن بھی شامل ہے۔

پیغام:

۱۔ ایمان کا میزان دنیا و آخرت کے دوراہے پر نصب ہے۔ ''اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ''

۲۔ جہاد اسلام کا اہم رکن ہے اسی لئے توحید و نبوت کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ ''مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ''

۳۔ مادیت کا پُل عبور کرنے کے لئے عقائد اور خدا کی الفت سے استفادہ کرنا چاہئے۔ ''قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ... وَاَمْوَالُ... تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ... فَتَرَبَّصُوْا...''

۴۔ خاندانی محبت اور مادی اشیاء کو راہِ جہاد کی رکاوٹ نہیں بنانا چاہئے اور جہاں یہ اشیاء رکاوٹ بنیں گی تو وہاں قہر الٰہی نازل ہوجائے گا۔ ''قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ... وَاَمْوَالُ... تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ... فَتَرَبَّصُوْا...''

خدا کی دوستی اور جہاد کے لئے ان تمام اشیاء کو قربان کردینا چاہئے کیوں کہ دین کی حفاظت خاندانی اور اقتصادی روابط پر مقدم ہے۔

۵۔ دنیا اور آسائش دنیا کے دلدادہ مسلمان بھی کافروں کی مانند ہیں فَتَرَبَّصُوْا آسائش پسند افراد سے فَتَرَبَّصُوْا کے

الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے قرآن کریم میں ان الفاظ سے کفار کو مخاطب کیا گیا ہے آیت کے ضمن میں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کو دنیا پرستوں سے براہ راست خطاب پسند نہیں ہے اسی لئے خدا نے رسول کی زبانی یہ پیغام پہنچایا ہے قُلْ (تفسیر المیز ان)

۶۔ اگر زندگی کا ماحصل زندگی کی آسائش کو قرار دے دیا جائے تو اس سے انسانی اعلیٰ اقدار کا سقوط لازم آئے گا اور اس سے انسان خدا اور اس کے رسول سے دور ہو جائے گا۔ غضب الٰہی ایسے ہی لوگوں کی تاک میں ہے۔'' يَأْتِيَ اللهُ بِأَمْرِهِ''

۷۔ ذمہ داریوں سے کنارہ کشی کرنے والے آسائش پسند افراد ہدایتِ الٰہی کے لئے نااہل ہوتے ہیں۔''لَا يَهْدِي''

۸۔ مادیت کو معنوی اُمور پر ترجیح دینا علامتِ فسق ہے۔ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ ۔۔ الْفٰسِقِيْنَ﴿۲۴﴾ معنویات کو ترک کرنا ایمان و فسق کی سرحد ہے

آیت نمبر ۲۵

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ﴿۲۵﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک خدا نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد کی ہے اور جنگ حنین میں بھی اس نے تمہاری مدد کی ہے جب تمہیں لشکر کی کثرت نے مغرور کر دیا تھا لیکن تمہاری عددی کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم دشمن کو پشت دکھا کر بھاگ گئے تھے۔ (۲۵)

نکات:

سابقہ آیات میں جہاد کی ترغیب دی گئی اور اس آیت میں اللہ کے لطف و کرم اور غیبی امداد کا تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ امتِ اسلامیہ میں جذبہ جہاد کو تقویت فراہم کی جاسکے۔

☆ پیغمبر اکرمؐ کے تمام غزوات و سرایا کو اس آیت میں ''مواطن کثیرہ'' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور ایسے مواقع

کی کل تعداد اسی تھی۔ (تفسیر نور الثقلین۔ الکافی جلد ۷۔ ۴۶۴)

روایات میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ متوکل عباسی بیمار ہوا اس نے بیماری کے عالم میں خدا کے حضور یہ منت مانی کہ اگر وہ شفایاب ہو گیا تو وہ ''کثیر دراہم'' صدقہ کرے گا۔

اللہ نے اسے صحت دی تو اس نے علماء سے کہا کہ میں نے ''کثیر دراہم'' کی منت مانی تھی اب مجھے کتنے درہم دینے چاہئیں۔

علماء تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ پھر یہ مسئلہ امام علی نقیؑ سے پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ اسے چاہئے کہ اسی درہم صدقہ کردے آپ نے دلیل میں ''مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ'' کی آیت سے استدلال کیا اور پھر فرمایا کہ اللہ نے آنحضرتؐ کی اسی مقامات پر مدد کی تھی اور انہیں ''مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ'' سے تعبیر کیا۔ (تفسیر اطیب البیان)

جنگِ حنین کا واقعہ

یہ جنگ طائف کے قریب مسلمانوں اور بنی ہوازن کے درمیان واقع ہوئی تھی اسی لئے اسی جنگ کو جنگِ ہوازن بھی کہا جاتا ہے۔ ہجرت کے آٹھویں سال رسولِ خداؐ نے قبیلہ ہوازن کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ان پر لشکر کشی کی تھی اس جنگ میں مکہ فتح کرنے والی دس ہزار فوج بھی تھی اور ان کے علاوہ مکہ کے دو ہزار نو مسلم افراد بھی شامل تھے یہ جنگ نمازِ فجر کے بعد شروع ہوئی۔ ہوازن کے تیر اندازوں نے مسلمانوں پر چھپ کر حملہ کیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی اکثریت میدان چھوڑ کر بھاگ گئی اور سپاہ اسلام کا نظام درہم برہم ہو گیا لیکن کچھ جانثاروں کی سرفروشی نے اس جنگ میں اہم کردار ادا کیا اور رسولِ اکرمؐ کے بلانے پر بھاگنے والے واپس آ گئے اور ازسرِ نو منظم ہو کر حملہ کیا جس میں ایک سو مشرکین مارے گئے باقی لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے یہ جنگ مسلمانوں کی کامیابی پر اختتام پذیر ہوئی۔

اس جنگ کے نتیجہ میں کتنے افراد قید ہوئے اور کتنی غنیمت ہاتھ لگی اور اس کی تقسیم کیسے عمل میں لائی گئی یہ کافی تفصیل طلب مسائل ہیں۔ اس کے لئے تاریخ اور مغازی کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

پیغام:

۱۔ صدر اسلام میں جنگی کامیابیوں کا اصل سبب خدائی امداد کو سمجھا جاتا تھا۔ ''لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ''

۲۔ اللہ کے احسانات کی یاد سے روح و ایمان کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ''لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ''

۳۔ جنگِ حنین انتہائی اہم تھی چنانچہ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ کے لفظ میں جنگِ حنین بھی شامل ہے لیکن اس کی اہمیت کے

پیش نظر اسے خصوصی طور پر بیان کیا ہے۔ ''مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ''

۴۔بعض اوقات افراد کی کثرت اور مادی وسائل غرور اور غفلت کا سبب بن جاتے ہیں اور اس کا نتیجہ شکست کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ ''اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ''

۵۔انسان ہر وقت خدائی امداد کا محتاج ہے چاہے کمزوری کی حالت میں ہو یا قدرت وطاقت میسر ہو۔یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں مسلمان اگرچہ کم تھے لیکن خدائی امداد کی وجہ سے انہیں فتح حاصل ہوئی تھی اور جنگِ حنین میں انہوں نے اپنی کثرتِ سپاہ پر ناز کیا تو شکست ہوئی پھر جب خدائی امداد حاصل ہوئی تو کامیابی حاصل ہوئی۔ ''لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ ... وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ''

۶۔جب تک ارادہ الٰہی شامل حال نہ ہو تب تک مادی اسباب غیر مؤثر رہتے ہیں۔ ''لَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ''

۷۔عبادت اور تواضع کے جذبات پیدا کرنے کے لئے بعض اوقات کچھ کمزوریوں کی نشان دہی ضروری ہو جاتی ہے تاکہ ناحق غرور کی حوصلہ شکنی ہو۔ ''ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾''

آیت نمبر ۲۶

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمۃ الآیات

پھر خدا نے اپنی طرف سے اپنے رسول اور اہلِ ایمان پر تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکر نازل کئے جو تمہیں دکھائی نہیں دیئے تھے۔اور کافروں کو عذاب دیا یہی کافروں کی جزا ہے۔(۲۶)

نکات:

☆ قرآن کریم میں لفظ ''سَكِيْنَتَهٗ'' چھ مقامات پر استعمال ہوا ہے جن میں سے پانچ کا تعلق جنگ سے ہے

☆ جنگِ حنین میں اللہ نے اہلِ ایمان پر چار قسم کے احسان کئے تھے۔

۱۔ ان پر تسکین نازل فرمائی ۲۔ غیر مرئی لشکر بھیجے

۳۔ کفار پر اپنا قہر نازل کیا ۴۔ جنگ سے فرار کرنے والوں کی توبہ قبول کی

(جسکا ذکر بعد کی آیت میں آئے گا)

☆ کچھ کافر قیدیوں نے مسلمانوں سے پوچھا تھا کہ تمہارے سفید پوش فوجی کہاں ہیں جنہوں نے ہمیں قتل کیا تھا؟ (تفسیر صافی)

انہوں نے یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ انہوں نے فرشتوں کو میدان جنگ میں سفید پوشاک میں دیکھا تھا۔

پیغام:

۱۔میدانِ جنگ میں مجاہدین کی لغزش خدا کی غیبی امداد سے محرومی کا باعث ہوئی۔''ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ...ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ''

۲۔خدا کی طرف سے غیبی امدادیں مسلمانوں کی کامیابی کا اصل راز ہیں۔''ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ''

۳۔ایمان اور حوصلہ کی وجہ سے پیدا ہونے والا اطمینان کامیابی کا اصل راز ہے۔''اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ''

۴۔تسکین واطمینان جہاں رہبر کے لئے ضروری ہے وہاں پیروکاروں کے لئے بھی ضروری ہے۔سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ البتہ جنگ میں پریشانی کے اسباب مختلف تھے۔رسولِ اکرمؐ کی پریشانی لوگوں کے فرار کی وجہ سے تھی اور لوگوں کی پریشانی کا سبب ان کی بزدلی تھی۔

۵۔مومنین کی روحانی تسکین خدا کی طرف سے تھی۔سَكِيْنَتَهٗ دوسری آیت میں فرمایا۔سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرة/۲۴۸)

۶۔اہلِ ایمان کی امداد کے لئے فرشتوں کا نازل ہونا ایک قرآنی عقیدہ ہے۔''وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا''

۷۔جو شخص مبدا و معاد کا قائل ہے اگر وہ قتل ہوجائے تو قتل ہونا اس کے لئے باعثِ افتخار ہے لیکن کافر بن کر قتل ہونا باعثِ عذاب ہے۔''وَعَذَّبَ''

۸۔شکست اور ذلت کفار کا مقدر ہے۔''عَذَّبَ...وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ۝۲۶''

آیت نمبر ۲۷

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

رَّحِيۡمٌ ﴿٢٧﴾

ترجمۃ الآیات

پھر اللہ تعالیٰ اس فرار کے بعد جس کے لئے چاہے اپنی مہربانی پلٹا دے۔(اور فرار کرنے والوں کی توبہ قبول کرے) خدا بخشنے والا مہربان ہے۔(۲۷)

نکات:

یہاں توبہ سے کیا مراد ہے اس کے متعلق چند احتمال ہیں۔

☆ میدانِ جنگ سے گناہِ فرار کی توبہ

☆ شرک سے توبہ

☆ کثرتِ سپاہ پر غرور اور اپنی فوجی قوت پر ناز کرنے کی توبہ

پیغام:

۱۔توبہ کے دروازے ہر شخص کے لئے ہمیشہ کھلے ہوئے ہیں یہاں تک کہ کافر قیدیوں اور میدانِ جنگ سے فرار کرنے والوں کے لئے بھی کھلے ہوئے ہیں۔ یَتُوْبُ اللہُ فعل مضارع استمرار پر دلالت کرتا ہے

۲۔توبہ کا قبول کرنا خدا پر واجب نہیں ہے یہ اس کا فضل ہے جو کہ اس کی حکمت سے مربوط ہے۔"مَنۡ يَّشَآءُ"

۳۔اللہ تعالیٰ گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے اور انسانوں سے محبت بھی کرتا ہے۔"غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿٢٧﴾"

آیت نمبر ۲۸

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَـرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا ۚ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ اِنۡ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿٢٨﴾

ترجمۃ الآیات

اے اہلِ ایمان! مشرک پلید اور ناپاک ہیں لہٰذا اس برس کے بعد مسجد الحرام کے نزدیک نہ ہونے پائیں۔ اگر کفار کے بھگائے جانے اور ان سے لین دین منقطع ہونے کی وجہ سے تمہیں فقر و تنگدستی کا اندیشہ ہے تو عنقریب خدا تمہیں اپنے فضل سے بے نیاز کر دے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔ (۲۸)

نکات:

حضرت علیؑ نے جن چار نکات کا اعلان کیا تھا ان میں ایک نکتہ یہ تھا کہ اگلے سال سے مشرکین کو مسجد الحرام میں داخل ہونے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

پیغام:

۱۔ شرک پلیدی ہے۔ نَجَسٌ حقیقی طہارت ایمان کے زیر سایہ ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

۲۔ مومن کو چاہئے کہ وہ مشرک سے نفرت کرے۔ ''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ''

۳۔ احکامِ دین پر پورے اخلاص سے عمل ہونا چاہئے اس کے لئے تکلفات سے کام نہیں لینا چاہئے۔ ''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ''

۴۔ اپنے نظریات کے اعلان کے لئے اس کے عملی نفاذ کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ مشرکین روزِ اول سے ہی پلید تھے ان کی پلیدی ہجرت کے نویں سال سے شروع نہیں ہوئی تھی۔ اور نہ ہی ان کی نجاست کا آغاز اعلانِ برأت سے ہوا تھا اصل بات یہ تھی کہ مسلمانوں کے پاس اجراء کی قوت اسی سال پیدا ہوئی تھی۔ اسی لئے اسی سال اعلان کیا گیا تھا۔

۵۔ نزدیک ہونا داخلی ہونے کا مقدمہ ہے لہٰذا مشرکین حرم مقدس کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائیں۔ ''لَا یَقْرَبُوْا''

۶۔ قرآن حکیم میں بعض اوامر ونواہی کا فلسفہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ ''نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوْا''

۷۔ پاکیزگی کے اعتبار سے زمین کے قطعات مساوی نہیں ہیں۔ ''فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ''

۸۔ ہمیں مخالفین سے بھی مدارات کا رویہ اختیار کرنا چاہئے اور انہیں مہلت دینی چاہئیں۔ ''بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا''

۹۔ احکام صادر کرتے وقت ان کے عواقب کا بھی جائزہ لینا چاہئے۔ ''نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوْا ۔۔ وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً''

۱۰۔ اقتصادی پریشانی اور مالی دباؤ میں آ کر ہمیں دینی احکام سے روگردانی نہیں کرنی چاہیے۔ ''وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً''

۱۱۔ جب بھی معاشرے میں اجتماعی پریشانی کا احساس ہونے لگے تو اس وقت عوام میں اُمید و توکل کے جذبات کو بیدار کرنا چاہیئے۔ ''وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ''

۱۲۔ ہمارا رزق دوسروں مسافروں اور سیاحوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ''يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ''

۱۳۔ مذہب کی وجہ سے کفار سے اقتصادی رابطہ کے انقطاع سے ہمیں ڈرنا چاہیئے۔ ''يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ''

۱۴۔ لوگوں کی اقتصادی حالت بہتر بنانے میں خدا کے فضل و کرم کو زیادہ دخل حاصل ہے نہ کہ سرمائے اور لیاقت اور تگ و دو کو حاصل ہے۔ ''يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ''

۱۵۔ احکام دین کا تعلق خدا کے علم و حکمت سے ہے۔ ''عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۞''

آیت نمبر ۲۹

قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَـقِّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ۞

ترجمۃ الآیات

اور تم اہلِ کتاب (یہود، نصاریٰ، مجوسی اور صابئین) سے جنگ کرو جو کہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے وہ انہیں حرام نہیں جانتے اور دینِ حق کو اختیار نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ ذلیل و رسوا ہو کر جزیہ دینے لگ جائیں۔ (۲۹)

نکات:

سابقہ آیات میں مشرکین کے پلید ہونے کو بیان کیا گیا اور ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔ جبکہ اس آیت میں

اہلِ کتاب سے معاملات طے کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے ان کیلئے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو وہ جنگ کریں یا پھر جزیہ ادا کریں۔

جس طرح سے مسلمان اسلامی حکومت کو خمس و زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اس کے عوض حکومت کی خدمات سے استفادہ کرتے ہیں اسی طرح سے اہلِ کتاب کو بھی کچھ رقم ادا کرنا پڑتی ہے اور اس رقم کو اصطلاحی طور پر جزیہ کہا جاتا ہے۔ جزیہ کی رقم خود انہی پر خرچ کی جاتی ہے اور اسلامی حکومت انہیں تحفظ فراہم کرتی ہے جزیہ کی رقم کا تعین مسلمانوں کا سربراہ کرتا ہے۔ البتہ اس میں اس نکتہ کو مدِ نظر رکھنا چاہئے کہ جزیہ کی رقم اچھی خاصی مقدار میں ہو جس کی ادائیگی ان کے لئے ثقیل محسوس ہو۔ ''وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴿۲۹﴾''

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر جزیہ کی مقدار بہت کم رکھی جائے تو اس کی ادائیگی سے ان کے خیالات و افکار میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوگی اور ان میں احساس حقارت پیدا نہیں ہوگا (تفسیر نور الثقلین الکافی جلد ۳۔ ۵۶۶)

یہ سچ ہے کہ اہلِ کتاب خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس آیت میں یہ کہہ کر ان کا تعارف کرایا گیا کہ وہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا فلسفہ یہ ہے کہ جو شخص کچھ حقائق و معارف کو مانے اور کچھ کا انکار کرے تو وہ اسلام اور قرآن کی نظر میں کافر ہوتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ (النساء۔ ۱۵۰)

علاوہ ازیں اگر اہلِ کتاب کا کوئی فرد مبدا و معاد پر ایمان رکھتا ہو لیکن اس میں خرافات کو شامل کرتا ہو تو بھی اس کا عقیدہ کفر کے مترادف سمجھا جائے گا۔ (تفسیر صافی)

پیغام:

۱۔ اہلِ کتاب اگر اپنے انبیاء کی تعلیمات پر عمل نہ کریں تو وہ مجرم قرار دیئے جائیں گے۔ ''قَاتِلُوا الَّذِيْنَ... لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ''

۲۔ دین حق فقط اسلام ہے باقی ادیان میں تحریف آچکی ہے اور ان میں خرافات داخل کئے جا چکے ہیں اسی لئے وہ ناحق ہیں۔ ''وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ''

۳۔ اہلِ کتاب کافروں کے سامنے صرف دو ہی راستے رکھے گئے ہیں یا جنگ کریں یا پھر اسلامی حکومت کے سامنے سرنگوں ہو کر جزیہ ادا کریں۔ ''قَاتِلُوا... حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ''

۴۔ اہلِ کتاب کے ہر فرد کو جزیہ ادا کرنا چاہئے اور وصولی پوری قدرت کے ساتھ نقدی کی صورت میں کی جائے اور اہلِ کتاب کو چاہئے کہ وہ سرنگوں ہو کر مذکورہ رقم ادا کریں۔ ''عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ''

۵۔اسلامی حکومت کو اتنا طاقت ور ہونا چاہئے کہ اس کے سامنے دوسرے مذہب کے افراد سر جھکانے پر مجبور ہوں۔''قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ... وَهُمْ صٰغِرُوْنَ﴿۲۹﴾''

۶۔اقلیتوں کو اسلامی نظام کے سامنے سرنگوں رہنا چاہیئے۔''صٰغِرُوْنَ﴿۲۹﴾''

آیت نمبر ۳۰

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴿۳۰﴾

ترجمۃ الآیات

یہودی کہتے ہیں کہ عزیر خدا کا بیٹا ہے اور مسیحی کہتے ہیں کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے یہ ایک باطل گفتگو ہے جسے وہ اپنے منہ سے نکالتے ہیں ان لوگوں کی گفتگو ان سے پہلے کفر اختیار کرنے والوں سے مشابہت رکھتی ہے جو کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں خدا انہیں غارت کرے وہ کیونکر حق سے روگردانی کر رہے ہیں۔(۳۰)

نکات:

☆لفظ''عُزَيْر''عَزراء سے معرّب ہے اسی طرح لفظ''عِيْسٰى''بھی لفظ''یسوع''کا معرب ہے اور لفظ''يَحْيٰى''لفظ''یوحنا''کا معرّب ہے۔عزیر یہودیوں کے ایک بزرگ عالمِ دین تھے جنہیں''یہودیوں کے نجات دہندہ کا لقب ملا تھا۔بختِ نصر نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اور ہزاروں یہودیوں کو قتل کیا تھا۔اور بقیہ السیف کو غلام اور کنیزیں بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا تھا اس نے یہودی عبادت گاہوں کو مسمار کر دیا تھا اور تورات کو نذرِ آتش کر دیا تھا۔یہودی ایک طویل عرصہ تک بابل میں غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے تا آنکہ کورش اعظم نے بختِ نصر کے جانشینوں کو شکست دی اور بابل پر قبضہ کیا۔اس وقت عزیر کورش کے پاس گئے ان سے یہودیوں کو از سرِ نو آباد ہونے کا مطالبہ کیا۔

☆یہ آیت ایک طرح سے سابقہ آیت کی تشریح کرتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ کتاب خدا اور قیامت پر ایمان

نہیں رکھتے۔

☆محققین یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تورات وانجیل کے بہت سے معارف بدھ مت، برہمن ازم اور یونانیوں کی خرافات سے مخلوط ہیں حد یہ ہے کہ انجیل کی بہت سی داستانوں کو بعینہ بدھ دھرم اور برہمن دھرم کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے البتہ عصرِ حاضر کے یہودی حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے لیکن رسولِ اکرمؐ کے زمانے میں ان کا عقیدہ تھا اور جب یہودیوں کے ایک گروہ نے آنحضرتؐ سے مباحثہ کیا تھا تو آنحضرتؐ نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ تم عزیر کو اللہ کا بیٹا کیوں کہتے ہو جبکہ موسیٰ ان سے افضل تھے؟

یہودی آنحضرتؐ کے اس اعتراض کا جواب نہیں دے سکے تھے تفسیرِ نمونہ

پیغام:

ا۔ یہودیوں کا ایک گروہ حضرت عزیز کو ابن اللہ کہتا تھا یہودیوں کی طرف انحراف کی نسبت دی گئی۔ ''وَقَالَتِ الۡیَہُوۡدُ''

۲۔ دینی اور الٰہی شخصیات کے متعلق غلو نہیں کرنا چاہئے۔ ''عُزَیۡرُ ابۡنُ اللّٰہِ۔۔۔ الۡمَسِیۡحُ۔۔۔''

۳۔ یہود و نصاریٰ کے عقائد خرافات سے مخلوط ہیں۔ ''ذٰلِکَ قَوۡلُہُمۡ بِاَفۡوَاہِہِمۡ''

۴۔ مشرکین اپنے بتوں کو خدا کا شریک کہتے تھے اور ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے جب کہ عزیر کو اللہ کا بیٹا اور مسیحی حضرت عیسیٰ کو فرزند خدا کہتے تھے۔ لہذا ان کا کلام کفار کے کلام سے مشابہت رکھتا تھا۔ ''یُضَاہِـُٔوۡنَ قَوۡلَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا''

۵۔ یہود و نصاریٰ کے مذاہب میں پائی جانے والی خرافات کو سابقہ کفار اقوام کے دین میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ''یُضَاہِـُٔوۡنَ قَوۡلَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ''

آیت نمبر ۳۱

اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَہُمۡ وَرُہۡبَانَہُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَالۡمَسِیۡحَ ابۡنَ مَرۡیَمَ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡۤا اِلٰـہًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ سُبۡحٰنَہٗ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۳۱﴾

ترجمۃ الآیات

(اہلِ کتاب نے) اپنے علماء اور راہبوں اور مریم کے فرزند مسیح کو خدا کے علاوہ رب مان لیا ہے حالانکہ انہیں بس یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف واحد معبود کی عبادت کریں جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اللہ ہر اس چیز سے پاک ہے جسے وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ (۳۱)

نکات:

☆ لفظ ''اَحبَار'' حبر کی جمع ہے جس کا معنی عالم اور دانش مند بنتا ہے اور لفظ رُھبَان جمع ہے اور اس کی واحد ''رَاھِب'' ہے اور تارکِ الدنیا اور دیر نشین افراد کو راہب کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگ اپنے تمام تر تقدس کے باوجود بندگانِ خدا ہیں خدا نہیں ہیں۔

☆ ''اَحبَار و رُھبَان'' کی غیر مشروط اطاعت ایک طرح سے ان کی پرستش کے مساوی ہے امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے مَنْ اَطَاعَ رَجُلًا فِیْ مَعْصِیَۃِ اللہِ فَقَدْ عَبَدَہٗ (نور الثقلین)

جس نے معصیت خدا کی راہ میں کسی شخص کی اطاعت کی تو گویا اس نے اسی کی عبادت کی ہے۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اہلِ کتاب اپنے علماء و مشائخ کے لئے نماز روزہ سرانجام نہیں دیتے لیکن جب ان کے علماء حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہتے ہیں تو یہ ان کی پیروی کرتے تھے (بحار الانوار جلد ۹۸)

☆ مشرکین خدا کو اپنے دوسرے معبودوں کا شریک قرار دیتے ہیں انہیں قیامت کے دن سخت حسرت کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ یہ کہیں گے۔ تَاللہِ اِنْ کُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّیْکُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (شعراء/ ۹۸۔۹۷) خدا کی قسم ہم سخت گمراہی میں تھے جب ہم تمہیں رب العالمین کے مساوی قرار دیتے تھے۔

پیغام:

۱۔ خدا کے علاوہ کسی کی غیر مشروط اطاعت ایک طرح سے غیر اللہ کی بندگی ہے۔ ''وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰـھًا وَّاحِدًا''

۲۔ انسان پرستی جس بھی صورت میں ہو شرک ہے کسی بھی شخصیت کو بُت نہیں بننا چاہئے۔ ''اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللہِ''

۳۔ ایک معصوم پیغمبر جس کی فکر و نظر کا ہدف صرف خدا ہوتا ہے اس کا معاملہ علماء سے جداگانہ ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ

نے مسیح کو احبار و رھبان میں شامل نہیں کیا ان کا نام آیت میں علیحدہ لیا گیا ہے۔ ''اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ''

۴۔ عشق ہو یا دوستی اور اطاعت ہو اسے صحیح صحیح سرحدوں میں ہی رہنا چاہئے اور ہر طرح کا نظام قطب، ابدال، مرشد اور پیر یا تنظیمی اور گروہی اطاعتیں اگر حکم الٰہی کے مطابق نہ ہوں تو پھر صحیح شرک ہیں۔ ''اِتَّخَذُوْٓا... اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ''

۵۔ توحید سے شرک کی طرف انحراف کا خطرہ ہر جگہ اور ہر وقت موجود رہتا ہے۔ ''اِتَّخَذُوْٓا... اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ''

۶۔ قانون سازی کا حق صرف خدا کو حاصل ہے جو لوگ غیر اللہ کے قانون کو قبول کریں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ ''اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ''

۶۔ انبیاء کرام کے متعلق غلو کرنا، ان کی پوجا کرنا یا انہیں خدا کا بیٹا سمجھنا شرک ہے۔ ''سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳۱''

آیت نمبر ۳۲

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۳۲

ترجمۃ الآیات

وہ چاہتے ہیں کہ اپنی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھا دیں لیکن خدا بجز اس کے اور نہیں چاہتا کہ اپنے نور کو مکمل کرے اگرچہ کفار کو ناپسندی ہی کیوں نہ ہو۔ (۳۲)

نکات::

رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے اہلِ زمین کی طرف نگاہ کی تو میرا انتخاب کیا پھر اس نے دوبارہ نگاہ کی تو علی ابن ابی طالبؑ کا انتخاب کیا وہ میرے بعد زمین کا نور ہے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ (بحار الانوار جلد ۲۳۔ ۳۲۰)

پیغام

۱۔ دشمنوں کی سازشیں دائمی اور مسلسل ہیں يُرِيْدُوْنَ فعل مضارع ہے جو کہ استمرار پر دلالت کرتا ہے

۲۔ احکام اسلام اور اللہ کا دین نور ہے اور نور ہی زندگی کا سرچشمہ ہے۔ نُوْرَ اللّٰهِ

۳۔ کفار کے ہر گروہ کی کدو کاوش بظاہر جداگانہ ہوتی ہے لیکن سب کا مقصد فروغِ دین کو روکنا اور نورِ الٰہی کو خاموش کرنا ہے۔ ''اَنْ يُّطْفِــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ''

۴۔ دشمنانِ دین کی تمام تر کوششوں کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی سورج کو بجھانے کی کوشش کر رہا ہو اَنْ يُّطْفِــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ نمرود، فرعون، بنی اُمیہ و بنی عباس جیسے لوگ ایک ہی مسلک میں منسلک ہیں اور ان سب کا ہدف ایک تھا۔

۵۔ دشمنانِ دین کی زیادہ تر کوششوں کا دارومدار اُن کے زبانی پروپیگنڈے پر ہے۔ ''بِاَفْوَاهِهِمْ''

۶۔ رسولِ اکرم کی زبان مبارک سے اگر دعوتِ دین نور ہے تو پھر اطاعت کی شکل میں اس کا استمرار اسی نور کی تکمیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مقام غدیر پر حضرت علی کی ولایت کا اعلان ہوا تو اللہ نے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (المائدہ/ ۳) کی آیت نازل کر کے اسے دین کی تکمیل اور نعمت کا اتمام قرار دیا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے حق کے طرفداروں سے کامیابی کا وعدہ کیا ہے۔ ''يُتِمَّ نُوْرَهٗ''

۸۔ کفار کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا مقابلہ براہِ راست خداوند کریم سے ہے اور اس نے دین حق کی کامیابی کا ارادہ کر رکھا ہے لہٰذا اسلام کے خلاف ان کی ہر کوشش ناکامی سے دوچار ہوگی۔ ''يُتِمَّ نُوْرَهٗ''

۹۔ اللہ فروغِ دین کا صرف محافظ ہی نہیں بلکہ اسے وسعت بھی دیتا ہے۔ ''يُتِمَّ نُوْرَهٗ''

۱۰۔ اسلام ابدی دین ہے يُتِمَّ نُوْرَهٗ اور اس کا مخالف کافر ہے۔ ''يُرِيْدُوْنَ''

۱۱۔ اللہ تعالیٰ کا اردہ یہ ہے کہ وہ اپنے رسول کو راضی کریگا اگرچہ کفار کو یہ بات ناپسند ہی کیوں نہ ہو اللہ اپنے نبی کی رضا چاہتا ہے اگر خدا نے قبلہ تبدیل کیا تو اپنے نبی کی رضا کیلئے کیا جیسا کہ فرمایا قِبْلَةً تَرْضٰىهَا (البقرہ۔ ۱۴۴) آپ کا چہرہ اس قبلہ کی طرف کریں گے جس پر آپ راضی ہوں گے۔ سورۃ الضحیٰ میں فرمایا وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ۔ ۵) عنقریب تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

آیت نمبر ۳۳

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمۃ الآیات

وہی تو خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ روانہ کیا تاکہ (اس کے دین کو) تمام ادیان پر غالب کردے اگرچہ مشرکین کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔ (۳۳)

نکات:

☆ یہ آیت مجیدہ انہی الفاظ کے ساتھ دوسری دو سورتوں میں بھی موجود ہے چنانچہ سورۃ فتح کی ۲۸ ویں اور سورۃ صف کی ۹ ویں آیت بھی یہی ہے

☆ منطق واستدلال کی رُو سے اسلام ہمیشہ سے غالب تھا لیکن اس آیت میں اس کے ظاہری غلبہ اور جہان پر اسلام کی حاکمیت کا اعلان کیا گیا ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں لفظ ظہر غلبہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے اِنۡ یَّظۡهَرُوۡا عَلَیۡكُمۡ یَرۡجُمُوۡكُمۡ (کہف۔ ۲۰)

اگر وہ تم پر غالب آ گئے تو تمہیں سنگسار کردیں گے کفار کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ اِنۡ یَّظۡهَرُوۡا عَلَیۡكُمۡ لَا یَرۡقُبُوۡا فِیۡكُمۡ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ اگر کفار تم پر غالب آ گئے تو تمہارے لئے کسی رشتہ داری اور معاہدے کا پاس نہیں کریں گے۔

☆ قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی ابھی تک پوری طرح سے عملی شکل میں نہیں آئی ادھر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی کلی حاکمیت کا وعدہ کیا ہے اور خدا کا وعدہ کبھی بھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مہدیؑ کے ظہور کے وقت خدا کا یہ وعدہ پورا ہوگا۔

حضرت مہدیؑ اور ان کے قیام جہانی کا مسئلہ شیعہ سنی دونوں کی روایات میں موجود ہے اور کتب اہلِ سنت ذکرِ مہدیؑ سے لبریز ہیں اسی لئے یہ مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے اگرچہ وہابی یہ تاثر دے رہے ہیں کہ یہ صرف شیعی عقیدہ ہے۔

☆ امام باقر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ایسا زمانہ آئے گا جس میں ہر شخص سنتِ محمدؐ کا اقرار کرے گا۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ حضرت مہدیؑ کے ظہور کے بعد پوری روئے زمین پر دین کی حکومت قائم ہوگی اس مفہوم کی بہت سی احادیث موجود ہیں نبی اکرمؐ سے منقول ہے کہ امام زمانہ علیہ السلام کے زمانہ ظہور میں کوئی گھر اور کوئی قریہ ایسا نہ ہوگا جس میں اسلام نہ پہنچ چکا ہو۔ خواہ لوگوں کو پسند ہو یا ناپسند ان کے دور میں ہر قریہ میں صبح شام اذان کی آواز بلند ہوگی۔ (تفسیر صافی)

پیغام:

۱۔ دین کا محور حق پر ہے دِیۡنِ الۡحَقِّ اگرچہ تمام آسمانی دینِ حق ہیں لیکن ان میں تحریف واقع ہو چکی ہے اسی لئے ان

کی حقانیت مخدوش ہے۔

۲۔ باطل پر حق کو ہمیشہ کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ ''لِيُظْهِرَهٗ''

۳۔ ہمیں چاہئے کہ اپنے ارادوں اور حرکات کو الٰہی ارادوں سے ہم آہنگ کریں ورنہ ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ ''لِيُظْهِرَهٗ... وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝۳۳''

آیت نمبر ۳۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۴

ترجمۃ الآیات

اہلِ ایمان! بہت سے دانش اور راہب (علماء و مشائخ) اپنے مقام و منزلت سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے ناحق طریقوں سے لوگوں کا مال کھا رہے ہیں اور اللہ کے راستے سے روک رہے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کر رہے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔ (۳۴)

نکات

☆ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ کے معانی آیت نمبر ۳۱ کے ضمن میں بیان کئے جا چکے ہیں۔

☆ عربی زبان میں ''سونا'' کو ''ذَهَب'' کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ قیمتی دھات انسان کے ہاتھوں سے جلدی سے چلی جاتی ہے۔ اس کی دوسری وجہ تسمیہ یہ بھی ممکن ہے کہ لوگ اس کی طرف جاتے ہیں۔ عربی زبان میں چاندی کو ''فِضّه'' کہا جاتا ہے یہ دھات جلد پراگندہ ہو جاتی ہے یا پھر اس لئے کہ لوگ اس کی طرف کم ہی توجہ دیتے ہیں۔

☆ یہودی علماء اپنے مادی فوائد کی خاطر حق کو چھپاتے تھے اور اسی لئے وہ دین اسلام کی حقانیت کا اظہار و اعتراف

نہیں کرتے تھے وہ لوگوں سے رشوت لے کر ان کے گناہ معاف کرتے تھے یا پھر عقائد کی جستجو کر کے لوگوں پر تہمتیں تراشا کرتے تھے۔

☆ خلیفہ ثالث کی خواہش تھی کہ وہ اس آیت میں ''وَالَّذِیۡنَ '' کی واو کو حذف کر دیں تا کہ آیت کا روئے سخن صرفی یہودی علماء و مشائخ کی طرف مڑ جائے اور یہ آیت دوسرے سرمایہ داروں کے لئے وعید دکھائی نہ دے اس پر مسلمانوں نے سخت اعتراض کیا تھا اور انہیں حرف ''واؤ' حذف نہ کرنے دیا تھا (تفسیر فرقان)

زکوٰۃ اور روایات

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ مال کی کتنی مقدار پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوتی ہے؟

آپؑ نے فرمایا کہ ظاہری زکوٰۃ کا حکم معلوم کرنا چاہتے ہو یا باطنی زکوٰۃ کا؟

عرض کیا کہ دونوں کے متعلق ارشاد فرمائیں۔

آپ نے پہلے ظاہری زکوٰۃ کا نصاب بیان کیا بعد ازاں فرمایا کہ باطنی زکوٰۃ یہ ہے فَلَا تَسۡتَاثِرۡ عَلٰٓی اَخِیۡكَ بِمَا هُوَ اَحۡوَجُ اِلَیۡهِ مِنۡكَ (تفسیر صافی)

تیرے بھائی کو جس چیز کی تجھ سے زیادہ ضرورت ہو اسے اپنی ذات پر ترجیح دو۔

ایک اور حدیث میں آپ کی زبانی منقول ہے اِنَّمَا اَعۡطَاکُمُ اللّٰهُ هٰذِهِ الۡفُضُوۡلَ مِنَ الۡاَمۡوَالِ لِتُوَجِّهُوۡهَا حَیۡثُ وَجَّهَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی وَلَمۡ تُعَطِّلُوۡهَا لِتَكۡنِزُوۡهَا (تفسیر صافی)

اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ اضافی مال عطا کیا تا کہ تم اسے رضائے خدا کی راہ میں خرچ کرو اور انہیں اپنے ہاں ذخیرہ نہ کرو۔

حضرت رسولِ خدا کا فرمان ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلٰٓی اَغۡنِیَاءِ الۡمُسۡلِمِیۡنَ فِیۡٓ اَمۡوَالِهِمُ الۡقَدۡرَ الَّذِیۡ یَسَعُ فُقَرَآئَهُمۡ... اَلَآ اَنَّ اللّٰهَ یُحَاسِبُهُمۡ حِسَابًا شَدِیۡدًا وَّیُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا (تفسیر صافی)

اللہ تعالیٰ نے دولت مند مسلمانوں کے اموال میں زکوٰۃ کی اتنی مقدار واجب کی ہے جو کہ ان کے غرباء کیلئے کافی ہو سکتی ہے۔ آگاہ رہو! اگر دولت مندوں نے اپنے فریضہ پر عمل نہ کیا تو خدا ان کا سخت محاسبہ کریگا اور انہیں سخت عذاب دے گا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا۔

جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو وہ ''کنز'' ہے اگرچہ چھپا ہوا نہ ہو اور اگرچہ سونا چاندی کی شکل میں نہ ہو۔ (تفسیر کنز الدقائق)

حضرت ابوذر غفاریؓ اور آیت کنز

رسولِ مقبولؐ کے عظیم القدر صحابی حضرت ابوذر غفاری نے حاکمِ شام معاویہ اور خلیفہ ثالث اور ان کے کارندوں کی زر اندوزی اور مسلمانوں کے بیت المال کی لوٹ مار پر اعتراض کیا اور تبلیغ حق کی نیت سے صبح شام اس آیت کو معاویہ اور پھر خلیفہ کے سامنے پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ آیت صرف مانعین زکوٰۃ سے ہی مخصوص نہیں ہے اس کے برعکس اس آیت میں تمام رزاندوز شامل ہیں

تفسیر المیز ان میں مرقوم ہے کہ ابوذر غفاری، کعب الاحبار اور خلیفہ ثالث کے مباحثہ سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ افلاس زدہ معاشرے میں دولت کا جمع کرنا حرام ہے اگرچہ وہ دولت حلال ذرائع سے ہی کیوں نہ حاصل ہوئی ہو اور اس کی زکوٰۃ بھی ادا کی جا چکی ہو کچھ لوگ اس نظریہ کو حضرت ابوذر غفاری کے ذاتی اجتہاد کے نام سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اسے ان کا ذاتی اجتہاد اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ خود یہ فرماتے تھے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ نَّبِيِّهِمْ میں نے ان سے وہی کچھ کہا ہے جو میں نے ان کے نبیؐ کی زبان سے سنا ہے۔

حضرت ابوذرؓ کی صداقت کی گواہی خود رسولِ خدا نے دی تھی حضرت ابوذرؓ کی زندگی کا نمایاں پہلو حکام کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے انہوں نے اسلام کے اقتصادی ڈھانچے کو ٹوٹ پھوٹ سے بچانے کے لئے حکام کے سامنے سخت احتجاج کیا تھا ان کا خلیفہ سوم سے مالی منصب کا جھگڑا نہیں تھا انہوں نے زر پرستی اور نظام سرمایہ داری کے قیام کی وجہ سے خلیفہ کے خلاف احتجاج کیا تھا۔

خلیفہ سوم نے آخر کار اس پارسا اور انقلابی صحابی کو شام جلاوطن کر دیا تھا پھر انہیں شام سے نہایت مظلومانہ حالت میں مدینہ لایا گیا بعد ازاں انہیں ''ربذہ'' جلاوطن کیا گیا جہاں مظلومی کی حالت میں ان کی وفات واقع ہوئی۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کے ساتھ یہ بدسلوکی خلیفہ کے سیاہ اور ناپسند کاموں میں شمار کی جاتی ہے۔

خلیفہ کے کچھ بہی خواہوں نے اپنے محدود دفاع کے لئے حضرت ابوذر غفاری کے اس اقدام کو سوشلزم سے تعبیر کیا ہے اور ان پر اشتراکیت کا فکر پھیلانے کی تہمت عائد کی ہے اور کہا ہے کہ ابوذر ذاتی ملکیت کے سرے سے مخالف تھے۔

علامہ امینی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب الغدیر میں اس کا تفصیلی جواب دیا ہے۔(الغدیر جلد ۸۔۳۲۵)

حضرت ابوذرؓ کو بار بار اس لئے جلاوطن کیا گیا کہ انہیں حکومتِ وقت کی پالیسیوں پر سخت اعتراض تھا اور وہ خلیفہ کی مالی بے ضابطگیوں اور معاویہ کی زراندوزی اور کعب الاحبار یہودی تھا کی غلط تاویل کے شدید مخالف تھے۔ چنانچہ شیعہ سنی دونوں کی کتب تاریخ میں یہ واقعات موجود ہیں۔(تفسیر نمونہ)

کچھ لوگوں نے اپنے تئیں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان اختلافات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ سوم کے زمانہ میں عقیدہ اور نظریہ کو بیان کرنے کی کھلی اجازت تھی ایسے ہی لوگوں نے یہاں تک کہا ہے کہ ''دفع شر فائدہ کے حصول سے زیادہ اہم ہے اُن لوگوں کی نظر میں حضرت ابوذرؓ کا مدینہ وشام میں رہنا ایک بُرائی تھی اور ان کی جلا وطنی مصلحت آمیز تھی۔ (تفسیر المنارج ۱۰ ج ۴۰۷۔۴۰۶)

لیکن رسولِ خدا کے سچے اور وفادار صحابی کے ساتھ اس بدترین سلوک کو کسی توجیہ وتاویل کے پردوں سے نہیں چھپایا جا سکتا حضرت ابوذرؓ نے گمراہی کو روکنے کیلئے صدائے احتجاج بلند کی تھی اور انہوں نے ایک دینی اور شرعی فریضہ کو سرانجام دیا تھا۔

پیغام:

۱۔ جملہ علمائے اہلِ کتاب بُرے نہیں ہیں سورۃ المائدہ کی آیت ۸۲ میں کچھ اہلِ کتاب علماء کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ ''اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ''

۲۔ اپنے مقام ومنصب سے ناجائز فائدہ اُٹھانا حرام ہے اور مالی بدعنوانی دینی علماء کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ جو لوگ اوقاف کے متولی ہوں اور اوقاف کی کمائی اہدافِ وقف میں خرچ نہ کرتے ہوں تو وہ بھی اس آیت کے مصداق ہیں

۳۔ اگر علماء لوگوں کے مال سے استفادہ کریں اور عوام کو اس کا فائدہ نہ پہنچائیں تو اس سے لوگوں کے دلوں میں دین سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے جو کہ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کا مصداق بن جاتی ہے۔ ''لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ ...وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

۴۔ یہودی اور نصرانی علماء لوگوں کو حق سے اس لئے دور رکھتے تھے کہ ان کا خیال تھا کہ اگر لوگوں نے حق پہچان لیا تو ان کے دنیاوی مفادات پر ضرب پڑے گی۔ ''يَكْنِزُوْنَ ... يَصُدُّوْنَ''

۵۔ اسلام میں سرمائے کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی البتہ سرمایہ حاصل کرنے کے کچھ شرائط ہیں اور زراندوزی اور غلط مصارف ہیں دولت کا خرچ کرنا حرام ہے. وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ ...وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جب زراندوزی حرام ہے تو پھر ذخیرہ اندوزی بدرجہ اَولیٰ حرام ہے۔

۶۔ زراندوزی ایک اجتماعی مصیبت ہے اور حرص دنیا اس سے زیادہ بُری صفت ہے اور ذخیرہ اندوزی اور اجناس کو چھپا دینا اس سے زیادہ برائی ہے اس سے معاشرے کے لئے بہت سی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ ''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ ...وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

۷۔ علماء کی دنیا پرستی اور دولت مندوں کی زراندوزی قہرِ الٰہی کا سبب ہے۔ ''فَبَشِّرْهُمْ''

۸۔سونا چاندی اور رقم کی جمع آوری اور اسے خرچ نہ کرنا اور اس کا ذخیرہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے اس پر خدا نے اپنے عذاب کا وعدہ کیا ہے۔ ''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ... بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾''

آیت نمبر ۳۵

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمۃ الآیات

جس دن اس (سونے چاندی) کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا (عذاب کے فرشتے کہیں گے) یہ وہ دولت ہے جسے تم نے اپنے لئے ذخیرہ کیا تھا (اور محرومین کو نہیں دیتے تھے) جسے تم ذخیرہ کرتے تھے اب اس کا ذائقہ چکھو۔ (۳۵)

نکات:

☆اس آیت میں لفظ ''تُكْوٰى'' استعمال ہوا ہے اور اس کا مادہ ''کیّ'' ہے جس کا معنی گرم چیز سے داغ لگانا ہے۔

☆ آیت میں تین اعضاء کے داغ دیئے جانے کا ذکر ہے

۱۔ پیشانی ۲۔ پہلو ۳۔ پُشت

اور ان تین اعضاء کے انتخاب کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ وہ مقامات ہیں جن سے گرمی بڑی تیزی سے اندر داخل ہوسکتی ہے (تفسیر نمونہ) اس کی ایک امکانی وجہ یہ بھی ہے کہ دولت مند افراد غریب افراد سے چہرہ بگاڑ کر پیش آتے تھے اور ان سے پہلوتہی کرتے تھے اور ان کی طرف بے توجہی کے ساتھ پشت کر کے چلے جاتے تھے یہ بھی ممکن ہے کہ پیشانیوں سے بدن کا اگلا حصہ اور کمر سے وجود کا پچھلا حصہ اور پہلو سے بدن کے اطراف مراد ہوں مقصد یہ ہے کہ جسم کے تین اعضاء پورے جسم سے کنایہ ہیں اور اس سے پورے بدن کو داغ دینا مراد ہے۔

☆امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا کہ ترکِ زکوۃ گناہانِ کبیرہ میں سے ہے۔(تفسیر کنز الاقائق)

☆ حضرت ابوذر راوی ہیں کہ حضرت رسولِ خداؐ نے کعبہ شریف کے پہلو میں کھڑے ہو کر دو مرتبہ یہ جملے فرمائے ''هم الاخسرون ورب الكعبة'' ربِ کعبہ کی قسم وہ بہت زیادہ خسارہ اُٹھانے والے ہیں۔

میں نے پوچھا تھا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کی مراد دشمن لوگوں سے ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ زرجمع کرنے والے (تفسیر مجمع البیان)

پیغام:

۱۔ جو خدا انسانوں کو ان کی اصل صورت میں زندہ کرسکتا ہے وہ سونے اور چاندی کو بھی اس کی دنیاوی صورت میں قیامت کے دن لاسکتا ہے۔''هٰذَا''

۲۔ روزِ قیامت کی جزاء اور سزا انسان کے دنیاوی اعمال سے مشابہت رکھتی ہے۔''هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ''

۳۔ روزِ قیامت سزا دینے کے آلات میں اموال دنیا بھی شامل ہیں۔''هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ''

۴۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مال و دولت کی شیرینی کو زراندوزی کا ذائقہ قرار دے گا۔''فَذُوْقُوْا''

آیت نمبر ۳۶

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمۃ الآیات

یقیناً اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی کتاب میں بارہ مہینے ہیں جن میں سے چار حرمت والے ہیں (ان میں جنگ حرام

ہے) یہ پختہ دین ہے ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تم سب مل کر مشرکین سے جنگ کرو جیسا کہ وہ سب مل کر تم سے جنگ کرتے ہیں اور جان لو کہ یقیناً کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔(۳۶)

نکات:

ایک سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں۔عربی زبان میں مہینہ کو''شَھر' کہا جاتا ہے اور عجیب اتفاق ہے کہ لفظ''شَھر''قرآن کریم میں بارہ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔(کتاب اعجاز عددی قرآن)

بارہ کا عدد نہایت مبارک ہے اور یہ عدد قرآن کریم میں متعدد بار موجود ہے بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد بارہ تھی۔حضرت موسیٰ کی قوم کے لئے بھی بارہ چشمے برآمد ہوئے تھے اور آئمہ اہلِ بیت کی تعداد بھی بارہ ہے۔

جن چار مہینوں میں جنگ حرام ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ ذیقعدہ ۲۔ ذی الحج ۳۔ محرم ۴۔ رجب

پہلے تین مہینے ایک دوسرے سے متصل ہیں جب کہ ماہ رجب کچھ فاصلہ کے ساتھ ہے۔(کافی جلد ۴۔۲۴۰)

زمین کے محور کے گرد نظام قمری اور سال بھر میں نظامِ شمسی کی اللہ کے ارادہ کے مطابق گردش کا سلسلہ ابتدائے کائنات سے ان کروں پر حکم فرما رہا ہے۔حرمت والے مہینوں کا احترام اس وقت تک کیا جائے جب تک دشمن ان سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے اور ان ایام میں جارحیت اور زیادتی کا ارتکاب نہ کرے اور اگر دشمن حملہ کر کے ان مہینوں میں جارحیت کا ارتکاب کرے تو پھر جواب ضروری ہو جاتا ہے۔جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۴ میں بیان کیا گیا ہے۔''وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡہِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ''

ہر محترم چیز قابل قصاص ہے جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس سے اسی طرح زیادتی کرو جس طرح سے اس نے تم پر کی ہے۔اس قانون کے ناقابلِ تغیر ہونے کی تعبیر امکانی طور پر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ان مہینوں کا احترام تمام آسمانی ادیان میں برقرار چلا آ رہا ہے۔ماخوذ از روایات امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسولِ خدا کے بارہ آئمہ اس آیت کی تاویل ہیں(تفسیر الدقائق)

پیغام:

۱۔بہترین کیلنڈر اور جنتری وہ ہوتی ہے جو مستقل،طبعی اور عمومی حیثیت کی حامل ہو اور قمری مہینے ان تمام خوبیوں سے مالا مال ہیں۔''عِدَّۃَ الشُّھُوۡرِ''

۲۔حرمت والے مہینوں سے انحراف کا نقصان خود انسان کو ہی پہنچتا ہے۔''فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِیۡہِنَّ اَنۡفُسَکُمۡ''

۳۔ بارہ مہینے تدریجی طور پر وجود میں نہیں آئے آسمان وزمین کی ابتدائے تخلیق سے ہی یہ نظام چلا آرہا ہے۔ ''اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ''

۴۔ مجاہدین اوران کے اہلِ خانہ کو عبادت، تعلیم، آرام اور گھریلو معاملات کے سلجھانے کی ضرورت پڑتی ہے اسی لئے سال کے ایک تہائی حصہ میں جبراً جنگ روک دی جاتی ہے۔ تاکہ انہیں اپنے گھر بار سنبھالنے کا موقع مل سکے مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ جنگ میں بھی کچھ اصولوں کا خیال رکھنا چاہئے جنگ میں ناآگاہ افراد جو دشمن کے دھوکے میں آکر مقابلہ پر آئے ہوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں پر دستِ درازی نہیں کرنی چاہئے اور کسی معقول وجہ اور پہلے سے جاری کردہ اعلان کے بغیر حملہ نہیں کرنا چاہئے۔

۵۔ تمام زمانے مساوی نہیں ہیں کچھ زمانوں کا تقدس اوران کی حرمت زیادہ واضح ہے۔ ''مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ''

۶۔ اسلام کے پاس مکہ کی شکل میں مقام امن موجود ہے اسی طرح سے اسلام کے پاس حرمت والے مہینے کی شکل میں امن کا زمانہ موجود ہے اوراس سلسلہ کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ذیقعدہ، ذی الحج اور محرم یہ تین مہینے حرمت والے ہیں۔ اور رجب انکے علاوہ ہے ان تین مہینوں کا مرکز ومحور حج کا مہینہ ذی الحج ہے۔

۷۔ اسلام کی اساس جنگ کی بجائے تفکر، برہان، حکمت، وعظ اور مصالحت آمیز زندگی پر قائم ہے۔ یہاں تک کہ حرمت والے مہینوں میں بھی دفاع کیا جاسکتا ہے۔ ''قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ''

۸۔ دشمن کو یہ موقع نہ دیں کہ وہ تمہارے دین مقدسات اور تمہارے فقہی احکام سے ناجائز فائدہ حاصل کرے قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً اگر دشمن حرمت والے مہینے میں تم پر حملہ کرے تو تم ''تک تک دیدم دم نکشیدم'' کا مصداق بن کر خاموش نہ بیٹھے رہو۔ بھر پور طریقہ سے مقابلہ کرو۔

۹۔ دشمن پر تمہارا حملہ دشمن کے حملے جیسا ہونا چاہئے۔ ''كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ''

۱۰۔ کامیابی تقویٰ کے زیرِ سایہ نصیب ہوتی ہے۔ ''اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۝۳۶''

آیت نمبر ۳۷

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۳۷﴾

ترجمة الآیات

بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ تاخیر (حرمت والے مہینوں کو دوسرے مہینوں میں تبدیل کرنا) کفر کی افزائش کا سبب ہے اس ذریعہ سے کافر گمراہ ہوتے ہیں۔ (وہ) ایک سال (اپنے مفادات و مصالح کے لئے) جنگ کو حلال سمجھتے ہیں اور ایک سال میں حرام سمجھتے ہیں تا کہ وہ اس ذریعہ سے وہ حرمت والے مہینوں کی تعداد کو پورا کرلیں۔ اس طرح سے وہ خدا کے حرام کردہ مہینوں کو حلال کر لیتے ہیں ان کی بداعمالیاں ان کی نظر میں خوشنما بنادی گئی ہیں اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ (۳۷)

نکات:

اَلنَّسِیٓءُ اور ''نِسۡیَة'' کا مادہ اشتقاق ایک ہی ہے اور ''نِسۡیَة'' ادھار کو کہا جاتا ہے یعنی جنس آج لی جائے اور رقم بعد میں ادا کی جائے یہاں اس سے مراد ہے جس مہینہ میں جنگ حرام ہے اس مہینہ میں جنگ کو جائز کر دیا جائے اور اس کی قضاء کے طور پر کسی دوسرے مہینہ میں جنگ کو حرام کر دیا جائے۔

کفار کبھی کبھی بزعمِ خویش روشن فکری کا اس طرح سے ثبوت دیتے تھے کہ قانون الٰہی میں تغیر و تبدل کرتے تھے اور اس کا طریق کار یہ ہوتا تھا کہ جنگ کے دوران اگر حرمت والا مہینہ یا مہینے آجاتے تو جنگ جاری رکھتے تھے اور اس مہینے کی بجائے کسی اور مہینہ کو ماہِ حرام قرار دیتے تھے (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ اسلامی مقدسات کا احترام کرنا چاہئے اور قانون الٰہی میں خود ساختہ تبدیلی کفر ہے۔ بإِنَّمَا النَّسِیٓءُ زِیَادَةٌ فِی الۡکُفۡرِ بات صرف چار مہینوں میں جنگ بند کرنے کی نہیں ہے جنگ بندی کے لئے وہ چار مہینے اہم ہیں جن کو خدا نے محترم بنایا ہے۔

۲۔ کفر کے بھی درجے اور مراحل ہیں۔ ''زِیَادَةٌ فِی الۡکُفۡرِ''

۳۔ کفار کی گمراہی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہ اپنی مرضی سے مہینوں میں ردوبدل کرتے تھے۔ ''یُضَلُّ بِهِ''

۴۔ خدا کے احکام وقوانین میں من مانی تاویل وتفسیر عوام کے انحراف کا ایک سبب ہے۔ ''یُحِلُّوۡنَهٗ عَامًا''

۵۔ دورِ جاہلیت کے اعراب اگرچہ مہینوں میں ردوبدل کرتے تھے لیکن ان کے زمانہ کی مقدار کے قائل تھے۔''

لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ''

۶۔ وہ گناہ گار جو اپنے غلط کام کو غلط سمجھتا ہو اس کے ہدایت پانے کا امکان ہو جود ہے اور اس کے برعکس جو اپنے برے عمل کو بھی خوش نما سمجھے وہ لائق ہدایت نہیں ہوتا۔ ''زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي''

آیت نمبر ۳۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

ترجمۃ الآیات

اے اہلِ ایمان! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے یہ کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو تو بوجھل ہو کر زمین پر گر پڑتے ہو کیا آخرت کے عوض تم نے دنیاوی زندگی پر قناعت کر لی ہے۔ جب کہ دنیاوی زندگی کا ساز و سامان آخرت کے مقابلہ میں انتہائی قلیل ہے۔ (۳۸)

نکات:

یہ آیات جنگ تبوک کے موقع پر نازل ہوئیں بہت سے افراد نے اس میں شرکت سے سستی کا مظاہرہ کیا تھا اور اس کے لئے مختلف حیلے بہانوں سے کام لیا تھا اور لوگ یہ عذر کرنے لگے کہ فاصلہ بہت دور ہے کیونکہ مدینہ سے تبوک ۶۰۰ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ گرمی عروج پر تھی کھجوروں کی فصل پک کر تیار ہونے کو تھی منافقین نے لوگوں کو بزدل بنانے کے لئے رومی سپاہ کی عظمت و قدرت کی خود ساختہ داستانیں بیان کی تھیں۔

پیغام:

۱۔ کبھی اہلِ ایمان بھی خدائی مواخذہ اور تنقید کا نشانہ بنتے ہیں۔ ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ''

۲۔ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت جنگ کرنے کے لئے ذہنی طور پر آمادہ ہوں سالار لشکر کون ہے اس کا جاننا زیادہ اہم نہیں ہے کیونکہ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا کے جملہ میں کسی فاعل کو مشخص نہیں کیا گیا اور لفظ ''قِيْلَ'' فعل مجہول ہے۔

۳۔ دنیا اور مادیات سے دل لگی انسان کو زمین و خاک سے جدا ہونے میں مانع ثابت ہوتی ہے اور انسان کو منزل کمال اور افلاک تک پہنچنے سے روک دیتی ہے اِثَّاقَلْتُمْ دنیا طلب کوتاہ ہمت ہوتا ہے۔

۴۔ انسان کا مقام اتنا بلند و بالا ہے کہ اس کے سامنے دنیا ناچیز ہے۔ ''اَرَضِيْتُمْ''

۵۔ میدان جہاد کا رخ وہی کرتا ہے جو آخرت کو دنیا سے بہتر سمجھتا ہے اور اس کے برعکس جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہو تو وہ جہاد میں شامل نہیں ہوتا۔ ''اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾''

آیت نمبر ۳۹

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

ترجمۃ الآیات

اگر تم میدانِ جنگ کی طرف نہ چلے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کردے گا۔ اور تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا اور تم (ترکِ جہاد سے) خدا کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (۳۹)

نکات:

اس آیت اور سابقہ آیت سے آٹھ طریقوں سے مسئلہ جہاد کی تاکید کی گئی ہے مثلاً فرمایا کہ تم تو مومن ہو پھر یہ سستی کیوں؟ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ سوال کے ساتھ توبیخ بھی موجود ہے مَا لَكُمْ جب کہ جہاد تو اللہ کی راہ میں ہے۔ فی سبیل اللہ اور تمہیں چلنے کا حکم بھی مل چکا ہے اِنْفِرُوْا عذاب کی وعید بھی ہے يُعَذِّبْكُمْ بحیثیت قوم مٹ جانے اور دوسری قوم کے عروج پر آنے کی دھمکی بھی ہے۔ يَسْتَبْدِلْ اور ترکِ جہاد کی وجہ سے خدا کو نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا تَضُرُّوْهُ آخر میں قدرت الٰہی کی تہدید بھی موجود ہے۔ ''وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾''

بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''قَوْمًا غَيْرَكُمْ'' کی جو پیش گوئی کی ہے اس سے ایران و یمن کے لوگ مراد ہیں جو دین خدا کی مدد کے لئے قیام کریں گے (تفسیر نمونہ و کنز الدقائق)۔

پیغام:

۱۔میدانِ جنگ کو چھوڑنا دنیا کی ذلت اور عذاب کا سبب ہے اور آخرت میں دوزخ کا موجب ہے۔''عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ''

۲۔ہماری جگہ اللہ اور قوم کو لانے پر قدرت رکھتا ہے وہ جس لمحہ یہ ارادہ کریگا ایسا ہی ہوگا۔''يَسْتَبْدِلْ ''

۳۔حرکت کو چھوڑنے اور سستی اختیار کرنے کا نقصان ہمیں ہی پہنچتا ہے نہ کہ خدا کو۔لَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ہماری سستی اور کاہلی کی وجہ سے دوسرے لوگ ہماری جگہ لے لیں گے۔

۴۔ازل سے سنت الٰہی یہی رہی ہے کہ جب کوئی قوم عمل سے فارغ ہوجاتی ہے تو اللہ اس قوم کی جگہ دوسری قوم کو لے آتا ہے يَسْتَبْدِلْ فعل مضارع ہے جوکہ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔

۵۔خدا کی لا متناہی قدرت دوسروں کو ہماری جگہ لانے کا سبب بنتی ہے۔''يَسْتَبْدِلْ ...عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ''

۶۔جس ذات کے پاس لا متناہی قوت ہو اسے کوئی بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔''وَلَا تَضُرُّوْهُ ...عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۹''

آیت نمبر ۴۰

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۰

ترجمۃ الآیات

اگر تم نے پیغمبر کی مدد نہ کی تو خدا نے اس کی اس وقت مدد کی جب کافروں نے اسے مکہ سے

نکالا تھا۔ جب کہ وہ اس وقت دو میں سے دوسرا تھا (اس وقت مدد کی) جب وہ دونوں غارِ ثور میں تھے۔ (اس وقت بھی مدد کی) جب پیغمبر اپنے ساتھی (ابوبکرؓ) سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے پھر خدا نے اپنی تسکین کو اس پر نازل کیا اور اس کی ایسے لشکروں سے مدد کی جو تمہیں دکھائی نہیں دیئے تھے۔ (پیغمبر کے قتل کرنے کے بارے میں) کافروں کی بات (منصوبہ) کو پست کر دیا اور (رسولؐ کی مدد کیلئے) خدا کا کلمہ (اور ارادہ) بلند تر (اور کامیاب) ہے اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔ (۴۰)

نکات:

اس آیت میں مشرکین کی اس خطرناک سازش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو انہوں نے آنحضرتؐ کو قتل کرنے کے لئے تیار کی تھی اور شبِ ہجرت ہر قبیلہ میں سے ایک جوان کا انتخاب کیا گیا اور یہ طے پایا کہ اس رات آپ کو آپ کے بستر پر قتل کر دیا جائے۔

اس رات آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سُلا دیا اور رات کے وقت حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر غارِ ثور کی طرف روانہ ہوئے۔

کفار آنحضرتؐ کے پاؤں کے نشانات کی مدد سے غار کے دروازے پر پہنچ گئے لیکن جب انہوں نے غار کے دہانے پر مکڑی کا جالا دیکھا تو وہ اپنے ارادے سے باز آ گئے۔ رسول اکرمؐ نے تین شبانہ روز غار میں قیام کیا اس دوران حضرت ابوبکرؓ کا غلام عامر بن فہرہ غذا لاتا رہا۔ حضرت علیؑ نے ان کے لئے لوازمِ سفر آمادہ کئے پھر تین دنوں کے بعد آنحضرتؐ تین افراد کے قافلہ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ (تفسیر المیزان و درمنثور)

کچھ سوال و جواب

سوال۔ کیا حضرت ابوبکرؓ کی رفاقت آنحضرتؐ کی جان کے دفاع کے لئے تھی؟

جواب۔ بھلا ایک بوڑھا شخص مشرکین کی پوری جماعت کے مقابلہ میں کیا دفاع کر سکتا تھا

سوال۔ حضرت ابوبکرؓ کیلئے لفظ ''صَاحِب'' استعمال ہوا ہے تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ آنحضرتؐ کی جانشینی کی صلاحیت رکھتے تھے؟

جواب۔ لفظ صاحب کا معنی با صلاحیت فرد نہیں ہے بعض اوقات ایسے دو افراد بھی ایک دوسرے کے مصاحب بن جاتے ہیں جن کا فکر اور نظریہ ایک نہیں ہوتا مثلاً ارشادِ خداوندی ہے قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ (کہف۔ ۳۷) اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا حالانکہ ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق تھا۔ ایک مسلم تھا اور دوسرا مشرک تھا۔

سوال۔ تمام اصحاب میں سے صرف حضرت ابوبکر کو ہی رسولِ اکرمؐ کی دوران ہجرت رفاقت کا شرف حاصل ہوا تو کیا یہ ان کی بہت بڑی فضیلت نہیں ہے؟

جواب۔ اس رات حضرت علیؑ رسولِ خدا کے بستر پر سوئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ اپنے فریضہ کی ادائیگی کیلئے آنحضرتؐ کے ساتھ تھے اس رات دونوں افراد نے اپنے اپنے فریضہ کو سرانجام دیا تھا۔

سوال۔ حضرت ابوبکرؓ کا خوف اپنی ذات کیلئے تھا یا رسولِ خدا کی ذات کے لئے تھا؟

جواب۔ اگر بالفرض ان کا خوف رسولِ خداؐ کے لئے تھا تو یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے یہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ خطرہ کے وقت اپنے رہنما کی جان کا زیادہ احساس کرے۔

سوال۔ اصحابِ کساء پنجتن پاک کی بڑی فضیلت ہے جب کہ وہ چادر میں آنے والے پانچ افراد تھے اور ادھر اصحابِ غار صرف دو تھے کیا یہ خصوصی فضیلت شمار نہ کی جائے گی؟

جواب۔ اصحاب کساء کے لئے آنحضرتؐ نے دعا کی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں ادھر غار میں آپ نے یہ جملہ نہیں کہا تھا اصحابِ کساء کی شان اتنی بلند ہے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ نماز کی تشہد میں ان پر درود پڑھے علاوہ ازیں ہر مسلمان کو چاہئے کہ دن رات آنحضرتؐ پر درود پڑھے اور جب بھی کوئی مسلمان آنحضرتؐ پر درود پڑھے گا تو آپ کے ساتھ آپ کی آلؑ پر بھی درود بھیجے گا۔ لہٰذا اصحابِ کساء اور اصحابِ غار میں بڑا فرق ہے۔ اصحابِ کساء درود میں شامل ہیں جبکہ اصحابِ غار اس میں شامل نہیں ہیں۔

سوال۔ رسولِ اکرمؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ لفظ کہے تھے ''اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا'' یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ جب کہ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے کہ اللہ متقین و محسنین کے ساتھ ہے۔ کیا اس آیت سے یارِ غار کا متقی اور محسن ہونا ثابت نہیں ہوتا؟

جواب۔ انسان جب تک احسان و تقویٰ کے دائرے میں رہے تو اسے خدا کی معیّت شامل رہتی ہے اور جب انسان اس دائرے سے ہٹ جاتا ہے تو خدا کی معیّت سے بھی دور ہو جاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ غدیر کے بعد یارِ غار کا ردِعمل کیا ہوا تھا؟

سوال۔ آیتِ غار میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے ان پر اپنی طرف سے ''سَکِیْنَہ'' یعنی تسکین نازل فرمائی تھی۔ تو کیا ان پر سکینہ کا نزول ان کا خاص امتیاز نہیں ہے؟

جواب۔ اس آیت میں پانچ ضمائر ہیں سب کا مرجع حضرت رسولِ خداؐ کی ذات ہے ان میں سے حضرت ابوبکر بھی کسی ضمیر کا مرجع نہیں ہیں۔

پیغام:

۱۔اسلام ہماری حمایت کا محتاج نہیں ہے اسلام کا مددگار خداوند عالم ہے لہٰذا ہمیں نصرتِ اسلام پر مغرور نہیں ہونا چاہیے۔اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ"

۲۔اللہ نےاِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ کے الفاظ کے ذریعے سے تبوک کی فتح کی ضمانت دی ہے۔

۳مسلمانوں کی کامیابیاں قدرت الٰہیٰ کا نمونہ ہیں۔"عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ۔۔۔اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ"

۴۔پیغمبر نے از خود ہجرت نہیں کی تھی کفار کے سخت دباؤ کی وجہ سے وہ ہجرت پر مجبور ہو گئے تھے۔اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا۔"

۵۔خدا چاہے تو اشرف الخلوق رسول خدا کی حفاظت"اَوۡهَنَ الۡبُيُوۡتِ"(سورہ عنکبوت۔۴۱) مکڑی کے جالے سے بھی کرا سکتا ہے۔"اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ"

۶۔اطمینان وسکون ایک ایسا خدائی تحفہ ہے جو مادی ساز وسامان سے میسر نہیں آتا۔"فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ"

۷۔اللہ کے حکم سے ملائکہ مومنین کی مدد کرتے ہیں۔"وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا"

۸۔ہجرت اسلام کی عزت اور کفر کی ناکامی کی دلیل ہے۔"اَخۡرَجَهُ۔۔۔وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا"

۹۔اللہ کا ارادہ ہر کسی کے ارادوں پر غالب ہے۔"وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا"

۱۰۔استکباری قوتیں اپنے تمام تر جدید آلات کے باوجود خدا کی طرف سے تسکین پانے والے مومنین کو شکست نہیں دے سکتیں (اس آیت میں سورۃ انفال کی آیت ۳۰) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وَاِذۡ يَمۡكُرُ بِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا جب کافر آپ کے متعلق چال چل رہے تھے۔"وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى"

۱۱۔کلمہ الٰہیٰ کی عزت وسربلندی اور کفار کے منصوبوں کی ناکامی سے خدا کی عزت وحکمت کا اظہار ہوتا ہے۔"فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ۔۔۔وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝۴۰"

آیت نمبر ۴۱

اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۴۱

ترجمۃ الآیات

(جنگ و جہاد کی طرف) کوچ کرو ہلکے ہو کر اور بوجھل ہو کر (خواہ تمہارے لئے سفر آسان ہو یا مشکل) اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور جانوں سے جہاد کرو اگر علم رکھتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ (۴۱)

نکات:

"خِفَافًا اور ثِقَالًا" سے حسبِ ذیل متقابل معانی مراد ہیں کہ قرآن یہ کہہ رہا ہے۔

۱۔ اللہ کی راہ میں نکلو خواہ کنوارے ہو یا شادی شدہ

۲۔ اللہ کی راہ میں نکلو خواہ غریب ہو یا دولت مند

۳۔ اللہ کی راہ میں نکلو خواہ پیدل ہو یا سوار

۴۔ اللہ کی راہ میں نکلو خواہ عیال کم ہیں یا زیادہ

۵۔ اللہ کی راہ میں نکلو خواہ بے فکر ہو یا متفکر

۶۔ اللہ کی راہ میں نکلو خواہ تاجر ہو یا کاشت کار

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "خِفَافًا وَّثِقَالًا" سے جوان اور بوڑھے مراد ہیں۔ (بحارالانوار جلد ۹۷-۴۸)

☆ تفسیر "فی ظلال القرآن" میں مرقوم ہے کہ ابوایوب انصاری، مقداد، ابوطلحہ جیسے بزرگ صحابہؓ جب پیرانہ سالی میں جہاد کے لئے روانہ ہونے لگے تو لوگوں نے کہا کہ آپ مت جائیں آپ بوڑھے ہیں تو جواب میں انہوں نے یہ آیت پڑھی تھی۔

پیغام:

۱۔ جب عمومی لام بندی کا حکم صادر ہو جائے تو پھر بہانے مت تراشو اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (کیونکہ مشکلات زندگی جہاد سے تخلف کا بہانہ نہیں ہیں)۔

۲۔ کبھی دشمن کے مقابلہ کے لئے تمام افراد کی لام بندی ضروری ہو جاتی ہے اگر چہ جنگی سامان کم ہی کیوں نہ ہو۔" اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا"

۳۔ دین مکتب جان و مال سے زیادہ قیمتی ہے دین پر مال و جان کو قربان کیا جا سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے بِاَمْوَالِكُمْ اَوْ اَنْفُسِكُمْ نہیں فرمایا بلکہ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فرمایا ہے۔

۴۔مفلس افراد پر صرف جانی جہاد فرض ہے جب کہ دولت مند افراد پر مالی اور جانی جہاد فرض ہے۔''بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ''

۵۔اخلاص عمل ہی عمل کی جان ہوتا ہے۔''فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ''

۶۔جہاد سمیت جتنے بھی اسلامی احکام ہیں ان سب میں انسانوں کی صلاح وفلاح مضمر ہے۔''ذٰلِكُمۡ خَیۡرٌ لَّكُمۡ''

۷۔حقیقی اقدار کا حصول علم ومعرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔''ذٰلِكُمۡ خَیۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ﴿۴۱﴾''

۸۔عوام، اپنے حقیقی فائدوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔''خَیۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ﴿۴۱﴾''

آیت نمبر ۴۲

لَوۡ كَانَ عَرَضًا قَرِیۡبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوۡكَ وَلٰكِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَیۡهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَرَجۡنَا مَعَكُمۡ ۚ یُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ۚ وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ﴿۴۲﴾

ترجمۃ الآیات

اگر غنیمت نزدیک اور (جہاد کے لئے) سفر تھوڑا ہوتا تو منافقین ضرور آپ کے پیچھے چلتے لیکن ان کا راستہ دور اور دشوار ہے (وہ اس بہانے کی وجہ سے نہیں آئیں گے) اور وہ خدا کی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ہماری استطاعت ہوتی تو تمہارے ساتھ (جنگ کے لئے) ضرور باہر آتے۔(اس طرز عمل سے) وہ اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں خدا جانتا ہے کہ یقیناً یہ لوگ جھوٹے ہیں۔(۴۲)

نکات

☆اس آیت کا تعلق غیب کی پیشین گوئیوں سے ہے اس میں واقعہ کے پیش آنے سے قبل اس کی خبر دی گئی ہے۔اس کا تعلق جنگِ تبوک سے ہے تبوک کا علاقہ بہت زیادہ فاصلے پر واقع تھا اور وہ حجاز کی سرحد پر واقع ہے۔

☆امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ،، عرضاً قاصداً سے نزدیکی غنیمت مراد ہے۔

پیغام:

۱۔ دنیا کا مال و دولت سب کا سب فانی ہے۔ ''عَرَضًا''

۲۔ جنگ انسان کی آزمائش کا بہترین معیار ہے۔ ''لَوْ كَانَ عَرَضًا ... لَّاتَّبَعُوْكَ۔''

۳۔ منافقین کی اندرونی کیفیت کو ظاہر کرنا بڑا ضروری ہے۔ ''لَوْ كَانَ عَرَضًا ... لَّاتَّبَعُوْكَ''

۴۔ منافق مادی فوائد کے حصول کے لئے کچھ جنگوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔ ''لَوْ كَانَ عَرَضًا ... لَّاتَّبَعُوْكَ''

۵۔ ہمیشہ فائدہ منداور آرام دہ کاموں کا انتخاب رشد و ایثار کی علامت نہیں ہوتا۔ ''لَّاتَّبَعُوْكَ''

۶۔ مسلمانی اور تن پروری اور رفاہ طلبی کا آپس میں کوئی ربط نہیں ہے۔ ''بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ''

۷۔ جھوٹ اور منافقت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے منافقین ذمہ داریوں سے فرار حاصل کرنے کے لئے جھوٹی قسموں کا سہارا لیتے ہیں۔ ''سَيَحْلِفُوْنَ''

۸ جھوٹی قسم کھانا منافقانہ عمل ہے۔ ''سَيَحْلِفُوْنَ''

۹ ترکِ جہاد کے آثار کی تلافی جھوٹ اور غلط توجیہ سے ناممکن ہے اس کے برعکس یہ قطعی ہلاکت اور شقاوت ہے۔ ''يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ''

۱۰۔ جنگ سے فرار کے برے نتائج فرار کرنے والوں کو بھگتنے ہوں گے۔ ''يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ''

آیت نمبر ۴۳

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمۃ الآیات

خدا آپ کا بھلا کرے آپ نے سچ بولنے والوں اور جھوٹوں کو جانے بغیر انہیں پہلے گھر رہنے کی اجازت کیوں عطا کی ہے؟ (۴۳)

نکات:

☆ کچھ منافق کسی عذر کے بغیر آنحضرتؐ کے پاس آئے اور جنگِ تبوک میں شرکت سے معذرت کی۔ آنحضرتؐ نے انہیں گھر میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اس آیت میں ضمنی طور پر اس اجازت دینے پر عتاب کیا گیا ہے کہ آپ حقیقی مجبور افراد کو اجازت دیتے بہانے سازوں کو اجازت دینے کی کیا ضرورت تھی؟

☆ بعد والی آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا نے منافقین سے جنگ میں شرکت کی توفیق ہی سلب کر لی کَرِہَ اللّٰہُ انۡۢبِعَاثَہُمۡ ... لہٰذا پیغمبر کی طرف سے جنہیں گھر میں بیٹھے رہنے کی اجازت ملی تھی یہ وہی لوگ تھے جن کا میدان میں جانا خدا کو نا پسند تھا اور عتاب اس بات پر کیا گیا ہے کہ اتنی جلدی انہیں اجازت کیوں دے دی گئی۔

☆ اسی سورت کی ۴۷ ویں آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنگ میں منافقین کی شرکت اسلام کے مفادات کے لئے نقصان دہ ہے لہٰذا آنحضرتؐ کی طرف سے انہیں رخصت کا دیا جانا نہ تو پیغمبرؐ کا گناہ ہے اور نہ ہی آپ کی انتظامات سنبھالنے کی صلاحیت کی کمی کی علامت ہے۔

پیغام:

۱۔ مدیریت اور انتظام سنبھالنے کے اطوار کو خدا سے سیکھنا چاہئے کہ اس نے اس آیت میں اپنی عفو و رحمت کا تذکرہ بھی کیا اور اس میں اپنے عتاب کا اظہار بھی کیا۔ ''عَفَا اللّٰہُ عَنۡکَ لِمَ اَذِنۡتَ لَہُمۡ''

۲۔ جب جنگ سر پر ہو تو کسی کو رخصت نہیں دینی چاہئے۔ ''لِمَ اَذِنۡتَ لَہُمۡ''

۳۔ بہانہ سازی کے راستے منافقین پر بند کر دینے چاہئیں۔ ''لِمَ اَذِنۡتَ لَہُمۡ''

۴۔ جنگ میں شرکت نہ کرنے کیلئے رہبر کی اجازت کی ضرورت ہے۔ ''لِمَ اَذِنۡتَ لَہُمۡ''

۵۔ افراد کی صحیح پہچان کے لئے جنگ ایک مناسب وسیلہ ہے۔ ''حَتّٰی یَتَبَیَّنَ''

۶۔ ہر مقام پر عیب پوشی مناسب نہیں ہے کبھی افشا گری کی بھی ضرورت ہے۔ ''حَتّٰی یَتَبَیَّنَ ... وَ تَعۡلَمَ الۡکٰذِبِیۡنَ﴿۴۳﴾''

۷۔ منافقین کی پہچان کے لئے ان کی جنگی کارکردگی کا جائزہ لینا چاہئے۔ ''وَ تَعۡلَمَ الۡکٰذِبِیۡنَ﴿۴۳﴾''

۸۔ اسلامی معاشرہ صداقت پر اس قدر استوار ہونا چاہئے کہ اس میں منافق رُسوا ہو جائیں۔ ''حَتّٰی یَتَبَیَّنَ ... وَ تَعۡلَمَ الۡکٰذِبِیۡنَ﴿۴۳﴾''

۹۔ منافقین کا جنگ میں شریک ہونا قابلِ افتخار نہیں ہے جب کہ ان کا میدان سے فرار ان کی رسوائی کا موجب ہے۔ ''وَ تَعۡلَمَ الۡکٰذِبِیۡنَ﴿۴۳﴾''

آیت نمبر ۴۴

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ۝۴۴

ترجمۃ الآیات

وہ لوگ جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال وجان سے جہاد کرنے کے لئے آپ سے رخصت طلب نہیں کرتے اللہ پرہیزگاروں کو اچھی طرح سے جانتا ہے۔ (۴۴)

نکات:

حقیقی مومن جہاد وشہادت کا مشتاق ہوتا ہے اسے موت کا کوئی خوف نہیں ہوتا اور وہ جہاد سے رخصت حاصل کرنے کی درخواست نہیں کرتا۔ چنانچہ رسول اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ میں ایسے سچے مجاہد بھی موجود تھے جو آنحضرتؐ سے گڑگڑا کر درخواست کرتے تھے کہ انہیں میدان جنگ میں ساتھ لے جائیں اور جب رسول اکرمؐ نے یہ کہہ کر انہیں ساتھ لے جانے سے معذرت کی کہ میرے پاس تمہارے لئے سواریاں ہیں اور نہ ہی سامانِ جنگ ہے تو وہ لوگ رونے لگ گئے۔ (توبہ۔ ۹۲)

رسولِ خداؐ نے جنگِ تبوک کے لئے روانگی کے وقت حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا لیکن حضرت علیؑ کو مدینہ میں رہنا پسند نہیں تھا اس کی بجائے آپ جہاد کے خواہش مند تھے۔

رسولِ خداؐ نے جب ان کے یہ جذبات دیکھے تو آپؐ نے ان سے فرمایا تمہیں مجھ سے وہی نسبت حاصل ہے جو کہ ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی۔

پیغام:

۱۔ مومن کام سے فرار نہیں کرتا۔ ''لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ''

۲۔ جنگِ تبوک سے تخلف کرنے والے ایمان سے خالی افراد تھے۔ ''لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ''

۳۔ مبدا اور معاد پر ایمان، تقویٰ، شہادت طلبی اور جنگ میں شرکت کا محرک ہے۔ ''يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ''

۴۔حقیقی مومن جان و مال سے جہاد کرنے سے ہرگز نہیں ہچکچاتے۔''بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ''

۵۔تقویٰ، جانی و مالی جہاد کے تخلف سے روکتا ہے۔''اَنْ يُّجَاهِدُوْا۔۔۔وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ۝۴۴''

۶۔خدا کے علم کا عقیدہ جہاد میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔''اَنْ يُّجَاهِدُوْا۔۔۔وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ۝۴۴''

۷۔متقی کی پہچان گھر اور ایام صلح کی بجائے میدان جنگ میں ہوتی ہے۔''وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ۝۴۴''

آیت نمبر ۴۵

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ۝۴۵

ترجمۃ الآیات

(جنگ میں نہ جانے کی) اجازت تو آپ سے بس وہی لوگ طلب کرتے ہیں جو خدا اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دلوں میں شک آ چکا ہے اور وہ اپنے شک میں سرگردان ہیں۔(۴۵)

نکات:

حضرت علیؑ کا فرمان ہے جو شک و شبہ میں گرفتار رہتا ہے اسے شیاطین اپنے پنجوں میں روند ڈالتے ہیں۔(نہج البلاغہ حکمت ۳۱)

پیغام

۱۔عقیدہ و ایمان کی صداقت کی پہچان میدان جنگ میں ہوتی ہے۔''يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ''

۲۔منافقین کو ہدف پر ایمان نہیں ہے اسی لئے وہ گھر میں رہنے کے حیلے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔''لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ''

۳۔میدان جنگ میں یا مردی سے لڑنے اور فرار کرنے کی بنیاد ایمان اور عدم ایمان پر ہے۔''يُؤْمِنُوْنَ۔۔۔لَا يُؤْمِنُوْنَ''

۴۔شک ایک برائی ہے لیکن شک پر قائم رہنا اس سے بھی بڑی برائی ہے۔ ''فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ۝۴۵ ''

آیت نمبر ۴۶

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ۝۴۶

ترجمۃ الآیات

اگر وہ (منافقین) جنگ میں جانے کے خواہش مند ہوتے تو یقیناً وہ اس کی تیاری کرتے لیکن خدا کو ان کا میدان میں جانا (ان کی کُور دِلی اور نالائقی) کی وجہ سے ناپسند ہے اسی لئے خدا نے انہیں (جنگ میں شامل ہونے سے) روک دیا ہے اور کہا گیا کہ تم دوسرے خانہ نشینوں (بچوں، بوڑھوں اور بیماروں) کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہو۔ (۴۶)

نکات:

☆ میدان جہاد میں روکنے کا مقصد یہ ہے کہ خدا نے ان سے توفیق سلب کر لی ہے اس سے عملی ممانعت مراد نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔منافقین جنگ میں جانے کے خواہش مند ہی نہیں ہیں۔ ''وَلَوْ اَرَادُوا... لَاَعَدُّوْا ''

۲۔واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے۔ ''وَلَوْ اَرَادُوا... لَاَعَدُّوْا ''

۳۔مومن ہر وقت جہاد میں شامل ہونے کا منتظر ہوتا ہے وہ اس سے لاپرواہ نہیں ہوتا۔ ''لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً ''

۴۔جہاد میں شرکت خدائی توفیق ہے جسے نااہل افراد سے سلب کر لیا جاتا ہے''. فَثَبَّطَهُمْ ''

۵۔تارکینِ جہاد کی تحقیر کی جانی چاہیئے۔ ''اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ۝۴۶ ''

آیت نمبر ۴۷

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمۃ الآیات

اگر (منافقین) تمہارے ساتھ جنگ کے لئے باہر آتے تو پھر تمہارے درمیان فساد (شک، بے چینی) کے علاوہ اور کوئی اضافہ نہ کرتے اور تمہارے درمیان رخنہ ڈالتے تا کہ فتنہ برپا کریں۔ جب کہ تمہارے درمیان ان سے متاثر افراد بھی ہیں جو ان کی باتوں کو توجہ سے سنتے ہیں۔ اللہ ظالموں کے حالات سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ (۴۷)

نکات:

"خَبَالًا"، اضطراب اور شک کو کہا جاتا ہے۔ اور "خَبَل" جنون کو کہا جاتا ہے اور "خَبْل" فساد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

"اَوْضَعُوْا" کا مصدر "اِیْضَاع" ہے جس کا معنی ہے حرکت و نفوذ میں جلدی کرنا۔ "فِتْنَة" یہاں تفرقہ اور گمراہی کے معنی میں ہے۔ "سَمّٰاع" جاسوس کے معنی میں ہے جو دشمن کے مفادات کے لئے باتیں پھیلاتا ہو۔

پیغام:

۱۔ اسلامی لشکر برگزیدہ اور مخلص افراد پر مشتمل ہونا چاہئے اس کے لئے افراد کی کمی بیشی معیار نہیں ہے۔ "لَوْ خَرَجُوْا ... مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا"

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تسلی دی ہے کہ وہ منافقین کے تخلف سے پریشان نہ ہوں۔ "لَوْ خَرَجُوْا .. مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا"

۳۔ جنگ میں منافق اگر شرکت کریں تو لشکرِ اسلام میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ "وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ"

۴۔منافقین کی حرکات تیز رفتاری پر مبنی ہوتی ہیں۔"وَّلَاۡاَوۡضَعُوۡا خِلٰلَكُمۡ"

۵۔تمام مسلمان منافقین کے خطرات سے پوری طرح آگاہ نہیں ہیں۔کچھ سادہ لوح مسلمان بہت جلدی سے ان کی باتوں کا اثر قبول کر لیتے ہیں۔"سَمّٰعُوۡنَ لَهُمۡ"

۶۔منافق ظالم ہیں اللہ نے انہیں تنبیہ کی ہے۔"وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ۝"

آیت نمبر ۴۸

لَقَدِ ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَةَ مِنۡ قَبۡلُ وَقَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ حَتّٰى جَآءَ الۡحَـقُّ وَظَهَرَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ۝۴۸

ترجمۃ الآیات

(منافقین) اس سے پہلے بھی فتنہ گر تھے اور وہ آپ کے سامنے معاملات کو الٹا کر کے پیش کرتے تھے یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا فرمان واضح (جاری) ہو گیا جب کہ وہ ناخوش تھے۔(۴۸)

پیغام:

۱۔منافقین ہمیشہ فتنہ گری کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔"ابۡتَغَوُا"

۲۔جب کبھی معاشرے میں فتنہ اور تفریق جنم لے تو پھر منافقین کی سرگرمیوں کی جستجو کرنی چاہیے۔"ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَةَ"

۳۔جن لوگوں نے صحیح توبہ نہیں کی ان کے ماضی پر نظر رکھنی چاہیے۔"مِنۡ قَبۡلُ"

۴۔رہبر کے سامنے حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا منافقانہ عمل ہے۔"وَقَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ"

۵۔امتِ اسلامی کے رہبر کو ہوشیار ہونا چاہیے ہر اطلاع کو درست نہ سمجھے۔"وَقَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ"

۶۔فتنہ گری اور تفرقہ پیدا کرنا منافقین کا قدیمی شیوہ ہے۔اور حق کی مکمل فتح تک وہ اپنی کارروائیوں سے باز نہیں آتے۔"ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَةَ مِنۡ قَبۡلُ ... حَتّٰى جَآءَ الۡحَـقُّ"

۷۔خدا کی غیبی امداد منافقین کے منصوبوں کو برباد کر دیتی ہے۔منافقین اسلام کے خلاف جتنی بھی سازشیں کرتے ہیں

۔اسلام کو اتنی ہی ترقی نصیب ہوتی ہے۔ "جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ"

۸۔منافق دل میں اسلامی نظام کو کبھی بھی قبول نہیں کرتے۔"كٰرِهُوْنَ﴿۴۸﴾"

آیت نمبر ۴۹

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴿۴۹﴾

ترجمة الآيات

اور ان میں کچھ ایسے (ڈرپوک اور بہانہ ساز) بھی ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دیں (میں گھر بیٹھا رہوں اور جنگ میں شرکت نہ کروں) اور مجھے فتنہ (گناہ) میں مت ڈالیں۔ آگاہ رہو کہ یہ لوگ فتنہ (اور گناہ) میں گر چکے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔(۴۹)

نکات:

بنی سلمہ کا ایک سردار منافق تھا (اور اس کا نام جد بن قیس تھا) جنگِ تبوک کے موقع پر وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا کہ آپ مجھے وہاں جانے سے معذور (رکھیں) کیونکہ میں حسن پرست انسان ہوں اور جب میری نگاہ رومی لڑکیوں پر پڑے گی تو میں فریفتہ ہو جاؤں گا اور یوں گناہ کی وادی میں جا گروں گا۔

آنحضرتؐ نے اسے گھر میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آیت مجیدہ میں اسے جنگ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار اور فتنہ میں گرا ہوا انسان قرار دیا گیا۔

رسول اکرمؐ نے اسے قبیلہ کی سرداری سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ بُشر بن براء کو قبیلہ کا سردار مقرر کیا وہ سخی اور خوش اخلاق انسان تھا۔ (تفسیر نمونہ)

پیغام:

۱۔آنحضرتؐ جہاں خدا کے پیغمبر اور اُمت کے رہبر تھے وہاں آپ سالارِ لشکر بھی تھے۔"وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ"

۲۔ بے ادب منافق آنحضرت کو فتنہ کا متحرک سمجھتے تھے۔ ''ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ''

۳۔ منافقین جہاد کو آزمائش اور مصیبت تصور کرتے تھے۔ ''وَلَا تَفْتِنِّيْ''

۴۔ جنگ مجسم آزمائش ہے۔ ''وَلَا تَفْتِنِّيْ''

۵۔ کچھ منافق دینداروں کو فریب دینے کے لئے مذہبی مسائل سے استفادہ کرتے تھے وَلَا تَفْتِنِّيْ ایک منافق نے توحیلہ سازی کی حد کر دی اور کہا میں رومیوں کی حسین وجمیل لڑکیوں کو نہیں دیکھنا چاہتا مبادا ان کے حسن کے سحر میں گرفتار نہ ہو جاؤں۔ اس طرح سے اس منافق نے اللہ اور رسولِ خدا کے فرمان کو پامال کیا تھا۔

۶۔ جو لوگ جنگ کو فتنہ سمجھ کر اس سے کنارہ کشی کرتے ہیں وہ اس سے بڑے فتنہ میں جا گرتے ہیں۔ ''اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا''

۷۔ خدا کی آزمائش سے فرار ناممکن ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝۲ (سورہ عنکبوت۔ ۲) کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ (ہم ایمان لائے) کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے۔ اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟ مگر اس کے باوجود انہوں نے کہا آزمائش میں گرفتار ہوئے۔ ''فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا''

۸۔ منافقت پر مبنی بہانہ سازیاں کفر کی علامت ہیں۔ ''ائْذَنْ لِّيْ... بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۴۹''

۹۔ دوزخ نے کافروں کا اس لئے احاطہ کیا ہے کہ ان کے وجود کے گرد گناہوں کا احاطہ ہے لَمُحِيْطَةٌ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ (سورۃ البقرۃ۔ ۸۱) جو کوئی برائی کرے اور اس کی خطائیں اس کا احاطہ کر لیں تو وہ دوزخی ہیں۔

آیت نمبر ۵۰

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۰

ترجمۃ الآیات

اگر تجھے کوئی بھلائی پہنچے (اور تو کامیابی حاصل کرے) تو منافقین کو وہ ناگوار گزرتی ہے اور اگر تجھے مصیبت تکلیف پہنچے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کا چارہ پہلے ہی سوچ لیا تھا (اور ہم نے

اس کی پیش بینی کر لی تھی) اور وہ خوش ہو کر لوٹ جاتے ہیں۔(۵۰)

پیغام:

۱۔پیغمبر اور رہبر اسلامی نظام اور امت کا نمائندہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آیت میں ''تُصِبۡکُمۡ'' کی بجائے ''تُصِبۡكَ'' کے الفاظ آئے ہیں۔

۲۔دوسروں کی کامیابی دیکھ کر جلنے والا شخص حسد اور منافقت میں مبتلا ہوتا ہے۔''اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ''

۳۔تلخ حوادث اور سختی کے وقت دوست دشمن کی صحیح پہچان ہوتی ہے۔''اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ...''

۴۔رسولِ خدا کو غزوات میں کبھی فتح نصیب ہوتی تھی اور کبھی شکست سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔''حَسَنَةٌ... مُصِيۡبَةٌ''

۵۔منافق ہمیشہ موقع کی تاک میں رہتے ہیں اور مسلمانوں کو پہنچنے والی مصیبت کے متعلق اپنے فہم وذکا کا دعویٰ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں پہلے سے یہ اسی بات کا اندازہ تھا۔''اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ''

آیت نمبر ۵۱

قُلۡ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا‌ ۚ هُوَ مَوۡلٰٮنَا‌ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾

ترجمۃ الآیات

آپ کہہ دیں کہ ہمارے لئے ہمارے پروردگار نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس کے علاوہ ہمیں اور کچھ نہیں ملے گا وہی ہمارا سرپرست ہے اہلِ ایمان کو اللہ پر توکل کرنی چاہئے۔(۵۱)

پیغام:

۱۔رہبر اور اُمت دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔یہی وجہ ہے کہ پہلی آیت میں ''تُصِبۡكَ'' کے الفاظ ہیں اس آیت میں ''يُّصِيۡبَنَا'' کے الفاظ آئے ہیں۔

۲۔ہم تکلیف شرعی بجالانے کے پابند ہیں اور نتیجہ کے ضامن نہیں ہیں۔ہمارا کام جہاد کرنا ہے جبکہ تقدیر خدا کے ہاتھ میں ہے۔''اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا''

۳۔حقیقی مومن جنگ کی سختیوں کو بھی اپنے لئے فائدہ مند خیال کرتے ہیں۔''كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا''

۴۔انسان کی تقدیر پہلے سے لکھی جا چکی ہے۔''كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا''

۵۔اللہ تعالیٰ نے مومن کے لئے جو کچھ مقدر میں لکھا ہے وہ بہتر ہی بہتر ہے کیونکہ آقا اپنے غلام کے لئے برائی نہیں لکھتا۔''كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا''

۶۔مومن ہمیشہ اپنے آپ کو خدا کی زیر ولایت سمجھتا ہے۔''هُوَ مَوْلٰىنَا''

۷۔عقیدۂ توحید کا بلند ترین مقام یہ ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ ہر طرح کی تقدیر کے فیصلوں کا اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے۔''هُوَ مَوْلٰىنَا''

۸۔ہمیشہ خدا پر ہی بھروسہ رکھنا چاہئے۔''وَعَلَى اللّٰهِ''

۹۔خدا پر توکل رکھنا ایمان کی شرط ہے۔''فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴿۵۱﴾''

آیت نمبر ۵۲

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ﴿۵۲﴾

ترجمۃ الآیات

(پیغمبر! آپ منافقین سے) کہیں کیا تم ہمارے لئے دو نیکیوں (فتح یا شہادت) کے منتظر ہو؟ جب کہ ہم تمھارے متعلق اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ خدا یا تو اپنی طرف سے تم پر عذاب بھیج دے یا ہمارے ہاتھوں سے تمھیں عذاب دے پس تم انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں۔(۵۲)

نکات

☆اس آیت میں پہلی آیت کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ ہی ہم اہلِ ایمان کا سرپرست ہے اور خدا کی شان یہ ہے

کہ وہ بھلائی کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھتا۔ حد یہ ہے کہ اگر وہ ہمارے مقدر میں شہادت بھی لکھتا ہے تو وہ بھی خیر وخوبی پر مبنی ہے۔

☆امام باقرؑ نے ''اِحۡدَی الۡحُسۡنَیَیۡنِ'' کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے راہِ خدا میں موت یا امام زمانؑ کے ظہور کا پا لینا مراد ہے۔(الکافی جلد ۸۔۲۸۶)

پیغام:

۱۔اس امر کی ضرورت ہے کہ ''اِحۡدَی الۡحُسۡنَیَیۡنِ'' کے عقیدہ کی دوست اور دشمن کے سامنے تبلیغ کی جائے قُلۡ

۲۔کامیابی کے متعلق مومن اور منافق کے طرزِ تفکر میں فرق پایا جاتا ہے اِحۡدَی الۡحُسۡنَیَیۡنِ اہلِ ایمان کی نظر میں مقصد پر کاربند رہنا زیادہ اہم ہے ان کی نظر میں فتح اور شہادت دونوں ہی کامیابی کی شکلیں ہیں۔

۳۔منافق اگر اسلامی حکومت کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مارے جائیں تو بھی دوزخی ہیں اور اگر جنگ کے بغیر طبعی موت مریں پھر بھی دوزخی ہیں۔ان پر عذاب ہر شکل میں آنا ہے خواہ اہلِ ایمان کے ہاتھوں سے آئے یا براہِ راست خدا کے عذاب میں گرفتار ہوں۔''مِّنۡ عِنۡدِہٖۤ اَوۡ بِاَیۡدِیۡنَا''

۴۔مومن کو ہدف اور نتیجہ کا یقین ہوتا ہے۔''فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ﴿۵۲﴾''

آیت نمبر ۵۳

قُلۡ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ کَرۡہًا لَّنۡ یُّتَقَبَّلَ مِنۡکُمۡ ؕ اِنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ﴿۵۳﴾

ترجمۃ الآیات

وہ منافق جو میدانِ جنگ میں قدم رکھے بغیر مالی امداد دینے کے خواہش مند ہیں آپ ان سے کہیں کہ تم خواہ شوق سے دولت خرچ کرو یا مجبور ہو کر تمہاری طرف سے یہ انفاق ہرگز قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ تم فاسق لوگ ہو۔(۵۳)

نکات:

☆تفاسیر کے بیان کے مطابق کہ جو منافق جنگ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ چاہتے تھے کہ وہ کچھ مالی مدد کر

دیں اور اس طرح سے اپنے آپ کو کامیابی میں شریک تصور کریں۔

☆ منافقین سے انفاق کے غیر مقبول ہونے کا یا تو یہ مقصد ہے کہ دنیا میں ان کی مالی امداد نہ کی جائے گی۔ یا پھر اس کا مفہوم یہ ہے کہ تمھیں آخرت میں اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔

پیغام

۱۔ انفاق فی سبیل اللہ سے غریب انسان کا صرف پیٹ ہی بھرنا انفاق کرنے والے شخص کی روحانی اصلاح بھی ہوتی ہے اور اسے رُشدِ معنوی بھی حاصل ہوتی ہے۔ ''اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا ''

۲۔ انسان کی نیت اور اس کی باطنی کیفیت پر ہی اعمال کی قدر و قیمت کا انحصار ہے منافقین کا باطن خباثت سے بھرا ہوا ہے وہ مسلمانوں کی کامیابی پر رنجیدہ ہوتے ہیں اور ان کی تکلیف پر خوشیاں مناتے ہیں اسی خباثتِ باطنی کی وجہ سے ان کے اعمال بے فائدہ ہیں۔ ''اَنۡفِقُوۡا ... لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ ''

۳۔ منافقین کی ظاہری خدمات کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ''اَنۡفِقُوۡا ... لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ ''

۴۔ ہمیں مدد لینے کے لئے محتاط ہونا چاہئے اور ہر کس و ناکس کی مدد قبول نہیں کرنی چاہئے۔ ''لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ مِنۡكُمۡ ''

۵۔ تقویٰ اور دل کی پاکیزگی قبولیتِ اعمال کی اہم شرط ہے اور سیاسی اجتماعی، عبادی اور اخلاقی مسائل ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ '' لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ .. كُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ۝۵۳ ''

۶ نفاق قبولیتِ اعمال میں بڑی رکاوٹ ہے۔ ''اِنَّكُمۡ ... فٰسِقِيۡنَ۝۵۳ ''

آیت نمبر ۵۴

وَمَا مَنَعَهُمۡ اَنۡ تُقۡبَلَ مِنۡهُمۡ نَفَقٰتُهُمۡ اِلَّاۤ اَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوۡلِهٖ وَلَا يَاۡتُوۡنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمۡ كُسَالٰى وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ۝۵۴

ترجمۃ الآیات

اور ان کے خرچ کئے ہوئے مال کی قبولیت میں بس یہی رکاوٹ ہے۔ کہ انہوں نے اللہ اور

اس کے رسول کا انکار کیا ہے اور نماز کے لئے آتے ہیں تو کاہلی کے ساتھ اور راہِ خدا میں بادلِ نخواستہ ہی خرچ کرتے ہیں۔(۵۴)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر بالغرض منافق اللہ کی راہ میں خوش دلی سے خرچ کریں یا بادل نخواستہ خرچ کریں۔ان کا خرچ کرنا قابلِ قبول نہیں ہے۔جبکہ اس آیت میں صورت واقعی کو بیان کیا گیا ہے کہ منافقین اگر کبھی انفاق فی سبیل اللہ کریں بھی تو بھی وہ بادل نخواستہ ایسا کرتے ہیں۔وہ کبھی بھی خوشدلی سے خدا کی راہ میں کچھ خرچ نہیں کرتے۔

☆ اسلامی حکومت کے پاس خمس، زکوٰۃ، صدقات، اور انفاقات کی جو رقم جمع ہوتی ہے۔وہ حسبِ ذیل خصوصیت کی حامل ہوتی ہے۔

۱۔لوگ اپنے ارادہ وانتخاب اور دینی وجدان کی بنیاد پر رقم جمع کراتے ہیں۔

۲۔مخیر افراد کسی خوف کے بغیر قربت الٰہی کے جذبہ سے رقم جمع کراتے ہیں۔

۳۔وہ اپنے عطیات کو ذخیرہ آخرت کا درجہ دیتے ہیں۔

۴۔مخیر افراد مال لینے والے کو عالم عادل سمجھتے ہیں۔

۵۔مخیر افراد اپنے عطیات کے مصارف پر نظر رکھتے ہیں۔

۶۔مخیر افراد رقم حاصل کرنے والے کے لئے سادہ زندگی کو شرط سمجھتے ہیں اور عطیات جمع کرانے کے بعد خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔

پیغام:

۱۔کفر، کاہلی اور سستی کے تحت بجا لائے گئے اعمال ناقابلِ قبول ہیں۔''وَمَا مَنَعَهُمۡ اَنۡ تُقۡبَلَ مِنۡهُمۡ نَفَقٰتُهُمۡ''

۲۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر منافقین کو کافر کہا ہے۔''اَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا''

۳۔جنگ تبوک سے تخلف کرنے والے اگرچہ بظاہر مسلمان تھے لیکن اندرونی طور پر کافر تھے۔''اَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا''

۴۔اعمال کی قدر وقیمت نیت، خوش اور عشق سے ہے۔نیت عمل کا اہم ترین محرک ہوتی ہے جبکہ طبیعی حرکات کو یہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔انسانی اعمال میں نیت کے کردار کو اس واقع سے سمجھیں۔عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے بدکاری کی نیت سے تمام دروازے اپنے ہاتھ سے بند کئے۔پھر اس نے یوسفؑ سے فعلِ حرام کا تقاضا کیا۔یوسفؑ اس شر سے بچنے کے لئے دوڑے اور زلیخا انہیں پکڑنے کے لئے ان کے پیچھے دوڑی ظاہری طور پر دونوں دوڑ رہے تھے۔لیکن ان میں سے ہر ایک کی نیت جدا

تھی۔ یوسفؑ گناہ سے بچنے کے لئے دوڑ رہے تھے جبکہ زلیخا گناہ کی نیت سے دوڑ رہی تھی۔ ''کُسَالٰی ... کٰرِھُوْنَ''

۵۔اسلام انفاق کے ذریعہ سے رشد ومعنوی کا متقاضی ہے۔کیونکہ منافقین کے انفاق سے چند افراد کی شکم سیری ہوسکتی تھی لیکن خرچ کرنے والوں کو معنوی رشد حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔''کَفَرُوْا بِاللّٰهِ ..وَهُمْ كٰرِهُوْنَ۝۵۴''

۶۔کسالت کے ساتھ نماز پڑھنا اور بادل نخواستہ راہِ خدا میں خرچ کرنا منافقت کی علامت ہے۔''كٰرِهُوْنَ۝۵۴''

آیت نمبر ۵۵

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ۝۵۵

ترجمۃ الآیات

منافقین کے اموال اور اولاد کہیں آپ کو فریفتہ نہ کردیں۔اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ انہیں اس وسیلہ سے دنیاوی زندگی میں عذاب دے اور جب ان کی جان نکلے تو کفر کی حالت میں ہی نکلے۔(۵۵)

نکات:

☆تَزْهَقَ کا معنی ہے۔حسرت وافسوس کے ساتھ نکلنا۔

☆ نبی اکرمؐ منافقین کے اموال واولاد سے ہرگز متاثر ہونے والے نہیں تھے۔آیت میں احتیاطی طور پر یہ حکم دیا گیا ہے۔

☆ نہج البلاغہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے موت کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا۔

''مرنے کے وقت جو چیز اس کے سامنے کھل کر آئی تو وہ ندامت سے ہاتھ کاٹنے لگا اور عمر بھر جن چیزوں کا طلبگار رہا تھا اب ان سے کنارہ ڈھونڈتا اور یہ تمنا کرتا ہے کہ جو اس مال کی وجہ سے اس پر رشک وحسد کیا کرتے تھے (کاش کہ) وہی اس مال کو سمیٹتے نہ وہ اب موت کے تصرفات اس کے جسم میں اور بڑھے یہاں تک کہ زبان کے ساتھ ساتھ کانوں پر بھی موت چھا گئی۔گھر والوں کے سامنے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ زبان سے بول سکتا ہے اور نہ کانوں سے سن سکتا ہے۔آنکھیں گھما گھما کر ان چہروں کو تکتا ہے اور ان کی زبان کی جنبشوں کو دیکھتا ہے۔لیکن بات چیت کی آوازیں نہیں سن پاتا۔پھر اس سے موت

لپٹ گئی کہ اس کی آنکھوں کو بند کر دیا جس طرح سے اس کے کانوں کو بند کیا تھا۔ اور روح اس کے جسم سے مفارقت کر گئی۔ اب وہ اپنے گھر والوں کے سامنے مردار کی طرح پڑا ہوا ہے۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۰۷ سے اقتباس

☆ دولت بچند وُجوہ انسان کے لئے عذاب کا باعث بنتی ہے۔

۱۔ دولت کے لئے سخت جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔

۲۔ دولت کو چوری، جلنے اور حاسد افراد سے بچانے کے انتظامات کرنا پڑتے ہیں۔

۳۔ موت کے وقت دولت چھوڑ کر خالی ہاتھ روانہ ہونا پڑتا ہے۔

۴۔ قیامت کے دن دولت کے متعلق دو سوالوں کا جواب دینا پڑے گا کہ یہ دولت کہاں سے کمائی تھی؟ اور اسے کہاں خرچ کیا تھا؟

پیغام:

۱۔ زمانہ پیغمبر کے اہل ایمان منافقین کی بہ نسبت مالی طور پر کمزور تھے۔ ''فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ''

۲۔ بہت سی ظاہری نعمات ایسی بھی ہیں جو حقیقت میں مصیبت ہیں۔ اور اکثر اوقات رزق کی فراوانی، بدبختی کا ذریعہ ثابت ہوتی ہیں۔ ''لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا''

۳۔ خدا کی سنت ہے کہ وہ دولت مند منافقین کو ذلیل کرتا ہے۔ ''لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا''

۴۔ عذاب الٰہی صرف آخرت کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ دنیا میں بھی خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے۔ ''فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا''

۵۔ موت جسم و جان کی جدائی کا نام ہے۔ فنائے مطلق کا نام نہیں ہے۔ ''تَزْهَقَ''

۶۔ منافق کی جان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اس کے لئے کوئی خصوصی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ ''تَزْهَقَ''

۷۔ دولت مند منافق کی جان بڑی مشکل سے نکلتی ہے۔ ''وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ''

۸۔ منافقین کی مال و دولت اور ان کی اولاد ان کے کافر ہو کر مرنے کی زمین ہموار کرتے ہیں۔ ''فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ ... وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴿۵۵﴾''

۹۔ معاملات کے انجام پر نظر رکھنی چاہئے ظاہری چکاچوند پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ''فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ ... وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴿۵۵﴾''

آیت نمبر ۵۶

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ﴿۵۶﴾

ترجمۃ الآیات

منافقین خدا کی قسمیں کھا کر (تمھیں یقین دلاتے ہیں) کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں جبکہ وہ جھوٹے ہیں وہ تم میں سے نہیں ہیں۔ وہ ایسا گروہ ہیں جو (تم سے) ڈرتے ہیں۔ (ان کے دل اور زبان میں تضاد پایا جاتا ہے۔) (۵۶)

نکات:

"يَفْرَقُوْنَ" سخت خوف رکھتے ہیں کے معنی میں ہے۔ ان کے دل خوف سے لرزتے رہتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ جھوٹی قسم منافقین کا ہتھیار ہے۔ "يَحْلِفُوْنَ"

۲۔ منافق کی توبہ کی قبولیت اور اس کے دعویٰ کو تسلیم کرنے میں جلدی نہ کریں کیونکہ وہ پیشہ ور جھوٹے ہیں۔ "وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ"

۳۔ منافقین کی نشاندہی ضروری ہے۔ "وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ"

۴۔ منافق کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ بزدل اور ڈرپوک ہوتا ہے۔ "قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ﴿۵۶﴾"

آیت نمبر ۵۷

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ﴿۵۷﴾

ترجمۃ الآیات

اگر انہیں (منافقین) کوکوئی پناہ گاہ یا غار یا بھاگنے کی کوئی جگہ میسر آجائے تو وہ اس کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ (۵۷)

نکات:

''مَلۡجَاً'' پناہ گاہ ''مَغٰرٰتٍ''(مَغَارۃ) کی جمع ہے جو کہ غار کو معنی میں ہے ''مُدَّخَلًا'' پوشیدہ راستے اور سرنگ کو کہا جاتا ہے۔ لفظ ''یَجۡمَحُوۡنَ'' کا مصدر ''جماح'' ہے جس کے معنی میں کہ کوئی ایسی تیزی سے دوڑ کر جائے کہ اسے پکڑنا مشکل ہو اسی لئے تیز رفتار گھوڑے کو ''جُمُوۡح'' کہا جاتا ہے۔

☆ منافقین کے اظہار ایمان کی وجہ خوف ہے یا مال و منصب حاصل کرنے کی آرزو ہے اس آیت مجیدہ میں پہلے گروہ کی نشان دہی کی گئی ہے۔ (تفسیر اطیب البیان)

پیغام:

۱۔ منافق موجودہ صورتِ حال سے پریشان اور گھبرایا رہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح سے اس صورتِ حال سے نجات پائے۔ ''لَوۡ یَجِدُوۡنَ۔''

۲۔ اسلامی معاشرے کا ماحول منافقین کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔ لَوۡ یَجِدُوۡنَ (منافقین بے قید و بند زندگی چاہتے ہیں مسلمانوں کے ساتھ انہیں مجبور ہو کر زندگی بسر کرنی پڑتی ہے)

۳۔ اسلامی معاشرے میں منافقین مال و دولت اور اولاد رکھنے کے باوجود بھی اپنے آپ کو رنج و اذیت میں مبتلا سمجھتے ہیں اور یہ ان کے دنیاوی عذاب کا ایک نمونہ ہے اس سے دو آیات پہلے کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لِیُعَذِّبَہُمۡ اللہ اس ذریعے سے انہیں دنیاوی زندگی میں عذاب دینا چاہتا ہے جب کہ اس آیت میں ارشاد فرمایا۔ ''لَوۡ یَجِدُوۡنَ''

۴۔ منافق جنگ اور اہلِ ایمان سے گریز میں بڑے تیز رفتار ہوتے ہیں۔ ''یَجۡمَحُوۡنَ﴿۵۷﴾''

آیت نمبر ۵۸

وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّلۡمِزُکَ فِی الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡہَا رَضُوۡا وَاِنۡ

لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ﴿۵۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور کچھ منافق ایسے ہیں جو صدقات (تقسیم زکوٰۃ) کے متعلق آپ پر عیب گیری کرتے ہیں اور اگر اس (مال) میں سے انہیں کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں (اور آپ کو عادل شمار کرتے ہیں) اور اگر انہیں کچھ نہ دیا جائے تو وہ اچانک ناراض ہو جاتے ہیں (اور وہ آپ پر ناانصافی کی تہمت لگاتے ہیں۔) (۵۸)

نکات:

☆ کسی کے روبرو ہو کر عیب لگانے کو ''لمز'' کہا جاتا ہے اور پسِ پشت عیب جوئی کو ''ھمز'' کہا جاتا ہے۔

☆ جنگ حنین سے حاصل شدہ مال غنیمت کی تقسیم پر ایک شخص نے آپ پر اعتراض کرتے ہوئے یہ کہا تھا ''محمدؐ'' عدالت کر۔

یہی شخص بعد میں خوارج کا رہبر بنا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ بھلا مجھ سے بڑا عادل اور کون ہو سکتا ہے؟

حضرت عمرؓ نے اس کی اس گستاخی اور جسارت کی وجہ سے اسے قتل کرنا چاہا تھا اس پر رسول خداؐ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اس کے ایسے پیروکار ہوں گے جو اتنا زیادہ عبادت کریں گے۔ کہ تم اپنی عبادات کو ان کی عبادت کے سامنے حقیر تصور کرو گے۔ (آپ نے یہ اشارہ ان کی خشک اور ولایت سے خالی عبادت کی طرف کیا تھا)۔ اور اپنی تمام تر عبادت کے باوجود وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسا کہ تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

وہی اعتراض کرنے والا شخص جنگ نہروان میں حضرت علیؑ کے ہاتھوں سے واصل جہنم ہوا تھا۔

پیغام:

۱۔ منافق اتنا بڑا منہ پھٹ ہوتا ہے کہ رسولِ خدا کی ذات بھی اس کے نیش زنی سے محفوظ نہیں ہوتی۔ ''يَلْمِزُكَ''

۲۔ منافقین کے تند و تیز حملوں کا نشانہ رہبر ہوتا ہے۔ ''يَلْمِزُكَ''

۳۔ رسولِ اکرمؐ کے تمام اصحاب عادل نہیں تھے وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُ لہٰذا ''اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عَدُوْلٌ'' کہ تمام صحابہ عادل ہیں کا نظریہ خلاف قرآن ہے۔ ''وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ''

۴۔ نظام اسلامی کے ذمہ دار افراد کو منافقین کی عیب جوئی سے متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ ''وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ''

۵۔ اموال عمومی کی تقسیم اتنی حساس ہے کہ کبھی رسولِ خداؐ پر بھی بے عدالتی کی تہمت لگائی گئی ہے۔ ''يَّلْمِزُكَ فِي

الصَّدَقٰتِ''

۶۔ کچھ انحرافات کا آغاز رہبر کی بے ادبی سے ہوتا ہے۔ اور اس ناجائز جسارت کا سرچشمہ خودخواہی ہوتا ہے جیسا کہ شانِ نزول سے واضح ہوتا ہے

۷۔ بعض اوقات اعتراضات کا سرچشمہ ذاتی منفعت ہوتی ہے نہ کہ ہمدردی۔ ''فَاِنۡ اُعۡطُوۡا''

۸۔ اسلامی معاشرے میں مالیات واقتصادیات کی پالیسی براہِ راست رسولِ خدا کے ہاتھ ہوتی ہے یا پھر رہبر کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ ''فَاِنۡ اُعۡطُوۡا''

۹۔ منافق اپنے حق پر قناعت نہیں کرتا وہ ہمیشہ خودخواہی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اور غیر معقول ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ ''فَاِنۡ اُعۡطُوۡا''

۱۰۔ کچھ لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ اگر ان کے ذاتی مفادات پورے نہ ہوں تو وہ کینہ اور دشمنی اور ناحق الزامات پر اتر آتے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ کا فرمان ہے کہ دو تہائی افراد ایسے ہی ہوتے ہیں۔ (الکافی جلد ۲۔ ۲۲۴) وَاِنۡ لَّمۡ یُعۡطَوۡا (جی ہاں کچھ غلط تجزیے اندرونی محرکات کا نتیجہ ہوتے ہیں)۔

آیت نمبر ۵۹

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۙ وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ سَيُؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَرَسُوۡلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوۡنَ ﴿۵۹﴾

ترجمۃ الآیات

جو کچھ انہیں خدا اور خدا کے رسول نے دیا ہے اگر وہ اس پر راضی ہوجاتے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ (اللہ کی عطاء) ہمارے لئے کافی ہے اور عنقریب خدا اور اس کا رسول اپنے فضل سے ہمیں عطا کریں گے اور اپنے اللہ سے رغبت رکھتے ہیں اور اسی سے امید وابستہ رکھتے ہیں (اگر وہ ایسا کہتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا)۔ (۵۹)

نکات:

اس آیت میں چار مراحل کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۔اللہ کی تقدیر کے سامنے تسلیم ورضا کا مظاہرہ کرنا۔''رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ''

۲۔اس تسلیم ورضا کا زبان سے اظہار کرنا۔''قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ۔''

۳۔خدا کے فضل وکرم کی اُمید رکھنا۔''سَيُؤْتِيْنَا ...''

۴۔دنیا سے بے توجہی اور خدا سے اُمیدیں وابستہ رکھنا۔''اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۝۵۹''

پیغام

۱۔منافق نہ تو خدا سے اور نہ ہی اس کے تقدیر سے راضی ہوتے ہیں۔وَلَوْ''

۲۔بیت المال کی تقسیم اور مالی معاملات خدا، رسول اور امت اسلامی کے رہبر سے مربوط ہیں۔''اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ''

۳۔صرف مالی پریشانیوں پر ہی نظر نہیں رکھنی چاہئے روشن مستقبل کی بھی اُمید کرنی چاہئے۔''سَيُؤْتِيْنَا''

۴۔اللہ کے یقینی وعدوں اور نعمات بہشت پر یقین رکھنے سے دنیا کی تلخ زندگی بھی شیریں محسوس ہوتی ہے۔''سَيُؤْتِيْنَا''

۵۔خدا ہمارا مقروض نہیں ہے وہ ہمیں جو کچھ بھی عطا کرتا ہے وہ خالصتاً اس کا کرم اور فضل ہے۔''فَضْلِه''

۶۔اللہ کی مہربانیاں انبیاء اور اولیاء کی معرفت ہم تک پہنچی ہیں۔''فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُه''

۷۔خدا کی محبت، صبر ورضا اور قناعت کے لئے زمین ہموار کرتی ہے۔''اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۝۵۹''

آیت نمبر ۶۰

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۝۶۰

ترجمۃ الآیات

صدقات، زکوۃ ضرورت مندوں اور مساکین اور صدقات کے کام کرنے والوں کے لئے

ہیں اور ان کیلئے جن کی تالیفِ قلب مقصود ہو اور غلاموں کی آزادی اور قرض داروں کی بحالی اور اللہ کی راہ میں اور ان مسافروں کے لئے ہیں جن کا رستے میں زادِ راہ ختم ہو گیا ہو یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حکم ہے اللہ خوب جاننے والا اور صاحبِ حکمت ہے۔(۶۰)

نکات:

☆لفظ ''صدقہ،،اور صِداق''لفظ''صِدق'' سے بنے ہیں اور صدق سچائی کو کہتے ہیں اور صدقہ کو اس لئے صدقہ کہتے ہیں کہ اس سے ایمان باللہ کی صداقت ظاہر ہوتی ہے اور حق مہر کو عربی زبان میں ''صِداق'' بھی کہا جاتا ہے۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مہر کی وہ رقم شوہر کی طرف سے اپنی بیوی سے محبت کی صداقت کی علامت ہوتی ہے۔

☆اس آیت میں ''صدقہ'' سے واجب زکوٰۃ مراد ہے۔

☆''فقیر'' کا لفظ''فقر''مصدر سے بنا ہے اور اسی سے لفظ''فقار'' بنتا ہے اور''فقار'' کمر کے مہروں کو کہا جاتا ہے لہٰذا فقیر وہ ہے کہ افلاس نے جس کی کمر توڑ دی ہو۔

☆''مسکین'' کا لفظ''مسکن'' سے لیا گیا ہے اس لفظ سے ایسا مفلس شخص مراد ہے جو غربت وافلاس کی وجہ سے خانہ نشین ہو چکا ہو بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ فقیر اس نادار کو کہتے ہیں جو لوگوں سے نہیں مانگتا لیکن''مسکین'' وہ شخص ہے جو اپنے افلاس کی وجہ سے لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہو۔(تفسیر المیزان)

عرض مترجم:

بندہ کو لفظ مسکین کی تعریف سے اختلاف ہے قصہ موسیٰؑ وخضرؑ بیان کرتے ہوئے قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ حضرت خضرؑ نے کشتی کو توڑنے اور عیب دار بنانے کی یہ توجیہ پیش کی تھی اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ (کہف۔۷۹) وہ کشتی کچھ مساکین کی تھی جو سمندر میں محنت کرتے تھے کشتی کے مالکوں کو بھی ''مسکین'' کہا گیا ہے جب کہ وہ نہ تو خانہ نشین تھے اور نہ ہی بھیک مانگتے تھے لہٰذا مسکین کی درج بالا تعریف صحیح نہیں ہے۔(من المترجم عفی عنہ)

☆سابقہ آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ منافقین نے رسولِ خدا کے تقسیم اموال پر اعتراض کیا تھا يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مصارفِ زکوٰۃ بیان کئے ہیں اور واضح کیا ہے کہ ان آٹھ مصارف کے علاوہ زکوٰۃ کو اور کہیں خرچ نہیں کیا جا سکتا۔

☆اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ منافقین مالدار ہوتے ہوئے بھی مال زکوٰۃ پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔

☆الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا عاملین زکوٰۃ کی تنخواہ اور اجرت زکوٰۃ فنڈ سے ادا کی جائے گی اور عاملین زکوٰۃ وہ ہیں جو زکوٰۃ جمع کرتے ہیں اور اسکا حساب رکھتے ہیں اور زکوٰۃ کی جمع آوری کے لئے زحمتیں اُٹھاتے ہیں۔

مُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُ۔ وہ ہیں جن کے پاس اسلام کی طرف جھکاؤ کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہوتا اور زکوٰۃ کی کچھ رقم دے کر ان کے لئے ایمانی راستے کو ہموار کیا جاتا ہے یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس طرح سے لوگوں کو رقم دے کر مسلمان بنایا جارہا ہے اس سے صرف ایمان کے ادراک کی راہ ہموار کی جاتی ہے (یتالفھم و یعلمھم کی ما یعرفوا۔۔۔۔)

اس کا مقصد تعلیم و معرفت کے لئے الفت کا ایجاد کرنا ہے۔

الغارمین:

مصارف زکوٰۃ میں سے یہ بھی ایک مصرف ہے اس سے مراد ایسے مقروض ہیں جو کسی کوتاہی کے بغیر قرض کے زیرِ بار ہوجائیں مثلاً جو لوگ آتش زدگی، سیلاب، یا کشتی کے ڈوبنے یا کسی اور قدرتی آفات کا شکار بن کر اپنا سرمایہ کھو بیٹھیں اور مقروض ہوجائیں ایسے لوگوں کا قرض ادا کرنے کے لئے انہیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے۔"ایما مومن او مسلم مات و ترك دینا و لم فی فساد ولا اسراف فعلی الامام ان یقضیه" (تفسیر کنز الدقائق) جب کوئی ایسا مسلم یا مومن مرجائے اور وہ مقروض ہو اور یہ قرضہ برائیوں میں خرچ کرنے اور فضول خرچی کی وجہ سے نہ ہو تو امام حاکم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قرض کو ادا کرے۔

☆ فی سبیل اللہ اس سے وہ تمام کام مراد ہیں جن سے خدا خوش ہوتا ہے اور اس میں دینی تبلیغات اور رفاہِ عامہ کے ایسے کام شامل ہیں جن سے مسلمانوں کی مشکلات کو کم کیا جاسکتا ہو اکثر تفاسیر میں اس سے جہاد مراد لیا گیا ہے۔

☆ابنِ السبیل" سے وہ مسافر مراد ہے جو اپنے وطن میں خوشحال ہو لیکن سفر میں اس کا زادِ راہ ختم ہوگیا ہو۔

زکوٰۃ:

زکوٰۃ کا حکم مکہ میں نازل ہوا تھا لیکن مکہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور ان کی اکثریت انتہائی مفلس افراد پر مشتمل تھی اس لئے صاحبانِ نصاب خود اپنی طرف سے زکوٰۃ دیا کرتے تھے اور ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت قائم ہوئی تو زکوٰۃ کا باقاعدہ محکمہ بنا دیا گیا اور عاملین زکوٰۃ مقرر کئے گئے اور باقاعدہ بیت المال قائم کیا گیا۔ جو کہ براہِ راست حاکمِ اسلام کے کنٹرول میں تھا۔ خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً (توبہ۔ ۱۰۳) آپ ان کے اموال سے صدقہ وصول کریں۔

☆ زکوٰۃ صرف اسلام سے مخصوص نہیں ہے۔ سابقہ ادیان میں بھی زکوٰۃ کا حکم موجود تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں یہ الفاظ فرمائے تھے۔ اَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ (مریم۔ ۳۲) خدا نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں فرمایا۔ وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ (البقرہ۔ ۴۳) نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

جملہ انبیائے کرامؑ کے متعلق ہم یہ پڑھتے ہیں۔وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۤءَ الزَّكٰوةِ (انبیاء۔۷۳)

☆اور ہم نے انہیں رہنما مقرر کیا جو کہ ہمارے فرمان کے مطابق ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیکیاں بجالانے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی کی تھی۔

☆قرآن کریم میں زکوٰۃ کو حسبِ ذیل چار قسم کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۱ ۔وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى (البقرہ ۔۱۷۷) خدا کی محبت میں رشتہ داروں کو مال عطا کرے۔

۲۔صدقہ۔ارشادِ خداوندی ہے۔خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (توبہ۔ ۱۰۳)

ان کے اموال سے صدقہ وصول کریں۔

۳۔انفاق ۔يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا (ابراہیم ۔۳۱) نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

۴۔زکوٰۃ ۔يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (المائدہ ۔۵۵) نماز قائم کرتے ہیں ۔اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

☆قرآن حکیم میں اکثر مقامات پر زکوٰۃ کو صلاۃ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور روایات میں بیان ہوا ہے کہ نماز کی قبولیت کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی شرط ہے۔نماز سے انسان کا خدا سے رابطہ ہوتا ہے اور زکوٰۃ سے عوام الناس کے ساتھ رابطہ قائم ہوتا ہے قرآن میں نماز کے ساتھ جتنی بار زکوٰۃ کو بیان کیا گیا ہے اتنا اور کسی اسلامی فریضہ کو بیان نہیں کیا گیا۔

☆سادات پر زکوٰۃ حرام ہے بنی ہاشم کے ایک گروہ نے رسولِ خداؐ سے درخواست کی تھی کہ انہیں جانوروں کی زکوٰۃ حاصل کرنے کے لئے عامل زکوٰۃ مقرر کیا جائے تا کہ عاملین زکوٰۃ کی تنخواہ وصول کرسکیں۔رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ مجھ پر اور تم پر زکوٰۃ حرام ہے۔(تفسیرِ نور الثقلین۔الکافی ۵۸۔۴) البتہ سید دوسرے سید کی زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

☆زکوٰۃ کے قانون کو اس لئے فرض نہیں کیا گیا کہ اس سے کچھ دولت مندوں سے تھوڑی سے دولت حاصل کر کے مفلس افراد کو شدید غربت سے بچایا جائے۔اس کے برعکس زکوٰۃ معاشرتی اور اجتماعی مسائل کا حل ہے۔مالی امداد کی ضرورت معاشرے کے تمام افراد کو پڑسکتی ہے۔ایک مفلس تو ویسے ہی مالی امداد کا حق دار ہوتا ہے بعض اوقات ثروت مند افراد بھی چوری ،ڈاکہ زنی، آگ اور سیلاب جیسی آفات کی وجہ سے مالی امداد کے مستحق قرار پاتے ہیں۔اسی لئے اسلام نے اپنے پاس زکوٰۃ کا نظام رکھا ہے۔کہ ہر ضرورت مند کی اس سے امداد کی جاسکے۔

☆کچھ روایات میں بیان کیا گیا ہے۔کہ اللہ نے غرباء کی مالی ضروریات کو مدِ نظر رکھ کر زکوٰۃ مقرر کی ہے۔اور اگر غرباء کی ضروریات زیادہ ہوتیں۔تو اللہ زکوٰۃ کا حصہ بڑھا دیتا۔اور اگر لوگ دیانت داری سے زکوٰۃ دینے لگ جائیں تو

معاشرے میں کوئی مفلس نہ رہے۔ اگر اغنیاء زکوٰۃ ادا کرتے تو کوئی بھی فقیر دکھائی نہ دیتا۔ (الوسائل جلد۔ ۴۔ ۶)

☆ کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام دولت کے لئے ایک حد مقرر کرتا ہے۔ جب کہ ایسا نہیں ہے۔ اسلام دولت کی حد بندی نہیں کرتا اس کا صرف یہی پیغام ہے۔ کہ دولت سے غریبوں کو حصہ ملنا چاہئے۔

☆ ''فی سبیل اللہ'' کے مصرف کے لئے فقر شرط نہیں ہے جہاں بھی اسلام کی حاکمیت کو مدد ملتی ہو خرچ کیا جاسکتا ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

☆ معاشرہ کو شریر افراد کے شر سے بچانے کے لئے بھی زکوٰۃ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ عمل ''وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ'' کے مصرف میں شمار کیا جائے گا۔ تفسیر روح المعانی

☆ اگر کسی شخص کے ذمہ دیت خون بہا ہو اور وہ اسے ادا کرنے سے قاصر ہو تو اس کی بھی مالی زکوٰۃ سے امداد کی جاسکتی ہے۔ (تفسیر مراغی) اور یہ مصرف وَالْمُؤَلَّفَةِ کے ضمن میں شمار کیا جائے گا۔

(فِي الرِّقَابِ) کے مصرف کے تحت شاید قیدیوں کو چھڑانا یا ان کے گھروں کی دیکھ بھال کرنا بھی شامل ہے۔

☆ مذکورہ بالا آٹھ مصارف زکوٰۃ میں زکوٰۃ کو برابر تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ حاکمِ اسلامی کی صوابدید پر موقوف ہے وہ ضرورت و احتیاج کے تحت تقسیم کرنے کا حق رکھتا ہے۔

☆ زکوٰۃ سے ثروت میں اعتدال پیدا ہوتا ہے

☆ زکوٰۃ خدا کی عطا کردہ دولت کا عملی شکر ہے۔

☆ زکوٰۃ سے امیر غریب کے طبقاتی فاصلوں میں کمی واقع ہوتی ہے اور غریبوں اور امیروں میں پایا جانے والا کینہ بھی کم ہوتا ہے۔

زکوٰۃ سے انسان میں سخاوت اور رحمدلی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور دنیا طلبی اور مادیات سے وابستگی میں کمی واقع ہوتی ہے۔

زکوٰۃ سے محروم افراد کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اس سے فقیر کو پیغام ملتا ہے کہ پریشان نہ ہو زکوٰۃ سے مسکین کو پیغام ملتا ہے اور زیادہ محنت کرو۔ اور مسافر کو پیغام ملتا ہے کہ راستے میں بے زاد ہونے سے نہ گھبراؤ۔ اور عاملین زکوٰۃ کو پیغام ملتا ہے کہ تیرا حصہ محفوظ ہے اور غلامی کی چکی میں پسنے والوں کو یہ پیغام ملتا ہے کہ تیری آزادی کا انتظام ہو رہا ہے اور اس سے الٰہی خدمات کے بازار کو رونق ملتی ہے اور اغیار کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جاسکتا ہے۔

یادِ خدا سے غفلت اور لوگوں سے کنارہ کشی، اور نفرت کا منبع سنگدلی، عیاشی اور کثرت طلبی اور ثروت اندوزی ہے جب کہ زکوٰۃ اس بیماری کا علاج ہے۔ زکوٰۃ سے جہاں محرومیاں ختم ہوتی ہیں وہاں اسلام سے محبت پیدا بھی ہوتی ہے اگر محبت پیدا نہ بھی ہو تو کم از کم انسان دشمنانِ اسلام سے تعاون سے باز آجاتا ہے جیسا کہ روایات میں منقول ہے کہ کبھی کچھ افراد کمزور ایمان

رکھنے والے ہوتے ہیں اور مالی امداد سے وہ لوگ اسلام کے قریب آسکتے ہیں اور ان کے ایمان میں مضبوطی پیدا ہوسکتی ہے (تفسیر نور الثقلین)

زکوٰۃ نظام اسلام کا مظہر ہے اس سے عدالت اجتماعی، فقر کا خاتمہ، کارکنوں کا معاش، بین الاقوامی محبوبیت، غلاموں کی آزادی، کو یقینی بنایا جاسکتا ہے اس سے مسلمانوں کے آئین و قانون کی حفاظت ہوتی ہے اور عمومی خدمات میں توسیع پیدا ہوتی ہے۔

پیغام:

۱۔ زکوٰۃ اظہار ایمان کی صداقت کی دلیل ہے۔ ''اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ ''

۲۔ زکوٰۃ کی تقسیم وحی کی بنیاد پر ہے اس میں ذاتی صوابدید کا عمل دخل نہیں ہے منافقین کی عیب جوئی کے جواب میں فرمایا: ''اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَ۔۔۔ ''

۳۔ اس آیت میں بیان کردہ آٹھ مصارف کے علاوہ زکوٰۃ کو اور کسی مد میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ ''اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ ۔۔۔''

۴۔ عدالت اجتماعی کا قیام جبھی ممکن ہے جب لوگ فکر معاش سے آزاد ہوں اور محروم طبقات کی کفالت ہورہی ہو۔ ''اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ ''

۵۔ انسان اپنی پوری کمائی کا خود مالک نہیں ہے دوسرے بھی اس میں حصہ دار ہیں۔ ''لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰکِیۡنِ ''

۶۔ زکوٰۃ دینے والوں کو غریبوں پر احسان نہیں جتلانا چاہیئے کیونکہ زکوٰۃ خود غرباء کی ملکیت ہے۔ ''لِلۡفُقَرَآءِ ''

۷۔ نظام اِسلامی میں اِفلاس سے متاثرہ افراد کی خبر گیری بنیادی فریضہ ہے فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ اور اس فرض کی ابتداء لِلۡفُقَرَآءِ سے کی گئی ہے دوسرے مصارف بعد میں بیان کئے گئے ہیں

۸۔ جو لوگ اسلامی فرض کی بجا آوری میں مصروف ہوں ان کی معاشی کفالت ریاست کی ذمہ داری ہے۔ ''وَالۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡہَا ''

۹۔ ہر کام کی کچھ نہ کچھ قدر قیمت ہوتی ہے اور کام کرنے والے کو اس کی اجرت ضرور ملنی چاہیئے خواہ وہ ضرورتمند ہو یا دولتمند ہو۔ ''وَالۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡہَا ''

۱۰۔ قاضی کو معقول تنخواہ ملنی چاہیئے تاکہ رشوت سے محفوظ رہے اور اسی طرح عاملین زکوٰۃ کو بھی معقول تنخواہ ملنی چاہیئے تاکہ مال زکوٰۃ میں خیانت نہ کریں۔ ''وَالۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡہَا ''

۱۱۔ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ عاملین زکوٰۃ کا تقرر کرے۔ ''وَالۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡہَا ''

۱۲۔ مادی اور معنوی مسائل ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ ''وَالۡمُؤَلَّفَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ ''

۱۳۔جھوٹے استعمار گروں کے برعکس اسلام معاشرے کی مشکلات کو حل کرتا ہے اور دور رہنے والوں کو اپنے حسن عمل سے قریب لاتا ہے اور دلیل و برہان کے تحت اپنے نظریات کو توسیع دیتا ہے وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ''

۱۴۔اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ دولت سے لوگوں کے دلوں کو اپنی جانب مبذول کرے۔''وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ''

۱۵۔اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لئے اپنے بجٹ میں اس کا حصہ مقرر کیا ہے۔''وَفِي الرِّقَابِ''

۱۶۔مال زکوٰۃ کی جمع آوری کا خرچہ حکومت کو برداشت نہیں کرنا پڑتا بلکہ وہ خرچ زکوٰۃ فنڈ سے ہی ادا کیا جاتا ہے۔'' وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا''

۱۷۔حکومت اسلامی کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے مستحقین میں تقسیم کرے تاکہ مستحقین کو خود دولت مندوں کے دروازوں پر نہ جانا پڑے اور ان میں احساس کمتری پیدا نہ ہو جیسا کہ ایک اور آیت میں خداوند عالم نے فرمایا'' وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا''

۱۸۔جہاد اور اسلامی سرزمین کے دفاع کے لئے زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے دفاع کا خرچ براہِ راست عوام پر عائد ہوتا ہے۔''وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

۱۹۔دولت کو قرب خداوندی کا ذریعہ بننا چاہئے۔''وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

۲۰۔اسلام نے سیاحت وتجارت کے سفر میں زکوٰۃ کا حصہ مقرر کر کے سیاحت کی حوصلہ افزائی کی ہے۔''وَابْنِ السَّبِيْلِ''

۲۱۔زکوٰۃ کا قانون علم و حکمت کی اساس پر وضع کیا گیاہے۔'' اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ...فَرِيْضَةً...عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰''

۲۲۔اسلام صرف عبادت کا دین ہی نہیں اسلام کے دامن میں اقتصادی قوانین بھی موجود ہیں۔''فَرِيْضَةً''

آیت نمبر ۶۱

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۱

ترجمۃ الآیات

اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو نبی کو اذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو نرے کان ہیں (وہ ہر شخص کی باتیں سن کر اس پر اعتماد کر لیتے ہیں) آپ کہہ دیں کہ اس کا کان لگا کر سننا تمہارے فائدہ میں ہے۔ وہ خدا پر ایمان رکھتا ہے اور اہلِ ایمان کی تصدیق کرتا ہے۔ اور تم میں سے جو بھی ایمان لائے ہیں ان کے لئے سراپا رحمت ہے اور جو لوگ رسولِ خدا کو اذیت دے رہے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (۶۱)

نکات:

☆ لفظ "مِنْهُمْ" سے یا تو منافقین کا گروہ مراد ہے یا اس سے کچھ ایسے ضعیف الایمان افراد مراد ہیں جنہوں نے جنگ میں شرکت نہ کی تھی اور پھر حیلے بہانے بنانے لگ گئے تھے۔

☆ روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ رسولِ خداؐ حضرت علیؑ پر ہمیشہ شفقت کیا کرتے تھے اور ان سے طویل سرگوشی کیا کرتے تھے اسی لئے کچھ منافقین نے آنحضرتؐ پر یہ الزام لگایا کہ یہ تو بس نرے کان ہیں اور آپ لوگوں کی باتوں میں جلد از جلد آجاتے ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

رسولِ اکرمؐ نے اپنی عترت کے متعلق فرمایا من اذانی فی عترتی فعلیه لعنة الل ہجس نے میری عترت کے متعلق مجھے ایذا پہنچائی اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

آپ نے حضرت فاطمہؑ کے متعلق فرمایا "من اذاها فقد اذانی" جس نے اسے اذیت دی تو اس نے مجھے اذیت دی۔ (ملحقات احقاق الحق جلد ۱۸۔ ۴۵۸، ۴۳۹)۔

پیغام:

۱۔ ایک گروہ آنحضرتؐ کو مسلسل اذیت دیا کرتا ہے کیونکہ يُؤْذُوْنَ فعل مضارع ہے جو کہ تسلسل اور استمرار کی علامت ہے۔

۲۔ رسولِ مقبول کے جملہ اصحاب عادل نہیں تھے ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو آپ کو ایذائیں دیا کرتے تھے۔ "يُؤْذُوْنَ۔"

۳۔ اُمت کا رہبر لوگوں کی ایذا رسانیوں کی پرواہ کئے بغیر اپنے فرائض کو ادا کرتا ہے۔ "يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ ۔"

۴۔ پیغمبر کو اذیت پہنچانا کفر ہے تفسیر المنار کیونکہ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ کے الفاظ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے مدِ مقابل ہیں۔

۵۔منافق اتنے خراب تھے کہ رسولِ خدا کے خلاف بھی پروپیگنڈا کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔"وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ"

۶۔اللہ تعالیٰ منافقین کی سات پردوں میں بھی کی جانے والی گفتگو سے آنحضرت کو مطلع کرتا تھا۔"وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ"

۷۔انسان کو چاہئے کہ وہ تمام لوگوں کی باتیں سنے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ میری تو بات ہی نہیں سنی گئی خواہ اس وجہ سے لوگ کسی کو سادہ لوح ہونے کا طعنہ ہی کیوں نہ دیں۔"وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ"

۸۔سننے کے آداب میں یہ چیز شامل ہے کہ انسان پورے وجود کے ساتھ کسی کی گفتگو سنے چنانچہ لفظ"اُذُنٌ"اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سراپا کان ہوتے تھے۔

۹۔اُمت کے مفاد کے لئے کچھ سنی ہوئی باتوں سے تغافل بھی کرنا چاہئے۔"اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ۔"

۱۰۔بعض اوقات تربیتی، معاشرتی اور سیاسی تقاضوں کے تحت خاموش رہنا کسی ردِعمل کے اظہار سے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔"اُذُنُ"

۱۱۔ایک اچھے رہبر کیلئے ضروری ہے کہ وہ وسیع القلب ہو اور تمام گروہوں کی باتوں کو دل جمعی سے سنے اور پردہ نشینی سے بھی کام لے۔"قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ۔"

۱۲۔رہبر کو چاہئے کہ وہ کشادہ روئی اور خیر خواہی کے جذبات سے لوگوں کی باتوں کو سنے۔"اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ۔"

۱۳۔ہر بات سننے کے بعد خاموشی رضامندی کی دلیل نہیں ہے۔"اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ۔"

۱۴۔اذیت شدہ شخص کی حمایت کرنی چاہئے کیونکہ یہ آیت کریمہ بیان کرتی ہے کہ دشمنوں نے آنحضرت کو اُذُنُ کہہ کر آپ کو اذیت دی اس کے جواب میں خدا نے چار الفاظ سے آنحضرت کو تسلی دی۔

۱۔اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ ۲۔يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ ۳۔وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۴۔وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

۱۵۔اگر کوئی مومن خبر دے تو اس کی تصدیق کرنی چاہئے وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔"

۱۶۔رسولِ خدا اگر تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں مگر اہلِ ایمان اس رحمت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرتے ہیں۔"وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔"

۱۷۔رسولِ خدا کو اذیت دینے والوں کو خدا کے دردناک عذاب سے ڈرتے رہنا چاہئے۔"لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾

آیت نمبر ۶۲

يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ لِيُرۡضُوۡكُمۡ‌ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ‏ ﴿۶۲﴾

ترجمۃ الآیات

وہ (منافق) تمہارے لئے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اگر وہ مومن ہوتے تو اللہ اور اس کا رسول اس امر کے زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں راضی کیا جائے۔ (۶۲)

پیغام:

۱۔منافق ہمیشہ خوف واضطراب میں رہتا ہے اور اس کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ قسمیں کھا کر لوگوں کے عقائد سے ناجائز استفادہ کرے اور ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کر سکے۔ ''يَحۡلِفُوۡنَ ... لَكُمۡ''

۲۔مسلمانوں کے لئے اس میں یہ پیغام ہے کہ ہر قسم کے دھوکے میں مت آئیں کیونکہ بہت سے نا مقدس افراد مقدس اشیاء کی قسمیں کھایا کرتے ہیں۔ ''يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ''

۳۔مومن کا ہدف رضائے خداوندی ہوتا ہے وہ لوگوں کی پسند اور ناپسند کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ ''وَاللّٰهُ... اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ''

۴۔رضائے رسول دراصل رضائے الٰہی ہے اس سے ہٹ کر کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ آیت میں ''اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ'' کے الفاظ آئے ہیں ''اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ'' کے الفاظ وارد نہیں ہیں یہ بات بھی ممکن ہے کہ ''يُّرۡضُوۡهُ'' کے الفاظ اسی لئے نہ لائے گئے ہوں کہ اس سے بتانا مقصود ہو کہ کائنات کی کوئی چیز حتیٰ کہ پیغمبر اکرم بھی خدا کے مساوی نہیں ہیں۔

۵۔جو شخص مخلوق کی رضا کو خالق کی رضا پر ترجیح دے تو وہ شخص منافق ہے اسے یہ بتانا چاہئے کہ مخلوق کی رضا کو تلاش نہ کرے اس کے برعکس خدا اور اسکے رسول کی رضا کی جستجو کرے۔ '' وَاللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۲﴾ ''

آیت نمبر ۶۳

اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّهٗ مَنۡ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ
خَالِدًا فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ الۡخِزۡىُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۶۳﴾

ترجمۃ الآیات

کیا انہیں یہ بات معلوم نہیں ہے کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھے اس کا انجام دوزخ کی آگ ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا یہ بہت بڑی رُسوائی ہے (جو کہ مخالفین کے مقدر میں ہے)۔ (۶۳)

نکات:

لفظ "يُّحَادِدِ اللّٰهَ" یا تو اس کا معنی خدا کی قدرت کو محدود قرار دینا ہے گویا یہ سمجھ لینا کہ خدا ان پر اپنا قہر و غضب نازل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا یا یہ کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ یہ لفظ "ح،د،د" سے مشتق ہے جس کے معنی شدید مخالفت کے ہیں اور لفظ "مُحَادہ" یا تو خدائی قوانین سے تجاوز کرنے کے معنی میں ہے یا پھر اسکا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا مدِ مقابل قرار دیتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ رہبر حق کے ساتھ مخالفت دراصل خدا سے مخالفت کے مترادف ہے۔ "مَنۡ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ۔"

۲۔ جھوٹی قسم کھا کر اپنی آبرو کی حفاظت خدا سے شدید دشمنی کی علامت ہے۔ "يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ۔۔ مَنۡ يُّحَادِدِ اللّٰهَ"

۳۔ جان بوجھ کر دین خداوندی کے مدِ مقابل دشمنی کا انجام آتشِ دوزخ ہے۔ "اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا۔۔ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ"

۴۔ دوزخ کی یاد اتنی مؤثر ہے کہ اس سے خدا دشمنی میں رکاوٹ پیدا کی جاسکتی ہے۔ "فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ"

آیت نمبر ۶۴

يَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَيۡهِمۡ سُوۡرَةٌ تُنَبِّئُهُمۡ بِمَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ قُلِ اسۡتَهۡزِءُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخۡرِجٌ مَّا تَحۡذَرُوۡنَ ﴿۶۴﴾

ترجمة الآيات

منافقین اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ کہیں سورۃ ہنازل ہو کر ان کے دلوں کی کیفیت سے آگاہ کر دے۔ آپ کہہ دیں (جتنا چاہو) مذاق اڑا لو تم جن کیفیات کے آشکار ہونے سے ڈر رہے ہو خدا اسے آشکار کر دے گا۔ (۶۴)

نکات:

☆ آیت مجیدہ کے شان نزول کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ جنگِ تبوک سے واپسی پر منافقین نے یہ منصوبہ بنایا کہ راستے میں ایک پہاڑ کی ڈھلوان کے پاس وادی عقبہ میں رسولِ خداؐ کے اونٹ کو ڈرائیں گے جس سے وہ اونٹ بدک جائے گا اور آنحضرتؐ اس سے گر کر شہید ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے آنحضرتؐ کو ان کے منصوبہ سے آگاہ کر دیا۔ حضرت عمار بن یاسر اور حذیفہ بن الیمان آنحضرتؐ کے اونٹ کے آگے پیچھے اس کی حفاظت کر رہے تھے الغرض رسولِ خداؐ کا اونٹ اس وادی کی ڈھلوان پر پہنچا تو منافقین نے حملہ کر دیا۔ رسولِ خداؐ نے انہیں پہچان لیا اور آپ نے حذیفہ کو سب کے نام بتائے۔ حذیفہ نے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں کے قتل کا حکم صادر کیوں نہیں کرتے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ لوگ یہ کہنے لگ جائیں کہ جب محمدؐ کو حکومت ملی تو اس نے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ (ملاحظہ فرمائیں۔ المیز ان، فی ظلال القرآن، مجمع البیان، تفسیر کبیر رازی اور نمونہ)

☆ منافقین آنحضرتؐ کے پس پشت بیٹھ کر یہ مذاق کیا کرتے تھے کہ محمدؐ کہتے ہیں کہ ان کے لئے شام کے محلات و قصور مسخر کر دئے جائیں گے!

اس پر آیت نازل ہوئی اور انہیں تہدید کی گئی اور اس سے انہیں رُسوائی اُٹھانی پڑی مجمع البیان۔

آیات الٰہی کے ایک مجموعہ کو لفظ ''سورۃ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس لفظ کا اطلاق قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتوں پر کیا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح صدر اسلام میں بھی رائج اور متداول تھی۔

پیغام:

۱۔منافق کو ہروقت اپنی اندرونی کیفیت کے فاش ہونے کا خوف دامن گیر رہتا ہے۔ ''یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ''

۲۔منافقین ہروقت خوف زدہ اس لئے تھے کہ وہ جانتے تھے کہ خدا ان کے اعمال وافعال سے آگاہ ہے اور یہ کہ رسولِ اکرم حق پر ہیں اور ان کا خدا سے رابطہ ہے اسی لئے انہیں یہ خوف بے چین کئے رکھتا تھا کہ کہیں کوئی سورت نازل ہوکر ان کی رُسوائی کا سامان فراہم نہ کردے۔ ''یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ''

۳۔قرآنی آیات تدریجی طور پر اور حسبِ ضرورت نازل ہوئی تھیں۔ ''اَنْ تُنَزَّلَ۔سُوْرَةٌ۔''

۴۔ٹھٹھہ اڑانا منافقین کا شیوہ ہے ''اسْتَهْزِءُوْا'' ممکن ہے کہ استہزاء سے منافقت مراد ہو۔

۵۔اللہ تعالیٰ منافقین کی سرگرمیوں کی ہمیشہ طشت از بام کردیتا ہے اسی لئے ہمیں منافقین کی وجہ سے زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ''

۶۔اللہ کا ارادہ منافقین کی خواہشات پر غالب ہے۔ ''یَحْذَرُ۔۔اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ''

۷۔منافقین کو ہمیشہ ڈرانا دھمکانا چاہئے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ''

آیت نمبر ۶۵

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے (تم نے مذاق کیوں اُڑایا؟) تو وہ قطعی طور پر یہ کہیں گے کہ ہم محض مذاق اور کھیل تماشا کر رہے تھے (اس کے علاوہ ہمارا کوئی مقصد نہیں تھا) آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کا تمسخر اڑاتے ہو؟ (۶۵)

نکات:

عربی زبان میں ''خَوْض'' کے معنی کیچڑ میں پاؤں کو داخل کرنا ہے قرآن کریم میں یہ لفظ غیر شائشتہ افعال کے

ارتکاب کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔

یہ آیت جنگِ تبوک سے مربوط ہے منافقین نے تبوک سے واپسی پر آنحضرتؐ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ان میں سے ایک نے کہا کہ اگر ہماری سازش پکڑی گئی تو پھر کیا کریں گے؟

دوسرے منافق نے کہا کہ ہم یہ کہیں گے کہ ہم تو بس مذاق کر رہے تھے یہ جواب ''عذر گناہ بدتر گناہ'' کا مصداق تھا۔ (تفسیر مجمع البیان)

پیغام:

۱۔ اپنے غلط اعمال کی جھوٹی توجیہ پیش کرنا منافقین کا پرانا شیوہ ہے۔ ''وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ''

۲۔ جب منافقین کا بھانڈہ پھوٹ جائے تو وہ پسپائی کرتے وقت دروغ گوئی کا سہارا لیتے ہیں۔ ''لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ''

۳۔ اللہ نے منافقین کی مستقبل کی توجیہ کی پہلے سے خبر دے کر انہیں رُسوا کیا ہے۔ ''لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ''

۴۔ منافق اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے قسمیں کھاتے ہیں اور اپنی خطرناک سازشوں کو کھیل کود کا نام دیتے ہیں چنانچہ لَيَقُوْلُنَّ میں لام حرف قسم اور اِنَّمَا کلمہ حصر ہے۔

۵۔ پیغمبر منافقین کو توبیخ کرنے پر مامور تھے۔ ''قُلْ اَبِاللّٰهِ۔''

۶۔ مقدسات اسلامی کا مذاق اُڑانا ناجائز ہے۔ ''قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴿۶۵﴾''

آیت نمبر ۶۶

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴿۶۶﴾

ترجمۃ الآیات

(بلاوجہ) بہانے مت تراشو تم لوگ اپنے ایمان کے بعد کافر ہو چکے ہو۔ اگر ہم نے تمہارے

ایک گروہ (توبہ کی غرض سے یا ان کی پہلی غلطی سمجھ کر) سے درگذر کریں تو ہم دوسرے گروہ کو ان کے سابقہ جرائم کی وجہ سے عذاب دیں گے۔(٦٦)

نکات:

منافقین کے کس گروہ کو بارگاہِ الٰہی سے معافی مل سکتی ہے؟ اس کے متعلق چند اقوال ہیں۔

الف۔ جو توبہ کریں گے۔

ب۔ ایسے منافق جو منافقین کے سرداروں کے دم چھلا بنے ہوئے تھے اور منافقت میں پوری طرح سے پختہ نہیں تھے۔(تفسیر کبیر فخر الرازی۔)

ج۔ ایسے منافق جن کو معاف کرنا نظام حکومت کی مصلحت میں ہو(تفسیر المیزان)

د۔ کچھ منافق روز اول سے ہی منافق تھے اور ان میں منافقت کی جڑیں گہری تھیں ان کے پہلو بہ پہلو کچھ ایسے منافق تھے جو منافقت کا طویل تجربہ نہیں رکھتے تھے۔ ان کی بخشش کی امید کی جا سکتی ہے جب کہ پکے منافقین ہر صورت لائق عذاب ہیں کَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ﴿۶۶﴾''

پیغام

١۔ دروغ گو اور مسخرہ باز افراد کا عذر ہمیشہ قابل قبول نہیں ہوتا۔ ''لَا تَعۡتَذِرُوۡا۔''

٢۔ ارتداد کی وجہ سے تمام عذر نا قابلِ قبول بن جاتے ہیں۔ ''قَدۡ کَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ۔''

٣۔ ہمیں موجودہ ایمان پر مغرور نہیں ہونا چاہئے کیونکہ بُرے انجام اور ارتداد کے خطرات موجود ہیں۔ ''قَدۡ کَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ۔''

٤۔ اللہ، رسول اور آیات الٰہی کا استہزاء اور توہین موجب کفر ہے۔ ''تَسۡتَہۡزِءُوۡنَ... کَفَرۡتُمۡ۔''

٥۔ منافق درحقیقت کافر ہوتا ہے۔ ''کَفَرۡتُمۡ۔''

٦۔ سازشی منافقین اور مخالفین کو تنبیہ کرتے وقت تمام راستوں کو بند نہیں کرنا چاہئے۔ ''نَّعۡفُ۔''

٧۔ کچھ منافق قابل معافی ہیں اگر وہ توبہ کرلیں تو انہیں معافی مل سکتی ہے۔ ''اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَۃٍ۔''

٨۔ جن منافقین کو عذاب دیا جائے گا تو اس کے دو اسباب ہونگے ١۔ وہ کافر ہیں۔ ٢۔ وہ قدیمی مجرم ہیں۔ ''کَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ﴿۶۶﴾۔''

آیت نمبر ٦٧

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝٦٧

ترجمۃ الآیات

منافق مرد اور عورتیں ایک دوسرے سے ہیں ایک ہی قماش کے ہیں یہ منکر (برائی) کا حکم دیتے ہیں اور ''معروف'' (نیکی) سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو (انفاق و بخشش سے) بند رکھتے ہیں انہوں نے خدا کو فراموش کر دیا ہے۔ اللہ نے بھی انہیں فراموش کر دیا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ منافق ہی (فاسق بدکار) ہیں۔ (٦٧)

نکات:

☆ صدر اسلام میں منافقت صرف مردوں تک ہی محدود نہیں ہے عورتوں میں بھی یہ مرض پایا جاتا تھا اور وہ بھی فساد پھیلانے میں اہم برابر کا کردار ادا کر رہی تھیں۔

سوال۔ اللہ تعالیٰ پر نسیان (بھول چوک) طاری نہیں ہوتا چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے "وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (مریم۔ ٦٤) تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے جبکہ اس آیت میں خدا نے فرمایا کہ منافقین نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے بھی ان کو بھلا دیا۔ آخر اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب۔ اللہ کی طرف فراموشی کی نسبت مجازی ہے مقصد یہ ہے کہ خدا ان کے ساتھ فراموش شدہ افراد کی مانند سلوک کرے گا۔ نہ یہ کہ انہیں فراموش کر دے گا۔

امام علی رضاؑ نے فرمایا کہ جو شخص خدا اور قیامت کو فراموش کرے تو اس کی جزاء یہ ہے کہ وہ خود کو فراموش کر دے گا۔ (تفسیر نور الثقلین)۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اللہ کے فراموش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اسے بھلائی سے محروم کر

دیتا ہے (تفسیر برہان)۔

پیغام

۱۔معاشرے کی اصطلاح اور مفاد میں مرد عورت دونوں کا کردار ہوتا ہے۔''اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ۔''

۲۔کچھ منافق مرکزی کردار ادا کرتے ہیں اور کچھ ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ نفاق کے کئی درجے ہیں۔'

۳۔اہلِ نفاق کے اگرچہ بہت سے درجے ہیں لیکن ان سب کا کردار مساوی ہوتا ہے۔''بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۘ۔''

۴۔منافقین اگرچہ قسمیں کھا کر یہ باور کراتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں لیکن ان پر اعتماد نہ کرو وہ ایک دوسرے سے ہیں۔'' بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۘ''

۵۔برائیوں کو فروغ دینا اور برائیوں کی دعوت اور بھلائیوں سے روکنا منافقت کی علامت ہے۔'' يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ''

۶۔منافقین کا آپس میں گہرا ارتباط ہوتا ہے۔''بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۘ''

۷۔منافقین کی لغت میں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے الفاظ ہی سرے سے موجود نہیں ہوتے۔'' يَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ ؕ۔''

۸۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور انفاق فی سبیل اللہ کو ترک کرنا خدا فراموشی کی دلیل ہے۔''نَسُوا اللّٰهَ''

۹۔اللہ کے کرم سے محرومی اور رحمت الٰہی سے فراموش شدہ ہونا خدا فراموشی کا نتیجہ ہے۔''فَنَسِيَهُمۡ''

۱۰۔اعمال اور ان کی جزاء میں بڑی مناسبت پائی جاتی ہے۔''نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمۡ''

۱۱۔منافقین لوگوں کی رضامندی کے طالب ہوتے ہیں نہ کہ خدا کی رضامندی کے۔''نَسُوا اللّٰهَ''

۱۲۔منافقت اور دوغلا پن ''فِسق'' ہے۔''هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۶۷﴾''

آیت نمبر ۶۸

وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ هِىَ حَسۡبُهُمۡ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ۙ﴿۶۸﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار سے آتشِ دوزخ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ (دوزخ) ان کے لئے کافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے (اور اپنے لطف وکرم سے انہیں دور کر دیا ہے) ان کے لئے مستقل عذاب ہے۔ (۶۸)

پیغام:

۱۔ تکالیف الٰہی احکام شرعی میں مرد وعورت مساوی ہیں۔ ''الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ۔''

۲۔ خدا کی طرف سے ملنی والی جزاء سزا ہمارے اپنے اعمال نتیجہ ہوتی ہے اور عمل اور جزاء میں گہری مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس سے قبل ۶۵ ویں آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ منافق مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے اس آیت میں اللہ نے ''وَعَدَ'' اور ''حَسْبُهُمْ'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو کہ بہ ظاہر بھلائی کے وعدو اور تسلی بخش کفایت کے معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے خدا نے منافقین کا ایک طرح سے مذاق اُڑایا ہے اور ان کی تحقیر کی ہے۔

۳۔ دوزخ کے وعدہ کی ابتداء منافقوں سے کی گئی اس کے بعد کافروں کا ذکر کیا گیا۔ ''وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ''

۴۔ منافقین اس دنیا میں اگرچہ اپنے آپ کو اہلِ ایمان جماعت کا فرد بتلاتے نہیں تھکتے لیکن قیامت کے دن وہ کفار کی جماعت میں شامل ہونگے۔ ''الْمُنٰفِقِيْنَ ... وَالْكُفَّارَ''

۵۔ دوزخ ہر طرح کے رنج والم کا مرکز ہے لہٰذا وہ منافقین اور کفار کی سزا کے لئے کافی ہے۔ ''هِيَ حَسْبُهُمْ''

آیت نمبر ۶۹

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

ترجمۃ الآیات

(تم منافقین کا حال بھی) ان لوگوں کی طرح سے ہے جو تم سے پہلے تھے وہ تم سے زیادہ طاقت ور اور اموال اور اولاد میں تم سے بڑھ کر تھے۔ انہوں نے اپنے حصے کے خوب مزے لوٹے پس تم بھی اپنے حصے کے مزے اسی طرح لوٹ رہے ہو جس طرح تم سے پہلوں نے اپنے حصے کے مزے لوٹے جس طرح وہ باطل بحثیں کرتے تھے تم بھی کرتے رہتے ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں برباد ہو گئے اور یہی نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ (٦٩)

نکات:

اس آیت میں لفظ "خَلَاق" مطلقاً حصہ کے معنی میں آیا ہے اگرچہ لغت میں یہ لفظ ان اخلاق و اخلاقیات کے لئے استعمال ہوتا ہے جنھیں انسان اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔

دارِ دنیا میں منافقین کے اعمال کا حبط ہو جانا شاید ان کے حقیقی چہرے کی نشاندہی کے لئے ہے مقصد یہ ہے کہ ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

پیغام:

١۔ اقوام و ملل کی تاریخ اور سرنوشت میں بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ "كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ"

٢۔ ہر دور میں کفر اور نفاق موجود رہا ہے۔ اور خدائی روش بھی ہر دور میں یکساں رہی ہے۔ "كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ"

٣۔ فوجی قوت قُوَّةً اور اقتصادی وسائل اَمْوَالًا اور افرادی اور انسانی قوت اَوْلَادًا قہر الٰہی سے رکاوٹ ثابت نہیں ہو سکتی۔

٤۔ منافقین اور کفار اپنی قوت اور مال و اولاد پر بھروسہ کرتے ہیں۔ "كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً۔۔۔"

٥۔ دنیاوی منافع کے حصول کے لئے ایمان شرط نہیں ہے۔ دنیاوی منافع کفار و منافقین کو بھی حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ "فَاسْتَمْتَعُوْا"

٦۔ دنیاوی کامیابیاں اور کامرانیاں جلد ختم ہو جاتی ہیں۔ "فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ"

٧۔ انبیاء کے مخالفین کی دنیاوی کامیابی ان کی کدکاوش کی مرہونِ ہے۔ "فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ"

۸۔ ہر کامیابی اور کامرانی کو رضائے الٰہی کی دلیل نہیں سمجھنا چاہیئے۔''فَاسْتَمْتَعُوْا... حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ''

۹۔حق کے منحرف افراد کو بھی اللہ دنیاوی نعمات کا حصہ عطا کرتا ہے۔ بِخَلَاقِهِمْ جب کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ (آل عمران۔۷۷) ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا

۱۰۔بگاڑ اور مفاد میں ڈوبے رہنا اور دین سے جنگ کرنا سقوط کا موجب ہوتا ہے۔ خُضْتُمْ، خَاضُوْا جب کہ گناہ کے بعد توبہ سے نجات کا سامان فراہم ہوتا ہے۔

۱۱۔کفر و نفاق کا حبط اعمال کا موجب ہوتا ہے۔''حَبِطَتْ''

آیت نمبر ۷۰

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝۷۰

ترجمة الآيات

کیا ان تک ان سے پہلی اقوام قوم نوح، عاد، ثمود اور قوم ابراہیم اور اصحاب مدین اور زیر و زبر شدہ شہروں کے حالات نہیں پہنچے۔ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر گئے تھے۔ (لیکن انہوں نے ضد بازی کی اور تباہ ہو گئے۔) اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے تھے۔ (۷۰)

نکات:

☆ قوم نوح غرق ہوئی تھی قوم عاد حضرت ہود کی قوم پر سرد اور زہریلی ہوا کا عذاب آیا تھا قوم ثمود حضرت صالح کی قوم زلزلہ سے تباہ ہوئی تھی۔ قوم مدین (حضرت شعیب کی قوم) آگ برسانے والے بادلوں سے ہلاک ہوئی اور قوم لوط کی زمین کو

الٹ کر ہلاک کیا گیا۔

·مُؤۡتَفِکٰتِ کا لفظ "اِئۡتِکَافۡ" سے مشتق ہے جس کے معنی زیر وزبر ہونے کے ہیں اور یہاں قوم لوط کے عذاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پیغام:

۱۔ خدا کی روش ہے کہ وہ مجرمین کو دنیاوی سزا دیتا ہے۔ اَلَمۡ یَاۡتِہِمۡ اور تمھارے متعلق بھی خدا کی وہی روش ہے۔ جو اس نے سابقہ اقوام سے روا رکھی تھی۔

۲۔ جس کے پاس جتنا علم زیادہ ہوتا ہے۔ اتنا ہی اس کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے۔ اَلَمۡ یَاۡتِہِمۡ رسولِ اکرمؐ کے دور کے افراد گذشتہ اقوام کی سرنوشت سے آگاہ تھے۔

۳۔ گذشتہ اقوام کی تاریخ و واقعات کا علم انتہائی اہم اور فائدہ مند ہے۔ (نَبَاُ) اہم اور فائدہ بخش خبر کو "نَبَاُ" کہا جاتا ہے۔

۴۔ جو تاریخ سے عبرت حاصل نہ کرتا ہو اسے توبیخ کرنی چاہئے۔ اَلَمۡ یَاۡتِہِمۡ نَبَاُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ موجودہ زندگی کے لئے گذشتہ تاریخ سے عبرت حاصل کرنا بہترین درس ہے۔

۵۔ اتمامِ حجت کے بعد ہی خدا کا قہر نازل ہوتا ہے۔ "اَتَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ"

۶۔ خدا کے احکام سے انحراف کرنا اپنے اوپر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ "اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ۝"

۷۔ انسان صاحبِ اختیار ہے اور وہ ہر طرح کے حالات میں فیصلہ کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ "اَتَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ۔۔۔ وَلٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ۝"

۸۔ ظلم کی روش پر قائم رہنا عذابِ الٰہی کے نزول کا موجب ثابت ہوتا ہے۔ "کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ۝"

آیت نمبر ۷۱

وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ۘ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَیُطِیۡعُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ؕ اُولٰٓئِکَ سَیَرۡحَمُہُمُ اللّٰہُ ؕ اِنَّ

اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۷۱﴾

ترجمة الآيات

اہلِ ایمان مرد وعورتیں ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں ۔ وہ معروف (بھلائیوں) کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں (منکرات) سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ۔ اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں ۔ عنقریب خدا انہیں اپنی رحمت میں شامل کرے گا ۔ بے شک اللہ غالب اور حکیم ہے ۔ (۷۱)

نکات:

☆ اس سے قبل ۶۷ ویں آیت میں منافقین کے باہمی ارتباط کو بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۘ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ۔ اس آیت میں اہلِ ایمان کے باہمی ارتباط کو بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۘ کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے ۔ شاید الفاظ کے اختلاف کی وجہ یہ ہو کہ منافقین کا اگرچہ مشن ایک ہے ۔ لیکن ان میں اہل ایمان کی سی عمیق وحدت اور سرپرستی کا رابطہ موجود نہیں ہے ۔ منافقین کو صرف اپنے ذاتی اغراض سے سروکار رہتا ہے ۔ اور ان کا اتحاد صرف شکل وصورت کا اتحاد ہی ہوتا ہے ۔ بالفاظ قرآن ”تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيۡعًا وَّقُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰى ؕ“ (حشر ۔ ۱۴) آپ خیال کرتے ہیں کہ وہ متحد ہیں جبکہ ان کے دل جدا ہیں ۔

☆ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دوسرے واجبات کی ادائیگی کا ذریعہ ہیں اسی لئے انہیں نماز اور زکوٰۃ جیسی اہم عبادات پر انہیں مقدم رکھا گیا ہے ۔ (تحف العقول ۔ ص ۲۳۷)

پیغام:

۱ ۔ معاشرے کی اصلاح کے لئے مرد وعورت دونوں کا کردار اہم ہوتا ہے ۔ ”وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ“

۲ ۔ اسلامی معاشرے میں اہلِ ایمان ایک دوسرے کے لئے محبت سے لبریز جذبات رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ایک دوسرے پر حق ولایت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے لاتعلق نہیں ہوتے ۔ ”بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ“

۳ ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایسا خدائی فریضہ ہے ۔ جو تمام اہلِ ایمان مرد وزن پر فرض ہے ۔ اور اس کا سرچشمہ ایک دوسرے پر حق ولایت کا رکھنا ہے ۔ ”بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ يَاۡمُرُوۡنَ ۔۔۔ يَنۡهَوۡنَ“

۴ ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ پوری قوت سے سرانجام دینا چاہیئے ۔ نہ کہ کمزوری سے ۔ ”يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ“

۵۔امر و نہی محبت وولایت کے زیر سایہ قابل اجراء ہے۔ ''بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ ''

۶۔عبادی امور کے ساتھ ساتھ محرومین کی مدد اور اہلِ افلاس کی مکمل بحالی بھی مومنین کے فرائض میں شامل ہے۔ ''يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ''

۷۔معاشرے کی صلاح وفلاح میں ایمان اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ''الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ''

۸۔امر بالمعروف، نہی عن المنکر، نماز کا قیام، زکوۃ کی ادائیگی اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت اہلِ ایمان کے دائمی فریضہ میں شامل ہے۔ ''يَأْمُرُوْنَ، يَنْهَوْنَ، يُقِيْمُوْنَ، يُؤْتُوْنَ، يُطِيْعُوْنَ ''

۹۔دوسروں کو نیکی کی تبلیغ کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود باعمل ہوں۔ ''يَأْمُرُوْنَ، يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ ۔۔۔''

۱۰۔خدا اور رسول کی اطاعت پورے ذوق وشوق سے ہونی چاہیئے۔ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لغت میں شوق و محبت سے پیروی کرنے کو اطاعت کہا جاتا ہے۔

۱۱۔تمام عبادی امور میں خدا اور رسولؐ کی جس طرح سے اطاعت فرض ہے ایسا ہی حکومتی امور میں بھی خدا اور رسولِ خدا کی اطاعت فرض ہے۔ ''يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ''

۱۲۔انسانی اعمال رحمتِ الٰہی کے لئے زمین ہموار کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ ''يَأْمُرُوْنَ، يَنْهَوْنَ، يُقِيْمُوْنَ، يُؤْتُوْنَ ،يُطِيْعُوْنَ، سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ''

۱۳۔رحمتِ الٰہی کے لئے مرد وعورت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ رحمت کے استحقاق میں دونوں مساوی ہیں۔ ''الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ ۔۔۔سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ''

آیت نمبر ۷۲

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ نے اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں سے (بہشت کے) باغات کا وعدہ کیا ہے۔ جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ رہیں گے اور دائمی جنتوں میں پاکیزہ قیام گاہیں ہیں۔ اور اللہ کی طرف سے خوشنودی تو ان سب سے بڑھ کر ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔ (۷۲)

نکات

☆ سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ فرما کر اہلِ ایمان پر رحم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب کہ اس آیتِ مجیدہ میں اس رحمت کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

☆ روایات میں بیان ہوا ہے۔ کہ جَنّٰتِ عَدْنٍ بہشت کا بہترین حصہ ہے۔ اور جنت کے اس حصہ میں انبیاء، صدیقین اور شہداء قیام پذیر ہوں گے۔ اور اس میں اتنی نعمات ہوں گی جو کہ چشم تصور سے بھی کہیں زیادہ ہوں گی۔ (تفسیر کنز الدقائق)

اہلِ ایمان اور اہلِ نفاق کا موازنہ

سورہ توبہ کی آیات ۶۷، ۶۸، ۷۱، ۷۲ کے مطالعہ سے اہلِ ایمان اور اہلِ نفاق کی حسب ذیل خصوصیات کھل کر سامنے آتی ہیں۔

۱۔ منافق کا کردار يَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ ہے۔ وہ برائی کا حکم کرتا ہے۔ اور نیکی سے منع کرتا ہے۔ جبکہ مومن کا کردار یہ ہے۔ کہ وہ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کے تقاضوں پر عمل کرتا ہے۔ اور نیکی کا حکم دیتا ہے۔ اور برائی سے منع کرتا ہے۔

۲۔ منافق خدا فراموش ہوتا ہے۔ نَسُوا اللّٰهَ جب کہ اہل ایمان وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وہ نماز قائم کرتے ہیں کے مصداق ہوتے ہیں۔

۳۔ اہلِ نفاق يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ کے تحت بدترین کنجوس ہوتے ہیں۔ جب کہ اہلِ ایمان وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ پر عمل کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

۴۔ منافق بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ہیں جبکہ اہلِ ایمان بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ہیں۔

۵۔ منافق فٰسِقُوْنَ ہیں جبکہ مومن يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ ہیں۔

۶۔ اہلِ نفاق سے نَارَ جَهَنَّمَ کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جب کہ اہلِ ایمان سے جنات اور مساکنِ طیبہ کا وعدہ کیا گیا ہے۔

۷۔ منافقین کے لئے خدا نے لَعَنَهُمُ اللّٰهُ کہا ہے۔ اور اہلِ ایمان کے لئے رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ کہا ہے۔

۸۔ منافق عذاب مقیم اور موفَوْزُ الْعَظِيمُ کے حقدار ہیں۔

پیغام:

۱۔ خدا کی طرف سے ملنے والی جزاء میں اہلِ ایمان مرد و عورت مساوی ہیں۔ ''وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ''

۲۔ جنت کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اہلِ جنت وہاں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں کی نعمات بھی جاودانی ہوں گی۔

۳۔ آخرت کی زندگی صرف روحانی اور معنوی نہیں ہوگی۔ وہاں کی زندگی مادی اور جسمانی ہوگی۔ ''جَنّٰتٍ، مَسٰكِنَ طَيِّبَةً''

۴۔ اچھی رہائش کی قدر و قیمت کے لئے اس کا اچھے ماحول اور مقام میں ہونا بھی ضروری ہے۔ ''مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ''

۵۔ پانی، سرسبزی، باغ و بوستان اور خوبصورت رہائش گاہ انسان کی فطری خواہش ہے۔ یہ فطری خواہش معنویت پر ایمان لانے سے پوری ہوسکتی ہے۔ ''وَعَدَ اللّٰهُ... جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ''

۶۔ معنوی لذات جنت کی مادی لذات سے بلند و برتر ہیں۔ ''وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ''

۷۔ جنت کے بھی کئی مدارج ہیں جَنّٰتٍ تَجْرِيْ، جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ''

۸۔ اللہ کی رضا اور اخروی کامیابی کا حصول ہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ ''الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٧٢''

آیت نمبر ۷۳

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٧٣

ترجمۃ الآیات

اے نبیؐ! کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

اور وہ بہت بری سرنوشت ہے۔ (۷۳)

نکات:

☆ جب تک منافق مسلمانوں سے با قاعدہ جنگ نہ کریں اور کافر حربی نہ بنے ہوں تو اس وقت تک ان کے ساتھ زبان سے جہاد کیا جائے گا۔ (تفسیر المنار)

☆ اس آیت کے نزول سے قبل آنحضرتؐ منافقین کے ساتھ نرم برتاؤ کیا کرتے تھے۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے ان سے سخت برتاؤ کرنا شروع کر دیا۔ (تفسیر فی ظلال القرآن)

پیغام:

۱۔ جہاد مسلمانوں کے رہبر کے فرمان اور نظریہ کے مطابق ہونا چاہیے۔ ''یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ''

۲۔ نظامِ اسلامی میں رہبر ہی سپہ سالار ہوتا ہے۔ ''یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ''

۳۔ اسلام جہاد اور کفر و نفاق کے خلاف مبارزہ کا دین ہے۔ ''جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ''

۴۔ ہمیں چاہیئے کہ اندرونی دشمنوں کے خلاف جنگ کریں۔ ''جَاهِدِ الْكُفَّارَ''

۵۔ مسلمانوں کے رہبر کو استکبار کے خلاف مضبوط قوتِ ارادی کا مالک ہونا چاہیئے۔ ''یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ... وَاغْلُظْ''

۶۔ رسولِ اکرمؐ اگرچہ پیکرِ رحمت تھے لیکن کفر و نفاق رکھنے والے دشمنوں سے آپ کو سختی برتنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ''وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ''

۷۔ کفار اور منافقین سے جہاد ان کے لئے دنیاوی عذاب ہے۔ اور آتش دوزخ ان کے لئے اخروی عذاب ہے۔ ''وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ''

۸۔ منافق کا انجام برا ہوتا ہے۔ ''وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۷۳﴾''

آیت نمبر ۷۴

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ

يَّتَوَلَّوۡا يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ‌ ۚ وَمَا لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ۝۷۴

ترجمۃ الآیات

(منافقین) خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے (کفر آمیز بات) نہیں کی جب کہ انہوں نے کفر کی بات کہی ہے۔ اور وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے ہیں۔ اور انہوں نے ایسے کام (قتلِ پیغمبر کا) ارادہ کیا جسے وہ حاصل نہ کر سکے اور انہیں اس بات پر غصہ ہے۔ کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان کو مالا مال کر دیا ہے۔ پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے لئے بہتر ہے۔ اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور روئے زمین پر نہ ان کا کوئی کارساز ہوگا اور نہ مددگار۔ (۷۴)

نکات:

☆اس سے قبل ۶۶ ویں آیت میں پیغمبر اکرمؐ کی زبانی یہ قول نقل ہوا ہے۔ کہ ”آپ نے منافقین سے،، کہا کہ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ تم ایمان کے بعد کافر ہو گئے ہو۔ جب کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے لئے فرمایا۔ كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِسۡلَامِهِمۡ انہوں نے اسلام کے بعد کفر اختیار کیا ہے۔

رسولِ خدا نے لفظ ”اِیمَان“ استعمال کیا تھا جب کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ ”اِسۡلَام“ استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے ظاہری حالت دیکھ کر انہیں مومن تصور کیا تھا جب کہ اللہ دل میں چھپے ہوئے رازوں کو بہتر جانتا ہے۔ اسی لئے انہیں مسلمان کہا ہے۔ مومن نہیں کہا۔ (تفسیر المیزان)

☆ یہ آیتِ مجیدہ ان تمام سازشوں کو ظاہر کرتی ہے۔ جو منافقین نے رسولؐ اور اسلام کے خلاف کی تھیں جب کہ بہت سی شیعہ وسنی تفاسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ اس آیت سے لیلۃ العقبہ کی سازش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

منافقین نے تبوک سے واپسی پر رسول اکرمؐ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا تھا اور یہ طے کیا تھا کہ جب آنحضرتؐ کی اُونٹنی گھاٹی سے گذرنے لگے تو ہم وہاں گھات لگا کر اُونٹنی کو ڈرائیں گے جس کے نتیجہ میں وہ بدک جائے گی اور آنحضرتؐ وہاں گر پڑیں گے اور ہم ان کا کام تمام کر دیں گے۔ لیکن ان کا منصوبہ ظاہر ہو گیا اور وہ اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہے۔ ”وَهَمُّوۡا بِمَا لَمۡ يَنَالُوۡا“

☆ روایات میں بیان ہوا ہے کہ رسولِ خداؐ تبوک میں خطبہ دے رہے تھے کہ ایک منافق نے جس کا نام "حلّاس" تھا کہا کہ پیغمبر سچ کہہ رہا ہے تو پھر ہم گدھے سے بھی بدتر ہیں۔

رسولِ خداؐ کے ایک صحابی عمر بن قیس نے اس کا جملہ سنا اور آنحضرتؐ کے گوش گذار کیا آنحضرتؐ نے اسے بلایا اور اس سے باز پرس کی۔ اس نے الزام کی صحت سے انکار کر دیا۔ عامر بن قیس کا اصرار تھا کہ اس نے یہ نازیبا گفتگو کی ہے۔ نبی اکرمؐ نے دونوں سے فرمایا کہ منبر کے پاس آکر اپنی اپنی صداقت کی قسم کھائیں چنانچہ دونوں نے قسمیں کھا کر اپنی اپنی صداقت کا یقین دلایا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو "حلّاس" نامی منافق کو سخت شرمندگی اٹھانی پڑی۔ (تفسیر المیزان)

پیغام:

۱۔ جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسمیں کھانا منافق کی علامت ہے۔ "یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ"

۲۔ منافق نمک حرام تھے۔ اسلام کی وجہ سے مالا مال ہوئے تھے اس کے باوجود آنحضرتؐ کا شکوہ کرتے تھے۔ "وَ مَا نَقَمُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ اَغۡنٰہُمُ اللّٰہُ"

۳۔ غنی بنا دینے کے فعل میں رسولِ خدا کا نام اللہ کے نام کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی کام کی دونوں کی طرف نسبت دینا شرک نہیں ہے۔ "اَغۡنٰہُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ"

۴۔ فضل کا سرچشمہ ذات خداوندی ہے مِنۡ فَضۡلِہٖ یہاں مِنۡ فَضۡلِہِمَا نہیں کہا گیا۔ اس کی نظیر اس سورہ کی ۶۲ ویں آیت میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ جہاں یہ فرمایا گیا ہے۔ وَ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗۤ اَحَقُّ اَنۡ یُّرۡضُوۡہُ اس آیت میں یُرۡضُوۡھُمَا نہیں کہا گیا۔

۵۔ اسلام نے صرف فکری اور اخلاقی تربیت ہی نہیں کی لوگوں کی مادی زندگی کو بہتر بنایا۔ "اَغۡنٰہُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ"

۶۔ توبہ کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے۔ حد یہ ہے۔ کہ جن لوگوں نے آنحضرتؐ کے شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا انہیں بھی توبہ کی دعوت دی گئی ہے۔ "فَاِنۡ یَّتُوۡبُوۡا

۷۔ دنیا میں علل و اسباب کا نظام صدق پر مبنی ہے۔ اسی لئے منافقین کو دنیا میں سزا ملتی ہے۔ یُعَذِّبۡہُمُ اللّٰہُ عَذَابًا اَلِیۡمًا فِی الدُّنۡیَا اصولِ کائنات یہی ہے کہ گندم سے گندم پیدا ہوتی ہے۔ اور جو سے جو پیدا ہوتا ہے۔

۸۔ دنیا میں وحشت و اضطراب، بے پناہی اور سرگردانی منافقین کے لئے عذاب ہے ہمیشہ مضطرب رہتے ہیں۔ "یُعَذِّبۡہُمُ اللّٰہُ عَذَابًا اَلِیۡمًا فِی الدُّنۡیَا"

اس کی نظیر سورہ منافقون کی چوتھی آیت میں یوں ملتی ہے۔ "یَحۡسَبُوۡنَ کُلَّ صَیۡحَۃٍ عَلَیۡہِمۡ"

(وہ ہر آواز کو اپنے خلاف تصور کرتے ہیں)

۹۔منافقین کا انجام یہ ہے کہ وہ بے یارو مددگار رہو جائیں گے انہیں ہر طرف سے حقارت کا سامنا کرنا پڑے گا انہیں نہ تو عوام کی حمایت ملے گی اور نہ ہی حکومتیں ان کی سرپرستی کریں گی۔ ''مَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۷۴﴾''

آیت نمبر ۷۵۔۷۶

وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۷۵﴾

فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۷۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کر رکھا تھا کہ اگر خدا نے اپنے فضل سے نوازا تو ہم ضرور صدقہ (زکوٰۃ) دیں گے اور ضرور نیک لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔(۷۵)

لیکن جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نوازا تو وہ اس میں بخُل کرنے لگے اور (اس عہد سے) پشت کر کے روگردانی کرنے لگے۔(۷۶)

نکات:

☆ ثعلبہ بن حاطب مدینہ کا ایک غریب مسلمان تھا اس نے آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ آپ میرے حق میں دعا فرمائیں کہ خدا مجھے دولت مند بنا دے۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ تھوڑا رزق جس میں شکر ادا کرو اس سے زیادہ رزق سے کہیں بہتر ہے جس کا تم شکر ادا نہ کر سکو۔

ثعلبہ نے کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر خدا نے مجھے دولت عطا کی تو پھر میں تمام واجب حقوق ادا کروں گا۔

آنحضرتؐ نے دعا فرمائی۔ اُس کے پاس اتنی دولت آ گئی کہ اس نے جمعہ جماعت میں شرکت چھوڑ دی۔

آنحضرتؐ کی طرف سے عامل زکوٰۃ اس سے زکوٰۃ لینے گیا تو اس نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں جزیہ نہیں دیں گے۔(تفسیر نور الثقلین)

فخر رازی لکھتے ہیں کہ وہ اپنے اس انکار کے بعد پشیمان ہوا۔ اور زکوٰۃ کا مال لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن آنحضرتؐ نے زکوٰۃ لینے سے انکار کر دیا۔

جی ہاں انسان کو اپنے نفع ونقصان کا صحیح علم نہیں ہے اس لئے وہ بعض اوقات ایسی چیز کا سوال کرتا ہے جو اس کے حق میں نقصان دہ ہوتی ہے بہتری اس میں ہے کہ انسان خدا کے عطا کردہ رزق پر قانع رہے۔

☆ خدا سے ایسی ہی بدعہدی کی مثال سورہ اعراف میں بھی ملتی ہے۔ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنۡ اٰتَيۡتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ (اعراف ۱۸۹-۱۹۰)

میاں بیوی دونوں نے اپنے رب اللہ سے دعا کی کہ اگر تو نے ہمیں صحیح سالم بچہ دیدیا تو ہم ضرور تیرے شکر گذاروں میں سے بنیں گے۔ اور جب خدا نے انہیں سالم بچہ دے دیا تو دونوں اس کی عطا میں دوسروں کو شریک ٹھہرانے لگے۔

پیغام:

۱۔ انسان ناسپاس اور عہد شکن ہے۔ ''عٰهَدَ اللّٰهَ ... لَنَصَّدَّقَنَّ ... بَخِلُوۡا بِهٖ''

۲۔ فقر اور مجبوری کے وعدے کچھ زیادہ قابل اعتماد نہیں ہوتے۔ ''فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمۡ ... بَخِلُوۡا''

۳۔ نالائق اور کم ظرف شخص کے لئے نعمت بھی عذاب بن جاتی ہے۔ اگر دولت باعث سقوط نہ بنے تو وہ قابل قدر ہے۔ ''اٰتٰٮهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ... تَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ''

۴۔ مالِ دنیا سے دل لگانے سے انسان بدبخت بن جاتا ہے۔ اور جو بھی زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی میں بخل کرے تو آہستہ آہستہ دین سے روگردانی اختیار کر لیتا ہے۔ ''بَخِلُوۡا ... وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۶﴾''

آیت نمبر ۷۷

فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ﴿۷۷﴾

ترجمۃ الآیات

پس اللہ نے ان کے دلوں میں اپنی بارگاہ میں پیشی کے دن تک نفاق کو باقی رکھا۔ کیونکہ انہوں نے خدا سے وعدہ کرنے کے بعد بدعہدی کی ہے اور وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ (۷۷)

پیغام:

۱۔ اللہ تعالیٰ سے بدعہدی کرنے اور محرومین کے لئے بخل کرنے سے انسان کی عاقبت خراب ہو جاتی ہے۔ ''بَخِلُوۡا بِهٖ۔۔ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا ''

۲۔ نفاق کے مختلف مدارج ہیں۔ ا۔ زبان سے منافقت کرے ۲۔ عمل سے منافقت ۳۔ دل سے منافقت کرے۔'' فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ ''

۳۔ منافقت کبھی وقتی ہوتی ہے اور کبھی مستقل اور پائیدار ہوتی ہے حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ یَوۡمِ یَلۡقَوۡنَهٗ روزِ قیامت مراد ہے۔ (بحار جلد ۲ ۱۳۲۔ ۹۰) اِلٰی یَوۡمِ یَلۡقَوۡنَهٗ ''

۴۔ پیمان شکنی اور دروغ گوئی سے روحِ نفاق پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ گناہ گناہ کو ہی جنم دیتا ہے۔ ''فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَا قًا۔۔۔ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا۔۔۔ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ۝ ''

۵۔ انسان اپنی تمام تر بدبختیوں کا خود ہی ذمہ دار ہے۔ ''بِمَاۤ اَخۡلَفُوا۔۔۔ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ۝ ''

آیت نمبر ۷۸

اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰىهُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ۝

ترجمۃ الآیات

کیا انہیں نہیں معلوم کہ اللہ ان کے باطن اور سرگوشیوں کو جانتا ہے اور اللہ تمام غیبوں کو جانتا ہے۔ (۷۸)

نکات:

ممکن ہے کہ لفظ ''سِر '' سے منافقین کا باطنی کفر مراد ہو۔ '' نَجۡوٰىهُمۡ '' سے ان کی سازشیں اور ''الۡغُيُوۡبِ '' سے ان کے اہداف اور نیتیں مراد ہوں۔ (تفسیر فرقان)

پیغام:

۱۔منافق اپنے منصوبوں کو حد امکان تک پوشیدہ رکھتے ہیں جب کہ خدا ان کے ارادوں سے باخبر ہے اور انہیں خبردار کرتا رہتا ہے۔'' اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا

۲۔ناقص معرفت ہمیشہ ناقص عمل کا سبب ہوتی ہے۔''اَخۡلَفُوا اللّٰہَ مَا وَعَدُوۡہُ۔۔۔لَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا۔۔۔۔''

جی ہاں اگر انسان یہ جان لے کہ اللہ اس کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے تو اس سے اس کے تقویٰ میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اس یقین کی وجہ سے منافقت ختم ہوجاتی ہے اور انسان سرزنش سے بچ جاتا ہے۔

آیت نمبر ۷۹

اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ فَیَسۡخَرُوۡنَ مِنۡهُمۡ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنۡهُمۡ ۫ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۷۹﴾

ترجمة الآیات

منافقین جو کہ ان مومنین کا مذاق اڑاتے ہیں جو صدقات واجبہ کے علاوہ مستحب صدقات رضا ورغبت سے دیتے ہیں اسی طرح سے وہ تہی دست اہلِ ایمان پر بھی عیب لگاتے ہیں جنہیں انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اپنی محنت ومشقت کے سوا کچھ بھی میسر نہیں ہے۔اللہ کا مذاق اڑانا (انہیں ان کے تمسخر کی سزا دے گا) ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔(۷۹)

نکات:

رسول خداؐ نے لوگوں سے مالی امداد طلب کی جس کے جواب میں دولت مند افراد نے دل کھول کر امداد کی اور غریب افراد نے اپنی حیثیت کے مطابق امداد جمع کرائی منافقین نے زیادہ امداد دینے والوں پر ریاکاری کا الزام لگایا اور کم امداد کرنے والوں کا مذاق اڑایا یَلۡمِزُوۡنَ کا معنیٰ طعنہ زنی کرنا ہے یہ دولت مند اہل ایمان کے لئے ہے اور فَیَسۡخَرُوۡنَ کا معنیٰ مذاق اڑانا ہے اور یہ تہی دست اہل ایمان کے لئے ہے نج (ار ۳۔۳۱۹)

رسول خداؐ کے ایک صحابی ابوعقیل انتہائی مفلس تھے انہوں نے لشکر اسلام کی امداد کے لئے کچھ کھجوروں کی مقدار پیش کی منافقین نے ان کا مذاق اڑایا اور کہا کہ ایک مٹھی کھجوروں سے رومی سلطنت کو شکست دی جا سکتی ہے!

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے زیادہ مال دولت کا مالک ہونا شرط نہیں ہے اس کے لئے، اخلاص، ایمان، اور سخاوت کی ضرورت ہے۔ اس سے قبل آیت ۷۹ میں ہم یہ پڑھ چکے ہیں کہ ثعلبہ کے پاس بے پناہ دولت تھی اس نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا ہے۔ ابوعقیل انصاری ایک مفلس مزدور تھے انہوں نے مٹھی بھر کھجوروں سے لشکر اسلام کی مدد کی تھی۔

امام رضا علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سَخِرَ اللّٰهُ کا مطلب یہ ہے کہ خدا ان کے تمسخر کی ان کو سزا دے گا۔ (بحار ج ۳۔ ۳۱۹)

پیغام:

۱۔ انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں کا مذاق اُڑانا منافقانہ عمل ہے کیونکہ منافقین خود عمل نہیں کرتے تھے اور جو مدد کرتے تھے ان کا مذاق اُڑاتے تھے۔ ''اَلَّذِيۡنَ يَلۡمِزُوۡنَ''

۲۔ اہل ایمان رضا رغبت سے مال خرچ کرتے ہیں۔ ''الۡمُطَّوِّعِيۡنَ''

۳۔ جنگ کے لئے مالی مدد کرنے والوں کے جذبات کو سرد کرنا حرام اور منافقانہ عمل ہے۔ ''يَلۡمِزُوۡنَ... الۡمُطَّوِّعِيۡنَ... وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴿۷۹﴾''

۴۔ منافقین کے مذاق اُڑانے کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح سے اہل ایمان کے جذبات کو ٹھنڈا کریں يَلۡمِزُوۡنَ... فَيَسۡخَرُوۡنَ چنانچہ سورہ منافقین کی ساتویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: '' هُمُ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰى مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنۡفَضُّوۡا''

۵۔ منافقین کی نظر میں مال کی مقدار کو اہمیت حاصل ہے جذبات و اخلاص کی کوئی قدر قیمت نہیں ہے اس لئے وہ غریب مومنین کی امداد دیکھ کر اس پر فقرے کستے تھے۔ ''يَلۡمِزُوۡنَ... وَالَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ''

۶۔ معاشرے میں ضروریات کی کفالت کے لئے تمام قسم کے امکانات سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ ''جُهۡدَهُمۡ''

۷۔ ہر شخص کی ذمہ داری اس کی حیثیت کے مطابق ہے۔ ''لَا يَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ''

۸۔ ہمیں اپنے فرائض سے عمل کرتے رہنا چاہیئے اور دشمن کے تمسخر اور استہزاء کی پرواہ نہیں کرنا چاہیئے لَا يَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ منافقین کے تمسخر پر خدا انہیں سزا دے گا۔ ''سَخِرَ اللّٰهُ''

۹۔ عمل اور جزا میں تناسب ہونا چاہیئے۔ ''فَيَسۡخَرُوۡنَ... سَخِرَ اللّٰهُ''

آیت نمبر ۸۰

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمۃ الآیات

آپ منافقین کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں (دونوں برابر ہیں) اور اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش طلب کریں تو بھی خدا ہرگز انہیں معاف نہ کرے گا۔ یہ قہر الٰہی اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اس کے رسول کا انکار کیا ہے اور اللہ فاسق گروہ کو ہدایت نہیں کرتا۔ (۸۰)

نکات:

ستر ..۷۰،، ..کا عدد کثرت کا اشارہ ہے اس سے مخصوص تعداد مراد نہیں ہے مقصد آیت یہ کہ خواہ کتنی بار بھی ان کے لئے بخشش کی دعا کریں وہ بے اثر رہے گی۔ یہ مقصد نہیں کہ اگر اکہتر بار استغفار کی گئی تو وہ مؤثر ہوگی۔

یہی وجہ کہ سورہ منافقون کی چھٹی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ان کے لئے برابر ہے کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں خدا انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اس آیت میں خداوند نے تعداد مقرر نہیں کی۔ اگر میں جانتا کہ ستر سے زیادہ بار استغفار سے ان کی بخشش ہو سکتی ہے تو میں اس سے زیادہ بار استغفار کرتا۔ (تفسیر مجمع البیان)

بعض اوقات انسان اتنا گر جاتا ہے کہ کوئی بھی چیز اسے نجات نہیں دلا سکتی۔ مثلاً اگر کسی بیمار کی روح پرواز کر جائے تو دنیا بھر کے ڈاکٹر اسے شفا نہیں دلا سکتے۔

پیغام:

۱۔ دین کا مذاق اڑانا اتنا بڑا جرم ہے کہ پیغمبرؐ کی استغفار بھی ایسے شخص کے لئے غیر مؤثر ہو جاتی ہے۔ ”فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ

۔۔۔فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ‘‘

۲۔جب تک انسان اپنے اندر تبدیلی نہ لائے تب تک دعائے رسول بھی کارآمد ثابت نہیں ہوتی ۔’’فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۔۔۔ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ‘‘

۳۔ضدی منافق کے لئے ہمدردی بے فائدہ ہے۔’’اِنْ تَسْتَغْفِرْ ۔۔۔فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ ‘‘

۴۔اللہ تعالیٰ ہدایت میں بخل نہیں کرتا لیکن منافقین ہدایت کے ظرفِ قابل سے محروم ہیں ۔’’كَفَرُوْا ‘‘

۵۔کفر مغفرت میں رکاوٹ ہے اور فسق ہدایت میں رکاوٹ ہے۔’’كَفَرُوْا ۔۔۔ الْفٰسِقِيْنَ۝۸۰ ‘‘

آیت نمبر ۸۱

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ۝۸۱

ترجمۃ الآیات

(غزوہ تبوک میں) پیچھے رہ جانے والے رسول اللہ کا ساتھ دیئے بغیر بیٹھے رہنے پر خوش ہیں ۔انہوں نے اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کرنے کو ناپسند کیا اور کہنے لگے کہ اس گرمی میں مت نکلو آپ کہہ دیں کہ دوزخ کی آگ کہیں زیادہ گرم ہے کاش وہ سمجھ پاتے۔(۸۱)

نکات:

یہ آیت جنگ تبوک کے پسِ منظر میں نازل ہوئی تھی اس آیت میں منافقین کی تین نشانیاں بیان کی گئی ہیں :

(الف) جنگ میں شرکت نہ کرنے پر پشیمان ہونے کی بجائے وہ خوش ہیں ۔

(ب) ان کے لئے جان مال سے جہاد کرنا نہایت بھاری ہے ۔

(ج) وہ خود بھی جنگ میں نہ گئے تھے اور دوسروں کو بھی جنگ سے روکتے تھے ۔

سابقہ آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ راہ اسلام میں لوگوں کو مال خرچ کرنے سے منع کرتے تھے اور اس آیت میں بیان کیا گیا ہے وہ لوگوں کو جہاد میں شامل ہونے سے روکتے تھے۔

پیغام:

۱۔فرمان پیغمبرؐ کی مخالفت کر کے جنگ میں شرکت نہ کرنا منافقت کی علامت ہے۔''فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ ''

۲۔جنگ میں عدم شرکت سے بڑھ کر گناہ یہ ہے کہ رہبر کے تقدس کو پامال کر کے اس کے فرمان سے تخلف کیا جائے۔بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:''بِمَقْعَدِهِمْ عَنِ الْجِهَادِ''

۳۔رسول خدا کی اطاعت میں چوں چرا کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔''بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ''

۴۔ایک بزدل مومن منافق سے بدرجہ افضل ہے کیونکہ وہ دولت خرچ کرتا ہے اور جہاد میں جانے کا دلی طور پر بھی خواہش مند ہوتا ہے جب کہ منافق نہ تو دولت کی قربانی دیتا ہے اور نہ ہی میدان جنگ میں جانا پسند کرتا ہے۔''كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا''

۵۔منافقین لوگوں کو جہاد سے روکنے کے لئے ایسی تبلیغات کرتے تھے کہ ان کا جذبہ جہاد ٹھنڈا پڑ جائے اور وہ موسم کی گرمی کے حیلوں سے لوگوں کو جہاد سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔''قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ''

۶۔ہمیں ہمیشہ جنگ کے لئے آمادہ رہنا چاہیئے تا کہ منافقین کی جذبات سرد کرنے والی باتوں کو بے اثر بنایا جائے۔''وَقَالُوْا... قُلْ''

۷۔جب دشمن کی تبلیغات کا جواب دینا مقصود ہو تو دشمن کی اصطلاحات سے استفادہ کرنا چاہیئے۔''الْحَرِّ.. اَشَدُّ حَرًّا ''

۸۔یاد معاد میں اتنا اثر ہے کہ اس سے انسان جہاد میں شریک ہونے پر آمادہ ہوسکتا ہے قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ حقیقی مومن موسم کی سختیوں کو جہاد میں رکاوٹ نہیں جانتے۔

۹۔منافق کی نظر صرف ظاہر تک محدود ہوتی ہے اور گہری معرفت سے عاری ہوتے ہیں۔''لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ۝۸۱ ''

آیت نمبر ۸۲

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝۸۲

ترجمة الآيات

انہوں نے جو کچھ اپنے ہاتھوں سے کمائی کی اس کی سزا یہ ہے کہ وہ کم ہنسیں اور زیادہ روئیں۔(۸۲)

نکات:

اگر منافقین کو یہ علم ہو جائے کہ انہوں نے جہاد میں شریک نہ ہو کر بڑی غلطی کی ہے اور اس غلطی کی وجہ سے وہ کتنے عظیم انعام سے محروم ہوئے ہیں تو وہ زیادہ روئیں گے اور کم ہنسیں گے۔

جنگ میں عدم شرکت کی وجہ سے انہیں دوزخ کا عذاب نصیب ہو گا اس وقت وہ ہمیشہ روئیں گے اس لئے ان کی بہتری اسی میں ہے کہ خوشیاں منانے کی بجائے ساری عمر گریہ کریں

پیغام:

۱۔ جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کی دنیاوی سزا یہ ہے کہ وہ کم ہنسیں اور زیادہ روئیں۔ ''فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ ...فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءً''

۲۔ جزا عمل کے عین مطابق ہے منافقین نے جنگ میں نہ جانے کی وجہ سے خوشیاں منائیں تھیں لہٰذا اس لئے حکم دیا گیا کہ روؤ زیادہ اور ہنسو کم۔ ''فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ ...فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا''

۳۔ منافق کی چند روزہ خوشیاں ان کی ابدی حسرت اور طولانی گریہ کا سبب ہیں۔ ''فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ ... وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا''

آیت نمبر ۸۳

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمۃ الآیات

اگر اللہ تعالیٰ آپ کو (اس جنگ کے بعد) منافقین کے کسی گروہ کے پاس واپس لوٹائے تو اور وہ کسی اور جنگ میں شریک ہونے کے لئے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ کہہ دیں کہ تم میرے ساتھ ہرگز جنگ کے لئے نہ نکلو اور میرے ساتھ شامل ہو کر کسی بھی دشمن کے ساتھ جنگ نہ کرو تم پہلی بار گھر میں بیٹھ جانے پر راضی ہوئے تھے اب بھی ہمارے فرمان کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہو۔ (۸۳)

نکات:

(الف) لفظ "خَالِفَ" کے چند معانی ہیں اس کا ایک معنی یہ ہے کہ جنگ سے پیچھے رہا۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اس نے مخالفت کی اور اس کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ شخص بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے اور عاجزی کی وجہ سے جنگ میں جانے کے قابل نہیں ہے۔

(ب) جو کوئی سچی توبہ کرے اس کی توبہ قابل قبول ہے لیکن منافقین کی توبہ ظاہرداری اور ریاکاری پر مبنی ہے اس لئے ان کی توبہ قابل قبول نہیں ہے۔

(ج) اس آیت مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ جنگ میں شرکت نہ کرنے والے منافقین کے پاس سے گزر کر جنگ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تھے اور جنگ تبوک سے واپسی پر آپ کا وہاں سے گزر ہوا اللہ تعالیٰ نے یہ پیشین گوئی کی ہے کہ یہ لوگ آپ کی صحیح سلامت واپسی پر آپ سے یہ درخواست کریں گے کہ آئندہ اگر کہیں جنگ کی ضرورت محسوس ہو تو ہمیں بھی اس میں شامل کر لینا اس طرح سے خدا نے منافقت کے چہرے کو واضح کیا اور انہیں رسوا کیا۔

پیغام:

۱۔ اگر کبھی منافق جہاد میں جانے کی درخواست کریں تو ہمیں چاہیئے کہ انہیں شمولیت سے روک دیں اور ان پر ہرگز بھروسہ نہ کریں۔ فَاِنۡ رَّجَعَكَ ... فَاسۡتَاۡذَنُوۡكَ ... فَقُلۡ لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا منافقین کا کردار یہ تھا کہ جب ضرورت تھی تو انہوں نے گھر میں بیٹھے رہنے کو ترجیح دی تھی اور واپسی کے وقت وہ جنگ میں شرکت کی درخواست کر رہے تھے۔

۲۔ کل کے مداری آج مجاہد بننے کے خواہش مند تھے۔ لہٰذا انہیں اس شرف میں شریک نہیں کرنا چاہیئے۔ "لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِیَ اَبَدًا"

۳۔ ہمیں لوگوں کی سابقہ بداعمالیوں کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے۔ "رَضِيۡتُمۡ بِالۡقُعُوۡدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ"

۴۔منافقین کی تحقیر و تذلیل کرنی چاہیے۔فَاقۡعُدُوۡا مَعَ الۡخٰلِفِیۡنَ رسولؐ کے ساتھ جہاد میں شرکت توفیقِ الٰہی ہے۔منافقین نے جنگ سے دور رہ کر اپنے آپ کو توفیق الٰہی سے نااہل ثابت کیا تھا لہٰذا انہیں اس اعزاز سے ہمیشہ کے لئے محروم رکھنا چاہیے۔ ''لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنۡ تُقَاتِلُوۡا مَعِیَ عَدُوًّا ''

آیت نمبر ۸۴

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۸۴﴾

ترجمۃ الآیات

جب ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس پر نماز جنازہ نہ پڑھیں اور (دعا و استغفار کیلئے) اس کی قبر پر نہ کھڑے ہوں بلا شبہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے اور یہ مرے تو فاسق ہو کر مرے۔(۸۴)

نکات:

☆ آنحضرتؐ کی عادت تھی کہ جب کوئی مسلمان اس جہانِ فانی سے رخصت ہوتا تو آپؐ اس کے مراسم تشیع و تدفین میں شرکت کرتے تھے آپ مرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھتے تھے اور اس کی بخشش کی دعا مانگا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضور اکرمؐ کو حکم دیا کہ وہ منافقین کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں اور اُن کے لئے مغفرت کی دعا نہ مانگیں۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرتؐ منافقین کے جنازے میں شریک ہوتے تو ان کی مغفرت کی دعا نہیں کرتے تھے اور چار تکبیر نمازِ جنازہ پڑھ دیتے تھے جبکہ جنازہ کی پانچویں تکبیر نہیں کہتے تھے۔تفسیر نور الثقلین۔(الکافی جلد ۳۔۱۸۱)

پیغام:

۱۔منافقین سے منفی انداز میں مبارزہ کرنا چاہئے۔''وَلَا تُصَلِّ...وَّلَا تَقُمۡ ''

۲۔منافق کے جنازہ کی بھی تحقیر ہونی چاہیئے۔اس کے جنازہ کی مشایعت نہیں کرنا چاہیئے۔ان کی زیارت قبور کے لئے

ہمیں ان کی قبروں پر نہیں جانا چاہیے۔ ''وَلَا تُصَلِّ۔۔ وَّلَا تَقُمۡ ''

۳۔نمازِ جنازہ سے بائیکاٹ کی دھمکی سے منافقین کو تنبیہ کرنی چاہئے۔ ''لَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ ''

۴۔موت کے بعد نمازِ جنازہ اور زیارتِ قبور سے مومن کا احترام ظاہر ہوتا ہے۔اور خدا کی نظر میں یہ امر پسندیدہ ہے۔لیکن منافق کسی طرح کے احترام کے لائق نہیں ہوتا اسی لئے اس کے لئے یہ حکم ہے کہ نہ تو اس کا نمازِ جنازہ پڑھا جائے اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑا ہونا چاہیے۔ ''وَلَا تُصَلِّ۔۔ وَّلَا تَقُمۡ ''

۵۔منافق کافر اور فاسق ہوتا ہے۔ ''وَمَاتُوۡا وَهُمۡ فٰسِقُوۡنَ۝۸۴ ''

۶۔اعمال کا دارومدار انجام پر ہے۔اگر کوئی شخص حالتِ فسق میں توبہ کئے بغیر مرجائے تو اس کے لئے بڑے خطرات ہیں۔ ''وَمَاتُوۡا وَهُمۡ فٰسِقُوۡنَ۝۸۴ ''

آیت نمبر ۸۵

وَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَاَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الدُّنۡيَا وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ۝۸۵

ترجمة الآيات

منافقین کے اموال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ تو بس چاہتا ہے۔کہ وہ منافقین کو اس سے دنیا میں عذاب دے اور جب وہ مریں تو کافر ہو کر مریں۔(۸۵)

نکات:

☆صدرِ اسلام کے منافق بڑے دولت مند اور صاحبانِ اولاد تھے جب کہ مخلص مسلمان ایسے نہیں تھے اور یہ خطرہ تھا کہ مسلمان ان کی مرفہ حالی دیکھ کر کہیں ان کی طرف مائل نہ ہو جائیں اس لئے اس آیت اور اس سے قبل ۵۵ ویں آیت میں مسلمانوں کو خبردار کیا گیا۔

''زھوق'' کا معنی سختی سے نکلنا اور حسرتِ وغم ہے مقصد یہ ہے کہ منافقین کی جان سختی اور حسرت وغم سے نکلے گی

پیغام:

۱۔دوسروں کے مال و اولاد دیکھ کر ہمیں احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ ''لَا تُعْجِبْكَ''

۲۔کبھی دولت اور اولاد خوش بختی کی بجائے آزمائش اور عذاب کا باعث بن جاتی ہے۔ ''يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا''

۳۔بعض اوقات اللہ تعالیٰ دنیاوی نعمات کو ہی ذریعہ عذاب بنا دیتا ہے۔ ''يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا''

۴۔موت بدن سے روح نکلنے کا نام ہے نہ کہ روح کے فنا ہونے کا۔ ''وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ''

۵۔ناشکری اور معصیت کی زندگی کی وجہ سے انسان کی موت کفر پر واقع ہوتی ہے۔ ''وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴿۸۵﴾''

۶۔دنیا کی چند روزہ چمک دمک کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔نیک انجام اور خاتمہ بالخیر کی بڑی اہمیت ہے۔ ''وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴿۸۵﴾''

آیت نمبر ۸۶۔۸۷

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ﴿۸۶﴾

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴿۸۷﴾

ترجمۃ الآیات

جب کبھی ایسی سورت نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو

تو ان (منافقین) کے صاحبانِ ثروت آپ سے (جنگ سے غیر حاضر رہنے کی) اجازت طلب کرتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ آپ ہمیں دوسرے خانہ نشینوں کے ساتھ رہنے دیں۔(۸۵)

وہ اس بات پر راضی ہیں کہ پیچھے رہنے والے خانہ نشینوں کے ساتھ رہیں ان کے دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں۔وہ نہیں سمجھیں گے۔(۸۷)

نکات:

☆ ''طَوْل'' کے معنی ثروت ودولت ہے اور ''اُولُوا الطَّوْلِ'' سے دولت مند افراد ہیں۔

☆ آیات کے ایسے مجموعہ کو''سورۃ'' کہا جاتا ہے۔جس میں کسی مخصوص موضوع کو بیان کیا گیا ہو۔اس لئے''سورۃ'' کے کچھ حصہ کو بھی سورۃ کہا جاتا ہے۔

پیغام:

۱۔جہاد ایمان باللہ کالازمہ ہے۔''اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا''

۲۔حق وباطل کی غزوات میں رسول اکرم ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔''مَعَ رَسُوْلِهِ''

۳۔جہاد ایک منظم عمل ہے۔اور یہ عمل رہبر مسلمین کے حکم اور اس کے ساتھ سرانجام دیا جاتا ہے۔''جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ''

۴۔اپنی کمزوری اور منافقت کو چھپانے کے لئے جہاد سے رخصت کے عنوان پیش نہ کریں۔''اسْتَاْذَنَكَ''

۵۔تن پرور مرفہ حال افراد جہاد سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ہمیں ایسے افراد سے امیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہیں۔''اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ''

۶۔منافقین مردہ دل افراد ہیں۔''طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ''

۷۔دنیا طلبی، رفاہ زدگی اور منافقانہ رویوں کی وجہ سے انسان حقائق کی پہچان سے دور ہو جاتا ہے۔''لَا يَفْقَهُوْنَ﴿۸۷﴾''

آیت نمبر ۸۸

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

وَاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَاُولٰٓـئِكَ لَهُمُ الۡخَيۡرٰتُ ۫ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۸۸

ترجمۃ الآیات

(رفاہ طلب اور جنگ سے گریز کرنے والوں کے خلاف) رسول اور اس کے اہل ایمان ساتھیوں نے اپنے اموال اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا ہے۔ ان کے لئے تمام نیکیاں اور بھلائیاں ہیں اور یہی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔ (۸۸)

پیغام:

۱۔ حق و باطل کی جنگ میں اگر منافق اور ثروت مند افراد شرکت نہ کریں تو ہمیں ان کے اس طرزِ عمل سے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ ''لٰكِنِ الرَّسُوۡلُ''

۲۔ منافقین یہ کبھی تصور نہ کریں۔ کہ ان کی عدم شرکت سے اسلام بے یارومددگار ہو جائے گا۔ ''لٰكِنِ الرَّسُوۡلُ.....''

۳۔ جہاد کے وقت رہبر کو صفِ اول میں ہونا چاہیے۔ ''الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ''

۴۔ رسول پر صرف ایمان لانا کافی نہیں ہے۔ رسول کی ہمراہی بھی ضروری ہے۔ ''اٰمَنُوۡا مَعَهٗ''

۵۔ جہاد تمام وسائل اور امکانات سے ہونا چاہیے۔ ''جٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ''

۶۔ کامیابی اور کامرانی صرف ایمان اور جہاد کے زیر سایہ ہی ممکن ہے۔ ''اُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۸۸''

۷۔ مجاہدین کے لئے جنگ اور جہاد خیر و خوبی کا ذریعہ ہیں۔ ''اُولٰٓـئِكَ لَهُمُ الۡخَيۡرٰتُ''

۸۔ مجاہدین ظاہری فتح سے ہمکنار ہوں۔ پھر بھی کامیاب ہیں اور اگر اس سے محروم رہیں پھر بھی کامیاب ہیں۔ ''جٰهَدُوۡا ... مُفۡلِحُوۡنَ ۝۸۸''

آیت نمبر ۸۹

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ نے ان کے لئے بہشت کے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گی۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔(۸۹)

پیغام:

۱۔مجاہدین کی جزا پہلے سے تیار کی جاچکی ہے۔''اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ''

۲۔بہشت پیدا کی جاچکی ہے اور وہ اس وقت بھی موجود ہے۔''اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ''

۳۔رشد و ہدایت کے راستے کے لئے فطری خواہشات اور غرائز سے استفادہ کرنا چاہیئے انسان فطری طور پر باغات اور نہروں کا دلدادہ ہے۔''جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ''

۴۔حقیقی اور سچی خوش نصیبی یہ ہے کہ انسان کو دائمی جنت میں رہائش نصیب ہو۔''الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾''

آیت نمبر ۹۰

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور وہ بادیہ نشین جو (جنگ میں شرکت سے) معذور تھے آپ کے پاس آئے تا کہ انہیں (جنگ میں شرکت نہ کرنے کی) اجازت دی جائے۔لیکن وہ لوگ جنہوں نے خدا اور رسول سے جھوٹ کہا (جن کے پاس عذر موجود نہ تھا) اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔ بہت جلد ان میں

سے کفر کرنے والوں کو دردناک عذاب پہنچے گا۔(۹۰)

نکات:

☆ لفظ "اَلْمُعَذِّرُوْنَ" کے متعلق دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ لفظ "اَلْمُعَذِّرُوْنَ" جس کا معنی حقیقی عذر خواہ ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ لفظ عذر تراشی کرنے والوں کے معنی میں ہو۔ ادبیاتِ عرب کی اصطلاح کے تحت یہ لفظ یا تو باب تفصیل سے اسمِ فاعل ہے جس کا معنی جھوٹا عذر تراشنے والا ہوتا ہے۔ یا اس کا تعلق باب افتعال سے ہے۔ جس کا معنی عذر رکھنے والے کا ہے۔۔۔(تفسیر رہنما)

☆ کچھ لوگ حقیقی عذر رکھتے تھے اور وہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے گھر میں رہنے کی درخواست کرتے تھے ان کے علاوہ بہت سے افراد ایسے بھی تھے جو کسی عذر کے بغیر جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اور اس گروہ کے لئے خدا نے عذاب کا وعدہ کیا ہے۔

☆ "اعراب" صحرا نشین افراد کو کہا جاتا ہے۔ جو صحراؤں اور بیابانوں میں زندگی بسر کرتے ہوں اور شہری تمدن سے کوسوں دور ہوں۔

پیغام:

۱۔ جنگِ تبوک میں عام لام بندی کا حکم دیا گیا تھا اور جو شرکت سے معذور ہو اس کے لئے یہ حکم تھا کہ وہ رسول اکرمؐ کے پاس آئے اور ان سے باقاعدہ اجازت حاصل کرے۔ "جَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ۔۔۔لِيُؤْذَنَ لَهُمْ"

۲۔ جہاد ایک منظم حکومتی عمل ہے۔ یہ کوئی انفرادی عمل نہیں ہے۔ لہذا جنگ میں شمولیت یا عدم شمولیت کے لئے رہبر مسلمین کی اجازت ضروری ہے۔ جنگ میں شرکت کی اجازت حاصل کرنے کے لئے ہم سابقی آیات میں یہ جملے پڑھ چکے ہیں۔ "كَذَبُوا"

۳۔ جو لوگ فریضہِ جہاد سے بے اعتنائی کرتے ہیں اور فرار کے درپے ہیں تو ان کے ایمان کا دعویٰ جھوٹ پر مبنی ہے۔ "وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا"

۴۔ جھوٹ کا تعلق صرف زبان سے ہی نہیں ہے۔ بعض اوقات انسان کا عمل اس کے جھوٹے ہونے کی علامت بن جاتا ہے۔ "وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا"

۵۔ جھوٹے بیانوں سے جہاد چھوڑنے والوں کو عنقریب عذابِ الٰہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ "الْمُعَذِّرُوْنَ ۔۔۔سَيُصِيْبُ۔۔۔ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾"

آیت نمبر ۹۱

لَيۡسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الۡمَرۡضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ مَا يُنۡفِقُوۡنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوۡا لِلّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ‌ؕ مَا عَلَى الۡمُحۡسِنِيۡنَ مِنۡ سَبِيۡلٍ‌ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌۙ ﴿۹۱﴾

ترجمۃ الآیات

ضعیفوں اور مریضوں اور ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہوں۔نیک لوگوں پر کوئی سرزنش نہیں ہے۔اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۹۱)

نکات:

ایک نابینا شخص آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں نابینا ہوں میرے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں ہے۔جو میرا ہاتھ پکڑ کر میدانِ جنگ میں لے جائے۔تو کیا میرا یہ عذر قابلِ قبول ہے۔؟

رسول اللہ یہ سن کر خاموش رہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔اسلام کے ایسے عاشقوں پر آفرین ہے جو بڑھاپے اور بینائی سے محرومی کے باوجود دین کی مدد کیلئے بے تاب رہتے ہیں اور جہاد سے عدم شرکت کے لئے آنحضرتؐ سے اجازت طلب کرتے تھے۔

☆اس آیت میں ان لوگوں کو گھر میں رہنے کی اجازت دی گئی ہے۔جن کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔غالباً اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے خاندان کے واحد کفیل تھے اور اگر وہ جہاد میں شرکت کرتے تو ان کے اہل وعیال رزق روزی سے محروم ہوتے تھے۔(تفسیر راہنما)

☆اسلام کوئی ایسا حکم جاری نہیں کرتا جس پر عمل انسانی استطاعت سے باہر ہو۔اسلام حالات وواقعات پر نظر رکھتا ہے۔اور بندراہوں کا قائل نہیں ہے۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان جس کام کو بجالانے سے قاصر ہو اس کے لئے وہ مکلف ہی نہیں ہوتا۔اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔(تفسیر نور الثقلین۔الکافی جلد اول ۱۶۵)

پیغام:

۱۔ الٰہی تکالیف انسان کی قوت و طاقت کے مطابق ہیں۔ ''لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ...حَرَجٌ''
ضعیفوں اور بیمار و ناتواں افراد اور وہ افراد جن کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ انہیں جہاد میں شرکت سے معافی دی گئی ہے۔

۲۔ مجبوری اور معذوری کی شکل میں جہاد سے معافی مل سکتی ہے۔ لیکن خیر خواہی سے معافی نہیں مل سکتی۔ ضعیف، بیمار اور مفلس اگر جنگ میں شریک نہ ہوسکیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن انہیں چاہیئے کہ خدا اور رسول کے وفادار رہیں اور آپؐ سے خیر خواہی کریں لہٰذا ایک بوڑھے نابینا کو چاہیئے کہ وہ مجاہدینِ اسلام کی کامیاب کے لئے دل و جان سے دعا کرے۔ ''اِذَا نَصَحُوْا''

۳۔ وہ لوگ جو جہاد سے معذور ہوں لیکن مسلمانوں کے خیر خواہ ہوں تو ایسے لوگ نیکوکار جماعت کے فرد ہیں۔ ''الْمُحْسِنِيْنَ''

۴۔ لاچار اور کمزور افراد اگر جہاد میں شرکت نہ کریں تو وہ مواخذے کے لائق نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان سے کوئی تاوان لیا جائے گا۔ ''مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ''

آیت نمبر ۹۲

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان لوگوں پر بھی کوئی الزام نہیں ہے جو کہ آپ کے پاس آئے اور آپ سے سواری کی درخواست کی تھی۔ آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری موجود نہیں ہے کہ تمہیں اس پر سوار کروں (یہ سن کر) وہ واپس گئے جب کہ ان کی آنکھیں اس غم میں آنسو بہا رہی تھیں کہ ان

کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں۔ (۹۲)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں ایسے افراد کی بات کی گئی تھی جن کے پاس جہاد کے لئے مالی وسائل نہیں تھے جب کہ اس آیت میں ایسے مفلس افراد کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے پاس جنگ میں شرکت کے لئے سواری کے جانور موجود نہیں تھے۔ وہ لوگ آنحضرتؐ کے پاس گئے اور انہوں نے آپ سے سواری کا مطالبہ کیا۔ لیکن آنحضرتؐ کے پاس سواریاں موجود نہ تھیں۔ وہ جنگ میں شریک نہ ہو سکے اور اپنی غربت و بے نوائی پر آنسو بہاتے ہوئے واپس چلے گئے۔

☆ ان لوگوں کے متعلق خدا نے فرمایا کہ جنگ میں عدم شرکت کی وجہ سے ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ یہ لوگ مجاہدین اسلام کے ثواب میں شریک ہوں گے۔ چنانچہ حسن بصری سے منقول ہے کہ رسولِ خدا مجاہدین غزوہ تبوک سے فرماتے ہیں:

تم نے جو مال خرچ کیا ہے اور جو تکالیف برداشت کی ہیں مدینہ میں رہنے والا گروہ اس اجر میں تمہارا شریک ہے کیونکہ وہ دل سے جنگ میں شامل ہونے کے خواہش مند تھے۔ (تفسیر درِ منثور)

پیغام:

۱۔ مجاہدین کو اسلحہ اور سواری فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ''اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ''

۲۔ انسان کی قدر و قیمت اس کے ظاہری افعال و حرکات سے منسلک نہیں ہے۔ اس کے برعکس انسانی قدر و قیمت کا دارومدار اس کی نیت اور جذبہ پر ہے۔ ''اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ''

اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جن کے پاس مالی وسائل موجود نہیں تھے البتہ جوش و جذبہ سے لوگ سرشار تھے۔

۳۔ مومن کو جہاد بہت عزیز ہوتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے وہ اس سے محروم رہے تو شدتِ غم سے روتا ہے۔ ''تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ''

آیت نمبر ۹۳

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمة الآيات

الزام تو بس ان لوگوں پر ہے جو دولت مند ہونے کے باوجود آپ سے درخواست کرتے ہیں (کہ انہیں جہاد سے معاف رکھا جائے) انہوں نے گھر میں رہنے والی عورتوں میں شامل رہنا پسند کیا اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ لہذا وہ نہیں جانتے۔ (۹۳)

نکات:

☆ سابقہ آیت اور موجودہ آیت میں مومن و منافق کا موازنہ پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کچھ مخلص مومن ایسے بھی تھے۔ کہ جب وہ سواری نہ ملنے کی وجہ سے جہاد سے محروم ہوئے تو وہ اس پر زار و قطار رونے لگے۔ ''اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ''

اس آیتِ مجیدہ میں ہمیں دولت مند منافقین کے کردار سے آگاہ کیا گیا۔ جنہوں نے جنگ میں شرکت سے معذوری کا اظہار کیا تھا اور رسولِ خداؐ سے گھر میں رہنے کی اجازت طلب کی تھی۔!!

پیغام:

۱۔ جہاد ہر امیر اور غریب پر یکساں فرض ہے۔ کسی کی دولت جہاد کی عدم شرکت کی دلیل نہیں ہے اور نہ ہی وہ جہاد چھوڑنے کا عذر ہے۔ ''عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ''

۲۔ اپنی مسئولیت سے لاپرواہی برے انجام کا سبب ثابت ہوتی ہے اور یہ صحیح معرفت کے سلب ہونے کا ذریعہ بنتی ہے۔ ''طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾''

آیت نمبر ۹۴

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ

وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾

ترجمۃ الآیات

جب تم جہاد سے واپس لوٹو گے تو (جنگ تبوک میں شامل نہ ہونے والے) تمہارے سامنے عذر تراشی کریں گی۔آپ کہہ دیں کہ عذر مت تراشو۔ہم تمہاری باتوں پر ہرگز اعتماد نہیں کریں گے۔اللہ نے ہمیں تمہارے حالات و واقعات سے خبر دار کر دیا ہے۔عنقریب خدا تمہارے اعمال دیکھے گا اور اس کا رسول بھی۔پھر تم لوگ غیب و شہود کے جاننے والے کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔پھر وہ تمہیں ان اعمال کی خبر دے گا جو تم کیا کرتے تھے۔(۹۴)

نکات

☆اسی منافقین نے جنگ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی جب رسول اکرمؐ جنگ تبوک سے واپس تشریف لائے تو انہوں نے اپنے لئے مختلف حیلے بہانے تراشے تھے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ان کی باتوں پر مت جائیں انہیں خدا کے سپرد کر دیں۔

پیغام

۱۔مسلمانوں کو اتنا مضبوط ہونا چاہیئے کہ تخلف کرنے اپنے آپ کو عذر بہانے کرنے پر مجبور سمجھیں۔''يَعْتَذِرُوْنَ''

۲۔بہانے ساز منافقین سے دوٹوک گفتگو کرنی چاہیے۔''لَا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ''

۳۔اللہ تعالیٰ غیبی طریقہ سے اپنے پیغمبر کو منافقین کے حالات اور لوگوں کے اعمال کی خبر دیتا ہے۔''قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ''

۴۔جنگ کے بعد عذر بہانے شروع کر دیئے جاتے ہیں۔ی''عْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ''

۵۔اللہ ہر ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے۔اس کے لئے غیب و شہود یکساں ہے۔کائنات کی کوئی بھی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔''عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ''

۶۔قیامت کی یاد انسانی زندگی میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔''ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ''

۷۔انسان کو اپنے تمام اعمال کا جواب دینا پڑے گا۔بدکار افراد کے لئے قیامت کا دن رسوائی کا دن

ہوگا۔ ”فَیُنَبِّئُکُمۡ“

آیت نمبر ۹۵

سَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ لَکُمۡ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ ؕ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ ؕ اِنَّہُمۡ رِجۡسٌ ۫ وَّمَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۹۵﴾

ترجمۃ الآیات

جب آپ جہاد سے لوٹ کر ان (منافقین) کی طرف جائیں گے تو وہ تمہارے سامنے خدا کی قسمیں کھائیں گے۔ تاکہ تم (ان کی سرزنش سے) چشم پوشی کرلو تم ان سے اعراض اور دوری اختیار کرو یقیناً یہ لوگ پلید ہیں۔ یہ جو کچھ کمائی کر رہے ہیں۔ اس کی جزا میں ان کا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا۔ (۹۵)

نکات:

☆ اعراض یعنی منہ پھیرنے کی اساس کبھی تو بزرگواری پر ہوتی ہے اور کبھی قہر و بے اعتنائی پر ہوتی ہے۔

اس آیت میں دو مطالب موجود ہیں منافقین نے اپنی غلطیوں پر اعراض اور چشم پوشی کی درخواست کی اس کے جواب میں خدا نے قہر آمیز اعراض کا حکم نازل کیا۔ تفسیر کبیر فخر رازی

☆ رسول اکرمؐ نے جنگِ تبوک سے واپسی پر لوگوں کو یہ حکم دیا تھا۔ کہ وہ تارک جہاد منافقین سے معاشرتی تعلقات ختم کردیں۔ (تفسیر مراغی)

☆ سابقہ آیت میں ان کے عذر کو قبول نہیں کیا گیا اس آیت میں انہیں ضعف و ذلت میں قرار دیا اسی لئے انہوں نے قسموں کو وسیلہ بنایا ہے۔

پیغام:

۱۔ ہر قسم لائقِ اعتبار نہیں ہوتی۔ ”سَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ۔۔ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ“

۲۔منافقین مقدساتِ اسلام اور نام خداوندی کو اپنے غلط مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔''سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ''

۳۔مسلمانوں کو تولا اور تبرا پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔''أَعْرِضُوا عَنْهُمْ''

۴۔جو لوگ کسی معقول عذر کے بغیر جہاد سے قطع تعلقی کریں ان سے ہمیں بائیکاٹ کرنا چاہئے۔ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دینا چاہئے۔''أَعْرِضُوا عَنْهُمْ''

۵۔فاسد ماحول اور معاشرے سے دور رہنا چاہئے۔کیونکہ منافقت اور دوسری خرابیاں دوسرے افراد میں سرایت کرسکتی ہیں۔''فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَأْوٰهُمْ''

۶۔نفاق ایک باطنی نجاست اور روحانی بیماری ہے۔''إِنَّهُمْ رِجْسٌ''

۷۔دوزخ خدائی انتقام کی بجائے انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔''جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴿۹۵﴾''

آیت نمبر ۹۶

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴿۹۶﴾

ترجمۃ الآیات

وہ تمہارے لئے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ (تمہیں جان لینا چاہیئے کہ) اگر تم ان سے راضی بھی ہو گئے تو اللہ فاسق گروہ سے راضی نہیں ہوگا۔(۹۶)

نکات:

سابقہ آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ منافق تمہارے سامنے اس لئے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے چشم پوشی کرلو اور موجودہ آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ صرف چشم پوشی کی غرض سے قسمیں نہیں کھاتے وہ اس لئے بھی قسمیں کھاتے ہیں کہ تم دل میں ان کے خلاف کوئی ملال نہ رکھو اور ان سے راضی ہو جاؤ۔''لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ

☆ منافقین کو اس بات سے کوئی سروکار نہ تھا کہ مومن ان سے دلی طور پر خوش ہو جائیں وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح سے انہیں راضی کرکے ان کے سخت ردعمل سے محفوظ رہیں اور جہاں تک ممکن ہو معاشرے میں اپنی حیثیت کو محفوظ رکھیں۔

☆ رسول اکرمؐ کا فرمان ہے: جو لوگوں کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر خدا کی رضا تلاش کرے تو اللہ اس سے راضی ہوگا

اور لوگوں کو بھی اس سے راضی کرادے گا اور جو اللہ کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر لوگوں کی رضا تلاش کرے تو اللہ اس سے ناراض ہو گا اور لوگوں کو بھی اس پر ناراض کر دے گا۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ منافقین کی نظر فقط لوگوں کے راضی کرنے تک محدود ہے انہیں خدا کی رضا اور حقیقی توبہ کی کوئی فکر تک نہیں ہے۔ ''لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ''

۲۔ ہمیں ہمیشہ رضائے الٰہی کا طلبگار رلوگوں کو راضی رکھنے پر نظر رکھنی چاہئے صرف لوگوں کو راضی نہیں کرتے رہنا چاہیے۔۔ کیونکہ لوگوں کی خوشی اور ناراضگی کی کوئی حیثیت نہیں ہے جبکہ خدا کی رضا مندی اور ناراضگی کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ ''فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى ط

۳۔ اللہ منافقین سے ناراض ہے لہذا جو بھی منافقین سے راضی ہو تو اس نے اپنا راستہ خدا سے جدا کر لیا ہے۔ ''فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى''

۴۔ جب تک کوئی فاسق اپنی حرکات سے باز نہ آجائے تب تک اس سے راضی نہیں رہنا چاہئے۔ ''فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى''

۵۔ ہر جگہ مومنین کی خوشی میں اللہ تعالیٰ کو خوشی نہیں ہے۔ ''فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى''

آیت نمبر ۹۷

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾

ترجمة الآيات

صحرائی عرب (تعلیم و تربیت سے دوری کی وجہ سے) کفر و نفاق میں انتہائی سخت ہیں اور یہ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ اللہ نے اپنے رسولؐ پر جو کچھ نازل کیا ہے اس کی حدود کو سمجھ سکیں اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔ (۹۷)

نکات:

☆ ''اعراب'' بادیہ نشینوں کو کہا جاتا ہے اس کی واحد ''اعرابی'' ہے عرب نہیں ہے۔

☆ اعرابی ہونے کا مقصد یہ ہے کہ انسان دین و مکتبی تعلیم سے دور ہو۔ لفظ ''اعراب'' قرآن حکیم میں دس مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ ایک مقام پر یہ لفظ مدح ہے نو مقامات پر قابل مذمت ہے۔

☆ حدیث شریف میں یہ بیان کیا گیا ہے: ''تَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ فَإِنَّهُ مَنْ لَمْ يَتَفَقَّهْ فِي الدِّيْنِ فَهُوَ أَعْرَابِيٌّ'' اپنے اندر دین شناسی پیدا کرو جس میں دین کی گہری فہم نہیں ہے تو وہ اعرابی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہمیں یہ جملے دکھائی دیتے ہیں

ہم بنی ہاشم ہیں ہمارے یار و مددگار عرب ہیں۔ باقی لوگ اعراب ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ عصر پیغمبرؐ کے لوگوں میں دو گروہ پائے جاتے تھے۔ ایک طبقہ شہر نشینوں کا تھا جبکہ دوسرا طبقہ صحرا نشینوں کا تھا۔ سابقہ آیات میں جنگ تبوک میں مسلمانوں کی کامیابی کو بیان کیا گیا ہے اسی لیئے عین ممکن ہے کہ خدا نے اہل ایمان کو اس آیت سے خبردار کیا ہو کہ تمہیں صرف شہری دشمنوں کا سامنا نہیں ہے ان کے ساتھ ساتھ صحرا نشین دشمنوں سے بھی ہوشیار رہو۔

پیغام:

۱۔ بادیہ نشینی دینی تہذیب و تعلیم سے دوری کا موجب ہوتی ہے۔ ''اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا ''

۲۔ ماحول اور معاشرہ افراد کی ترقی اور پسماندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ''اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا''

۳۔ علم و تہذیب سے ہٹے ہوئے افراد بعض اوقات کافروں اور منافقوں کے آلہ کار بن جاتے ہیں اور وہ اصلی کافروں اور منافقوں سے کفر و نفاق میں بڑھ جاتے ہیں۔ ''اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا''

۴۔ کفر و نفاق کے بھی کئی درجے ہیں۔ ''اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا''

۵۔ لاعلمی بھی کبھی کفر و نفاق کا سبب بن جاتی ہے۔ ''اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا ... اَلَّا يَعۡلَمُوۡا ''

۶۔ احکام دین کا جاننا ضروری ہے ورنہ ہم بھی اعرابی قرار پائیں گے۔ ''يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ''

۷۔ حدود الٰہی سے جاہل افراد خواہ شہروں میں ہی رہتے ہوں وہ بھی اعراب اور بادیہ نشینوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ ''يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ''

آیت نمبر ۹۸

وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّیَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَیۡهِمۡ دَآئِرَۃُ السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۹۸﴾

ترجمۃ الآیات

ان بادیہ نشینوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو (اپنے نفاق یا ایمان کی کمزوری کی وجہ سے) کچھ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اسے اپنے لیئے تاوان سمجھتے اور اس انتظار میں رہتے ہیں کہ تم پر گردشِ ایام آئے۔ بری گردش خود ان پر آئے اللہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (۹۸)

نکات:

☆ ''مغرم'' غرامت سے مشتق ہے جس کے معنی چمٹ جانے کے ہیں اور ایسے قرض کو خواہ جب تک مقروض سے قرض وصول نہ کرلے تب تک اسے نہ چھوڑے عربی زبان میں ''عزیم'' کہتے ہیں اور ایسے واجب الادا قرض کو ''مَغۡرَمًا'' کہا جاتا ہے۔

☆ ''دوائر'' جمع ہے اور اس کی واحد ''دائرہ'' ہے۔ ایسے حوادث کو ''دوائر'' کہا جاتا ہے جو انسان کو چاروں طرف سے گھیر لیں۔

پیغام:

۱۔ منافق اور ہر وہ شخص جو حدود الٰہی اور اسلامی تمدن سے ناواقف ہو وہ ہمیشہ انفاق فی سبیل اللہ کو اپنے لیئے نقصان دِہ اور تاوان تصور کرتا ہے۔ ''یَتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ مَغۡرَمًا''

۲۔ منافق ہمیشہ حاسد ہوتا ہے وہ دوسروں کے لیئے صرف مصیبت کا خواہاں ہوتا ہے۔ ''یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ''

۳۔ جو دوسروں کے لیئے مصیبت کا تمنائی ہو وہ خود مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ ''یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَیۡهِمۡ دَآئِرَۃُ السَّوۡءِ''

۴۔اللہ تعالیٰ لوگوں کی باتوں اور ان کی خصلتوں سے بخوبی آگاہ ہے۔ ''وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ ''

آیت نمبر ۹۹

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان بدوؤں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ (راہ خدا میں خرچ) کرتے ہیں اسے اللہ کے تقرب اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آگاہ رہو کہ یہ ان کے لیئے تقرب کا ذریعہ ہے۔اللہ عنقریب انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔(۹۹)

پیغام:

۱۔اگر ہم کسی گروہ کی مذمت کریں تو ان کے کچھ افراد میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں انہیں فراموش نہ کریں۔یہی وجہ ہے کہ سابقہ آیات میں ''اعراب'' کی مذمت میں فرمایا۔ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا اور وہ اعراب جو صاحبانِ ایمان تھے ان کی مدح میں یہ فرمایا گیا۔ ''وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ''

۲۔نیک فطرت اور ہدایت جو افراد دیہاتوں اور بیابانوں میں رہ کر بھی با صلاحیت رہتے ہیں۔صحرانشینی سے رشدو ہدایت کا انتخاب سلب نہیں ہوجاتا۔ ''وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ''

۳۔ایمان،انفاق فی سبیل اللہ اور تسکین قلب کے لیئے زمین ہموار کرتا ہے۔ ''وَالْيَوْمِ...يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ''

۴۔مالی وسائل سے ہمیں قربت الٰہی کا مقام حاصل کرنا چاہیے۔ ''يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ''

۵۔خالص نیت موجب قربت ہوتی ہے۔ظاہری عمل کی کوئی قدرو قیمت نہیں ہے۔انفاق منافقین نے بھی کیا تھا اہلِ

ایمان نے بھی کیا تھا۔ منافقین کو کوئی اجر نہیں ملا۔ اہل ایمان کے لیئے فرمایا: ''اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ''

٦۔ رضائے رسولؐ کے لیئے کام کرنا توحید کے منافی نہیں ہے۔ ''اِنَّهَا قُرْبَةٌ ''

٧۔ انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے کو رسول خدا دعا دیتے ہیں۔ ''وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ''

٨۔ مومن رحمت الٰہی میں سر تا پاڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ فِيْ رَحْمَتِهٖ جبکہ منافق ناگوار حوادث میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ ''عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ''

٩۔ صحرانشین افراد چونکہ اسلامی ماحول سے دور رہتے تھے اسی لیئے ان کے عمل کی خصوصی حوصلہ افزائی کی گئی ہے ''اَلَآ۔۔فِيْ رَحْمَتِهٖ''

آیت نمبر ١٠٠

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾

ترجمۃ الآیات

اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے سب سے پہلے سبقت کی اور جو نیک چال چلن میں ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ابد تک باقی رہیں گے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔ (١٠٠)

نکات:

☆ اس آیت مجیدہ میں صدر اسلام کے مسلمانوں کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

١۔ وہ گروہ جس نے اسلام اور ہجرت میں سبقت کی۔

۲۔ وہ گروہ جس نے رسول خدا اور مہاجرین کی مدد میں سبقت کی۔

۳۔ بعد میں آنے والے افراد جو ان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے مہاجرین اولین کا نام لیا پھر انصار کا تذکرہ فرمایا۔ پھر ان کے پیروکاروں کا نام لیا اسی ترتیب کے مطابق جنت میں ان کے درجات مکمل کیئے ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین۔ الکافی جلد ۲ / ۴۱)

☆ تمام مسلمان اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت خدیجہ پہلی مسلمان خاتون تھیں اور تمام شیعہ اور بہت سے اہلِ سنت کے علماء کا بیان ہے کہ مردوں میں حضرت علیؑ مسلم اوّل تھے۔

(تفصیل کے لئے الغدیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۰ تا ۲۴۰ اور احقاق الحق جلد ۳ صفحہ ۱۱۴ تا ۱۲۰ تک کا مطالعہ فرمائیں۔)

چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے مسلم اول ہونے کے متعلق مؤرخین میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں تفسیر قرطبی جلد ۵ صفحہ ۳۰۷۵ بحوالہ متدرک حاکم کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ دعوت اسلام کے وقت حضرت علیؑ کی عمر دس برس کی تھی اور آپؑ اس وقت بچے تھے۔ بھلا ایک بچے کے ایمان کی قدر و قیمت کیا ہو سکتی ہے؟ ایسے لوگوں کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ اللہ نے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو بچپنے میں نبوت عطا کی تھی۔ اور ان کی نبوت کی قدر و قیمت کیا تھی۔

پیغام:

۱۔ نیک کام میں سبقت کرنے کی بڑی قدر و قیمت ہے اور ہر مقام پر ان کا خیال رکھنا چاہئے۔ ''وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ''

۲۔ تمام مہاجرین و انصار رحمت الٰہی اور مدح قرآنی کے سزاوار نہیں ہیں یہ شرف ان میں سے کچھ افراد کو حاصل ہے۔ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ میں کلمہ ''مِنْ'' ''بعضیت'' پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ صرف پیروی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے نیکیوں اور فضائل میں پیروی کرنے کی بڑی اہمیت ہے۔ ''اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ''

۴۔ اگر مومن اللہ کی رضا پر راضی رہے تو اللہ بھی اس سے راضی رہتا ہے۔ ''رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ''

۵۔ بہشت، ایمان، سبقت، ہجرت، نصرت اور نیکی کے کاموں میں اتباع کے زیرِ سایہ ملتی ہیں۔ ''السّٰبِقُوْنَ۔۔۔ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰت''

آیت نمبر ۱۰۱

وَمِمَّنۡ حَوۡلَكُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ مُنٰفِقُوۡنَ ۛؕ وَمِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ ۛؔ مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعۡلَمُهُمۡ ؕ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ ؕ سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ ثُمَّ يُرَدُّوۡنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيۡمٍ ۚ‏ ﴿۱۰۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور تمہارے گردوپیش کے بدوؤں میں منافق موجود ہیں اور خود اہلِ مدینہ میں بھی ایسے افراد موجود ہیں جو منافقت پر اڑے ہوئے ہیں۔ آپ انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔ عنقریب ہم انہیں دگنا عذاب دیں گے پھر انہیں بڑے عذاب کی طرف لوٹا یا جائے گا۔ (۱۰۱)

نکات:

☆ ''مَرَدُوۡا'' کے معنی پختہ ہونے کے ہیں۔ ☆ منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ'' ہم انہیں دوبار عذاب دیں گے۔ ان کے لیئے پہلا عذاب یہ ہے کہ انہیں لوگوں میں رسوا کیا جائے گا اور دوسرا عذاب یہ ہے کہ موت کے وقت ان کی جان سختی سے نکلے گی جیسا کہ سورہ انفال میں ارشاد خداوندی ہے يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَاَدۡبَارَهُمۡ ۚ (انفال/۵۰) فرشتے ان کے چہروں اور پشتوں پر طمانچے ماریں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دوبار عذاب سے جسمانی اور روحانی عذاب مراد ہو۔

پیغام:

۱۔ ہمیں اپنے گردوپیش کے منافقین سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ ''حَوۡلَكُمۡ''

۲۔ صحرانشینوں کا کفرونفاق علی الاعلان ہے جبکہ شہریوں کا نفاق انتہائی خفیہ ہے۔ ''وَمِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ''

۳۔ منافقت کے بھی کئی مدارج ہیں۔ منافقت کبھی عمومی انداز میں ہوتی ہے اور کبھی خاصی پیچیدہ شکل میں ہوتی ہے۔ ''مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ''

۴۔تعلیم الٰہی کے بغیر پیغمبر کی غیب تک رسائی نہیں ہے ۔''لَا تَعْلَمُهُمْ ''

۵۔۔وہ لوگ جو انحراف پر اصرار کرتے ہیں اور بہانے تراشا کرتے ہیں ان کے لیئے دوہرا عذاب ہے ۔''مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ،سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ''

۶۔منافق دنیاو آخرت میں گرفتار بلا رہتا ہےاوراس کا ابتلا کچھ زیادہ دورنہیں ہے ۔''سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ''

آیت نمبر ۱۰۲

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور (اعراب میں سے) کچھ دوسرے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے ۔انہوں نے نیک عمل کے ساتھ دوسرے برے عمل کومخلوط کیا ہے امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ کو قبول کرے (اوران پر دوبارہ اپنا لطف وکرم کردے)اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے ۔(۱۰۲)

نکات:

☆رسول خداؐ کے کچھ اصحاب نے جنگ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی ان کی عدم شرکت منافقت کی وجہ سے نہ تھی انہیں دنیاوی زندگی سے پیار تھا اسی لیئے وہ جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے ۔جب جنگ میں شرکت نہ کرنے والوں کی مذمت میں آیات نازل ہوئیں تو انہیں اپنی غلطی پر پشیمانی لاحق ہوئی ۔اورانہوں نے توبہ کی غرض سے اپنے آپ کو ستونِ مسجد سے باندھ دیا ۔یہاں تک کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کی اور رسول اکرم نے ان کی رسیاں کھولیں اورانہیں معافی نصیب ہوئی ۔

پیغام:

۱۔رسول اکرم کے جملہ اصحاب عادل نہیں تھے ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے نیک اعمال کے ساتھ کچھ

برائیاں بھی کی تھیں۔ ''خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا''

۲۔ انسان کی نظر ہمیشہ اپنی نیکیوں پر ہی مرکوز نہیں رہنی چاہیئے۔ اسے اپنی غلطیوں پر بھی نظر کرنی چاہیئے۔ اور ان کی تلافی کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ ''اعۡتَرَفُوۡا، خَلَطُوۡا''

۳۔ اپنے گناہوں کے اعتراف سے ہی توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ ''اعۡتَرَفُوۡا، يَّتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ''

۴۔ خدا نے اگرچہ بخشش کا وعدہ کیا ہے لیکن انسان کو چاہیئے کہ وہ امید اور خوف کے درمیان زندگی بسر کرے۔ ''عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ''

۵۔ پشیمان ہونے والے گناہ گار کو امید کی ضرورت ہے اور اسلام کی آغوش اسے قبول کرنے پر آمادہ ہے۔ ''اعۡتَرَفُوۡا۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۰۲﴾''

آیت نمبر ۱۰۳

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۳﴾

ترجمۃ الآیات

ان کے اموال سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کریں تا کہ اس ذریعہ سے انہیں (بخل اور دنیا پرستی کی آلائش سے) پاک کریں اور بابرکت بنایں اور ان کے حق میں دعا کریں۔ یقیناً آپ کی دعا ان کے لیئے مایہ تسکین ہے۔ اللہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (۱۰۳)

نکات:

☆ یہ آیت مجیدہ ہجرت کے دوسرے سال ماہ رمضان میں نازل ہوئی۔ رسول اکرمؐ نے مُنادی کرائی کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی طرح سے زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے۔ ایک سال بعد آپؐ نے مسلمانوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔

☆ زکوٰۃ ادا کرنے والوں پر رسول خدا رحمت بھیجتے تھے وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ جب کہ اللہ تعالیٰ خاک وخون میں غلطان ہونے والے راہِ حق کے شہدا پر درود بھیجتا ہے۔ (البقرہ ۱۵۷)

پیغام:

۱۔مسلمان حکمران کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں سے زکوۃ وصول کرے۔''خُذْ''

۲۔اسلام انفرادی اور ذاتی ملکیت کے حق کو تسلیم کرتا ہے۔''اَمْوَالِهِمْ''

۳۔زکوۃ تمہاری دولت میں سے انتہائی تھوڑا سا حصہ بنتی ہے لہٰذا فراخ دلی کے ساتھ زکوۃ ادا کرو۔''اَمْوَالِهِمْ''

۴۔زکوۃ سے ایمانی دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے۔

۵۔زکوۃ کی وجہ سے انسان کی روح بخل، دنیا پرستی اور مال دوستی سے نجات حاصل کرتی ہے۔''تُطَهِّرُهُمْ''

۶۔زکوۃ سے فرد اور معاشرے میں اخلاقی فضائل پیدا ہوتے ہیں۔''تُزَكِّيْهِمْ''

۷۔افلاس وفقر سے بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں اور اگر زکوۃ سے ضرورت مندوں کی حاجات پوری ہوتی رہیں تو معاشرہ بہت سی خرابیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔''تُطَهِّرُهُمْ''

۸۔رسول اکرمؐ عام لوگوں کے لیئے دعائے رحمت کیا کرتے تھے اسی سے ان کی دلجوئی ہوتی تھی اور مزید نیکی بجا لانے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔''صَلِّ عَلَيْهِمْ''

۹۔زکوۃ و مالیات دینے والے اور لینے والے میں محبت و اخلاص کا رشتہ ہونا چاہیئے۔''خُذْ۔صَلِّ''

۱۰۔رسول خدا کی لوگوں کے حق میں دعا مستجاب ہے۔''وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ''

۱۱۔ہر جگہ مادی نعمات کی تشویق ہی مؤثر نہیں ہوتی بعض اوقات معنوی تشویق زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔''اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ''

۱۲۔ہمیں زکوۃ وصول کرتے وقت یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ آخر کیا ہوا زکوۃ دینا اس کا فرض تھا ہم بھلا اس کے لیئے دعائے خیر کیوں کریں اور اس کا شکریہ کیوں ادا کریں۔''خُذْ۔صَلِّ عَلَيْهِمْ''

۱۳۔تشویق سے بھاری تکلیف بھی آسان دکھائی دینے لگ جاتی ہے۔''سَكَنٌ لَّهُمْ''

۱۴۔تمام احکام وقوانین کا سرچشمہ علم الٰہی ہے۔''وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾''

آیت نمبر ۱۰۴

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾

ترجمۃ الآیات

کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات بھی وصول کرتا ہے اور یہ کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (۱۰۴)

نکات:

☆ کچھ افراد جو جنگ تبوک میں شریک نہ تھے وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے آپؐ سے توبہ قبول کرنے کی درخواست کی تھی۔ اس آیت میں بیان ہوا ہے کہ توبہ قبول کرنا خدا کا کام ہے اس کے علاوہ کوئی اور توبہ قبول نہیں کرسکتا اور اسی طرح سے امام و نبی کو جو صدقات وزکوٰۃ دی جاتی ہے اس کا حقیقی وصول کنندہ بھی خداوند عالم ہے۔

☆ زکوٰۃ ظاہری طور پر رسول مقبولؐ لیتے تھے لیکن اللہ نے فرمایا کہ میں زکوۃ وصدقات وصول کرتا ہوں۔ اس نسبت کی وجہ یہ ہے کہ آپ حکم خداوندی سے زکوٰۃ وصول کرتے تھے اسی لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ صدقات وصول کرتا ہے۔ اس کی نظیر سورۃ فتح کی دسویں آیت میں ان الفاظ سے ملتی ہے۔ بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کررہے ہیں وہ دراصل اللہ کی بیعت کررہے ہیں۔

☆ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ صدقہ ابھی فقیر کے ہاتھ میں قرار نہیں پکڑتا کہ وہ خدا کے ہاتھ میں قرار پکڑ لیتا ہے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ تفسیر برہان ☆ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا زکوٰۃ کی وصولی آنحضرتؐ کے ساتھ مخصوص تھی یا ان کے بعد یہ جاری رہے گی؟ آپ نے فرمایا۔ جی ہاں یہ جاری رہے گی۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ توبہ قبول کرنے کا اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے۔ پیغمبر خدا کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے۔ نجانے اہل کلیسا نے یہ حق اپنے پادریوں کو کیوں دے دیا؟ ''هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ ''

۲۔ زکوٰۃ حقیقی توبہ کی مظہر ہے۔ ''يَقْبَلُ التَّوْبَةَ ... وَيَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ''

۳۔ اندرونی انقلاب مادی امداد پر مقدم ہے۔ ''يَقْبَلُ التَّوْبَةَ ... وَيَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ ''

۳۔ توبہ صرف پشیمانی کا نام نہیں ہے اس کے بعد اصلاح اور عمل ضروری ہے۔ ''يَقْبَلُ التَّوْبَةَ ،وَيَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ''

۵۔ صدقات وصول کرنے والا درحقیقت خدا ہے لہٰذا ہمیں پورے جوش وجذبہ کے ساتھ بہترین مال میں سے زکوٰۃ دینی چاہئے۔ ''اَنَّ اللّٰهَ ... يَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ''

۶۔ زکوٰۃ اسلام کا مالی نظام ہے جو کہ تقدس سے لبریز ہے کیونکہ اس کے وصول کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ''يَأْخُذُ

الصَّدَقٰتِ''

آیت نمبر ۱۰۵

وَقُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ‌ؕ وَسَتُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ‌ۚ﴿۱۰۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور آپ کہہ دیں (جو جی میں آئے) کرو۔عنقریب اللہ اور اس کا پیغمبر اور مومنین تمہارے کام کو دیکھیں گے۔اور تم بہت جلد غائب وحاضر کا علم جاننے والے کے پاس لوٹائے جاؤ گے تم جو کچھ عمل کرتے رہے وہ تمہیں اس کی خبر دے گا۔(۱۰۵)

نکات:

☆اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ اور رسول اور اہل ایمان ہمارے اعمال کو دیکھتے ہیں اسی آیت کے تحت شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے اعمال اولیائے الٰہی کے سامنے پیش کیئے جاتے ہیں۔اعمال پیش کیئے جانے کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔بعض روایات میں ہے کہ ہمارے اعمال روزانہ پیش کیئے جاتے ہیں بعض روایات کے مطابق ہفتہ میں ایک باراور بعض روایات کے مطابق مہینہ میں ایک بار اعمال پیش کیئے جاتے ہیں۔اگر اولیائے الٰہی ہمارے نیک اعمال کو دیکھتے ہیں تو وہ ہم سے خوش ہوجاتے ہیں اور اگر ہمارے برے اعمال کو دیکھتے ہیں تو غمگین ہوجاتے ہیں۔اعمال کے پیش کیئے جانے کے عقیدہ سے انسان میں روحِ تقوٰی اور روحِ حیا پیدا ہوتی ہے۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔لوگو!اپنے گناہوں سے رسول خدا کو اذیت نہ پہنچاؤ۔(تفسیر کنز الدقائق)روایات میں بیان ہوا ہے کہ''مومنون'' سے ائمہ معصومین مراد ہیں۔اللہ تعالٰی انہیں ہمارے اعمال سے خبردار کرتا ہے۔(تفسیر کنز الدقائق)

پیغام:

۱۔انسان اپنے اعمال میں مجبور نہیں ہے آزاد ہے۔

۲۔جب انسان یہ سوچتا ہے کہ خدا ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے تو گناہ کرنے سے حیا محسوس ہوتی ہے۔''سَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمۡ ''

۳۔جب اعمال کو دیکھنے والے زیادہ ہوں تو انسان کو غلط کاری سے حیا محسوس ہوتی ہے بالخصوص جب خدا اور اس کا رسول اور اہل ایمان عمل کو دیکھ رہے ہوں تو انسان کو بے حیائی سے شرم محسوس ہوتی ہے۔''فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمۡ وَرَسُوۡلُہٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ''

۴۔عمل کی بڑی اہمیت ہے۔عمل ہی تو ہے جو دنیا میں اولیائے الٰہی کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور یہی عمل تو ہے جس کا قیامت میں حساب ہونا ہے۔''اعۡمَلُوۡا فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمۡ ...فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۰۵﴾''

۵۔اعمال انسان کے کچھ حقائق ہیں جو کہ قیامت کے دن واضح ہوں گے۔''فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمۡ ...فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۰۵﴾''

آیت نمبر ۱۰۶

وَاٰخَرُوۡنَ مُرۡجَوۡنَ لِاَمۡرِ اللّٰہِ اِمَّا یُعَذِّبُہُمۡ وَاِمَّا یَتُوۡبُ عَلَیۡہِمۡ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۱۰۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ خدا کے امر کے ساتھ متعلق ہے وہ چاہے تو انہیں عذاب دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے۔اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔(۱۰۶)

نکات:

☆''مُرۡجَوۡنَ '' کا لفظ''ارجا''مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی تاخیر وتوقف کے ہیں''ارجا''ایسی تاخیر کو کہا جاتا ہے جس میں''رجا''یعنی امید شامل ہو۔

☆اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں تین طرح کے گروہوں کا تذکرہ کیا ہے:

الف:ایسے منافق جو کہ مدینہ میں چھپے ہوئے تھے اور ان کی پہچان نہیں ہوئی تھی۔(آیت ۱۰۱)

ب:ایسے منحرف افراد جنہوں نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا تھا اور انہیں توبہ کی امید تھی۔(آیت ۱۰۲)

ج: ایسے منحرف جنہوں نے گناہوں پر اصرار نہیں کیا اور توبہ بھی نہیں کی ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ جیسا کہ موجودہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

☆ روایات کے مطابق اس آیت کی شان نزول کا تعلق حضرت حمزہ یا حضرت جعفر طیار کے قاتلوں کے ساتھ ہے وہ اپنے جرم پر پشیمان ہوئے تھے اور اسلام قبول کیا تھا لیکن ابھی تک ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا تھا کہ وہ قطعی بہشتی قرار پاتے۔ یا پھر اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنہوں نے جنگ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی صرف اس پر پشیمان ہوئے تھے لیکن زبان سے اپنے گناہ کا اعتراف نہیں کیا تھا۔ (تفسیر نور الثقلین، کافی جلد ۲ ر ۴۰۷)

پیغام:

۱۔ دست قدرت آزاد ہے چاہے تو عذاب دے چاہے تو معاف کردے۔ ''اِمَّا یُعَذِّبُهُمۡ وَاِمَّا یَتُوۡبُ عَلَیۡهِمۡ''

۲۔ مختلف قسم کے خطا کاروں کی تربیت کے لیئے مختلف طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے۔ ایک گروہ کو امید اور خوف کی درمیانی حالت میں رہنا چاہیئے۔ ''اِمَّا یُعَذِّبُهُمۡ وَاِمَّا یَتُوۡبُ عَلَیۡهِمۡ''

۳۔ خدائی قہر اور عذاب کا تعلق علم و حکمت سے ہے نہ کہ انتقام جوئی پر۔ ''عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۱۰۶﴾''

آیت نمبر ۱۰۷

وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا وَّ کُفۡرًا وَّتَفۡرِیۡقًۢا بَیۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَاِرۡصَادًا لِّمَنۡ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَلَیَحۡلِفُنَّ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّا الۡحُسۡنٰی ؕ وَاللّٰهُ یَشۡهَدُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾

ترجمۃ الآیات

وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد بنائی جس کا مقصد ضرر رسانی اور کفر اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالنا ہے اور ان لوگوں کو ایک کمین گاہ فراہم کرنا ہے جو پہلے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑ چکے ہیں۔ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو فقط بھلائی کا ہی ارادہ کیا ہے جبکہ اللہ گواہی

دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔(۱۰۷)

نکات:

☆اس آیت میں مسجد ضرار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔منافقین نے اپنے مذموم مقاصد کے لیئے مسجد قبا کے مقابلہ پر ایک مسجد بنائی تھی اور یہ مسجد ان کے گھروں کے قریب تھی۔اس مسجد کی تعمیر کے لیئے انہوں نے یہ بہانہ بنایا تھا کہ ہم نے کمزور اور بیمار افراد کے لیئے یہ مسجد بنائی ہے اور بارش کے وقت بھی یہ مسجد کام دے گی۔ چنانچہ وہ رسول خدا کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ! آپ اس مسجد کا افتتاح کریں اور اس میں دو رکعت نماز ادا کریں۔رسول خدا اس وقت تبوک کے لیئے تیاری کے مراحل میں تھے۔چنانچہ آپ وہاں نہ گئے۔پھر جب آپ تبوک سے تشریف لائے تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔اور آیت میں ان کی منحوس نیت کو طشت از بام کیا گیا۔آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ اس نام نہاد مسجد کو نذر آتش کر دیا جائے چنانچہ مسلمانوں نے اسے آگ لگا دی اور اس جگہ کو کوڑے کا ڈھیر بنا دیا (تفسیر مجمع البیان تفسیر المنار و نور الثقلین) کچھ روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ مسجد ابو عامر کے حکم پر بنائی گئی اور یہ شخص عاشق رسولؐ حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کا والد تھا۔وہ عیسائی عبادت گزار تھا اور اسے قبیلہ خزرج میں اثر رسوخ حاصل تھا۔جب رسول اکرمؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور اسلام کو فروغ ملا تو اس نے آپ کی مخالفت کی اور جنگ احد میں منافقانہ کردار ادا کیا۔پھر وہ مکہ بھاگ گیا اور مکہ سے روم چلا گیا اور اس نے سلطان روم سے اسلام کی مخالفت کے لیئے کمک طلب کی۔قدرت کے فیصلے بھی عجیب ہیں۔ابو عامر منافقین کا رہبر تھا اور اس کا فرزند حضرت حنظلہ اسلام کا عاشق تھا اور جنگ احد میں شہید ہوا تھا اور اس کی لاش کو ملائکہ نے غسل دیا تھا اسی لئے اسے ''غسیل الملائکہ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔(تفسیر نمونہ)

☆منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنے کی دعوت دی اور اس کے لیئے تین وجوہات پیش کیں:

۱۔انہیں نماز جماعت سے محبت ہے۔

۲۔انہیں بیماروں اور بوڑھوں سے محبت ہے۔

۳۔انہیں رہبر اور ان کی نماز سے محبت ہے۔

مذکورہ بالا تینوں وجوہات غلط تھیں۔یہ منافقت کا کردار ہے۔حضرت موسیٰؑ کے خلاف سامری نے سازش کی تھی۔مسجد نبوی کے مقابلہ پر مسجد اموی تعمیر کی گئی اور حضرت علیؑ کے مقابلہ پر قرآن کو نیزوں پر بلند کیا گیا۔حضرت موسیٰؑ نے سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کو ٹکڑے کر کے نذر آتش کیا تھا اسی طرح سے منافقین کی مسجد کو بھی نذر آتش کیا گیا۔تاکہ تاریخ کے لیئے درس بن جائے۔امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد یزید کی فتح کی خوشی میں کوفہ و شام میں کئی مساجد تعمیر کرائی گئی تھیں ہمارے ائمہ نے انہیں ''مساجد ملعونہ'' کہا ہے۔

☆اسلام میں ہر طرح کا ضرر اور نقصان پہنچانا ممنوع ہے۔ اسلام کا مشہور قاعدہ ہے۔''لاضرر ولاضرار فی الاسلام ''اسلام میں نقصان دینا اور نقصان سہنا جائز نہیں ہے۔(الوسائل جلد ۲۶/ ۱۴) چنانچہ حسب ذیل کچھ ضرر بھی اس میں شامل ہیں۔

(الف)۔جانی نقصانات ''لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ''(البقرہ ۱۸۵) خدا تمہارے لیئے تنگی نہیں چاہتا۔

(ب)۔لوگوں کو نقصان پہنچانا لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ/ ۲) گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔

(ج)۔بیوی کو نقصان پہنچانا۔''لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ''(طلاق/ ۶) انہیں تنگ کرنے کے لیئے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

(د)۔بچے کی وجہ سے ماں باپ کو نقصان پہنچانا۔''لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ'' (البقرہ/ ۲۳۳) بچے کی وجہ سے نہ ماں کو تکلیف میں ڈالا جائے اور نہ باپ کو اس بچے کی وجہ سے کوئی ضرر پہنچایا جائے۔

(ہ)۔وارثوں کو نقصان پہنچانا۔''مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ''(النساء/ ۱۲) یہ تقسیم میراث وصیت پر عمل کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی بشرطیکہ ضرر رساں نہ ہو۔

(و)۔نقصان دہ تعلیمات ''يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ''(البقرہ/ ۱۰۲) وہ ایسی باتوں کی تعلیم حاصل کرتے تھے جو انہیں نقصان دیتی تھیں اور انہیں فائدہ نہ دیتی تھیں۔

(ز)۔معاملات اور قرض میں ضرر پہنچانا۔''وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ''(لبقرہ/ ۲۸۲) کاتب اور گواہ کو نقصان نہ دیا جائے۔

(ح)۔مذہب واتحاد کو ضرر پہنچانا۔''اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا ''وہ لوگ جنہوں نے ضرر پہنچانے کی غرض سے مسجد بنائی۔

پیغام:

۱۔دشمن مسجد اور مذہب کے ذریعہ سے مذہب کو نقصان پہنچانے کا خواہش مند ہوتا ہے۔لہٰذا ہمیں خوش نما نعروں اور القابات سے فریب نہیں کھانا چاہیئے۔''اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا ''

۲۔آیت کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ سازشی عناصر نماز رسول سے بھی غلط مقاصد حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔

۳۔مسجد تعمیر کرنا اہم نہیں ہے بانیان اور متولیوں کی نیت کا خالص ہونا ضروری ہے۔''اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا ''

۴۔اسلام میں ہر طرح کے ضرر رسانی کی ممانعت کی گئی ہے خواہ وہ مسجد کے عنوان سے ہی کیوں نہ ہو۔''اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا''

۵۔شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی مسجد اسلام دشمنوں کے مفاد میں ہو تو اس کا احترام اور تقدس باقی نہیں رہتا۔

٦۔اللہ اپنے پیغمبر اور اپنے دین کا حامی ہے اسی لیئے اس نے بذریعہ وحی منافقین کی سازشوں کو بے نقاب کیا۔''وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا''

۷۔ہر وہ مسجد جو مسلمانوں میں تفرقہ کا ذریعہ ہو وہ مسجد، مسجد ضرار ہے۔

۸۔منافق اپنے کردار سے کفار کے مفادات کی تکمیل کرتے ہیں۔''وَاِرۡصَادًا لِّمَنۡ حَارَبَ اللّٰهَ''

۹۔ بیرونی دشمنوں کے ساتھ جنگ کرتے وقت اندرونی دشمنوں کی سازشوں سے ہمیں لاتعلق نہیں رہنا چاہیئے ۔منافقین نے آنحضرت سے درخواست کی تھی کہ آپ ان کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز پڑھ کر ان کی مسجد کا افتتاح کریں آپ کو تبوک جانے کی جلدی تھی لہٰذا آپ منافقین کی چھاؤنی میں نہ گئے آنحضرت نے حضرت علیؑ کو مدینہ کا عامل مقرر کیا تھا۔ پھر جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو اس مسجد کو ویران کرنے کا حکم جاری کر دیا۔

١٠۔امت اسلامیہ میں افتراق پیدا کرنا کفر کے مترادف ہے۔''كُفۡرًا وَّتَفۡرِيۡقًاۢ بَيۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ''

١١۔جھوٹی قسمیں کھانا منافقین کا شیوہ ہے۔''لَيَحۡلِفُنَّ''

١٢۔دشمن اپنے دعووں کو تبلیغات حق کے نام سے پیش کرے تو ہمیں اس کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے۔''اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّا الۡحُسۡنٰى''

١٣۔جھوٹ بولنا کفار و منافقین کا پرانا حربہ ہے۔''اِنَّهُمۡ لَـكٰذِبُوۡنَ‏ ﴿۱۰۷﴾''

آیت نمبر ١٠٨

لَا تَقُمۡ فِيۡهِ اَبَدًا ‌ؕ لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقۡوٰى مِنۡ اَوَّلِ يَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِيۡهِ‌ ؕ فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا ‌ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِيۡنَ‏ ﴿۱۰۸﴾

ترجمۃ الآیات

آپ اس (مسجد ضرار) میں (نماز کے لیئے) ہرگز کھڑے نہ ہوں البتہ جو مسجد پہلے ہی دن سے تقویٰ کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے لوگ ہیں جو صاف اور پاکیزہ رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاکیزہ رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(۱۰۸)

نکات:

وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول سے ہی تقوی پر رکھی گئی ہے۔ وہ مسجد قبا ہے جو مدینہ میں ہجرت کے وقت تعمیر کی گئی تھی۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ فخر رازی کہتے ہیں کہ اگر ایک مسجد تقوٰی کی بنیاد پر قائم ہو تو وہ لائق تعریف ہے اور اگر کوئی انسان پہلے دن سے ہی ایمان وتقوٰی سے متصف ہو تو اس کی بڑی قدر و قیمت ہے ۔حضرت علیؑ روز اول سے ہی مومن تھے ۔ لہٰذا آپ ان لوگوں سے کہیں بلند وبرتر تھے جو کئی سالہ شرک کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ (تفسیر کبیر فخر رازی)

پیغام:

۱۔ جو مسجد اسلامی نظام کے مخالفین کی کمین گاہ ہو وہاں ہمیں نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ ’’لَا تَقُمۡ فِيۡهِ اَبَدًا‘‘

۲۔ عبادت سیاست سے جدا نہیں ہے یہاں تک کہ نماز کے ذریعہ سے بھی باطل کو تقویت فراہم نہیں کرنی چاہیئے۔ لَا تَقُمۡ فِيۡهِ اَبَدًا کیونکہ کفر ونفاق اور تفریق کی تائید حرام ہے

۳۔ رہبر دوسروں کے لیئے نمونہ عمل ہوتا ہے اسی لیئے پیغمبر کو حکم دیا گیا کہ آپ اس مسجد میں مت جائیں جب آپ اس میں قدم نہ رکھیں گے تو دوسرے لوگ بھی اس میں نہیں جائیں گے اسی لیئے آیت کا خطاب پیغمبر سے ہے۔ ’’لَا تَقُمۡ فِيۡهِ اَبَدًا‘‘

۴۔ معاشرے کے رہبر کو ہر مقام پر پیش پیش ہونا چاہیے۔ ’’لَا تَقُمۡ فِيۡهِ اَبَدًا‘‘

۵۔ اگر ہم لوگوں کو بگاڑ اور فساد کے مراکز سے منع کریں تو پھر انہیں اصلاح کے مفید مقامات کی بھی نشان دہی کریں۔ لَا تَقُمۡ، تَقُوۡمَ یہی وجہ ہے کہ مسجد ضرار سے جہاں منع کیا گیا وہاں مسجد قبا کی طرف راہنمائی کی گئی۔

۶۔ ہر مکان کی قدر و قیمت کا تعلق اس کے بانی کی نیت پر موقوف ہوتا ہے۔ ’’اُسِّسَ عَلَى التَّقۡوٰى‘‘

۷۔ مسجد جسمانی اور روحانی طہارت کے لیئے طبیعتوں کو ہموار کرتی ہے۔ ’’فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا‘‘

۸۔صالح افراد کی صحبت کی بڑی قدر و قیمت ہے۔"فِيْهِ رِجَالٌ ۔۔۔"

۹۔کسی بھی مکان کی قدر و قیمت اس کے مکینوں سے ہوتی ہے ایک مسجد کی قدر و قیمت ان نمازیوں سے ہے جو وہاں نماز ادا کرتے ہیں۔گنبد وگلدستہ مسجد کی قدر و قیمت کا معیار نہیں ہے۔"لَمَسْجِدٌ ۔۔۔ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا"

۱۰۔نماز و مسجد تہذیب و پاکیزگی کا وسیلہ ہے۔"مَسْجِدٌ فِيْهِ ۔۔۔ يَّتَطَهَّرُوْا"

۱۱۔کمال و پاکیزگی کو پسند کرنا بذات خود ایک کمال ہے۔"يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا"

۱۲۔پاکیزہ افراد سے خدا محبت کرتا ہے۔"يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾"

آیت نمبر ۱۰۹

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

ترجمة الآيات

بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خوف خدا اور اس کی رضا طلبی پر رکھی ہو وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گرنے والی کھائی کے کنارے پر رکھی ہو چنانچہ وہ (عمارت) اسے لے کر آتش دوزخ میں جا گرے؟ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔(۱۰۹)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں مسجد قبا اور مسجد ضرار کا موازنہ پیش کیا گیا تھا جبکہ اس آیت میں دونوں مساجد کے بانیوں کا موازنہ پیش کیا گیا ہے۔

☆ "شَفَا" کنارے کو کہا جاتا ہے۔"جُرُفٍ" نہر یا دریا اور کنوئیں کے اس قریبی مقام کو کہا جاتا ہے جس کا اندرونی

حصہ پانی نے خالی کر دیا ہو اور وہ تودہ بن کر کسی بھی وقت پانی میں گر سکتا ہو۔ ”هَارٍ“ یعنی سست۔

پیغام:

۱۔ کام کی قدر و قیمت کا دار و مدار نیت پر ہے نہ کہ عمل کے ظاہر پر۔ مسجد قبا خدا کے لیئے بنائی گئی تھی اور مسجد ضرار تفرقہ بازی کی نیت سے بنائی گئی تھی۔ ”اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ“

۲۔ باطل کی عمارت جلد فنا ہو جاتی ہے۔ ”بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ“

۳۔ اگر نیت خراب ہو تو مسجد بھی دوزخ میں دھکیل دیتی ہے۔ ”فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ“

۴۔ مذہبی مراکز اور دینی افراد سے ناجائز مفاد حاصل کرنا ظلم ہے۔ ”الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾“

آیت نمبر ۱۱۰

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمۃ الآیات

ان لوگوں کی بنائی ہوئی یہ عمارت ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی (یہ اس کی یاد سے نجات نہ پائیں گے) مگر یہ کہ ان کے دل (نفاق سے) جدا ہو جائیں (یا موت کی وجہ سے پاش پاش ہو جائیں) اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔ (۱۱۰)

پیغام:

۱۔ منافقین کے عقیدہ کی عمارت بڑی کمزور اور مشکوک ہے۔ ”بَنَوْا رِيْبَةً“

۲۔ کبھی روحانی و قلبی امراض مستقل خصلت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ان سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ ”لَا يَزَالُ... بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ“

۳۔ قلبی اور روحانی امراض صرف توبہ کے ظاہری الفاظ سے ختم نہیں ہوتیں۔ ”اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ“

۴۔ منافقت پر مبنی عمارت ٹوٹ بھی جائے تو بھی منافقت کے اثرات مرتے دم تک دلوں میں قائم رہتے ہیں۔ ”اِلَّآ اَنْ

تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ''

۵۔منافقین کے پاس مراکز موجود ہوتے ہیں۔''بُنْيَانُهُمُ''

۶۔منافق ہمیشہ بے قرار رہتا ہے۔''رِيْبَةً''

۷۔خداوند متعال مسجد ضرار بنانے کے مقاصد کو خوب جانتا ہے۔''عَلِيْمٌ''

آیت نمبر ۱۱۱

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

ترجمة الآیات

بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے عوض خرید لیئے ہیں۔وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پھر مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔یہ تورات ،انجیل اور قرآن میں اللہ کے ذمے پکا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر اپنا عہد پورا کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ پس تم نے اللہ سے جو سودا کیا ہے اس پر خوشی مناؤ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔(۱۱۱)

نکات:

☆دنیا ایک بازار ہے اور خریدار خود خدا ہے بکنے والی جنس جان و مال ہے اور قیمت جنت ہے اب اگر کوئی شخص اپنی جان و مال خدا کے ہاتھ بیچتا ہے تو وہ فائدہ میں رہتا ہے اور اگر کسی دوسرے کے ہاتھ کوئی اپنی جان و مال کو فروخت کرتا ہے تو سراسر گھاٹے

میں رہتا ہے۔

☆ خدا کے ساتھ سودا کرنے میں کئی امتیاز پائے جاتے ہیں۔

۱۔ہم، ہمارا تمام تر ترکہ وجائیداد سب خدا کا عطا کردہ ہے۔خدا کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ جان ومال فروخت کرنا نامناسب ہے۔

۲۔اللہ تعالیٰ معمولی عمل کا بھی خریدار ہے۔''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ''(الزلزال۔۷) جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا تو وہ اسے دیکھ لے گا۔

۳۔خدا کی خریداری کا لطف یہ ہے کہ اگر جنس عیب دار ہو تو پھر وہ اس کی اصلاح کرتا ہے رُسوا نہیں کرتا۔

۴۔ہماری معمولی جان ومال کو وہ جنت کے عوض خرید کرتا ہے اور اتنا بڑا نرخ کوئی اور سوداگر نہیں دے سکتا۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ تمہاری جان کی قیمت جنت ہے لہٰذا اپنے آپ کو تھوڑی قیمت میں فروخت نہ کرو۔

پیغام:

۱۔جب ہمارے سودے کو خدا خریدنا چاہتا ہے تو ہم کسی اور گاہک کو تلاش کیوں کریں؟''اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى ''

۲۔اللہ صرف اہل ایمان کے جان ومال کا خریدار ہے وہ منافق وکافر کی جان ومال کا خریدار نہیں ہے

۳۔اللہ نے پہلے جان خریدی ہے پھر مال خریدار ہے۔ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اس کی وجہ یہ ہے کہ جان ہر کسی کے پاس ہوتی ہے لیکن بہت سے افراد مال سے محروم ہوتے ہیں۔

۴۔جنت تلوار وجہاد کے زیر سایہ ہے اور اس کے لیئے جان ومال کو خدا کے لیئے قربان کرنا پڑتا ہے۔''لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

۵۔جب ہدف خدا ہو تو پھر قتل ہو جانے یا بچ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ''

۶۔مومن ہمیشہ جہاد کے لیئے کمربستہ رہتا ہے۔يُقَاتِلُوْنَ فعل مضارع ہے جو کہ تسلسل اور دوام پر دلالت کرتا ہے۔

۷۔مومن اس لیئے جنگ کرتا ہے کہ وہ باطل اور اہل باطل کو نابود کرنا چاہتا ہے اور نتیجہ میں شہادت حاصل کرتا ہے۔''فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ''

۸۔اللہ کے ساتھ سودا کرنے میں یقینی منافع ہے جبکہ اوروں سے سودا کرنے میں خسارا ہی خسارا ہے۔

۹۔مجاہدین سے کیا گیا وعدہ صرف قرآن تک ہی محدود نہیں ہے یہ وعدہ تورات وانجیل میں بھی مرقوم ہے اور اگر ہمیں آج مذکورہ کتابوں میں یہ وعدہ دکھائی نہیں دیتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے۔''فِي التَّوْرٰىةِ

وَالۡاِنۡجِيۡلِ ''

۱۰۔اگرچہ خدا پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے لیکن خدا نے اپنے فضل وکرم سے ہمارے کچھ حقوق اپنے ذمہ قرار دیئے ہیں۔''وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا''

۱۱۔معاہدہ کی پاسداری ضروری ہے۔''وَعۡدًا حَقًّا اَوۡفٰى''

۱۲۔اللہ تعالیٰ نے مخلص اہل ایمان کو اس سودے کا دوسرا فریق قرار دیا ہے''بَايَعۡتُمۡ ''فرمایا ہے۔اس کی بجائے ''بعتم ''نہیں کہا۔

۱۳۔مال وجان فانی ہے جبکہ آخرت باقی ہے اس سے بڑھ کر اور خوشی کی بات کیا ہوسکتی ہے کہ خدا ہم سے فانی چیز لے کر باقی رہنے والی چیز عطا کر رہا ہے اگر انسان یہ سودا نہ کرے تو پھر سراسر گھاٹے اور نقصان کا سودا کرے گا۔''فَاسۡتَبۡشِرُوۡا ''

۱۴۔خدا نے جہاں سازشی منافقین کی مذمت کی ہے وہاں مومنین پر اپنے فضل وکرم کا بھی تذکرہ کیا ہے اوران کی جانفشانی کی قدردانی کی ہے۔''فَاسۡتَبۡشِرُوۡا ''

۱۵۔خدا کے ساتھ خرید وفروخت کے معاملہ کو ہی کامیابی کہا جاسکتا ہے۔''ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۱۱﴾''

آیت نمبر ۱۱۲

اَلتَّاۤٮِٕبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّاۤٮِٕحُوۡنَ الرّٰكِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمۃ الآیات

(یہ لوگ)توبہ کرنے والے،عبادت گزار،حمد کرنے والے،راہ خدا میں سفر کرنے والے،رکوع کرنے والے،سجدہ کرنے والے،نیکی کی دعوت دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے ہیں۔آپ اہل ایمان کو خوش خبری سنا دیں۔(۱۱۲)

نکات:

☆اس آیت مجیدہ میں جہاد کرنیوالے اہل ایمان کی نو صفات بیان کی گئی ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو عبادت الٰہی کے مدار میں رکھتے ہیں اور وہ اپنی زبان سے اللہ کی حمد بجالاتے ہیں۔ پاؤں کو حرکت میں لاتے ہیں اور خدا کی راہ میں سفر کرتے ہیں اور اپنے بدن سے رکوع اور سجود بجالاتے ہیں اور اپنی کامل اصلاح کے بعد امر بالمعروف کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے ماحول اور معاشرے کی اصلاح کرتے ہیں اور لوگوں کو برائیوں سے منع کرتے ہیں اور وہ لوگ قوانین الٰہی کی سرحدوں سے باہر نہیں نکلتے۔ گناہ سے توبہ کی جائے تو اس سے عبادت کے راستے کھل جاتے ہیں اور انسان خدا کی ستائش کرنے والا بن کر جمود سے نکل کر حرکت میں آجاتا ہے۔ بعد ازاں خدا کے حضور رکوع سجود کرتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پیغام کو عام لفظ اَلتَّآئِبُوۡنَ امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خدا کے ساتھ جان و مال کا سودا کرنے والے اپنے اندر اندرونی انقلاب لاتے ہیں اور ناروا کردار سے علیحدگی اختیار کر کے خدا کے ساتھ معاملہ کرنے کے میدان میں آکر قدم رکھتے ہیں۔ جب ہم کربلا کے میدان کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں حُر اور زہیر کا ماضی اگرچہ تابناک نہیں تھا لیکن جب انہوں نے توبہ کی اور خدا سے اپنی جانوں کا سودا کیا تو ان کا مستقبل روشن ہو گیا۔☆عُبّاد بصری نے امام سجاد علیہ السلام کو حج کے لیئے مکہ جاتے ہوئے دیکھا تو اس نے آپ سے کہا کہ آپ نے جہاد اور اس کی مشکلات کو چھوڑ کر حج کا آسان راستہ اپنایا ہے؟ امام سجاد علیہ السلام نے اسے جواب دیا کہ تم اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۔۔۔ کی آیت کے ساتھ والی آیت پڑھو۔ چنانچہ اس نے اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى کی آیت پڑھی پھر اس نے یہ آیت پڑھی تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر جہادی سالاروں میں یہ صفات اور کمالات ہوتے تو ہم پر قیام واجب ہوتا اور اس صورت میں جہاد حج سے بہتر قرار ہوتا۔ (الوسائل جلد ۱۵/۴۶)

☆روایات میں بیان ہوا ہے کہ السَّآئِحُوۡنَ سے روزہ دار مراد ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ اللہ اپنے معاہدے کی پابندی اس صورت میں کرے گا جب اہل ایمان حدود الٰہی کی بھرپور محافظت کریں گے۔ ''وَمَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ ۔۔۔ اَلتَّآئِبُوۡنَ ۔۔۔''

۲۔ جنگ میں شرکت کرنا جہاد اصغر یعنی چھوٹا جہاد ہے اور اس کے نتیجہ میں انسان جہاد اکبر اور خودسازی کے قابل بنتا ہے۔ ''يُقۡتَلُوۡنَ ۔۔۔ اَلتَّآئِبُوۡنَ''

۳۔ اسلام ایک جامع دین ہے جہاں تلوار سے لڑنا فرض ہے وہاں سیاحت بھی اس کے پہلو میں موجود ہے۔ ''يُقۡتَلُوۡنَ ۔۔۔ اَلتَّآئِبُوۡنَ ۔۔۔ السَّآئِحُوۡنَ''

۴۔خدا یہ چاہتا ہے کہ مومن میں یہ صفات حسنہ بطور ملکہ موجود ہونی چاہئیں اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ ۔۔۔تمام صفات اسم فاعل کی صورت میں بیان ہوئی ہیں نہ کہ فعل کی صورت میں ۔ یہ استمرار پر دلالت کرتا ہے ۔

۵۔مجاہدین کے روح کو ذکر الٰہی اور عبادت خداوندی سے تقویت ملتی ہے نہ کہ شراب وشباب و موسیقی میں ۔ ''یُقَاتِلُوۡنَ ۔اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ''

۶۔عبادت کی قبولیت کے لیئے توبہ شرط ہے۔''اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ ''

۷۔تحرک، جستجو، سیاحت، ہجرت اور خود سازی کسب کمال اور قرب الٰہی کے حصول کے لیئے انتہائی مؤثر ہے۔ السّٰٓائِحُوۡنَ مردانِ خدا ہمیشہ متحرک رہتے ہیں اور جمود میں مبتلا نہیں ہوتے ۔

۸۔اسلام کے مجاہد کو غازی اور عبادت گزار ہونا چاہیئے ۔''یُقَاتِلُوۡنَ ۔الرّٰکِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ ''

۹۔سفرِ کمال میں خودسازی پہلا زینہ ہے اور معاشرہ سازی اس کا دوسرا زینہ ہے۔

۱۰۔ بیرونی دشمنوں سے جنگ کے باوجود ہمیں اپنی اندرونی برائیوں سے غفلت نہیں برتنی چاہیئے۔ ''یُقَاتِلُوۡنَ ۔الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ''

۱۱۔حدود الٰہی کی حفاظت کے لیئے جہاں ہمیں بیرونی دشمنوں سے نبرد آزمائی کی ضرورت ہے وہاں ہمیں اندرونی خرابیوں کی بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔''یُقَاتِلُوۡنَ ۔وَالنَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ۔وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ''

۱۲۔مفاسد اجتماعی کے قلع قمع کے لیئے مجاہدین پر زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ۔یُقَاتِلُوۡنَ ۔النَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ''

آیت نمبر ۱۱۳

مَا كَانَ لِلنَّبِىِّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ يَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ وَلَوۡ كَانُوۡۤا اُولِىۡ قُرۡبٰى مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُمۡ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۱۳﴾

ترجمۃ الآیات

نبی اور اہل ایمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ مشرکین کے لیئے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ ان کے لیئے واضح ہو چکا ہے کہ وہ دوزخی

ہیں۔(۱۱۳)

نکات:

☆ کچھ مفسرین نے کچھ جعلی روایات سے ضعیف رواۃ کی زبانی یہ نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کے لیئے نازل ہوئی۔ گویا رسول اکرمؐ اپنے چچا کے لیئے استغفار کرتے تھے لیکن خدا نے آپ کو اس سے روک دیا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوطالب کے ایمان پر دسیوں روایات موجود ہیں ان جعلی روایات کا سلسلہ سعید بن مسیّب پر اختتام پر ہوتا ہے موصوف حضرت علی علیہ السلام کا دشمن تھا (اور اس نے مدینہ میں ہونے کے باوجود امام علی زین العابدین علیہ السلام کے جنازہ میں شرکت نہیں کی تھی) حضرت ابوطالب کا یہی گناہ ہے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے والد تھے۔

پیغام:

۱۔ قانونی اعتبار سے پیغمبر اکرم اور دوسرے مسلمان مساوی ہیں۔ ''مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ''

۲۔ شرک ناقابل بخشش جرم ہے حد یہ ہے کہ مشرک کے لیئے پیغمبر کی درخواستِ مغفرت بھی غیر موثر ہے۔

۳۔ مذہب ومکتب کا رشتہ خونی رشتوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے لہٰذا رشتہ داری کی محبت کو مذہب کی محبت پر غالب نہیں آنا چاہیئے۔ ''مَا كَانَ... وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى ''

۴۔ پیغمبر سے رشتہ داری دوزخ سے بچانے کا سبب نہیں ہے۔ ''وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى ''

آیت نمبر ۱۱۴

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۱۱۴

ترجمة الآيات

ابراہیم نے اپنے باپ کے لیئے جو مغفرت طلب کی تھی وہ ایک وعدہ کی وجہ سے تھی جو اس سے

کیا تھا جب اس لیئے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزاری اختیار کر
لی۔ بے شک ابراہیم خوف خدا میں آہ و نالہ کرنے والے اور بردبار تھے۔ (۱۱۴)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ نبی اور اہل ایمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مشرک رشتہ داروں کے لیئے استغفار کریں۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک چچا آزر کے لیئے استغفار کا وعدہ کیوں کیا تھا اور یہ کیوں کہا تھا۔ میں تیرے لیئے اپنے رب سے استغفار کروں گا (ریم ر ۴۱) موجودہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی ممکنہ سوال کا جواب دیا کہ ابراہیم نے یہ وعدہ اس لیئے کیا تھا کہ انہیں امید تھی کہ شاید ان کا چچا ہدایت قبول کرلے گا۔ لیکن جب ان کا چچا حالت شرک میں مرا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیئے مغفرت مانگنا چھوڑ دی تھی۔ سوال۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے چچا کے مرنے کے بعد اس کے لیئے دعا کیوں کی تھی اور یہ کیوں کہا تھا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ (ابراہیم ر ۴۱) پروردگار! میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی مغفرت فرما جواب کہ لفظ ''اب'' وسیع المعنی لفظ ہے لفظ ''اب'' کا اطلاق استاد، سسر، چچا اور دادا پر بھی کیا جاتا ہے یہ دعا حضرت کے حقیقی والد کے لیئے تھی نہ کہ مشرک چچا کے لیئے۔

☆ قرآن کریم کی گیارہ آیات میں ''آزر'' کو ابراہیمؑ کے ''اب'' سے تعبیر کیا گیا ہے غالباً اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ غور کریں کہ ابراہیم کس شخص کی سرپرستی میں رہتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اس کے مشرکانہ نظریات سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔

☆ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ زیادہ دعا کرنے والے اور خوف خدا میں زیادہ آہ و نالہ کرنے والے انسان تھے (اواہ) (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ جو چیز اولیائے الٰہی کے لیئے بدگمانی کا سبب بنتی ہو اس کی صحیح توجیہ پیش کر کے اس اعتراض کو دور کر دینا چاہئے۔ مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ ''

۲۔ معاہدہ کی پابندی انتہائی ضروری ہے خواہ وہ کافر سے ہی کیوں نہ ہو۔ ''مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ ''

۳۔ انبیاء کا علم محدود ہے۔ ''فَلَمَّا تَبَيَّنَ۔۔۔''

۴۔ کافروں کی بدسلوکی کے باوجود ہمیں اپنی بردباری نہیں چھوڑنی چاہیئے۔ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیمؑ کے چچا آذر نے انہیں دھمکیاں دی تھیں اور کہا تھا م (ریم ر ۴۶) اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ مگر اس کے باوجود

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بردباری کو قائم رکھا تھا۔ ''لَاَوَّاهٌ حَلِيۡمٌ ﴿۱۱۴﴾''

۵۔ابراہیمؑ نے اپنے پالنے والے چچا کو چھوڑ دیا لیکن خدائے واحد سے اپنے تعلق کو نہ توڑا۔اس سے ابراہیمؑ کے اخلاص اور خشوع کا پتہ چلتا ہے۔ ''لَاَوَّاهٌ''

آیت نمبر ۱۱۵

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوۡمًاۢ بَعۡدَ اِذۡ هَدٰٮهُمۡ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمۡ مَّا يَتَّقُوۡنَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۱۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور اللہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ نہیں کرتا یہاں تک کہ ان پر واضح کردے کہ انہیں کن چیزوں سے بچنا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ ہر چیز کا بخوبی علم رکھتا ہے۔(۱۱۵)

نکات:

☆اس آیت کے مصادیق کے متعلق چند آراء پائی جاتی ہیں:

۱۔اس آیت میں ان لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا لیکن شرعی وظائف سے آگاہ نہیں ہوئے تھے کہ دینا سے رخصت ہو گئے۔(تفسیر مجمع البیان)

۲۔اس آیت کے مفہوم کے لیئے ایک احتمال یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر تم نے مشرکین کی استغفار کی عادت کو ترک نہ کیا اور مشرکین سے تعلقات قائم رکھے تو گمراہ ہو جاؤ گے اور تمہارا شمار بھی دشمنان خدا کے ساتھ ہوگا۔

۳۔ایک امکان یہ ہے کہ اس آیت کے ذریعہ سے ان لوگوں کو تسلی دی گئی ہے جو حکم آنے سے قبل مشرکین کے لیئے استغفار کرتے تھے پھر جب استغفار کی ممانعت کا حکم نازل ہوا تو وہ پریشان ہو گئے اور یہ سوچنے لگے کہ اب تک ہم نے جو غلطی کی ہے اس پر ہمارا کیا بنے گا۔ چنانچہ انہیں تسلی دی گئی اور کہا گیا کہ ان کی غلطی نادانستگی پر مبنی تھی اسی لیئے ان سے کوئی محاسبہ نہیں کیا جائے گا۔

☆امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے امام پر واجب کیا ہے کہ وہ اپنی وفات سے قبل اپنے جانشین کا لوگوں

کے سامنے اعلان کرے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ اگر حدود الٰہی کی پاسداری نہ کی جائے تو پھر گمراہی کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔ ''لِيُضِلَّ قَوْمًا ... حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ ''

۲۔ جب خدا کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت ہو تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا نے اس کی ہدایت سے بے اعتنائی کی ہے۔ خدائی تعلیمات کی جان بوجھ کر مخالفت کرنے سے توفیق ہدایت سلب ہوتی ہے۔ ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ ... حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ ''

۳۔ جب تک اتمام حجت نہ ہو جائے تب تک خدا عذاب نازل نہیں کرتا۔ ''حَتّٰى يُبَيِّنَ ''

۴۔ خدائی ہدایت ہر لحاظ سے کامل اور جامع ہے خدا صرف اسباب سعادت کو ہی بیان نہیں کرتا اس کے ساتھ خطرات کے محرکات کی بھی نشان دہی کرتا ہے۔ يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ خدا نے اپنے غضب اور رضامندی کے اسباب لوگوں کے سامنے بیان کیے ہیں۔ (الکافی جلد ۱ / ۱۶۳)

۵۔ خدا نے اگر کسی چیز سے لوگوں کو منع کیا ہے تو اس کی ممانعت علم و حکمت پر مبنی ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۱۵ ''

آیت نمبر ۱۱۶

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۱۱۶

ترجمۃ الآیات

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت و بادشاہت خدا کے لیئے ہے۔ وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی سرپرست اور مددگار نہیں ہے۔ (۱۱۶)

پیغام:

۱۔ زندگی اور موت اسی طرح سے دلوں کی زندگی اور موت ہدایت و ضلالت کا اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ''يُحْيٖ

وَيُمِيۡتُ ''

۲۔اپنے مشرک رشتہ داروں سے تعلقات کو مضبوط بنانے کی فکر نہ کرو اس کی بجائے خدا سے اپنے تعلقات کو مستحکم بناؤ کیونکہ وہ زمین و آسمان کا مالک ہے جب کہ مشرکین کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔ ''لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ...مَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۱۶﴾''

آیت نمبر ۱۱۷

لَقَدۡ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِىِّ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ فِىۡ سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا كَادَ يَزِيۡغُ قُلُوۡبُ فَرِيۡقٍ مِّنۡهُمۡ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّهٗ بِهِمۡ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۙ﴿۱۱۷﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک اللہ نے نبی اور ان مہاجرین وانصار پر مہربانی فرمائی جنہوں نے مشکل گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا تھا بعد اس کے کہ ان میں سے بعض کے دلوں میں کجی آنے ہی والی تھی پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی بے شک وہ ان پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔(۱۱۷)

نکات:

☆ جنگ تبوک بڑے مشکل حالات میں ہوئی تھی تبوک کا علاقہ مدینہ سے بہت زیادہ فاصلہ پر تھا موسم سخت گرم تھا۔کھجوریں پکنے ہی والی تھیں اور دشمن کی قوت کی ہیبت بھی دلوں کو لرزانے کے لیئے کافی تھی اسی لیئے کچھ ایسے مسلمان جو کہ منافق بھی نہیں تھے گھروں میں رہ گئے اور انہوں نے سفر کی مشکلات پر گھر کی ٹھنڈی چھاؤں اور مدینہ کے ٹھنڈے پانی اور بیوی بچوں کو ترجیح دی تھی۔ایسے ہی لوگوں میں ابوخشیمہ بھی شامل تھے رسول خدا لشکر کو لے کر مدینہ سے رخصت ہو چکے تھے ضمیر نے ملامت کی اور کچھ دنوں کی تاخیر سے وہ آنحضرتؐ کے لشکر سے جا کر ملحق ہو گئے۔

☆ جنگ تبوک کے وقت منافقین کی تین قسمیں تھیں:

۱۔کچھ ایسے بہانے باز بھی تھے جنہوں نے رومیوں کی حسین عورتوں کا بہانہ بنا کر آنحضرتؐ کے ساتھ جانے سے

معذرت کر لی تھی۔

۲۔ایک گروہ ایسا تھا جو لوگوں کو اس جنگ کے عواقب سے ڈرانے میں مصروف تھا اور یہ لوگ باقی لوگوں کی ہمتوں کو پست کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

۳۔کچھ منافق ایسے بھی تھے جنہوں نے موسم کی شدت کا بہانہ بنا کر آنحضرتؐ کے ساتھ شامل ہونے سے معذرت کر لی تھی۔ان کے علاوہ اسلام کے کچھ سچے عاشق ایسے بھی تھے جو دل وجان سے جانے کے خواہش مند تھے لیکن ان کی مجبوری یہ تھی کہ ان کے پاس سواریاں موجود نہ تھیں انہوں نے آنحضرتؐ سے سواریوں کی درخواست کی مگر آپ نے سواری فراہم کرنے سے معذوری ظاہر کی۔یہ لوگ روتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے تھے۔حضرت ابوذر بھی اسی سفر میں قافلہ سے پیچھے رہ گئے تھے لیکن انہوں نے سواری کو چھوڑ دیا اور سامان اٹھا کر پیدل روانہ ہوئے اور وہ آپ کے ساتھ آ کر شامل ہوئے جنگ تبوک میں راشن کی اتنی شدید قلت تھی کہ کھجور کے ایک دانے کو کئی افراد مل کر چوستے تھے۔(تفسیر مجمع البیان)

☆اس سورۃ میں توبہ کا اعلان کیا گیا ہے۔غالباً اسی وجہ اس سورۃ کو سورۃ برأت کے علاوہ سورۃ توبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

پیغام:

۱۔اللہ تعالیٰ نے خطرناک حالات میں اپنے رسول اور ان کے پیروکار مہاجرین وانصار کو اپنی رحمت کا مورد قرار دیا۔"تَّابَ اللّٰهُ۔۔"

۲۔تمام انسان حد یہ ہے کہ انبیائے کرام بھی اللہ کے لطف وکرم کے محتاج ہیں۔" تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ "

۳۔توبہ اللہ کا وہ خاص لطف وکرم ہے جو کہ پیغمبر اکرمؐ اور مومنین کے لیئے مخصوص ہے اور کبھی یہ کرم گناہ گاروں کی بخشش کی شکل میں بھی نمودار ہوتا ہے۔"تَّابَ اللّٰهُ"

۴۔دشوار حالات میں رہبر کی پیروی حقیقی ایمان کی علامت ہے۔"فِيۡ سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ "

۵۔زندگی کی سختیاں اور مشکلات ایک گھڑی کی مانند ہیں جو آتی ہے اور جلد چلی جاتی ہے۔"سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ "

۶۔انسان کسی بھی لحظہ بھٹک سکتا ہے اسی لیئے ہمیں چاہیئے کہ ہر وقت خدا کی طرف رجوع کریں۔"كَادَ يَزِيۡغُ قُلُوۡبُ فَرِيۡقٍ "

۷۔خدا کا فضل وکرم ہی ہر طرح کی مصیبت سے نجات کا ضامن بنتا ہے۔"تَّابَ اللّٰهُ۔۔۔ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ "

آیت نمبر ۱۱۸

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيۡنَ خُلِّفُوۡا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ وَظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيۡهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوۡبُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۱۸﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ نے ان تین افراد کی بھی توبہ قبول کی جو کہ (سستی کی وجہ سے) پیچھے رہ گئے تھے۔ یہاں تک کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور خود ان پر ان کی جانیں بھی دوبھر ہوگئی تھیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کی گرفت سے بچنے کے لیئے خود اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہے تو اللہ نے اپنا لطف ان کے شامل حال کیا تاکہ انہیں توبہ کی توفیق مل سکے۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (۱۱۸)

نکات:

☆ تین مسلمان (کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور حلال بن امیّہ) نے جنگ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی۔ وہ پیچھے رہ جانے پر پشیمان ہوئے اور وہ معذرت طلبی کے لیئے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے آنحضرتؐ نے ان سے کوئی بات تک نہ کی۔ آپ نے حکم دیا کہ باقی مسلمان بھی ان سے گفتگو نہ کریں۔ آپ نے ان کی بیویوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے قریب نہ جائیں جب ان لوگوں نے ان حالات کو دیکھا تو وہ مدینہ چھوڑ کر پہاڑوں میں چلے گئے اور وہاں استغفار کرتے رہے۔ بعد ازاں انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اب ہمیں ایک دوسرے سے بھی جدا ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد یہ لوگ ایک دوسرے سے جدا ہوگئے اور خدا سے توبہ و استغفار کرتے رہے۔ اسی حالت میں پچاس دن گزرے کہ خدا نے ان پر ترس کھایا اور ان کی توبہ قبول کرنے کی آیت نازل فرمائی۔ (بحار جلد ۲۱/ ۲۳۷)

پیغام:

۱۔ جو لوگ رہبر کی حکم عدولی کرتے ہوئے جنگ میں نہ جائیں تو انہیں کچھ عرصہ کے لیئے پس پشت ڈال دینا چاہیے۔ ''خُلِّفُوْا''

۲۔ جھڑکنا، بے اعتنائی اور بائیکاٹ کے طریقے متخلفین اور مجرمین کی تربیت میں موثر ہیں۔ ''ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ ... ظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ''

۳۔ متخلفین سے سخت رویہ اپنایا جائے تو ان کے لیئے پورا معاشرہ ایک زندان کی شکل اختیار کر لیتا ہے اس وقت انہیں اپنی اصلاح کی فکر محسوس ہوتی ہے۔ ''ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ''

۴۔ رسول خدا رحمت الٰہی کے مظہر تھے لیکن بحیثیت مربی آپ سختی بھی کیا کرتے تھے۔ ''وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ''

۵۔ روح اور وجدان کی ناراحتی بھی عذاب کی ایک قسم ہے۔ ''وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ''

۶۔ جب کوئی شخص تمام لوگوں سے مایوس ہو جائے تو پھر اسے توبہ کی سوجھتی ہے۔ ''لَّا مَلْجَاَ ... ثُمَّ تَابَ''

۷۔ توبہ بھی توفیق بھی خدا کے لطف و کرم سے نصیب ہوتی ہے سب سے پہلے اللہ کا فضل انسان کے شامل حال ہوتا ہے۔ تَابَ عَلَيْهِمْ اس کے بعد انسان کو پشیمانی اور توبہ اور عذر خواہی کی توفیق پیدا ہوتی ہے لِيَتُوْبُوْا پھر جب انسان توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ''

۸۔ متخلفین کا بائیکاٹ کیا جائے اور جب یہ مشاہدہ کریں کہ اب ان کی مکمل اصلاح ہو چکی ہے تو ان کو معاف کر دینا چاہیئے اور ان سے مشفقانہ سلوک کیا جائے۔ ''تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ''

آیت نمبر ۱۱۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

ترجمة الآیات

ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہو جاؤ سچوں کے ساتھ۔ (۱۱۹)

نکات:

☆ شیعہ وسنی روایات میں مذکور ہے کہ ''صادقین'' سے محمد وآل محمد مراد ہیں۔

☆ سورۃ البقرہ کی ۱۷۷ ویں آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ صادقین وہ مومن ہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں اور مشکلات میں صبر کرتے ہیں سورۃ الحجر کی ۱۵ ویں اور سورۃ حشر کی ۸ ویں آیت میں رنج ومحن اٹھانے والے اور جان برکف مہاجرین کو 'صادق'' کہا گیا ہے

پیغام:

۱۔ سچوں کی دوستی اور ان سے ہم نشینی اور ان کی رفاقت تربیت کے عوامل میں سے ایک ہے اور یہ چیز انسان کو انحراف سے بچاتی ہے۔ ''اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۱۱۹﴾''

۲۔ ہمیں خدا کے بنائے ہوئے رہبروں سے جدا نہیں ہونا چاہیے۔ ''كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۱۱۹﴾''

۳۔ خدا کے مقرر کردہ رہبر معصوم ہوتے ہیں اگر وہ معصوم نہ ہوتے تو خدا اہل ایمان کو یہ حکم کیوں دیتا کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ہمیں فخر رازی پر تعجب ہوتا ہے کیوں کہ انہوں نے لکھا ہے کہ کوئی خاص فرد معصوم نہیں ہے اس کی بجائے اجماع امت معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ کیا فخر رازی اتنا بھی نہیں جانتے کہ چند جائز الخطا اور فاسق افراد کا اجماع معصوم کیسے ہو سکتا ہے؟

۴۔ معاشرے کا تکامل ایمان، تقویٰ اور معصوم رہبر کے زیر سایہ ہی ممکن ہے۔ ''اٰمَنُوا۔۔ اتَّقُوا ۔۔ مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۱۱۹﴾ ط

۵۔ اہل ایمان نے قیامت تک رہنا ہے تو جماعت صادقین کا ایک نہ ایک ہر زمانے میں ہونا چاہیئے تا کہ اہل ایمان اس کے ساتھ رہیں۔ ''وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۱۱۹﴾''

۶۔ مقام صدق اتنا بلند ہے کہ خدا نے لفظ ''معصوم'' کی بجائے ''صّٰدِقِيْنَ'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور صادقین کا مقام اتنا بلند ہے کہ ''اٰمَنُوا۔ اِتَّقُوا'' پر عمل کرنے والوں کو ''صّٰدِقِيْنَ'' کا ساتھ دینے کا حکم دیا گیا۔ ''اٰمَنُوا، اتَّقُو، الصّٰدِقِيْنَ﴿۱۱۹﴾''

آیت نمبر ۱۲۰

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ

يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَــُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۙ﴿۱۲۰﴾

ترجمۃ الآیات

اہل مدینہ اور ان کے گرد و پیش رہنے والے صحرا نشینوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ (فرمان) رسول سے تخلّف کریں (اور جنگ میں نہ جائیں) اور اپنی جانوں کو رسول کی جان سے زیادہ عزیز رکھیں۔ یہ اس لیئے کہ انہیں نہ پیاس کی تکلیف ہوگی اور نہ مشقت کی اور نہ راہ خدا میں بھوک کی اور نہ وہ کوئی ایسا قدم اٹھائیں گے جو کافروں کو ناگوار گزرے اور نہ انہیں دشمن سے کوئی گزند پہنچے گا مگر یہ کہ ان کے لیئے نیک عمل لکھا جائے گا۔ بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (۱۲۰)

نکات:

☆اس آیت سے جنگ کے متعلق جو کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

۱۔اس بات پر ایمان کہ جنگ کی جملہ سختیوں کو عمل صالح کا درجہ حاصل ہے اور یہ تکالیف رضائے الٰہی کی موجب ہیں۔

۲۔فرمانروا کی حفاظت مقدم ہے۔

۳۔مشکلات اور سختیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جائے۔

۴۔دشمن کو خوار کیا جائے اور اسے غصہ میں مبتلا کرنا چاہیئے۔

پیغام:

۱۔رہبر کے ساتھی اور اس کے حاشیہ نشین جن کے پاس علم اور وسائل زیادہ ہوتے ہیں ان پر بھاری ذمہ داریاں

عائد ہوتی ہیں۔ ''مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ... اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا ''

۲۔اسلام کا دفاع جس طرح سے شہر والوں پر فرض ہے اس سے دیہات والوں پر بھی فرض ہے۔ ''لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ ''

۳۔رسول کی اطاعت غیر مشروط طور پر فرض ہے اور اس میں کسی طرح کی چوں چراں کی اجازت نہیں ہے اور کسی کو بھی فرمان پیغمبر سے تخلف کی اجازت نہیں ہے۔ ''مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ... اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا ''

۴۔رسالت کی ذمہ داریوں میں فوج کی سالاری بھی شامل ہے۔ ''يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ''

۵۔تمام مسلمانوں کی جان سے رسول کی جان کی حفاظت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ رسول کے جانثار کا کردار ادا کریں۔ ''وَلَا يَرْغَبُوْا ''

۶۔مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے عقیدہ کے تحفظ کے لیئے ہر طرح کی مشکلات کو برداشت کرنے پر آمادہ رہیں۔ '' ظَمَاٌ ،نَصَبٌ ـ مَخْمَصَةٌ ''

۷۔اسلامی معاشرے کو کفر کے خلاف ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔ ''يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ ''

۸۔مسلمانوں کی راہ پیمائی جو کہ کفار کے غیظ وغضب کا سبب ہو وہ خدا کے ہاں لائق اجر ہے۔ ''مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ ''

۹۔صرف دفاع اور جنگ ہی موجب اجر نہیں ہے بلکہ جنگ کی جملہ سختیاں اجر وثواب کا ذریعہ ہیں۔ ''لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ... عَمَلٌ صَالِحٌ ''

۱۰۔جہاد کے مقدمات اور جنگ کی آمادگی بھی عمل صالح اور عبادت ہے۔ ''وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا ... عَمَلٌ صَالِحٌ ''

۱۱۔حقیقی نیکوکار وہی ہے جو انقلابی اور مجاہد ہو اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ جانفشانی نیکوکاری کی علامت ہے۔

۱۲۔اجر الٰہی کو تکالیف برداشت کرنے کے زیر سایہ تلاش کرنا چاہیئے۔خزانہ پانے کے لیئے زحمتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ ''ظَمَاٌ ،نَصَبٌ ،مَخْمَصَةٌ ... اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ ''

۱۳۔خدا کی رضا اور اجر کا عقیدہ مشکلات کو آسان بنا دیتا ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ ''

آیت نمبر ۱۲۱

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا

كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢١﴾

ترجمۃ الآیات

اور اسی طرح سے وہ (راہ جہاد میں) جو کچھ خرچ کرتے ہیں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اور جب کوئی وادی (جہاد کی غرض سے) پار کرتے ہیں تو یہ سب ان کے حق میں لکھ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا بہترین صلہ دے۔(۱۲۱)

نکات:

اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢١﴾ کے دو مفہوم ممکن ہیں۔

۱۔خدا کی جزا ان کے عمل سے کہیں بہتر ہوگی جو وہ مجاہدین کو عطا فرمائے گا۔

۲۔وہ جان و مال سے جہاد کر کے بہترین عمل سرانجام دے رہے ہیں خدا انہیں ان کے عمل کی جزا دے گا۔

پیغام:

۱۔انفاق فی سبیل اللہ کے لیئے مقدار اور کمیت کی کوئی اہمیت نہیں خدا کی راہ میں کم خرچ کیا جائے یا زیادہ خدا اس کا ضرور اجر دے گا۔

۲۔ہمیں کبھی بھی یہ اندیشہ نہیں کرنا چاہیئے کہ ہمیں ہمارے عمل کی جزا نہیں ملے گی۔انسان کے تمام اعمال لکھے جارہے ہیں۔''وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ''

۳۔میدان جنگ کی طرف سفر کرنا بہترین عمل ہے۔''اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢١﴾''

۴۔اللہ کی طرف سے ملنے والی جزا انسانی عمل سے کہیں بلند و برتر ہے۔''لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ''

۵۔عمل صالح پر قائم رہنے سے اجر میں اضافہ ہوتا ہے۔''مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢١﴾''

۶۔سنت الٰہی یہ ہے کہ وہ اپنے دین کی ترقی کے لیئے اہل ایمان کو ذریعہ بناتا ہے۔اگر اہل ایمان کی کوشش کی ضرورت نہ ہوتی تو ان دو آیات میں یہ تشویق دکھائی نہ دیتی۔

آیت نمبر ۱۲۲

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام مومن نکل کھڑے ہوں۔ پھر کیوں نہ ہر گروہ سے ایک جماعت نکلے تا کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں پھر جب اپنی قوم کی طرف واپس آئیں تو انہیں تنبیہ کریں تا کہ وہ (گناہ و سرکشی سے) بچے رہیں۔ (۱۲۲)

نکات:

☆ جب سورۃ توبہ کی مذکورہ آیات نازل ہوئیں جن میں جنگ میں شرکت نہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے تو اس کے بعد تمام مسلمانوں نے یہ طے کر لیا کہ اب کوئی فوجی مہم درپیش ہوگی تو وہ سب کے سب اس میں شریک ہوں گے اور مدینہ میں کوئی بھی فرد باقی نہیں رہے گا ان کے اس عزم سے مدینہ کے خالی رہنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے رسول خداؐ کے تن تنہا رہنے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ اسی لیئے اس آیت میں حکم دیا گیا کہ لوگ فہم دین کے حصول کے لیئے مدینہ میں رہیں تا کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں چنانچہ یہ آیت جنگ میں تمام افراد کی شرکت کو کنٹرول کرنے کے لیئے نازل ہوئی تفسیر مجمع البیان

☆ تمام صحرانشین افراد نے دین کی تعلیمات حاصل کرنے کے لیئے مدینہ منورہ کا رخ کیا جس سے شہر کی طرف منتقلی کا رجحان بڑھ گیا اور آبادی کے لیئے مسائل پیدا ہونے لگے تھے۔ اسی تناظر میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ سب لوگ دین فہمی کے لیئے کوچ نہ کریں چند افراد دین فہمی کے لیئے سفر کریں اور جب انہیں دین کی سمجھ بوجھ حاصل ہو جائے تو پھر اپنے وطن واپس چلے جائیں اور اپنی قوم کو تبلیغ دین کریں۔

۱۔ عرض مترجم۔ یہ توجیہ آیت مجیدہ کے الفاظ سے مناسبت نہیں رکھتی آیت میں تو یہ کہا گیا ہے کہ سب افراد کے لیئے ممکن نہیں ہے کہ وہ نکل کھڑے ہوں تو پھر کیوں نہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے تا کہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور جب

پلٹ کر اپنی قوم کے پاس آئیں تو انہیں تنبیہ کریں۔ مذکورہ بالا توجیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ حکم اہل مدینہ کے لیئے ہے۔ بھلا اہل مدینہ نے لوٹ کر اپنی قوم کو تبلیغ کرنا تھی مدینہ میں تو تبلیغ کے لیئے خود رسول خداؐ موجود تھے

'دین' خدا کے قوانین اور اسلام کے ظاہری و باطنی احکام کے مجموعہ کا نام ہے اور اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو کہ خدا کے ہاں قابل قبول ہے۔ "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" (آل عمران/۱۹) خدا کے ہاں دین فقط اسلام ہے یہاں اسلام تسلیم کے معانی میں ہے "تفقہ فی الدین" کا مقصد یہ ہے کہ انسان دین کے احکام وعقائد کی گہری شناخت حاصل کرے "تفقہ فی دین" کے دو محرک ہو سکتے ہیں اس کا ایک محرک تو یہ ہے انسان علم دین اس لیئے حاصل کرے کہ اس سے مال دنیا حاصل کرے اور دنیاوی جاہ وعزت حاصل کرے اور اپنے دوستوں میں نمایاں دکھائی دے۔ اس کا دوسرا محرک یہ ہے کہ اس سے آخرت کو سنوارا جائے اور علم دین سے نجات کا سامان حاصل کیا جائے۔ قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ میں اس مقصد کے لیئے تفقہ فی الدین کی دعوت دی گئی ہے۔ اور فرمایا گیا ہے۔ "وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ"

☆ فقہ اتنی اہم ہے کہ جب رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو یمن روانہ کیا تو آپ نے ان سے یہ الفاظ ارشاد فرمائے 'ففقھم فی الدین' 'ان لوگوں کو دین کی سمجھ بوجھ عطا کریں۔ (مستدرک الوسائل حدیث ۶۹ ۶۳ ۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے متعلق یہ دعا فرمائی تھی "اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ" خدایا اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما۔ اس دعا کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علیؑ تمام لوگوں سے بڑے فقیہ کہلائے (بحار الانوار جلد ۶۶/ ۹۲) حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے فرزند کو یہ نصیحت فرمائی "تَفَقَّهْ فِي الدِّيْنِ فَاِنَّ الْفُقَهَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ" (بحار جلد اول /۲۱۶) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرو کیونکہ فقہا انبیاء کے وارث ہیں حضرت امام حسین علیہ السلام نے شبِ عاشور اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاتے ہوئے یہ جملے کہے تھے "حمد ہے اس ذات کی جس نے ہمیں دین میں فقیہ بنایا" (موسوعۃ کلمات الامام)

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اگر امام کو کوئی حادثہ پیش آجائے (یعنی امام کی وفات ہو جائے) تو لوگوں کی تکلیف شرعی کیا ہے؟ امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی اور اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر گروہ میں سے کچھ لوگ شناختِ امام کے لیئے سفر کریں۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ ہمیں معاشرہ شناس ہونا چاہیئے اور ہر علم کے لیئے کچھ افراد کو مخصوص کرنا چاہیئے تا کہ امت کے تمام مسائل حل ہوتے رہیں۔ "وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً"

۲۔ ایمان اور ہجرت ایک دوسرے کے لیئے لازم وملزوم ہیں دین کے دفاع کے لیئے بھی ہجرت ضروری ہے اور دین

کی صحیح شناخت کے لیئے بھی ہجرت ضروری ہے۔''فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ''

۳۔ ہر علاقہ کے کچھ لوگ اسلام کی شناخت کے لیئے علمی مراکز کا رخ کریں تا کہ ہر علاقہ میں دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے موجود ہوں۔''مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ''

۴۔ وہ اہل علم جس نے طلب علم کے لیئے سفر نہ کیا ہو وہ کامل عالم نہیں ہے نفر ایک شخص جو کہ خانہ نشین تھا اس کے لیئے امام علیہ السلام نے فرمایا: ''كَيۡفَ يَتَفَقَّهُ فِي الدِّيۡنِ'' (تفسیر کنز الدقائق) وہ دینی سمجھ بوجھ کیسے حاصل کرے گا؟

۵۔ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کر کے لوگوں اس کی تعلیم دینا واجب کفائی ہے فَلَوۡلَا نَفَرَ... طَآئِفَةٌ جہاد اور اجتہاد دونوں واجب کفائی ہیں البتہ حضرت علیؑ کا فرمان ہے کہ اگر کبھی جہاد کے تمام افرد کی شرکت ضروری ہو جائے تو پھر سب پر جہاد میں شریک ہونا فرض ہو جاتا ہے۔ (بحار الانوار جلد ۹۷/ ۴۸) معاشرے میں اس طرح کی منصوبہ بندی کی جائے کہ علوم دین کے طالب علم پوری دلجمعی سے علوم حاصل کر سکیں۔

۶۔ لوگوں کے تنبیہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ علماء لوگوں کو غفلت اور لاتعلقی سے نجات دلائیں اور انہیں عذاب آخرت اور دنیاوی مشکلات سے آگاہ کریں۔''لِيُنۡذِرُوۡا''

۷۔ جنگ کے موقع پر بھی ہمیں فکری، اعتقادی اور اخلاقی مسائل سے غفلت نہیں کرنی چاہے اور ہمارا بیرونی دشمن ہمیں جہالت جہالت وغفلت جیسے اندرونی دشمن سے غافل نہ کرنے پائے۔''وَمَا كَانَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لِيَنۡفِرُوۡا.. فَلَوۡلَا نَفَرَ .لِّيَتَفَقَّهُوۡا''

۸۔ فقہ صرف احکام دین یاد کرنے کا نام نہیں ہے اس کی بجائے فقہ تمام مصارف اسلامی کو سمجھنے کا نام ہے۔'' لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِي الدِّيۡنِ''

۹۔ دین کی گہری شناخت ہونی چاہیئے۔''لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِي الدِّيۡنِ''

۱۰۔ تبلیغ دین کے لیئے گہری آگاہی ہونی چاہیے۔''لِّيَتَفَقَّهُوۡا... لِيُنۡذِرُوۡا''

۱۱۔ اسلام شناس فقیہ کی گفتگو پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔''لِّيَتَفَقَّهُوۡا... لِيُنۡذِرُوۡا''

عین ممکن ہے کہ پورے علاقہ میں صرف ایک ہی شخص دین کا عالم ہو اس سے خبر واحد کی حجیّت ثابت ہوتی ہے۔

۱۲۔ ''تفقہ فی الدین''اس وقت مفید ہے جب فقیہ اپنے زمانہ کے حالات سے آگاہ ہو اور شیطانی چالوں سے بچانے میں اپنا کردار ادا کر سکے۔''لِّيَتَفَقَّهُوۡا... لِيُنۡذِرُوۡا''

۱۳۔ علمی حوزہ جات کے طلباء کے لیئے دو ہجرتیں ضروری ہیں انہیں چاہیئے کہ پہلی ہجرت حوزہ میں آنے کے لیئے کریں اور جب وہ خوب پڑھ لکھ لیں تو دوسری ہجرت اپنے شہر کی طرف کریں اور وہاں جا کر تبلیغات سرانجام دیں۔ لہٰذا مستقل طور پر حوزہ میں رہنا نا جائز ہے۔''فَلَوۡلَا نَفَرَ... لِّيَتَفَقَّهُوۡا لِيُنۡذِرُوۡا... اِذَا رَجَعُوۡا''

۱۴۔تبلیغ اور تہذیب و تمدن کے امور کے لیئے انسان کو اپنے ہی علاقہ کو ترجیح دینی چاہیے۔''لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ ''
۱۵۔علماء کو عوام سے خود رابطہ کرنا چاہیئے ان کی دعوت کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔''رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ ''
۱۶۔تقویٰ اور یاد آخرت کا اجاگر کرنا تبلیغ کا محور ہونا چاہیے۔''لِيُنْذِرُوْا...لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴿۱۲۲﴾''
۱۷۔فقہاء کو یہ توقع کبھی نہیں کرنی چاہیئے کہ سب لوگ ان کی اطاعت کریں گے۔کچھ گروہ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دین اور خدائی راستے کو اپنانے پر آمادہ نہیں ہوتے۔''لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴿۱۲۲﴾''

آیت نمبر ۱۲۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴿۱۲۳﴾

ترجمة الآيات

اے ایمان والو! اپنے قریب رہنے والے کافروں سے جنگ کرو اور وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں۔ جان لو کہ خدا پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔(۱۱۳)

نکات:

☆نزدیکی دشمنوں سے جنگ کرنے میں کچھ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔
۱۔نزدیکی دشمن سے جنگ کے لیئے تھوڑے وسائل درکار ہوتے ہیں اور تھوڑے اخراجات سے جنگ لڑی جاسکتی ہے۔
۲۔انسان کو قریبی دشمنوں کے متعلق زیادہ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔
۳۔قریبی دشمنوں سے جنگ کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے اور مجاہدین کی آمادگی بھی نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔
۴۔قریبی دشمن زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔
۵۔قریبی دشمن تک رسائی میں آسانی محسوس ہوتی ہے۔
۶۔قریبی دشمن کو مغلوب کر کے اپنے دارالحکومت کو محفوظ بنایا جا سکتا ہے۔
☆''غِلْظَةً'' صلابت، قوت و ہیبت کے معنی میں ہے۔یہ لفظ سنگدلی اور بد خلقی کے معنی میں نہیں ہے۔مسلمان افواج کو چاہیئے کہ وہ اپنی فوجی پریڈ، اپنے لباس اور جنگی اسلحہ کا مظاہرہ کر کے دشمن کے دلوں پر رعب ڈالیں۔فتح مکہ کے وقت آنحضرتؐ

نے لشکر اسلام کو حکم دیا تھا کہ جب وہ ابوسفیان کے گھر سے گزریں تو پوری آن بان کے ساتھ گزریں تا کہ اسے اپنی حقارت اور لشکرِ اسلام کی قوت کا احساس ہو اور مشرکین کے حوصلے کمزور ہوں۔

☆ اسلام ''الاقرب فالاقرب'' کے فارمولے پر یقین رکھتا ہے یعنی ہر کام کی ابتدا نزدیک سے ہونی چاہیے۔

اسلام یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص صدقہ وخیرات کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے قرابت رکھنے والے یتامیٰ ومساکین سے ابتدا کرے۔ اور اگر کوئی شخص زکوٰۃ دیتا ہے تو ابتدا قریبی ضرورت مندوں سے کرے اس طرح سے اگر کفار سے جنگ کا مرحلہ درپیش ہو تو پہلے قریبی دشمنوں سے نمٹنا چاہیے اور اگر دعوت وتبلیغ کا آغاز کرنا مقصود ہو تو پھر ابتدا اپنے قرابت داروں سے کرنی چاہیئے اسی طرح سے انسان کو چاہیے کہ نماز کے لیئے قریبی مسجد کا انتخاب کرے اور نماز جماعت میں پہلی صف میں کھڑا ہونا چاہیئے کیونکہ وہ صف امام کے قریب تر ہوتی ہے۔

☆ اس آیت میں دفاعی جہاد کی بجائے آزادی بخش جہاد کا حکم دیا گیا ہے اسی لیئے اس میں مجاہدین اسلام کی صفات کو بیان کیا گیا ہے اور کافروں کے حملہ آور ہونے کی شرائط کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ (تفسیر فی ظلال القرآن)

☆ پیغمبر اسلام کی سیرت میں ہمیں بہت سے آداب جنگ کی تعلیم دکھائی دیتی ہے آپ لشکر اسلام کو ہمیشہ یہ نصیحت کرتے تھے کہ وہ تقویٰ کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھیں اور کفار کی عورتوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ درخت نہ کاٹیں۔ کسی جنگ میں آپ نے ایک کافر عورت کو قتل ہوا دیکھا تو اس پر آپ کو سخت دُکھ ہوا۔ (تفسیر فی ظلال القرآن)

پیغام:

۱۔ ایمان عمل اور جہاد کا متقاضی ہے۔ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَاتِلُوا۔۔۔''

۲۔ نزدیکی دشمنوں کے شر کو دفع کرنا زیادہ اہمیت رکھتا ہے، یَلُوۡنَکُمۡ مِّنَ الۡکُفَّارِ اسلام کی جنگی حکمت عملی یہ ہے کہ قریبی دشمنوں سے جنگ کا آغاز کیا جائے اسی طرح سے فکری اور عقیدتی مبارزہ میں بھی رائج الوقت شبہات کے ازالہ کو اولیت دی جائے۔

۳۔ لشکرِ اسلام کے رعب ودبدبہ کو قائم کرنے کے لیئے مناسب اقدامات کرنے چاہیں۔ مجاہدین میں شوق جہاد کو بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ جدید ترین حرب وضرب کے آلات سے انہیں مسلّح کرنا چاہیئے۔ اور افواج کو جنگ کی جدید ترین تکنیک سے باخبر کرتے رہنا چاہیئے۔ ''وَلۡیَجِدُوۡا فِیۡکُمۡ غِلۡظَةً''

۴۔ لشکرِ اسلام کی ہیئت ایسی ہونی چاہیے جس سے دشمن مرعوب ہو جائے۔ ''غِلۡظَةً''

۵۔ اندرونی شجاعت کے ساتھ ساتھ بیرونی صلاحیت بھی ضروری ہے۔ ''وَلۡیَجِدُوۡا''

۶۔ لشکرِ اسلام کو جہاں فولاد کی طرح سے مضبوط ہونا چاہیئے وہاں اسے تقویٰ سے بھی آراستہ ہونا چاہیئے۔ ''اَنَّ اللّٰهَ

مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴿١٢٣﴾''

٧۔ جہاد الٰہی تقویٰ کی تجلی ہے۔''قَاتِلُوا ۔۔۔ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴿١٢٣﴾''

٨۔ جنگ میں کینہ و ہوس اور طبعی غرائز بھی ممکن ہیں اسی لیئے مجاہدین اسلام کے لیئے تقویٰ بنیادی شرط ہے۔''اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴿١٢٣﴾''

آیت نمبر ١٢٤

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴿١٢٤﴾

ترجمة الآيات

اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو منافقین میں سے کچھ کہتے ہیں کہ اس سورۃ نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟ وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں تو ان کے ایمان میں آیات اضافہ کرتی ہیں اور وہ خوشیاں مناتے ہیں۔(١٢٤)

پیغام:

١۔ قرآن کے نزول پر مذاق اڑانا منافقت کی علامت ہے۔''اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ ۔۔۔ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ ۔۔۔''

٢۔ منافقین اس طرح کے سوالات کر کے دوسروں کو بھی اپنے ہمنوا بنانے کی کوشش کرتے تھے۔''يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۔۔۔''

٣۔ اہل ایمان کو چاہیئے کہ وہ اپنے اندر اتنی صلاحیت پیدا کریں کہ منافقین کے شبہات کے جواب دے سکیں۔''اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا''

٤۔ ایمان کے کئی مراتب ہیں اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح سے منافقت کے بھی کئی مراتب ہیں اور اس میں بھی ترقی ممکن ہوتی ہے۔''فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا''

۵۔مومن اور منافق کی پہچان کے لیئے قرآن بہترین وسیلہ ہے۔''فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا''

۶۔قرآنی آیات سننے کے بعد خوشی محسوس ہونے لگے تو یہ ایمان کے تکامل اور رُشد کی علامت ہے۔''فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴿۱۲۴﴾''

۷۔قرآن اہل ایمان کے لیئے بشارت کی اساس ہے۔''وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴿۱۲۴﴾''

آیت نمبر ۱۲۵

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴿۱۲۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (منافقت کی) بیماری ہے تو (قرآنی آیات) ان کی نجاست میں مزید اضافہ کر دیتی ہیں اور وہ کافر ہو کر مرتے ہیں۔(۱۲۵)

نکات:

☆اگر مردار کو کھلی جگہ پر ڈال دیا جائے اور اس پر بارش ہو تو اس کی بدبو میں اور اضافہ جائے گا۔بدبو کی وجہ بارش نہیں ہے خود مردار ہی ہے۔اسی طرح سے روحِ تکبر و لجاجت قرآن کے نزول کی وجہ سے بیمار دل افراد زیادہ متکبر بن جاتے ہیں اور ان کے بغض و عناد میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

☆امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ" کا معنی یہ ہے کہ ان کے شک میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔(تفسیر نور الثقلین) گویا اس آیت میں لفظ رجس شک کے معنی میں ہے۔

پیغام:

۱۔روحانی امراض بھی جسمانی امراض کی مانند ہیں اگر ان کا بر وقت مناسب علاج نہ کیا جائے تو ان کی شدّت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ انسانی روح کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہیں۔''فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ''

۲۔کفر حق پوشی کا دوسرا نام ہے اور یہ انسان کے دل اور روح کے لیئے خطرناک بیماری ہے۔''فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

... كٰفِرُوْنَ﴿۱۲۵﴾''

۳۔منافق کا انجام ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔''مَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ﴿۱۲۵﴾''

آیت نمبر ۱۲۶

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴿۱۲۶﴾

ترجمة الآيات

کیا انہیں دکھائی نہیں دیتا کہ ہر سال ان کی ایک یا دو مرتبہ آزمائش کی جاتی ہے۔اس کے باوجود نہ تو وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔(۱۲۶)

پیغام:

۱۔اللہ تعالیٰ کی یہ روش ہے کہ وہ ہر دور میں ہر انسان کو آزماتا ہے۔''فِيْ كُلِّ عَامٍ''

۲۔حوادث کے پس پردہ یہ فلسفہ کارفرما ہوتا ہے کہ انسان توبہ کریں اور نصیحت پکڑیں۔''لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴿۱۲۶﴾''

۳۔خدائی آزمائش کے باوجود متنبہ نہ ہونا منافقت کی علامت ہے اور یہ دل کی بیماری کا مظہر ہے اور یہ چیز سرزنش کے لائق ہے۔''لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴿۱۲۶﴾''

۴۔منافقت کا نتیجہ سنگدلی اور برے انجام کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔''لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴿۱۲۶﴾''

آیت نمبر ۱۲۷

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ

لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو (منافق) ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں (اور پوچھتے ہیں کہ) کیا تمہیں کوئی دیکھ رہا ہے؟ پھر (پیغمبر سے) چھپ کر چلے جاتے ہیں۔ خدا نے ان کے دلوں کو (حق سے) دور کر دیا ہے کیونکہ یہ نا سمجھ لوگ ہیں۔ (۱۲۶)

نکات:

☆ منافق قرآن کی یاد دہانی سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے جس طرح سے جلا ہوا برقی بلب بجلی سے روشن نہیں ہوتا اسی طرح سے ان کے نجس دل قرآن کی یاد دہانیوں سے متاثر نہیں ہوتے۔

پیغام:

۱۔ منافق اپنی نجس کیفیت کے ظاہر ہونے سے ہر وقت مضطرب رہتے ہیں اور ہر وقت انہیں یہ فکر رہتی ہے کہ اپنے کاموں کو خفیہ رکھیں۔ ''نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ ؕ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ''

۲۔ منافق ایات قرآنی کے نزول کو ناپسند کرتے ہیں۔ ''نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ''

۳۔ منافقین قرآنی محافل سے دور بھاگتے ہیں۔ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ قرآن سے دوری منافقت کی علامت ہے۔

۴۔ خدا کے قہر کی وجہ انسان کا ہدایت سے بھاگنا ہے۔ ''انۡصَرَفُوۡا ۔۔ صَرَفَ اللّٰهُ''

۵۔ قرآن سے منہ موڑنے کی وجہ صحیح ادراک کا فقدان ہے۔ ''قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾''

آیت نمبر ۱۲۸

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۸﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک تمہارے پاس رسول آیا ہے جو خود تم میں سے ہے۔تمہارا مشقت میں پڑنا اس پر گراں ہے وہ تمہاری بھلائی کا خواہاں ہے اور وہ اہل ایمان کے لیئے نہایت شفیق اور مہربان ہے۔(۱۲۷)

نکات:

☆اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنیٰ میں سے کسی بھی نبی کو دو اسماء عطا نہیں کیئے۔یہ اعزاز صرف آنحضرتؐ کو حاصل ہے کہ اللہ نے انہیں ملقب کیا ہے۔''رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۸''

☆اس آیت میں آسمانی رہبر اور ان کی کیفیت اور ان کی دلسوزی کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ انسانوں کے کتنے خیر خواہ ہیں۔اسی لیئے انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے ان ہمدرد افراد کی اطاعت کا دم بھرے اور ان کی مخالفت نہ کرے۔

پیغام:

۱۔رسول خداؐ کا تعلق لوگوں کی جنس سے ہی ہے۔''مِّنْ اَنْفُسِكُمْ''

۲۔رسول خداؐ امت کے غم خوار ہیں۔''عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ''

۳۔اسلام کے رہبروں کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کے دکھ کو اپنا دکھ محسوس کریں۔''عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ''

۴۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر وقت لوگوں کی بھلائی کی فکر رہتی تھی۔''حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ''

۵۔دوسروں پر کسی کا کلام تب مؤثر ہوتا ہے جب وہ ان کا خیر خواہ ہو اور ان کا ہمدرد ہو،ان پر مہربان ہو اور وہ ان سے کسی طرح کی لالچ نہ رکھتا ہو اور تواضع کا سلیقہ رکھتا ہو۔''عَزِيْزٌ عَلَيْهِ...حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ...رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۸''

۶۔رہبر اسلامی صرف اہل ایمان کے لیئے شفیق اور مہربان ہیں نہ کہ سب کے لیئے۔آپ دشمنوں پر نہایت سخت تھے۔''بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۸''

آیت نمبر ۱۲۹

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝۱۲۹

ترجمۃ الآیات

پس اگر وہ (کلام الٰہی سے) روگردانی کرلیں تو آپ کہ دیجیئے کہ میرے لیئے اللہ کافی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے میں نے اسی پر ہی توکل کیا ہے اور وہ عرش عظیم کا پروردگار ہے۔(۱۲۹)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں رسول خداؐ کی شفقت اور ہمدردی کو بیان کیا گیا ہے اور اس آیت میں اس تصور کی نفی کی گئی ہے کہ شاید کسی کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ پیغمبر اس لیئے شفیق ہیں کہ انہیں لوگوں کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے ہرگز محتاج نہیں ہیں اگر تمام لوگ بھی ان سے منحرف ہوجائیں تو خدا پھر بھی ان کے ساتھ ہے اور اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ لوگ خواہ سورج کی طرف منہ کریں یا پشت سورج پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا اسی طرح سے اگر لوگ آنحضرت کی نبوت کو مانیں یا اس کا انکار کریں آپ کی ذات پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: عرش عظیم سے ''ملک عظیم'' (عظیم بادشاہت) مراد ہے (تفسیر نور الثقلین ،توحید صدوق ص ۳۲۱)

☆ جو خدا کائنات کے عظیم نظام کی تدبیر کررہا ہے وہ اپنے کرم سے ایک معمولی سے انسان کی بھی نگہداری کرسکتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے دعائے عرفہ میں بارگاہ الٰہی میں یہ الفاظ کہے۔ "ماذا وجد من فقدك ،وماذا فقد من وجدك؟'' جس نے تجھے کھو دیا اس نے بھلا کیا پایا؟ اور جس نے تجھے پالیا اس نے بھلا کیا کھویا؟

پیغام:

۱۔ اگر لوگ دین سے منہ پھیرلیں تو ہمارے پر اس کا کوئی مضر اثر مرتب نہیں ہونا چاہیئے۔ ''فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰہُ''

۲۔ جس کے پاس خدا ہو اسے بھلا کس چیز کی کمی ہے؟ ''حَسۡبِیَ اللّٰہُ''

۳۔ خدا پر توکل، مشکلات پر غلبہ کی علامت ہے۔ ''فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ... عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ''

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَظِیۡمِ

سُوْرَۃُ یُوْنُسَ

پارہ	11
سورۃ	10
تعداد آیات	109

سورۂ یونس ایک نظر میں

یہ قرآن حکیم کی دسویں سورۃ ہے یہ بعثت کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی تھی۔اس کا نام ''یونس'' ہے۔اس سورۃ کی آیات کی تعداد ایک سونو ہے اس کے زیادہ تر مطالب کا تعلق توحید، حقانیتِ قرآن، منکرین وحی کو جواب، مشرکین کو عذاب سے ڈرانے۔خدا کی تخلیق اور خالق کی عظمت، دنیا کی ناپائیداری اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے سے ہے۔سابقہ سورۃ یعنی سورۃ توبہ میں منافقین کے چال چلن کو واضح کیا گیا ہے جب کہ اس سورۃ میں مشرکین کے کردار پر بحث کی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
سہارا اللہ کے نام کا جو کہ رحمان رحیم ہے

آیت نمبر ۱

الٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰیٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِیۡمِ ①

ترجمۃ الآیات

الف لام۔را۔ یہ حکمت آمیز کتاب کی آیات ہیں۔(۱)

نکات:

☆ مسلسل چھ سورتوں کا آغاز ''الٓر'' کے حروف مقطعات سے ہوا ہے اور وہ سورتیں یہ ہیں۔

۱۔یونس۔۲۔ہود۔۳۔یوسف۔۴۔رعد۔۵۔ابراہیم۔۶۔الحجر۔البتہ سورۃ رعد کا آغاز المرٓ سے کیا گیا ہے۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ''الرٰ'' کے متعلق فرمایا کہ لفظ ''الف'' کا اشارہ ''اَنَا'' کی طرف ہے۔اور لفظ ''لام'' کا اشارہ ''اللہ'' کی طرف ہے اور ''را'' کا اشارہ ''رؤوف'' کی طرف ہے اور ''الرٰ'' کا مطلب ہے انا اللہ الرءوف میں خدائے مہربان ہوں۔(تفسیر نور الثقلین) ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ''الرٰ'' کا تعلق حروف متشابہات سے ہے۔

پیغام:

۱۔قرآن برتر مقام کا حامل ہے اور اس کی عظمت کے اظہار کے لیئے ''تِلۡكَ'' اسم اشارہ بعید سے اشارہ کیا گیا ہے۔

۲۔قرآن حکیم بھی ہے حکم بھی ہے۔اور محکم بھی ہے اور حکیمانہ مطالب کا حامل بھی ہے زمان ومکان اور دشمن کی سازشیں اس میں کوئی خلل پیدا نہیں کر سکتیں۔''الۡكِتٰبِ الۡحَكِیۡمِ ①''

آیت نمبر ۲

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ؕ قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيۡنٌ ۝۲

ترجمۃ الآیات

کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد کی طرف وحی کی ہے کہ لوگوں کو متنبہ کر اور ایمان لانے والوں کو بشارت دے کہ ان کے پروردگار کے ہاں ان کے لیئے بہترین جگہ موجود ہے۔ کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلم کھلا جادوگر ہے۔ (۲)

نکات:

☆ ''قَدَمَ صِدۡقٍ'' کے چند معانی ہیں:

۱۔ اچھی سبقت رکھنا مثلاً کہا جاتا ہے ''قَدَمٌ فِی الۡحَرۡبِ'' جب کوئی جنگ میں پیش پیش ہو اور ''قَدَمٌ فِی الۡاِسۡلَامِ'' جب کوئی اسلام لانے میں سبقت رکھتا ہو۔

۲۔ سچا اور عمدہ مقام۔

۳۔ سچا رہبر و رہنما۔ شیعہ سنی روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ ''قَدَمَ صِدۡقٍ'' سے حضرت رسول خداؐ اور حضرت علی مرتضیٰؑ مراد ہیں۔ (تفسیر قرطبی۔ تفسیر برہان)

۴۔ ایک اور روایت میں ''قَدَمَ صِدۡقٍ'' کی تفسیر مقامِ شفاعت سے کی گئی ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

۵۔ کافروں کے پاس رسول اکرمؐ کے انکار کی کوئی منطقی دلیل موجود نہیں تھے۔ وہ اس بات کو بہت بعید سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان میں سے ایک شخص کو رسول کیونکر بنا دیا؟ چنانچہ وہ اپنے تعجب کی وجہ سے آنحضرتؐ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں۔ کافروں کو صرف آنحضرتؐ کی نبوت پر ہی تعجب نہیں تھا وہ اور اصول اعتقادی پر بھی تعجب کیا کرتے تھے۔

۱۔ انہیں توحید الٰہی پر تعجب تھا۔ اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (ص۔ ۵) کیا اس نے تمام معبودوں کو ختم کر کے ایک

معبود قرار دیا ہے۔

۲۔کفار کو نبوت پر تعجب تھا۔ اَهٰذَا الَّذِیۡ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوۡلًا (فرقان۔۴۱) کیا یہ وہی ہے جسے خدا نے رسول بنا کر مبعوث کیا ہے؟

۳۔کفار کو قیامت پر تعجب تھا۔ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَهِیَ رَمِیۡمٌ (یٰسٓ۔۷۸) بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔

۴۔انہیں حکومت وامامت پر تعجب لاحق ہوا تھا۔ اَنّٰی یَکُوۡنُ لَهُ الۡمُلۡكُ ... وَلَمۡ یُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ (بقرہ۔۲۴۷) اسے حکومت کیسے مل گئی جب کہ ان کے پاس کچھ زیادہ مال ہی نہیں ہے؟

پیغام:

۱۔وحی الٰہی پر تعجب کرنا اور اسے عقل وخرد کے منافی سمجھنا کفر کی بنیادی وجہ ہے۔ ''عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَیۡنَاۤ''

۲۔وحی الٰہی انبیاء کی دعوت کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ ''اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ''

۳۔افراد کی اندرونی صلاحیت بظاہر دکھائی نہیں دیتی۔لہٰذا اگر خدا کسی کو اپنے لطف وکرم کا محور بنا دے تو ہمیں برداشت کا ثبوت دینا چاہیئے۔ ''رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ''

۴۔پیغمبر مثالی نمونہ ہوتے تھے اور وہ معاشرے کے درد آشنا تھے۔ ''مِّنۡهُمۡ''

۵۔انبیاء کا فریضہ خوش خبری دینا اور عذاب الٰہی سے ڈرانا ہے۔ ''اَنۡذِرِ بَشِّرِ''

۶۔جو چیز سمجھ میں نہ آئے اس کو فوراً جھٹلانا نہیں چاہیئے کیونکہ انکار اور تہمت کافروں کا شیوہ ہے۔ ''قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیۡنٌ۝۲''

۷۔ایمان، سچائی کا راستہ اور پروردگار عالم کی بارگاہ میں خاص مقام ہے۔ ''بان لهم الجنة''

آیت نمبر ۳

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ؕ مَا مِنۡ شَفِیۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِهٖ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ۝۳

ترجمۃ الآیات

تمہارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر اقتدار قائم کیا (زمامِ امور کو ہاتھوں میں لیا) وہی معاملہ کی تدبیر کرتا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔ وہی اللہ ہی تمہارا رب ہے تم اسی کی عبادت کرو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ (۳)

نکات:

☆ چھ دنوں سے چھ مراحل اور چھ ادوار تخلیق مراد ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے چھ دن کے برابر مدت مراد ہو۔

☆ ''عَرش'' مرکز تدبیر کو کہا جاتا ہے اور یہ لفظ قدرت واقتدار سے کنایہ ہے جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص تخت نشین ہوا یا فلاں شخص کو تخت سے اتارا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں کو اقتدار سلطنت ملا اور فلاں اقتدار سے ہٹایا گیا۔ زمین و آسمان کی تخلیق سے بھی پہلے کائنات پر خدا کی حکومت تھی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے'' کَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ''اس کا اقتدار پانی پر تھا (ہود/۷) آسمان وزمین کی تخلیق کے بعد اس کا اقتدار ان پر قائم ہے اور زمین و آسمان فنا ہو جائیں گے تو بھی سلطنت واقتدار اسی ذات پاک کے ہاتھ میں ہوگا۔ قیامت کے دن بھی اسی کی حکومت ہوگی۔ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ (حاقہ۔۱۷) اس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ افراد اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ عرش کے چار ستون ہیں اور جن کلمات پر ان کی بنیاد قائم ہے وہ بھی چار ہیں۔ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ''

پیغام:

۱۔ تخلیق کائنات پوری منصوبہ بندی اور وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر سرانجام پائی ہے سِتَّةِ اَيَّامٍ جب کائنات حاکم مطلق کی تدبیر سے آزاد نہیں ہے تو انسان جو کہ کائنات کا گل سرسبز ہے وہ اس حاکم مطلق کی تدبیر سے کیسے آزاد ہو سکتا ہے؟

۲۔ پہلا درجہ خدا شناسی کا ہے۔ اور دوسرا درجہ خدا پرستی کا ہے۔ ''اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ.....فَاعْبُدُوْهُ''

۳۔ نظام ہستی پر ایک قانون کی علمداری ہے اور اس کی تخلیق کا بھی کوئی نہ کوئی ہدف اور مقصد ہے۔ ''يُدَبِّرُ الْاَمْرَ''

۴۔ عبادت کا حقدار صرف وہی ہے جو خلقت وتدبیر کے اختیارات رکھتا ہو اور جس کے پاس یہ اختیار نہیں وہ لائق عبادت نہیں ہے۔ ''خَلَقَ...يُدَبِّرُ...ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ''

۵۔ اللہ نے کائنات پیدا کی۔ خَلَقَ تمام کائنات اس کے دست تصرف میں ہے اسْتَوٰى وہ اپنی حکمت کے تحت

تدبیر کرتا ہے یُدَبِّرُ اس کی اجازت کے بغیر اس کے نظام میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا مَا مِنْ شَفِیْعٍ جب انسان مندرجہ بالا حقائق پر غور کرتا ہے تو اس سے روح عبادت بیدار ہوتی ہے۔ ''فَاعْبُدُوْهُ''

۶۔ وہی موجود واسطہ قرار پا سکتا ہے جس کی تائید خدا کی طرف سے ہو لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ بے جان بتوں کو اپنا شفیع نہ بنائیں۔ ''الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ''

۷۔ الوہیت، ربوبیت سے جدا نہیں ہے۔ جب کہ طاغوت یہ چاہتے ہیں کہ خدا کو خالق کی حیثیت تک محدود کر دیں اور سیاست و تدبیر اپنے ہاتھوں میں لے لیں اور دین کو سیاست سے جدا کر دیں۔ ''اللّٰهُ رَبُّكُمْ''

۸۔ جب کوئی انسان اپنے پروردگار پر ایمان رکھتا ہے تو اس کے لیئے نصیحت پذیری کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ ''اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝۳''

آیت نمبر ۴

اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ۝۴

ترجمۃ الآیات

تم سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے وہی تو ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے پھر سے لوٹاتا ہے تاکہ ان لوگوں کو عدل کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے ہیں اور نیک کام کیئے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے پینے کے لیئے کھولتا ہوا پانی ہوگا اور دردناک عذاب ہوگا۔ (۴)

نکات:

☆ یہ آیت قانون معاد کو واضح کرتی ہے اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ یہ آیت امکانِ معاد کو بھی روشن کرتی ہے۔ یَبْدَؤُا

الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ اس آیت میں قیامت کے ہدف یعنی جزا وسزا کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ ''لِیَجْزِیَ

☆بِالْقِسْطِ کے متعلق ایک امکانی مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ اہل ایمان اور عمل صالح رکھنے والوں کو اس لیئے جزا دے گا کہ وہ عدل کے تقاضوں کی پابندی کرتے تھے۔ (تفاسیر مجمع البیان وکبیر فخر رازی)

واضح رہے کہ فضلِ الٰہی عدل کے منافی نہیں ہے کیونکہ کچھ آیات میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ نیکی کرنے والے اہل ایمان کو ان کی نیکی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اس کے علاوہ خدا اپنے فضل سے انہیں اور بھی بہت کچھ عطا کرے گا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے ''لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَةٌ'' (یونس/۲۶) جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے لیئے نیکی ہے اور مزید بھی۔ ''لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ'' فاطر/۳۰ تاکہ اللہ ان کا پورا اجر انہیں دے بلکہ اپنے فضل سے مزید بھی عطا فرمائے۔

پیغام:

۱۔ ہماری بازگشت خدا کی طرف ہے لہٰذا ہمیں خواہ مخواہ دوسروں کو خوش رکھنے کی فکر میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ ''اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ''

۲۔تمام انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ ''اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا''

۳۔معاد مادی اور جسمانی ہے۔ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ اعادہ کسی چیز کو اصلی صورت میں لوٹانے کو کہا جاتا ہے۔

۴۔مخلوقات پر خدا کی قدرت اس بات کی علامت ہے کہ وہ قیامت برپا کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ ''یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ''

۵۔صرف تنہا انسانوں کو ہی زندہ نہیں کیا جائے گا بلکہ تمام مخلوقات کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ ''یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ''

۶۔جس طرح سے تمام کائنات کو انسان کے لیئے پیدا کیا گیا ہے انسانوں کو جزا دینے کے لیئے تمام کائنات ک لوٹایا جائے گا۔ ''یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ لِیَجْزِیَ''

۷۔تخلیق کائنات کا عمل جاری ہے۔ ''یَبْدَؤُا الْخَلْقَ''

۸۔معاد کا اصلی مقصد اہل ایمان کو جزا اور کافروں کو عدل الٰہی کے تحت سزا دینا ہے۔ ''لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا''

۹۔خدا کی طرف سے جو جزا ملتی ہے وہ عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق ہوتی ہے۔ البتہ اگر خدا اس میں اپنا فضل شامل کر دے تو اس میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ چیز عدل کے تقاضوں کے خلاف نہیں ہے۔ ''لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ... بِالْقِسْطِ''

۱۰۔نیک اعمال کی قدر وقیمت کا انحصار اس کی نیت اور اچھے ہدف کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ''اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

۱۱۔کفر پر باقی رہنا عذاب کا موجب ہے۔ ''بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ۝''

آیت نمبر ۵

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۵

ترجمۃ الآیات

وہی تو ہے جس نے سورج کو درخشندہ اور چاند کو تابندہ بنایا اور چاند کی حرکت کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی تعداد اور حساب معلوم کرسکو اللہ نے یہ سب کچھ صرف حق کی بنیاد پر ہی خلق کیا ہے۔ وہ اہل علم کے لیئے آیات کھول کر بیان کرتا ہے۔ (۵)

نکات:

☆ قرآن کریم میں سورج کو ''سراج'' اور ''ضیاء'' کے ناموں سے یاد کیا ہے جس کا معنی تیز اور قوی نور کا ہے۔ چاند کے لیئے نور اور ''مُنِیْر'' کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ الفاظ کمزور روشنی کے لیئے بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ اگر ہم لفظ ''ضیاء'' کو ''ضوء'' کی جمع قرار دیں تو یہ لفظ اس امر کی طرف اشارہ کرے گا کہ سورج سے کئی رنگوں کا نور برآمد ہوتا ہے۔ (تفسیر راہنما)

☆ ''تفصیل آیات'' کا ایک ممکنہ مفہوم خلقت کی توسیع ہوسکتا ہے مقصد یہ ہوگا کہ خدا کا ہاتھ کائنات کی تخلیق کے لیئے کھلا ہوا ہے۔ اور خلقت کی توسیع اہل فہم کے لیئے بالکل واضح ہے۔ (تفسیر المیزان)

☆ سال اور اوقات کو معلوم کرنے کے لیئے خدا نے آسمان میں نشانیاں مقرر کی ہیں اسی طرح سے اہل زمین انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء ورسل کو مبعوث کیا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ لوگوں کی رہنمائی ماہ وسال کے حساب سے زیادہ اہم ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

پیغام:

۱۔تمام موجودات کو روشنی اور حرارت کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کے ذریعہ سے دونوں ضروریات کو پورا کیا ہے۔"جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا"

۲۔اللہ تعالیٰ نے آسمانی کروں کی حرکات اور ان کے مدار کی تعیین میں انسانی ضروریات کو مدنظر رکھا ہے۔"لِتَعْلَمُوْا"

۳۔چاند کی حرکت کو خدا نے کچھ اس انداز سے مرتب کیا ہے کہ یہ ایک فطری تقویم کا کام دیتی ہے۔لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ چاند کی شکل بدلنے سے دنوں اور مہینوں کا حساب آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔

۴۔شرعی امور کا دارومدار قمری مہینوں پر ہے۔"لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ...."

۵۔مہینوں اور سالوں کا حساب انسانی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔"لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ"

۶۔خلیق کائنات بے مقصد نہیں ہے یہ اساس حق پر قائم ہے۔"بِالْحَقِّ"

۷۔تعلیم و تربیت سے مطالب کو واضح کیا جاتا ہے نہ کہ ہر چیز کی علیحدہ وضاحت کی جاتی ہے۔"يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ"

۸۔فکر اور تعلیم سے ہی کائنات کے رازوں سے پردہ اٹھتا ہے۔"لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۝"

آیت نمبر ٦

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ۝

ترجمۃ الآیات

اس میں شک نہیں کہ رات دن کی آمدورفت میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے اس میں پرہیزگار لوگوں کے لیئے (بڑی) نشانیاں ہیں۔(٦)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں شمس و قمر کے ضیاء اور نور ہونے کا تذکرہ کیا گیا اور یہ بتایا گیا کہ چاند کی منازل ماہ و سال

اور حساب معلوم کرنے کا فطری ذریعہ ہیں اور اللہ صاحبان علم کے لیئے نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے چنانچہ سابقہ آیت میں ''لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ﴿۵﴾ '' کے الفاظ استعمال ہوئے اور اس آیت میں شب و روز کے اختلاف کو اہل تقویٰ کے لیئے نشانی قرار دیا گیا ہے ''لِقَوۡمٍ یَّتَّقُوۡنَ﴿۶﴾ '' دونوں آیات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ مکمل طور پر کامیاب افراد وہ ہیں جن کے پاس علم بھی ہو اور تقویٰ کی دولت بھی ہو۔ جن اہل علم کے پاس تقویٰ نہ ہو تو وہ آیات الٰہی سے زیادہ فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔

☆ ''اِخۡتِلَافِ'' آمد و رفت کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور مخالفت کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

☆ شب و روز میں کئی جہات سے اختلاف پایا جاتا ہے:

الف۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے قائم مقام بنتے ہیں۔ دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے اور رات آتی ہے تو دن چھپ جاتا ہے ''فَمَحَوۡنَاۤ اٰیَۃَ الَّیۡلِ وَ جَعَلۡنَاۤ اٰیَۃَ النَّہَارِ '' (بنی اسرائیل/ 12) ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا۔

ب۔ رات آرام کے لیئے ہوتی ہے اور دن کام کاج کے لیئے ہوتا ہے ''وَّ جَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِبَاسًا ﴿ۙ۱۰﴾ وَّ جَعَلۡنَا النَّہَارَ مَعَاشًا ﴿۪۱۱﴾ '' (نباء/ ۱۰۔۱۱) اور ہم نے رات کو لباس بنایا اور دن کو کسب و کار کا ذریعہ بنایا۔

ج۔ مختلف موسموں میں دن رات چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جس موسم میں رات لمبی ہو گی تو دن چھوٹا ہو گا اور جس موسم میں دن لمبا ہو گا تو رات چھوٹی ہو گی۔

د۔ دنیا کے مختلف ممالک میں ان کی ساعات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

سوال۔ دانشمند افراد کا ایک گروہ خدا کا منکر کیوں ہے؟

جواب۔ صرف علم کافی نہیں ہے اس کے ساتھ انسان میں حق و صداقت کی تلاش کا جذبہ بھی بہت ضروری ہے۔ ''لِّقَوۡمٍ یَّتَّقُوۡنَ﴿۶﴾ ''

پیغام:

۱۔ نظام ہستی میں ہر وقت تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ ''اِنَّ فِی اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ ''

۲۔ مظاہر قدرت پر غور و فکر کرنا ضروری ہے۔ ''وَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ ... لَاٰیٰتٍ ''

۳۔ گناہ اور فسق و فجور سے انسان کی تشخیص اور شناخت پر مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَّقُوۡنَ﴿۶﴾ تقویٰ اشیاء کی صحیح شناخت میں مدد دیتا ہے

آیت نمبر ۷۔۸

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ۝۷

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۝۸

ترجمۃ الآیات

بے شک وہ لوگ جنہیں ہماری ملاقات (اخروی نعمات کے حصول) کی امید نہیں ہے اورانہوں نے دنیاوی زندگی پر قناعت کرلی ہےاوروہ جوکہ ہماری آیات سے غافل ہیں۔(۷)
ان کے اعمال کی وجہ سے جووہ بجالاتے ہیں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔(۸)

نکات:

☆ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے:''فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ اللهِ اَحَبَّ اللهُ لِقَآئَهٗ'' جوخدا کی ملاقات کو پسند کرتا ہے تو خدااس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔تفسیر فرقان) سورۃ کہف کی آخری آیت میں ارشاد خداوندی ہے:''فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا'' (کہف۔۱۱۰) جو اللہ کے حضور جانے کا امیدوار ہو تواسے چاہیئے کہ وہ نیک عمل بجالائے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کوشریک نہ کرے۔لہٰذااس آیت کے تحت قیامت پرعقیدہ رکھنے والوں کو چاہیئے کہ وہ اعمال صالحہ بجالائیں اورخدا کی عبادت میں کسی کوشریک نہ کریں۔

پیغام:

۱۔امیداورمایوسی انسان کی اصلاح اوراس کے بگاڑنے میں مؤثر کردارادا کرتی ہے۔''لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا''

۲۔انسان جس قدر دنیا سے غافل ہوتا جائے گا اتنا ہی دنیا پرستی کی دلدل میں دھنستا جائے گا۔لہٰذا قیامت کا عقیدہ رکھنے والوں کودنیا پرست نہیں بننا چاہیئے۔''لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا''

۳۔حقیقی اطمینان یاد الٰہی سے میّسر آتا ہے جبکہ دنیا سے جھوٹی تسکین حاصل ہوتی ہے اوروہ بھی صرف غافل افرادکو۔''اطْمَاَنُّوْا بِهَا ... غٰفِلُوْنَ''

۴۔دوزخی بننے کے حسب ذیل اسباب ہیں۔
الف۔معاد اور اخروی جزا اور سزا کا انکار''۔لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا''
ب۔چند روزہ زندگی پا کر خوش ہو جانا۔''رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا''
ج۔آیات الٰہی سے غفلت۔''هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝''
د۔ناپسندیدہ اعمال بجالانا۔''بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝''
۵۔جہنم خود انسان کے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہے۔''بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝''

آیت نمبر ۹

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝

ترجمۃ الآیات

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیئے۔تو ان کا پروردگار ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں ہدایت دے گا اور نعمات سے بھرے ہوئے باغات ہیں جہاں ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی انہیں رہائش عطا کرے گا۔(۹)

نکات:

☆ حدیث میں بیان ہوا کہ جب انسان قیامت کے دن اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس کا نیک عمل نورانی شکل میں مجسم ہو کر اس کے پاس آئے گا اور اسے جنت تک لے جائے گا۔تفسیر نمونہ

☆ ہدایت الٰہی ایک مسلسل عمل ہے ہر لحظہ اہل ایمان کی ہدایت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اللہ تعالٰی انہیں ہر کھائی میں گرنے سے بچاتا رہتا ہے۔اور دنیا کے بند راستوں میں ان کے لیئے راہوں کو کھول دیتا ہے''يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا'' (طلاق/2)خدا اس کے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔

ب۔اس کو روشن راستے کی ہدایت کی جاتی ہے''نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ''(انعام/۱۲۲)ایسی روشنی جس کے سہارے وہ چلے گا۔

ج۔اللہ ان کی پیچیدہ گرہوں کو درست کر دیتا ہے ''اَصۡلَحَ بَالَهُمۡ ''(محمد/۲) خدا نے ان کے معاملات کی اصلاح کر دی ہے۔

د۔اللہ تعالیٰ ہر مقام پر ان کی کفایت کرتا ہے ''فَهُوَ حَسۡبُهٗ '' خدا اس کے معاملات کے لیئے خود کافی ہو جاتا ہے۔ (طلاق/۳) قیامت کے دن انہیں جنت کی رہنمائی فرمائے گا۔ ''يَسۡعٰى نُوۡرُهُمۡ بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ ''(حدید/۱۲) ان کا نور ان کے آگے آگے دوڑ رہا ہوگا۔الغرض ''يَهۡدِيۡهِمۡ '' کے ضمن میں ہدایت کی جملہ اقسام شامل ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیئے کوئی خاص مقام بیان نہیں کیا کہ وہ اس سے مخصوص ہو جائے اور باقی موارد اس میں شامل نہ ہو سکیں۔

پیغام:

۱۔ایمان عمل سے جدا نہیں ہے۔ ''اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا ''

۲۔مومن اگرچہ ہدایت یافتہ ہوتا ہے اس کے باوجود وہ ہمیشہ الٰہی ہدایت کا ضرورت مند ہوتا ہے۔حد یہ ہے کہ رسول اکرمؐ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام بھی اپنی نماز میں ہمیشہ ''اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ '' پڑھا کرتے تھے۔ ''يَهۡدِيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ ''

۳۔ہدایت کا استحقاق انسان کو خود پیدا کرنا پڑتا ہے۔ ''يَهۡدِيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِيۡمَانِهِمۡ ''

۴۔ایمان وعمل کے درمیان موازنہ کی صورت میں ایمان ہی محور ہوتا ہے۔يَهۡدِيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِيۡمَانِهِمۡ اللہ نے یہ نہیں فرمایا۔ ''يَهۡدِيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِيۡمَانِهِمۡ وَعَمَلِهِمۡ ''

۵۔اہل ایمان کے لیئے خدا کی ہدایت علی الاطلاق ہوتی ہے۔ ''يَهۡدِيۡهِمۡ ''

۶۔اللہ کی ربوبیت ہمیشہ اہل ایمان کی دستگیری کا سبب بنتی ہے۔ ''يَهۡدِيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ ''

۷۔جنت کی نہریں صرف درختوں کے نیچے ہی نہیں بہتیں وہ اہل جنت کے محلات کے نیچے بھی بہتی ہیں۔ ''مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ ''

آیت نمبر ۱۰

دَعۡوٰىهُمۡ فِيۡهَا سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعۡوٰىهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ⑩

ترجمۃ الآیات

ان کی جنت میں دعا اور عبادت ''سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ '' (خدایا تو پاک اور منزہ ہے) ہوگی ان کے لئے تحیہ سلام ہوگا اور ان کی دعا کا اختتام '' اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ '' (تمام تعریفیں اللہ کے لیئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار رہے) پر ہوگا۔(۱۰)

نکات:

۱۔''سَلٰمٌ '' جنت میں اہل جنت کا کلام ہوگا جنت کی پوری فضا میں سلام کی آوازیں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ خدا کی طرف سے سلام ہوگا۔''سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ '' (یٰس/۵۸) فرشتے سلام کریں گے اور کہیں گے ''سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ طِبۡتُمۡ '' (زمر/73) اہل بہشت ایک دوسرے کو سلام کریں گے ''اِلَّا قِيۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا '' (واقعہ/۲۶) (ماخوذ از تفسیر مراغی۔)

☆انبیاء و اولیاء کا کلام ہے جب حضرت نوح علیہ السلام کو ظالم قوم سے نجات ملی تو انہوں نے ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ '' کہا تھا (المؤمنون/۲۸)

۲۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں خدا نے اسماعیلؑ و اسحاقؑ عطا کیئے تو انہوں نے ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ '' کہا تھا۔ (ابراہیم/۳۹)

۳۔''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ '' اہل ایمان اور اہل بہشت کا کلام ہوگا۔(اعراف/۴۳)

☆ حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے کہ جب اہل بہشت اپنے ملازمین کو صدا دیں گے تو وہ ''سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ '' کہیں گے۔ بہشت کے ملازمین فوراً حاضر ہوں گے اور ان کی ضروریات کو پورا کریں گے۔(تفسیر نور الثقلین)

☆ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب کوئی بندہ خدا کی تمجید میں مصروف ہوتا ہے اور دعا سے غافل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجات طلب کیئے بغیر پوری کر دیتا ہے۔(تفسیر روح المعانی)

پیغام:

۱۔ یاد خدا صرف دنیا تک محدود نہیں ہے آخرت بھی ذکر الٰہی کا مقام ہے۔''سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ ''

۲۔انسان کبھی ایسے مقام پر بھی پہنچ جاتا ہے جب اس کی دعا صرف رب العالمین کی حمد قرار پائی ہے۔دَعۡوٰىهُمۡ فِيۡهَا سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ اور یہ تسبیح و تمجید انہیں کامیاب بناتی ہے۔

۳۔اہل ایمان صفات الٰہی کے مقابلہ پر کہیں گے ''سُبْحٰنَكَ'' اور دیگر اہل ایمان کے مقابلہ پر ''سَلٰمٌ'' کہیں گے اور خدائی کامیابی کے حصول کے بعد ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہیں گے۔

۴۔مومن خدا کا عاشق ہوتا ہے جنت کی لذت میں متفرق ہو کر بھی وہ یادِ خدا سے غافل نہیں ہوتا وہ نعمات پا کر مُنعم کا شکرادا کرتا ہے اور وہ ''سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ'' اور ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہتا ہے۔

۵۔اہل ایمان کی گفتگو کا آغاز ''سبحان اللہ'' سے اور اختتام ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' پر ہوتا ہے۔جیسا کہ ''وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ'' سے استفادہ ہوتا ہے کہ ان کی گفتگو کا آغاز ''سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ'' سے ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۱۱

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر اللہ لوگوں کے ساتھ بُرا معاملہ کرنے میں اسی طرح جلد بازی کرتا جس طرح سے وہ دنیاوی بھلائی میں جلد بازی کرتے ہیں تو ان کی مُہلت کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی چنانچہ جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے ہم انہیں مہلت دیتے ہیں تا کہ وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں۔(۱۱)

نکات:

☆اس سے ملتا جلتا مفہوم سورۃ کہف کی ۵۸ ویں اور سورۃ فاطر کی ۴۵ ویں آیت میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ خدا مؤاخذہ میں جلد بازی کرتا اور لوگوں کو فوراً کیفر کردار تک پہنچا تا تو سب تباہ ہو جاتے۔علاوہ ازیں انسان سے اختیارِ عمل چھن جاتا اور اطاعت میں اضطرار کا پہلو شامل ہو جاتا۔☆''اِسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ'' کے متعلق ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہو کہ خدا کی روش اور سنت یہ ہے کہ وہ بھلائی پہنچانے میں جلدی کرتا ہے اور شر رسانی میں مہلت دیتا ہے اور جملہ کا یہ مفہوم ہو کہ اللہ تعالیٰ بھلائی پہنچانے میں جلدی کرتا ہے۔

پیغام:

۱۔انسان فطری طور پر جلد باز ہے۔اسۡتِعۡجَالَهُمۡ بِالۡخَيۡرِ اسی مفہوم کو ایک اور آیت میں ان الفاظ بیان کیا گیا ہے۔(انبیاء/۳۷)انسان کو جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے۔

۲۔اگر اللہ بدکار افراد کو فوراً سزا دینے لگ جاتا تو کوئی بھی باقی نہ رہتا اور نسل انسان معدوم ہو جاتی۔"لَوۡ يُعَجِّلُ اللّٰهُ...لَقُضِيَ اِلَيۡهِمۡ اَجَلُهُمۡ"

۳۔خدا کی سنت ہے وہ ہمیشہ ظالموں کو مہلت دیتا ہے۔"فَنَذَرُ الَّذِيۡنَ"

۴۔کفار کا ہلاک نہ ہونا ان کی حقانیت کی دلیل نہیں ہے۔"فَنَذَرُ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا"

۵۔خدا فراموش افراد کے پاس کوئی ہدف نہیں ہوتا اور وہ متحیر اور سرگردان رہتے ہیں۔"فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ﴿۱۱﴾"

۶۔قیامت سے بے توجہی اور انکار سرکشی کا موجب ہے اور ایسا شخص خدا کے فضل ولطف سے محروم رہتا ہے۔"لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ﴿۱۱﴾"

آیت نمبر ۱۲

وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۡۢبِهٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنۡ لَّمۡ يَدۡعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡمُسۡرِفِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۲﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لیٹ کر، بیٹھ کر اور کھڑا ہو کر ہمیں پکارتا ہے اور جب ہم اس کی تکلیف دور کرتے ہیں تو وہ ایسے لاپرواہ ہو کر چلنے لگتا ہے کہ گویا اس نے ہمیں تکلیف پہنچنے پر پکارا ہی نہیں تھا۔اسی طرح سے اسراف کرنے والوں کے لئے ان کے عمل مزیّن کر دیئے گئے ہیں۔(۱۲)

نکات:

☆ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر انسان کی ناشکری کا شکوہ کیا ہے کہ جب انسان کسی دکھ اور تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اسی وقت وہ ہمیں دل کی گہرائیوں سے پکارتا ہے لیکن جب ہم اس کو تکلیف سے نجات عطا کرتے ہیں تو وہ غافل بن جاتا ہے اور ہمیں فراموش کر دیتا ہے۔

پیغام:

۱۔ خدا پر ایمان انسانی فطرت میں شامل ہے اور تلخ حوادث اس فطری ایمان کو بیدار کرتے ہیں اور انسان خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ''مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا''

۲۔ وہ لوگ جو صرف مشکلات میں گھرنے کے بعد خدا کو پکارتے ہیں اور سکھ اور آرام کی ساعات میں اس سے غفلت کرتے ہیں، ایسے لوگ قابلِ مذمت ہیں۔ اور ان کے عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ''مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا''

۳۔ دعا ہر حالت میں جائز ہے خواہ لیٹ کر ہو، بیٹھ کر ہو یا کھڑے ہو کر ہو۔ ''لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا''

۴۔ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعا مؤثر ہوتی ہے۔ ''دَعَانَا ..... كَشَفْنَا''

۵۔ مرفہ حالی سے غفلت جنم لیتی ہے۔ ''فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ''

۶۔ انسان ناشکرا ہے۔ ''مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ''

۷۔ خدا فراموش افراد کو دنیاوی زندگی بڑی آراستہ و پیراستہ دکھائی دیتی ہے۔ ''زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ''

۸۔ خدا کی مہربانیوں کو فراموش کرنا ایک طرح کا اسراف ہے۔ ''مَرَّ ... لِلْمُسْرِفِيْنَ''

۹۔ جو شخص تکلیف کے لمحات میں خدا کو پکارے اور آرام کی ساعات میں غفلت کا مظاہرہ کرے تو ایسا شخص ''مسرف'' ہے۔ ''زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲''

۱۰۔ خوش حال طبقہ اپنے سے راضی ہے۔ ''زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲''

علامہ اقبال نے ہی کیا خوب کہا تھا:

آہ جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

آیت نمبر ۱۳

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے تم سے پہلے کئی امتوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے ہلاک کیا ہے (کیونکہ) ان کے پیغمبران کے پاس معجزات لائے تھے لیکن وہ ایمان لانے والے نہیں تھے ہم مجرم گروہ کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں۔ (۱۳)

نکات:

☆ ''قُرُوْن'' جمع ہے اور اس کی واحد ''قَرْن'' ہے ایک ہی دور میں زندگی بسر کرنے والوں کو لفظ ''قَرْن'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

پیغام:

۱۔ جو قوم وملت ظلم وستم کو اپنا لے تو اس کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔ ''اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ... لَمَّا ظَلَمُوْا''

۲۔ اتمامِ حجت سے پہلے خدا کسی کو عذاب نہیں دیتا۔ ''اَهْلَكْنَا... جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ''

۳۔ جن ظالموں کی اصلاح اور ایمان کی امید باقی نہ ہو انہیں ہلاک کر دیتا ہے۔ ''وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا''

۴۔ تاریخی واقعات کے ساتھ فلسفہ تاریخ بھی بیان کرنا چاہیئے تا کہ لوگوں کو عبرت ہو۔ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ... كَذٰلِكَ نَجْزِي سابقہ اقوام کی ہلاکت تاریخ ہے اور ظلم وستم جو کہ ہلاکت کی وجہ ہے وہ فلسفہ تاریخ ہے۔

۵۔ خدا کی روش ہر دور میں یکساں رہتی ہے۔ ''كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾''

آیت نمبر ۱۴

ثُمَّ جَعَلۡنٰکُمۡ خَلٰٓئِفَ فِی الۡاَرۡضِ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ لِنَنۡظُرَ کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۴﴾

ترجمۃ الآیات

پھر ہم نے ان کی ہلاکت کے بعد تمہیں زمین پر اپنا جانشین بنایا ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔(۱۴)

پیغام:

۱۔حکومت واقتدار خدا کی طرف سے آزمائش کا ذریعہ ہے۔''جَعَلۡنٰکُمۡ خَلٰٓئِفَ...لِنَنۡظُرَ''

۲۔ہمارا ہر عمل خدا کی نظر میں ہے۔''لِنَنۡظُرَ''

۳۔جسے ذمہ داری سونپی جائے اس پر نظر بھی رکھنی چاہیئے۔''جَعَلۡنٰکُمۡ...لِنَنۡظُرَ''

۴۔تمام اقوام خدا کے ہاں مساوی ہیں اور خدائی آزمائش کا قانون سب پر لاگو ہوتا ہے۔''لِنَنۡظُرَ کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۴﴾''

۵۔افراد و اقوام کی سرنوشت ان کے اعمال کے مطابق ہوتی ہے۔''کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۴﴾''

آیت نمبر ۱۵

وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ ہٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡہُ ؕ قُلۡ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَہٗ مِنۡ تِلۡقَآیِٔ نَفۡسِیۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ

عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور جب ہماری واضح آیات ان کو سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ یا اسے بدل دو۔ آپ کہہ دیں کہ مجھے یہ اختیار نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اس میں کچھ تبدیلی کرسکوں۔ میں تو بس اسی وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے بڑے دن (قیامت) کے عذاب کا خوف ہے۔ (۱۵)

نکات:

☆ جب رسول خداؐ نے مکہ میں قرآن کی تلاوت کی اور قرآنی آیات میں بتوں کی مذمت کی گئی تھی۔ جب یہ آیات مشرکین نے سنیں تو انہیں بے حد دکھ ہوا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ افراد آنحضرتؐ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ جن آیات میں ہمارے معبودوں کی مذمت کی گئی ہے آپ انہیں تبدیل کریں یا از سرنو نیا قرآن لائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ آسمانی تعلیم کو اپنی خواہشات کے خلاف دیکھتے ہیں تو وہ اس طرح کے مطالبے کیا کرتے ہیں۔

پیغام:

۱۔ آیات اور خدا کی پہچان کی علامات کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا چاہیئے۔ ''اِذَا تُتْلٰى ..... ''

۲۔ حق خداوندی کو تبدیل کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے حتیٰ کہ پیغمبر کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے۔ ''مَا يَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ ''

۳۔ لوگوں کے مطالبات کی پیروی نہیں کرنی چاہیئے۔ خدا کے فرمان کو فوقیت حاصل ہے۔ لوگوں کے مطالبات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ''مَا يَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ ''

۴۔ قرآن میں نبی نے دست درازی نہیں کی تھی۔ ''مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ''

۵۔ اصول مذہب میں تبدیلی پیدا کرکے پیروکاروں میں اضافہ نہیں کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ شان نزول سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔

۶۔ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور وہ ہمیشہ وحی کی پیروی کرتے ہیں۔ ''اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى ''

۷۔قیامت کی یاد سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے انسان گناہوں سے بچتا ہے اور قیامت سے غفلت بہانہ گیری کا سبب ہوتی ہے۔''لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا''

۸۔انبیاء کی عصمت کا سرچشمہ ان کا آخرت پر ایمان اور یقین ہے۔''اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۵﴾''

آیت نمبر ۱۶

قُلۡ لَّوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَا تَلَوۡتُہٗ عَلَیۡکُمۡ وَلَاۤ اَدۡرٰىکُمۡ بِہٖ ۫ۖ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِہٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶﴾

ترجمۃ الآیات

آپ کہہ دیں کہ اگر خدا چاہتا کہ میں قرآن نہ پڑھوں تو میں تمہارے سامنے اسے نہ پڑھتا اور تمہیں اس سے آگاہ نہ کرتا۔ میں نے (قرآن لانے سے) پہلے تمہارے درمیان عمر بسر کی ہے کیا تمہیں عقل نہیں آتی ؟!(۱۶)

نکات:

☆اس آیت کا روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جنہوں نے آنحضرتؐ سے قرآن میں تبدیلی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔آیت میں ان سے یہ کہا گیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے تمہارے درمیان چالیس برس کا عرصہ بسر کیا ہے اگر یہ قرآن نبی کا ساختہ پرداختہ ہوتا تو وہ اس سے پہلے بھی اس طرح کے خیالات کا ضرور اظہار کرتا۔

پیغام:

۱۔رسول خدا کا ہر قول و عمل اللہ کی رضا اور اس کے ارادہ کے تابع تھا۔''لَّوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَا تَلَوۡتُہٗ''

۲۔قرآن خدائی معجزہ ہے کسی انسان کی فکری کاوش کا نتیجہ نہیں ہے۔''مَا تَلَوۡتُہٗ ...وَلَاۤ اَدۡرٰىکُمۡ بِہٖ''

۳۔نبی اکرمؐ کی سابقہ پاکیزہ زندگی اور ان کا اُمی ہونا ان کی حقانیت کی دلیل ہے۔''فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِہٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶﴾''

آیت نمبر ۱۷

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ﴿۱۷﴾

ترجمۃ الآیات

بھلا اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوسکتا ہے جو خدا پر جھوٹ تراشے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے؟ اس میں شک نہیں ہے کہ مجرم کامیابی حاصل نہیں کر سکتے ۔ (۱۷)

نکات:

☆ قرآن میں تبدیلی کی درخواست کرنے والوں کے جواب کے تسلسل میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ان لوگوں کے تقاضے کو اگر پورا کیا جاتا تو یہ خدا پر افتراء قرار پاتا اور خدا پر افتراء سب سے بڑا ظلم ہے اسی مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں یوں بیان کیا ہے۔ ''وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ'' (انعام ر ۹۳) ''اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا یہ کہے کہ میری طرف وحی ہوئی ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو۔'' اس آیت میں وحی کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے کو خدا پر افترا کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔

پیغام:

۱۔ عقیدہ اور آیات کی تحریف بدترین ظلم ہے۔ ''مَنْ اَظْلَمُ''

۲۔ شخصیت جس قدر بلند ہو اس پر افترا پردازی اتنا ہی زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ ''اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ''

۳۔ دین تراشی اور دین سازی کرنے والا کافروں کا ہم ردیف ہوتا ہے۔ ''افْتَرٰی، كَذَّبَ''

۴۔ بدعت جرم ہے۔ ''الْمُجْرِمُوْنَ﴿۱۷﴾''

۵۔ اگر کوئی دینی مبلغ اپنے ذاتی خیالات ونظریات کو دین کے نام سے پیش کرے تو پھر وہ اظلم بھی ہے اور مجرم بھی ہے اور وہ فلاح پانے سے محروم رہے گا۔ ''اَظْلَمُ، لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ﴿۱۷﴾''

آیت نمبر ۱۸

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمۃ الآیات

یہ خدا کی بجائے ان چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ تو انہیں نقصان دے سکتی ہیں اور نہ ہی انہیں فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (بت) خدا کے ہاں ہمارے شفیع ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جو اللہ کو نہ آسمانوں میں معلوم ہے اور نہ زمین میں؟ وہ پاک اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ (۱۸)

نکات:

☆تفسیر مراغی کے مؤلف نے اس آیت کو بنیاد بنا کر اولیاء سے توسل اور زیارات قبور کی تردید کی ہے۔ موصوف کا یہ موقف انتہا پسندی پر مبنی ہے کیونکہ اس آیت میں ''یَعْبُدُوْنَ'' کا لفظ موجود ہے یعنی وہ عبادت کرتے ہیں۔ جبکہ زیارت وتوسل میں کسی کی عبادت نہیں کی جاتی۔

۲۔ہم حیات برزخی کے قائل ہیں۔ قرآن کریم نے شہدا کو زندہ کیا ہے ہم تو شہادت پانے والے اولیائے الٰہی سے دعا کی درخواست کرتے ہیں لہٰذا توسل اور زیارت قبور کا بت پرستی سے موازنہ کرنا کسی طور پر بھی صحیح نہیں ہے۔

۳۔عبادت کے پس پردہ خوف یا امید کے جذبات کارفرما ہوتے ہیں بتوں کی عبادت سے اجتناب کرنا چاہیئے، کیونکہ وہ سنگ وحشت سے تراشے ہوئے ہیں لہٰذا وہ نہ تو کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اسی لیئے وہ عبادت کے لائق نہیں ہیں۔ لہٰذا بت پرستی کے لیئے کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے۔ ''لَا یَنْفَعُھُمْ وَلَا یَضُرُّھُمْ''

پیغام:

۱۔بت پرستی کسی منطق پر استوار نہیں ہے اور بت پرستوں کے پاس کوئی منطق نہیں ہے۔ ''یَعْبُدُوْنَ...لَا

یَضُرُّهُمۡ وَلَا یَنۡفَعُهُمۡ ''

۲۔بت پرست خدا کو مانتے تھے لیکن بتوں کو واسطہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔اسی لیئے وہ ان کی پوجا کیا کرتے تھے۔
''هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا''

آیت نمبر ۱۹

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخۡتَلَفُوۡا ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ فِيۡمَا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾

ترجمۃ الآیات

(ابتدا میں) تمام لوگ بس امت واحدہ تھے فطرت توحید پر تھے پھر انہوں نے اختلاف کیا (کچھ لوگ موحد بنے اور کچھ مشرک) اور اگر آپ کے پروردگار کی سنت (آزمائش کے لیئے مہلت) پہلے سے مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو اسی دنیا میں ان کے اختلافات کا فیصلہ کر دیا جاتا (منحرف افراد کو ہلاک کر دیا جاتا)(۱۹)

نکات:

☆ جب اللہ تعالیٰ نے آدم وحوا کو زمین پر اتارا تو ان سے یہ فرمایا تھا۔''وَلَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۳۶﴾ ''(البقرہ/۳۶) زمین پر ایک مدت تک تمہارا قیام اور سامانِ زیست ہوگا۔مقصد یہ ہے کہ تم اور تمہاری نسلیں اسی زمین پر قیام پذیر رہیں گی اور تمہاری تمام تر ضروریات کی کفالت اسی زمین سے ہوگی لہٰذا قدرت کی طرف سے یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ انسان نے ایک عرصہ تک زمین پر رہنا ہے۔''كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ''

پیغام:

۱۔ابتدا میں تمام انسان ہم فکر اور ہم عقیدہ تھے اور سب کے سب فطرت کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے توحید الٰہی کا عقیدہ رکھتے تھے۔''وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً''

۲۔انسان پہلے ہی دن سے اجتماعی زندگی کے خوگر تھے۔''اُمَّةً''

۳۔انسانی معاشروں کے تقاضوں کے تحت عقیدہ وعمل میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔''اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخۡتَلَفُوۡا''

۴۔مہلت دینا ربوبیت کا ایک تقاضا ہے۔''سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ''

۵۔اللہ تعالیٰ کی یہ روش ہے کہ وہ لوگوں کو عقیدہ وعمل کے انتخاب کے لیئے مہلت دیتا ہے۔''وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ ....لَقُضِيَ''

آیت نمبر ۲۰

وَيَقُوۡلُوۡنَ لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ‌ ۚ فَقُلۡ اِنَّمَا الۡغَيۡبُ لِلّٰهِ فَانۡتَظِرُوۡا‌ ۚ اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ۝۲۰

ترجمۃ الآیات

اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر کوئی آیت اور معجزہ نازل کیوں نہیں ہوتا؟ آپ کہہ دیں غیب (معجزہ جو کہ جہان غیب سے مربوط ہے) خدا کے لئے ہے (وہ نہ تو میرے ذاتی اختیار میں ہے اور نہ ہی لوگوں کی خواہش کے تابع ہے) اور تم انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔(کہ خدا تمہارے بہانوں کا کیا جواب دیتا ہے؟)(۲۰)

پیغام:

۱۔بہانے باز افراد قرآن اور دیگر بیسوں معجزات کو نظر انداز کردیتے ہیں اور پھر دوسرے معجزات کا مطالبہ شروع کردیتے ہیں۔''لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ''

۲۔معجزہ کا تعلق خدا کی مرضی سے ہے معجزہ نہ تو پیغمبر کے اختیار میں ہے اور نہ ہی لوگوں کی خواہشات کے تابع ہے۔''اِنَّمَا الۡغَيۡبُ لِلّٰهِ''

۳۔مہلت دینا خدا کی سنت بھی ہے اور قانون بھی۔''فَانۡتَظِرُوۡا''

آیت نمبر ۲۱

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ
فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا
تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمة الآیات

اور جب ہم لوگوں کو پہنچنے والی تکالیف کے بعد انہیں اپنی طرف سے رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں تو وہ (شکر کی بجائے) ہماری آیات میں حیلے بازیاں شروع کر دیتے ہیں۔آپ کہہ دیں کہ اللہ کی تدبیر زیادہ تیز ہے ہمارے نمائندے (فرشتے) تمہارے حیلوں بہانوں کو لکھ رہے ہیں۔(۲۱)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں کفار کے اس عذر کو بیان کیا گیا ہے کہ رسولؐ پر آیت معجزہ نازل کیوں نہیں ہوئی؟ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ معجزات کی کوئی کمی نہیں ہے یہ لوگ معجزات کے متعلق حیلے بہانے کرنے کے عادی ہیں۔

☆ مکہ میں قحط سالی اور خشک سالی ہوئی اللہ تعالیٰ نے رسول خداؐ کی برکت سے بارش برسائی۔مشرکین نے یہ کہا کہ یہ بارش ہمارے بتوں کی وجہ سے ہوئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور خدا نے انہیں رسوا کیا۔(تفاسیر صافی، فی ظلال القران وکبیر فخر رازی)

☆ اکثر تفاسیر میں مرقوم ہے کہ دشمنان اسلام کی تدبیر یہ تھی کہ آنحضرتؐ کی شخصیت کو مجروح کیا جائے اور آیات الٰہی کا مذاق اڑایا جائے۔

پیغام:

۱۔انسان کو ملنے والی ہر نعمت کا تعلق خدا کے بحرِ رحمت سے ہے۔''اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً''

۲۔ انسان خدا کی نعمت پا کر اس سے غلط استفادہ کرتا ہے اور شکر کی بجائے مکر کرنے لگ جاتا ہے۔ ''وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً۔۔۔اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ''

۳۔ مکر کرنے والا تدبیر الٰہی سے مات کھاتا ہے اور قہر الٰہی کا حقدار بنتا ہے۔ ''اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ۔۔۔اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا''

۴۔ خدا کی طرف سے ملنے والی سزا جرم سے مطابقت رکھتی ہے۔ ''لَهُمْ مَّكْرٌ۔۔۔اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا''

۵۔ خدا کے فرشتے صرف انسانی اعمال ہی نہیں ان کے افکار و تدابیر کو بھی لکھتے ہیں۔ ''يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾''

آیت نمبر ۲۲

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمة الآیات

وہی تو ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے چنانچہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ موافق ہوا کی مدد سے لے کر لوگوں کو چلتی ہیں وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اتنے میں کشتی کو مخالف تیز ہوا کا تھپیڑا لگتا ہے اور ہر سمت سے ان کی طرف موجیں آنے لگتی ہیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ طوفان میں گھر چکے ہیں تو اس وقت اپنے دین کو اللہ کے لیئے خالص کر کے اس کو پکارتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس سے بچا لیا تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔ (۲۲)

نکات:

☆ آلوسی اور مراغی نے لکھا ہے کہ مشرکین عرب جب کسی سخت مشکل میں گرفتار ہوتے تھے تو اپنے بتوں کو چھوڑ کر براہ راست خدا سے سوال کرتے تھے لیکن شیعہ اتنے بڑے مشرک ہیں کہ جب ان پر کوئی بڑی مصیبت نازل ہو تو یہ اس وقت بھی اللہ کو نہیں پکارتے اور اس کی بجائے اپنے ائمہ کو صدائیں دیتے ہیں!! ہمیں ان دونوں افراد پر تعجب ہوتا ہے شاید انہیں معلوم نہیں ہے کہ ہم دعا تو خدا سے کرتے ہیں البتہ اولیائے الٰہی کو وسیلہ قرار دیتے ہیں ہمارے ائمہ معصومینؑ سب کے سب شہید ہیں اور قرآن کہتا ہے کہ شہید زندہ ہیں لہٰذا ائمہ سے توسل اور بتوں سے توسل کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہے جبکہ مذکورہ افراد بر بنائے تعصب ہمیں خواہ مخواہ بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

پیغام:

۱۔ فزکس کے تمام قوانین خدا کے پیدا کردہ اور اس کے محکوم ہیں۔ ''هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ''

۲۔ انسان کی قوت و طاقت خدا کی عطا کردہ ہے اسی لیئے بعض اوقات انسانوں کے افعال کی خدا کی طرف نسبت دی جاتی ہے مثلاً چلنا پھرنا انسان کا کام ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ زمین میں چلو پھرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ چلنا پھرنا انسان کا کام ہے لیکن سورۃ یونس کی اسی آیت میں اس کی نسبت خدا کی طرف کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے۔ ''هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ''

۳۔ انسان کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرلے پھر بھی فطرت کے حوادث سے محفوظ نہیں ہے۔ ''جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ''

۴۔ خوش گزران افراد یہ خیال نہ کریں کہ وہ ہمیشہ عیش و آرام میں رہیں گے۔ ''فَرِحُوْا بِهَا. اُحِيْطَ بِهِمْ''

۵۔ فطرت کے حوادث انسان کے ذہن سے غرور و تکبر کو دور کر دیتے ہیں اور وہ اس کے نتیجہ میں خدا کے حضور جھکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ''دَعَوُا اللّٰهَ''

۶۔ خطرے کے وقت انسانی فطرت ایک نجات بخش ذات کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ ''دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ''

۷۔ ایمان و اخلاص دائمی ہونا چاہیئے اور وقتی اور موسمی نہیں ہونا چاہیئے ایمان صرف خطرات کے لمحات تک محدود نہیں ہونا چاہیئے۔ ''اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ''

۸۔ خطرات کے لمحات میں انسان شکر گزاری کا وعدہ کرتا ہے اور جب خطرہ ٹل جائے تو غفلت میں ڈوب جاتا ہے۔ ''لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا''

۹۔ ناسپاسی اور کفرانِ نعمت عذاب الٰہی کی تمہید ہوتی ہے۔ ''لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾''

آیت نمبر ۲۳

فَلَمَّآ اَنۡجٰىهُمۡ اِذَا هُمۡ يَبۡغُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ‌ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغۡيُكُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ‌ۙ مَّتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا‌ ۚ ثُمَّ اِلَـيۡنَا مَرۡجِعُكُمۡ فَنُـنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۝۲۳

ترجمۃ الآیات

پھر جب خدا انہیں (طوفان سے) نجات دے دیتا ہے تو پھر وہ زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں۔ اے انسانو! تمہاری سرکشی تمہاری اپنی جانوں کے خلاف ہے دنیا کی زندگی کے چند روزہ مزے لے لو پھر تمہیں پلٹ کر ہمارے ہاں آنا ہے اس وقت ہم تمہیں تمہارے اعمال کے متعلق خبر دیں گے۔ (اور تمہارے ظلم وستم کا تمہیں بدلہ دیں گے) (۲۳)

نکات:

☆ لفظ ''بغی'' کا معنی طلب کرنا ہوتا ہے اور ظالم چونکہ ہمیشہ دوسروں کے حق کا طلبگار رہتا ہے اسی لیئے اسے باغی کہتے ہیں۔ (تفسیر المیزان)

پیغام:

ا۔ انسان ناشکرا، بے وفا اور عہد شکن ہے۔ فَلَمَّآ اَنۡجٰىهُمۡ، يَبۡغُوۡنَ سابقہ آیت میں بیان کیا گیا کہ جب انسان طوفان میں گھرا ہوتا ہے تو وعدہ کرتا ہے کہ اگر خدا نے اسے نجات دی تو وہ شکر کرے گا۔ لیکن نجات پانے کے بعد وہ ناشکری کرتا ہے۔

۲۔ جب کوئی کسی پر ظلم کرتا ہے تو دراصل وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہا ہوتا ہے کیونکہ تمام انسان ایک ہی اصل رکھتے ہیں بَغۡيُكُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ (سورہ آل عمران آیت ۱۹۵) میں فرمایا۔ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ تم میں سے بعض، بعض میں سے ہیں۔

۳۔ ظلم کی سزا صرف آخرت ہی میں نہیں دنیا میں بھی ملا کرتی ہے۔ ''عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ، اِلَـيۡنَا مَرۡجِعُكُمۡ''

۴۔ظالموں کی کامیابی دنیا کے چند ایام تک محدود ہے جو کہ آخرت کی سزا کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ ''مَّتَاعَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا''

۵۔انسان کی دنیا طلبی ہر ظلم اور ناانصافی کی جڑ ہے۔''مَّتَاعَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا''

۶۔یاد آخرت گناہ سے بچانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ....اِلَیۡنَا مَرۡجِعُکُمۡ''

۷۔اللہ تعالیٰ انسان کے تمام کاموں سے بخوبی واقف ہے اور وہ قیامت کے دن ہر انسان کو اس کے اعمال کی خبر دے گا۔''فَنُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴿۲۳﴾''

آیت نمبر ۲۴

اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا کَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا یَاۡکُلُ النَّاسُ وَالۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا وَازَّیَّنَتۡ وَظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَیۡهَاۤ ۙ اَتٰهَاۤ اَمۡرُنَا لَیۡلًا اَوۡ نَهَارًا فَجَعَلۡنٰهَا حَصِیۡدًا کَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ﴿۲۴﴾

ترجمۃ الآیات

دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا تو زمین کی پیداوار جسے انسان اور جانور کھاتے ہیں خوب گھنی ہوگئی۔ پھر عین اس وقت جب زمین اپنی بہار پر تھی اور کھیتیاں بنی سنوری کھڑی تھیں اور ان کے مالک سمجھ رہے تھے کہ اب وہ ان سے فائدہ اٹھانے پر قادر ہیں تو یکایک رات یا دن کو ہمارا حکم آ گیا اور ہم نے اسے ایسا کاٹ کر صاف کر دیا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ غور و فکر کرنے والوں کے لیئے ہم اسی طرح سے آیات کھول کر بیان کرتے ہیں۔(۲۴)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں دنیا کو متاعِ کم قیمت شمار کیا گیا ہے اور اس آیت میں دنیاوی زندگی کی خوبصورت مثال دے کر اس کی فنا پذیری کو واضح کیا گیا ہے۔

☆ کچھ روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس آیت میں امام مہدی ،،عج،، کے ظہور اور ان کے عالمی انقلاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب پوری زمین زرق و برق اور مادیات کی چکا چوند میں گرفتار ہوگی تو حضرت ظہور فرمائیں گے اور مکتبی انقلاب برپا کریں گے اس کی وجہ سے پورے حالات ہی بدل جائیں گے۔(تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔تبلیغ و تربیت کے لیئے مثال بہترین کردار ادا کرتی ہے۔''اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا کَمَآءٍ ''

۲۔اچھی مثال وہ ہوتی ہے جو فطرت کے عین مطابق ہو اور زمین و امان اسے فرسودہ نہ کر سکیں۔''اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا کَمَآءٍ ''

۳۔فطرت کی فیاضی سے انسان و حیوان دونوں مستفید ہو سکتے ہیں۔جب کہ انسان کی قدر و قیمت کا انحصار مادیات کی بجائے معنویات سے استفادہ پر ہے۔''یَاۡکُلُ النَّاسُ وَالۡاَنۡعَامُ ''

۴۔سبزہ زمین کی زینت ہے اور ایمان انسان کی زینت ہے۔اِزَّیَّنَتۡ سورہ حجرات میں ارشاد خداوندی ہے''حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ ''(حجرات/۷)اللہ نے تمہارے لیئے ایمان کو محبوب بنایا ہے اور تمہارے دلوں میں مزیّن کیا ہے۔

۵۔دنیا اپنی چکا چوند سے انسان کو فریب میں مبتلا کرتی ہے اور انسان اپنے آپ کو صاحب قدرت سمجھنے لگ جاتا ہے۔ ''ظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ ''

۷۔خدا صرف سبزہ کو ہی پیدا نہیں کرتا وہ اسے خشک بھی کیا کرتا ہے۔''جَعَلۡنٰهَا حَصِیۡدًا ''

۸۔دنیا اور اس کے دلفریب نظارے ہر وقت حوادث کی زد میں ہیں۔''اِزَّیَّنَتۡ...حَصِیۡدًا ''

۹۔انسان کی دنیاوی زندگی پھولوں اور سبزہ کی طرح سے جلد ختم ہونے والی ہے۔''مَثَلُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ....کَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ''

۱۰۔بعض اوقات خدا کا قہر اتنا سخت ہوتا ہے کہ وہ نام و نشان تک بھی مٹا دیتا ہے۔''کَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ''

۱۱۔قرآنی تمثیلات زمین فکر کو ہموار کرتی ہیں لہٰذا انہیں معمولی تمثیلات نہیں سمجھنا چاہیئے۔''لِقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ﴿۲۴﴾ ''

۱۲۔دنیا کے دلفریب نظاروں پر فریفتہ ہونا کوتاہ فکری کی علامت ہے اور دنیا کے حسن و جمال سے متاثر نہ

ہونا فکر و تدبر کی نشانی ہے۔ ''لِقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ﴿۲۴﴾''

آیت نمبر ۲۵

وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ﴿۲۵﴾

ترجمۃ الآیات

(تم دنیا کی دلفریبیوں میں مبتلا ہو رہے ہو جب کہ) اللہ تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دے رہا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔(۲۵)

نکات:

☆ جنت کا ایک نام ''دار السلام'' بھی ہے وہ سلامتی کا گھر ہے اہل جنت کے سینوں میں کینہ نہیں ہوگا اسی لیئے وہاں نہ تو جنگ وجدال کا اندیشہ ہوگا اور نہ ہی کسی طرح کے بغض وعداوت کا امکان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''وَنَزَعۡنَا مَا فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ'' (اعراف/ ۴۳) اور ہم ان کے سینوں میں موجود کینے نکال لیں گے۔ اسی لیئے وہاں سلامتی ہی سلامتی ہوگی اور اسی سلامتی کے گھر کو دار السلام کہا گیا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ''سلام'' ہے اور جنت کو دار السلام کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ جنت رحمتِ الٰہی کے جوار میں ہے۔

☆ جنت کو دار السلام کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اہل جنت پر خدا کی طرف سے سلام بھیجا جائے گا ''سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ﴿۵۸﴾'' (یٰس/ ۵۸) مہربان رب کی طرف سے سلام کہا جائے گا۔ اور ملائکہ انہیں سلام کریں گے۔ جنت ہر لحاظ سے سلام کا مرکز ہوگی اسی لیئے ''دار السلام'' کہا گیا ہے۔

☆ روایات میں حضرت امیر المومنینؑ اور ائمہ معصومینؑ کی ولایت کو صراط مستقیم کے بہترین نمونہ سے یاد کیا گیا ہے۔

پیغام:

۱۔ خدا کی طرف سے دار السلام کی دعوت اس کے لطفِ خاص کو ظاہر کرتی ہے۔ ''وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا''

۲۔ دنیاوی سلامتی چند روزہ ہے جب کہ آخرت کی سلامتی ہمیشہ کی سلامتی ہے۔ ''دَارِ السَّلٰمِ''

۳۔ صراط مستقیم سلامتی کا ضامن ہے۔ آخرت کے علاوہ اس دنیا کو بھی انسان کے لیئے ''دَارِ السَّلٰمِ'' بنا دیتا ہے۔ ''يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ''

۴۔ خدا چاہتا ہے کہ لوگ امن وسلامتی کی زندگی بسر کریں اور معاشرے میں امن وسلامتی کا راج ہو۔ ''يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ''

۵۔ اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی صرف دعوت ہی نہیں دیتا اس کی ہدایت بھی کرتا ہے۔ ''يَدۡعُوۡۤا، يَهۡدِىۡ''

۶۔ دعوت الٰہی سب کے لیئے ہے لیکن خصوصی ہدایت انہیں نصیب ہوتی ہے جن کے لیئے خدا چاہتا ہے۔ ''يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ''

۷۔ صراط مستقیم پر چلنے کے لیئے خدائی توفیق کی ضرورت ہے۔ ''يَهۡدِىۡ... اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۲۵﴾''

آیت نمبر ۲۶

لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرۡهَقُ وُجُوۡهَهُمۡ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓٮِٕكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۶﴾

ترجمۃ الآیات

جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے لئے بہترین اجر (بلحاظ کیفیت) ہے اور مزید (بلحاظ کمیّت) بھی ہے ان کے چہروں پر ذلت وخواری کا غبار طاری نہیں ہوگا۔ یہ لوگ اہل جنت ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۶)

نکات:

☆ ''رَهِقَ'' اجباری طور پر پہنا دینے کو کہا جاتا ہے۔ ''قَتَر'' غبار، دھواں اور خاکستر کو کہا جاتا ہے۔

☆ زیادہ اجرت اور کئی گنا اجرت کو لفظ ''زيادة'' ''ضعف'' اور ''اضعاف'' سے کئی مقامات پر تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا جو نیکی کرے اسے دس گنا اجر دیا جائے گا۔ (انعام/۱۶۰) ''فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ وَيَزِيۡدُهُمۡ مِّنۡ

فَضۡلِهٖ ''(النساء/۱۷۳) پھر ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجالانے والوں کو اللہ ان کا پورا اجر دے گا اور اللہ اپنے فضل سے مزید عطا کرے گا۔ سورۃ البقرہ میں خدا نے اپنے فضل و کرم کو یوں بیان کیا۔ مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ کُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۶۱﴾ (البقرہ/۲۶۱) جو لوگ اپنا مال راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی سی ہے جس میں سات بالیاں اگ آئیں۔ ہر بالی میں سو دانے ہوں اللہ جس کو چاہتا ہے دگنا کر دیتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور صاحب علم ہے۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر سات سو گنا اجر عطا کرتا ہے اور جس کے لیئے چاہے چودہ سو نیکیاں عطا کرتا ہے۔

☆امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی حد ہوتی ہے سوائے آنسو کے آنسو کا ایک قطرہ پہاڑ کے برابر دوزخ کے شعلوں کو بجھا دیتا ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ جو شخص خوف خدا میں آنسو بہائے گا اس کے چہرے پر سیاہی اور خواری طاری نہ ہو گی۔ وَلَا یَرۡهَقُ وُجُوۡهَهُمۡ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ (تفسیر نور الثقلین)

☆ کچھ روایات میں لفظ ''زِیَادَۃٌ'' سے دنیا کو مراد لیا گیا ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

اہل سنت کی بہت سی روایات میں بیان ہوا ہے کہ لفظ '' زِیَادَۃ'' سے اللہ کی ملاقات اور اس کا لطف و کرم مراد ہے۔ (تفسیر در منثور)

☆لفظ ''اَحۡسَنُوۡا''میں نیک عقیدہ، بہترین گفتگو اور بہترین کردار شامل ہے۔

پیغام:

۱۔ اللہ کا لطف و کرم نیک لوگوں کے لیئے مخصوص ہے۔ ''لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی ''

۲۔ اللہ عمل کی ترغیب بھی دیتا ہے اور عمل کی جزا بھی دیتا ہے۔ ''الۡحُسۡنٰی وَزِیَادَۃٌ''

۳۔ قیامت میں نیک لوگوں کو بہترین جزا دی جائے گی۔ ''لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی ''

۴۔ غیر اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کے پاس کوئی عذر نہیں ہے کیونکہ خدا دعوت دیتا ہے۔ وَاللّٰهُ یَدۡعُوۡۤا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ خدا رہنمائی کرتا ہے۔ وَیَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اجرت بھی خدا دیتا ہے الۡحُسۡنٰی وہ اضافہ بھی کرتا ہے۔ زِیَادَۃٌ اور اس کا اضافہ انتہائی اہم ہے لفظ ''زیادۃ'' بصورت نکرہ آیا ہے جو کہ علامتِ عظمت ہے۔

۵۔ دنیائے فانی کی نیکی کا معاوضہ ابدی جنت کی صورت میں برآمد ہو گا۔ ''اَحۡسَنُوۡا..... هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۶﴾''

آیت نمبر ۲۷

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور جن لوگوں نے برائیاں کی ہیں تو برائی کی سزا بھی ویسی برائی ہی ہے۔ اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ ان کے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہوگی جیسے رات کے سیاہ پردے ان پر پڑے ہوئے ہوں وہ جہنمی ہیں اس میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۷)

نکات:

☆امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت اہل بدعت وشبہات وشہوت کے متعلق نازل ہوئی۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆''لَيْلِ مُظْلِمٍ ''اس تاریک ترین رات کو کہا جاتا ہے جس میں چند لمحات کے لیئے بھی چاند طلوع نہ ہو اور مہینہ میں ایک رات ایسی آتی ہے جس میں چاند ایک لمحہ کے لیئے بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اور اس کے مدمقابل ''لَيْلٍ مُقْمِرٍ '' کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور یہ وہ رات ہوتی ہے جب ساری رات چاند چمکتا رہتا ہے۔

☆سورہ عبس میں ارشاد خداوندی ہے۔ ''وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ '' (عبس/ ۴۰ تا ۴۲) اس دن کچھ چہروں پر غبار ہوگا اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی یہ لوگ کافر فاجر ہوں گے سورہ آل عمران میں فرمان خداوندی ہے: ''فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ '' (آل عمران/ ۱۰۶) وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے اپنے ایمان کے

بعد کفر کیا تھا؟ مذکورہ بالا آیات کو مدنظر رکھنے سے یہ کہا جاسکتا ہے۔ ''اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ'' ان کے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہوگی جیسے سیاہ پردے کے جملہ کا تعلق کفار سے ہے۔

پیغام:

۱۔ انسان اپنی مرضی سے گناہ کرتے ہیں کسی جبر کے تحت نہیں۔ ''كَسَبُوا''

۲۔ اللہ تعالیٰ بدکاروں سے عدل کے تقاضوں کے مطابق سلوک کرے گا۔ ''جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا''

۳۔ دنیا مقام عمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے۔ ''وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا ... جَزَآءُ''

۴۔ ترغیب کامل ڈرانے کے عمل سے پہلے ہونا چاہیئے۔ اللہ نے نیک لوگوں کے متعلق فرمایا۔ الحسنى وزيادة اور بدکاروں کے لیئے فرمایا ''سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا''

۵۔ چہروں کی کالک کفار سے مخصوص ہوگی نہ کہ گناہ گار مومنین سے۔ ''تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ''

۶۔ قیامت کے دن جزاء اور تنبیہ کے ساتھ تحقیر اور چہروں کی کالک بھی ہوگی۔ ''سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ''

۷۔ کافروں کے لیئے فرار، نجات اور شفاعت کے دروازے بند ہوں گے۔ ''مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ''

آیت نمبر ۲۸

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲۸

ترجمۃ الآیات

جس دن ہم سب کو جمع کریں گے پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ پر رکے رہو (تاکہ تم سے حساب لیا جاسکے) پھر ان کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی مشرکین کے معبود کہیں گے کہ تم درحقیقت ہماری پوجا نہیں کیا کرتے تھے (بلکہ تم اپنی ہوس

اور اوہام کے پیروکار تھے)(۲۸)

نکات:

☆سابقہ آیت میں بیان کیا گیا کہ مجرموں اور کافروں کے لیئے کوئی راہ فرار نہیں ہوگی جب کہ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ مشرکین کے خیالی معبودان کی شفاعت کی بجائے ان کی اپنی بیزاری کا اعلان کریں گے۔

پیغام:

ا۔ہمیں قیامت اور اس کے حوادث کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔''وَیَوۡمَ نَحۡشُرُهُمۡ جَمِیۡعًا''

۲۔قیامت کے دن صرف انسان ہی پیش نہیں ہوں گے ان کے ساتھ ان کے خودساختہ معبودوں کو بھی پیش کیا جائے گا۔''اَنۡتُمۡ وَشُرَكَآؤُكُمۡ''

۳۔قیامت عبادت گزاروں اور ان کے خودساختہ معبودوں کے درمیان جدائی کا دن ہے۔''فَزَیَّلۡنَا بَیۡنَهُمۡ''

۴۔کافر جنہیں اپنا شفیع سمجھتے تھے وہ مزعومہ شفیع قیامت کے دن ان سے بیزاری کا اعلان کریں گے۔''مَّا كُنۡتُمۡ اِیَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ﴿۲۸﴾''

۵۔قیامت کے دن بتوں کو عقل وشعور دیا جائے گا اور انہیں بولنے کی قوت دی جائے گی اور وہ معبودان کی عبادت کا انکار کریں گے یا اپنی لاعلمی کا اظہار کریں گے۔''مَّا كُنۡتُمۡ اِیَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ﴿۲۸﴾''

آیت نمبر ۲۹

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیۡدًۢا بَیۡنَنَا وَبَیۡنَكُمۡ اِنۡ كُنَّا عَنۡ عِبَادَتِكُمۡ لَغٰفِلِیۡنَ﴿۲۹﴾

ترجمۃ الآیات

(پھر وہ معبود مشرکین سے کہیں گے) اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیئے کافی ہے ہم تو ان کی پوجا پاٹ سے غافل تھے۔(۲۸)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں خود ساختہ معبودوں کی زبانی یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ اپنے عبادت کرنے والوں سے یہ کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے جب کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین کے معبود خدا کو گواہ بنا کر یہ کہیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے۔ دونوں آیات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ہر وہ عبادت جس سے معبود بے خبر ہو وہ عبادت ہی نہیں ہے۔قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین کے معبود ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور اپنی بے خبری کا اعلان کریں گے یہ مفہوم سورۃ فرقان کی ۱۷ ویں اور سورۃ قصص کی ۶۳ ویں آیات میں بھی بیان ہوا ہے۔

پیغام:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اتمامِ حجت کے لیئے بے جان بتوں کو بھی عقل وشعور اور بولنے کی قوت عطا کرے گا۔ ''فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا''

آیت نمبر ۳۰

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰـىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝۳۰

ترجمۃ الآیات

اس وقت ہر شخص اپنے اسی عمل کو جانچ لے گا وہ آگے بھیج چکا ہوگا پھر وہ اپنے حقیقی مالک اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے اور وہ جو بہتان باندھا کرتے تھے وہ سب کے سب ناپید ہو جائیں گے۔(۳۰)

پیغام:

۱۔ قیامت کے دن ہر شخص اپنے اعمال کا گروی ہوگا۔ ''تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ''

۲۔ قیامت کے دن تمام انسانوں سے حساب لیا جائے گا۔ ''تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ''

۳۔سرچشمہ حیات ذات خداوندی ہے اورانتہا بھی اسی کے حضور ہوگی۔ رُدُّوْٓا واضح رہے کہ یہ لفظ ''رُدُّوْٓا'' کا اطلاق اس واپسی پر ہوتا ہے جو مبداء کی طرف ہو۔

۴۔اللہ ہی حقیقی مولا ہے اس کے علاوہ کسی کو حق ولایت حاصل نہیں ہے۔''مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ''

۵۔قیامت کے دن جھوٹے معبودوں کی چکا چوند ختم ہوجائے گی۔''وَضَلَّ عَنْهُمْ''

آیت نمبر ۳۱

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمۃ الآیات

آپ کہہ دیں کہ وہ کون ہے جو تمہیں آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردہ کو زندہ سے باہر لاتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو کارہستی کی تدبیر کرتا ہے؟ جواب میں وہ کہیں گے کہ وہ اللہ ہے آپ کہہ دیں کہ کیا تم غیر اللہ کی عبادت کے بُرے انجام سے نہیں ڈرتے؟ (۳۱)

نکات:

☆فرمان خداوندی ہے کہ ''اللہ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے برآمد کرتا ہے'' مفسرین نے اسی کے چند نمونے بیان کیئے ہیں۔

۱۔نطفہ بے جان ہے اور اس سے انسان وحیوان پیدا ہوتے ہیں جو کہ جاندار ہوتے ہیں۔

۲۔انڈہ بے جان ہے پیدا ہونے والا چوزہ جاندار ہے۔

۳۔دانہ بے جان ہے اس سے اگنے والی گھاس جاندار ہے۔

۴۔کافر اور بدکار والدین مردہ ہیں اور اس سے جنم لینے والا مومن انسان زندہ ہے۔

☆انسان کو خدا نے اگرچہ بہت سے اعضاء عطا کیئے ہیں لیکن یہاں صرف کان اور آنکھ کا نام لیا گیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اعضا انتہائی اہم ہیں۔

پیغام:

۱۔انبیائے کرام سوال کر کے لوگوں کی فکر و بصیرت کو بیدار کیا کرتے تھے۔''قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ ''

۲۔اللہ تعالیٰ نے رزق کی فراہمی میں آسمان و زمین کے کردار کو اجاگر کیا ہے۔'' يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ''

۳۔ پیدا کرنا، رزق دینا خداوند عالم کی دائمی سنت ہے۔يَّرْزُقُ۔يَّمْلِكُ۔يُخْرِجُ۔يُّدَبِّرُ یہ سب فعل مضارع کے صیغہ ہیں جو کہ استمرار و تسلسل پر دلالت کرتے ہیں۔

۴۔ جہان آفرینش ہمیشہ تدبیر کا محتاج ہوتا ہے اور وحدت تدبیر وحدت ربوبیت کی دلیل ہے۔

۵۔ہمارا رزق، ہمارا سننا دیکھنا، ہماری زندگی اور ہماری موت خدا کے اختیار میں ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی کا اختیار نہیں ہے۔''مَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ.... فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ''

۶۔خدا کی نعمت وقدرت کے متعلق غور و فکر کرنا خدا شناسی کا بہترین زینہ ہے۔'' قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ ....فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ''

۷۔مشرکین بھی اپنے دلوں میں اللہ کو ہی خالق سمجھتے تھے۔''فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ''

۸۔صرف عقیدہ کافی نہیں ہے عمل بھی ضروری ہے۔''فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۝۳۱ ''

۹۔علم و معرفت سے تقویٰ کی زمین ہموار ہوتی ہے۔''فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۝۳۱ ''

آیت نمبر ۳۲

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ۝۳۲

ترجمۃ الآیات

پس یہی (قادر و یکتا) خدا ہے جو تمہارا برحق پروردگار ہے پھر حق کے بعد گمراہی کے علاوہ

اور کیا رکھا ہے؟ آخر تم کدھر پھرائے جارہے ہو؟ (۳۲)

پیغام:

۱۔سابقہ آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ہی حاکم ہے اور وہی خالق ورازق اور مدبر کائنات ہے۔ ایسے خدا کی موجودگی میں کسی دوسرے پروردگار کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ''فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ''

۲۔خدا کے علاوہ کسی اور کی ربوبیت کا عقیدہ رکھنا باطل اور گمراہی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ ''فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ''

۳۔حق و باطل کے درمیان اور کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے جو چیز حق نہ ہو وہ باطل ہوا کرتی ہے۔غیر جانبداری کا نظریہ سراسر غلط ہے۔''فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ''

۴۔انسان فطری طور پر حق کا خوگر ہے لیکن شیاطین، اوہام اور دوسرے عوامل اسے انحرافی راستوں پر لے جاتے ہیں۔''تُصْرَفُوْنَ۝۳۲''

آیت نمبر ۳۳

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝۳۳

ترجمۃ الآیات

اس طرح سے تیرے رب کا فرمان نافرمانی کرنے والوں پر ثابت ہوگیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔(۳۳)

پیغام:

۱۔انسان فسق کے راستے کا انتخاب کر کے اپنے لیئے قہر الٰہی کو یقینی بنالیتا ہے۔''حَقَّتْ...عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا''

۲۔فسق اور گناہ ایمان لانے میں رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں اور کفر کی تمہید ثابت ہوتے ہیں۔'' فَسَقُوْٓا ... لَا يُؤْمِنُوْنَ۝۳۳''

آیت نمبر ۳۴

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمۃ الآیات

آپ کہہ دیں تم نے جن معبودوں کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے تو کیا ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرے پھر اسے دوبارہ بھی پیدا کرے؟ کہہ دیں کہ اللہ تخلیق کی ابتدا بھی کرتا ہے پھر اسے دوبارہ بھی لوٹائے گا پھر تم کدھر الٹے جا رہے ہو؟ (۳۴)

پیغام:

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو مشرکین سے بحث و مباحثہ کا طریقہ سکھا رہا ہے۔ ''قُلْ''

۲۔ خدا کا شریک صرف انسانی وہم کی پیداوار ہے۔ ''شُرَكَآئِكُمْ''

۳۔ کائنات حادث ہے اور خدا کی پیدا کردہ ہے۔ ''يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ''

۴۔ پرستش کے لیئے دو معیار ضروری ہیں۔ ۱۔ صرف اس کی عبادت کی جائے جو پیدا کر سکتا ہو۔ ۲۔ عبادت کا مستحق وہ ہے جو دوبارہ لوٹا سکتا ہو۔ ''يَّبْدَؤُا، ثُمَّ يُعِيْدُهٗ''

۵۔ زندگی موت کی طرف رواں دواں ہے زندگی کا انجام فنا اور موت ہے۔ ''يَّبْدَؤُا ... ثُمَّ يُعِيْدُهٗ''

۶۔ قیامت دنیا کے ختم ہونے کے بعد وقوع پذیر ہوگی۔ ''يَّبْدَؤُا، ثُمَّ يُعِيْدُهٗ''

۷۔ معاد اور قیامت دنیا کی طرح سے جسمانی ہوگی۔ ''ثُمَّ يُعِيْدُهٗ''

۸۔ خدا کا شریک بنانا بے عقلی کی دلیل ہے۔ ''فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾''

آیت نمبر ۳۵

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمۃ الآیات

آپ کہہ دیں کہ کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی ہدایت کرے؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ ہی حق کی ہدایت کرتا ہے تو پھر (بتاؤ کہ) جو حق کی راہ دکھائے وہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی اتباع کی جائے یا وہ جو خود اپنی راہ نہیں پاتا جب تک اسے راستہ نہ دکھایا جائے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟!! (۳۵)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں مبداء و معاد اور تخلیق کائنات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا جبکہ اس آیت میں نبوت، امامت اور انسانی ہدایت کے معاملات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

☆ ہدایت کے دو مفہوم ہیں۔ ۱۔ راستہ دکھانا۔ ۲۔ منزل مقصود پر پہنچانا۔ انبیاء کی ہدایت کا تعلق پہلے مفہوم سے ہے۔ ''وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا'' (انبیاء / ۷۳) ہم نے انہیں ایسے رہنما مقرر کیا جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت دیتے تھے۔ ہدایت کی دوسری قسم اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے۔ ''اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ'' (القصص / ۵۶) اے رسول جسے آپ چاہتے ہیں اسے ہدایت نہیں کر سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

☆ ''يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ'' اور ''يَهْدِيْ لِلْحَقِّ'' دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے (تفسیر المیزان)

☆ شیعہ و سنی روایات متواترہ کے مطابق رسول اکرمؐ نے فرمایا ''اَلْحَقُّ مَعَ عَلِيٍّ وَّ عَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ'' حق علی کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہے (احقاق الحق جلد ۵ ص ۶۳ ۲۸/)

پیغام:

۱۔ ہدایت و رہنمائی کا تعلق افعال الٰہی سے ہے قُلِ اللّٰهُ يَهۡدِىۡ معبود بننے کے لیئے ضروری ہے کہ وہ ہدایت بھی کرسکتے ہوں

۲۔ صحیح ہدایت کے لیئے وسیع اور غلطی سے پاک علم کی ضرورت ہے اور اس ہدایت کے لیئے قدرت، محبت اور ہدف کی ضرورت ہے لہٰذا ہادی صرف اللہ ہے اور وہ ذوات طاہرہ ہادی ہیں جنہیں اس نے راہنما مقرر کیا ہو۔ چنانچہ خدا کے متعین کردہ ہادیوں کے علاوہ کسی کو ہادی کہلانے کا حق نہیں ہے لہٰذا بتوں اور طاغوتوں کو ہادی بننے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ ''قُلِ اللّٰهُ يَهۡدِىۡ لِلۡحَقِّ''

۳۔ قیامت کے قابل صرف وہی ہوتا ہے جو حق کی رہنمائی کرے۔ ''اَحَقُّ اَنۡ يُّتَّبَعَ''

۴۔ نبوت، امامت اور معصوم رہبر کی اطاعت کو ایک عقلی قانون کا درجہ حاصل ہے۔ ''مَا لَكُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ﴿۳۵﴾''

آیت نمبر ۳۶

وَمَا يَتَّبِعُ اَكۡثَرُهُمۡ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغۡنِىۡ مِنَ الۡحَـقِّ شَيۡـئًـا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ﴿۳۶﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان کی اکثریت بس گمان کی ہی پیروی کر رہی ہے جب کہ گمان کسی بھی طرح سے انسان کو حقیقت سے بے نیاز نہیں کرسکتا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ جو کچھ انجام دے رہے ہیں اللہ اسے بخوبی جانتا ہے۔ (۳۶)

نکات:

حقیقی قدر و قیمت علم کی ہے قوی گمان اور اطمینان صحیح مبنیٰ پر اُستوار ہو تو اس کی بھی قدر و قیمت ہے جس طرح سے آیات و روایات کے ظاہر سے حکم خدا کی شناخت کا گمان ایک فقیہ فروعی مسائل میں حاصل کرتا ہے اس کے برعکس عقیدہ

میں گمان جو کہ آباء واجداد کی تقلید اور جاہلی تعصّبات سے پیدا ہو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔اکثریت کو ہمیشہ دلیل صداقت قرار نہیں دیا جاسکتا۔''وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا''

۲۔انبیاء کے مخالفین کے پاس کوئی منطق نہیں ہے۔''إِلَّا ظَنًّا''

۳۔شرک کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہے۔''هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ ....وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا''

۴۔عقائد وبینش کے لیئے گمان کی بجائے علم کی پیروی کرنی چاہیئے''إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ''

آیت نمبر ۳۷

وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور ایسا نہیں ہے کہ اس قرآن کو اللہ کے سوا کسی اور طرف سے گھڑلیا ہو۔ بلکہ یہ تو اس سے پہلے جو کتاب آچکی ہے اس کی تصدیق ہے اور تمام آسمانی کتابوں کی تفصیل ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔(۳۷)

پیغام:

۱۔قرآن کے مضامین اور جامعیّت کچھ اس طرح سے ہے کہ اسے غیر خدا کی طرف منسوب کرنا کسی طرح سے بھی صحیح نہیں ہے۔ ''أَنْ يُفْتَرَىٰ''

۲۔آسمانی کتابیں ایک دوسرے کی مؤید ہیں۔ان میں فرق اجمال اور تفصیل کا ہے۔''تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ''

۳۔قرآن رُشد وتربیت کا ذریعہ ہے۔''هَٰذَا الْقُرْآنُ....مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۷﴾''

آیت نمبر ۳۸

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۸﴾

ترجمۃ الآیات

بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس (محمد) نے اسے اپنی طرف سے تراش لیا ہے (اور خدا کی طرف منسوب کردیا ہے) آپ کہہ دیں کہ اگر تم لوگ اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت بنالاؤ اور خدا کے علاوہ تم جس کو بھی بلا سکتے ہو بُلالو۔ (۳۸)

نکات:

☆ قرآن کریم نے کئی مقامات پر اپنے مخالفین کو چیلنج کیا ہے اور ان سے کہا ہے کہ اگر ان میں ذرا بھی دم خم ہے تو پھر تمام جن وانس کو بلالائیں اور قرآن کے مقابلہ پر اس جیسی کتاب لے آئیں لیکن کسی کو اس کی جرأت نہ ہوئی۔ پھر قرآن نے تخفیف کی اور کہا کہ صرف دس سورتیں بنا کر لائیں مگر کسی سے دس سورتیں بھی نہ بنیں بعد ازاں قرآن کریم نے اپنے چیلنج میں مزید آسانی پیدا کی اور فرمایا کہ اس کی سورتوں کی مانند صرف ایک سورت ہی بنالائیں اور اس کے لیئے اپنے تمام مددگاروں کو دعوت دیں لیکن تاریخ شاہد ہے کہ کسی سے ایک سورت بھی نہیں بن سکی قرآن کریم نے اپنے چیلنج میں مزید آسانی پیدا کی اور فرمایا کہ قرآنی آیات جیسی ایک آیت بنا کر لائیں۔ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۳﴾ (ہود / ۱۳) تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ کروڑوں انسانوں نے قرآن کی مخالفت کی اور اسلام کو شکست دینے کے لیئے لڑائیاں لڑیں لیکن آج تک کسی کی طرف سے بھی قرآن کے اس چیلنج کا جواب سنائی نہیں دیا اور قیامت تک کوئی بھی اس کا جواب نہیں دے سکے گا۔

قرآنی امتیازات:

☆ گفتگو قرآن کے چیلنج پر ہو رہی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ابدی کتاب اور جاودانہ معجزہ کے چند امتیازات کی طرف اشارہ کیا جائے۔

۱۔قرآن کا ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ بلند و بالا معانی اور مطالب کو چھوٹے سے کلمات میں بند کر دیتا ہے۔مثلاً قرآن کریم نے عورت و مرد کے رشتہ کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے۔''هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ''(البقرہ/۱۸۷)بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔قرآن کریم نے غیر الٰہی قوتوں کی کمزوری کی مثال مکڑی کے گھر سے دی ہے۔وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ(عنکبوت/۴۱)اللہ تعالیٰ نے بتوں کی بے بسی بیان کرتے ہوئے فرمایا:''لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا''(حج/73)وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔

۲۔خدا نے قرآن کو عجیب شیرینی عطا کی ہے۔اسے ہزار بار بھی پڑھا جائے تو بھی یہ بوسیدہ محسوس نہیں ہوتا۔آپ جب بھی قرآن کو غور سے پڑھیں گے تو ہر بار کوئی نہ کوئی نیا نکتہ آپ کو ملے گا۔

۳۔قرآن میں مخصوص طرح کا آہنگ وارتباط پایا جاتا ہے۔کلام الٰہی میں مخصوص طرح کی موسیقیت پائی جاتی ہے۔الغرض قرآن کا اپنا ہی رنگ ڈھنگ ہے اگر قرآن کی آیت کو عرب ادیبوں کے کلام میں رکھا جائے یا قرآنی آیت کو احادیث میں رکھا جائے تو قرآنی آیت یوں چمک رہی ہوگی جیسے پتھروں میں ہیرا چمکتا ہے۔

۴۔قرآن انتہائی جامع کتاب ہے اس میں برہان سے لے کر مثل تک، دنیا سے لے کر آخرت تک کے تمام مسائل موجود ہیں۔الغرض قرآن میں عائلی مسائل، سیاسی، فوجی اور جملہ اقتصادی مسائل تک موجود ہیں۔

۵۔قرآن مجید کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اس کا ہر لفظ حقیقت اور واقعیت پر مبنی ہے قرآن کی داستانوں میں بھی کہیں مبالغہ آرائی نہیں ہے وہ بھی حقیقت پر مبنی ہیں۔

۶۔قرآن ہمہ گیر اور جہانی ہے یعنی قرآن سب کے لیئے ہے۔قرآن ہر سطحِ ذہن کے لیئے یکساں مفید ہے۔ہر شخص اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق قرآن سے استفادہ کرسکتا ہے قرآن تخصص کی کتاب نہیں ہے۔

۷۔قرآن ابدی کتاب ہے زمانہ جتنی بھی ترقی کر رہا ہے اسی کے مطابق قرآن کے حقائق واسرار ظاہر ہو رہے ہیں۔

۸۔ہدایت میں اضافہ کرتا ہے۔اگرچہ ہر دور میں قرآن کے دشمن موجود رہے ہیں اس کے باوجود قرآن نے جس قدر رہنمائی فراہم کی ہے اتنی کسی اور کتاب کی بدولت فراہم نہیں ہوئی ہے۔

۹۔قرآن خدائی معجزہ ہے یہ ایک ایسا معجزہ ہے جو ہر کسی کے ہاتھ میں موجود ہے یہ بھی عربی زبان میں ہی ہے مگر آج تک دنیا کے قادر الکلام مل کر اس کا مقابل پیش نہیں کر سکے۔

۱۰۔قرآن جہاں معجزہ ہے وہاں دستور و قانون کی کتاب بھی ہے۔

۱۱۔حامل قرآن پیغمبر کا کمال یہ ہے کہ اس نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور ان کی زندگی ایسے علاقہ میں بسر ہوئی تھی جو علم و تعلیم سے کوسوں دور تھا۔

۱۲۔صدیاں گزرنے کے باوجود نہ تو اس میں اضافہ ہوا اور نہ ہی اس میں کوئی کمی ہوئی ہے۔یہ کتاب تحریف سے

پاک ہے۔

پیغام:

۱۔قرآن کریم نے اپنے معجزہ کے اثبات کے لیئے انتہائی سادہ طریقہ اختیار کیا اور لوگوں کو دعوت دی کہ وہ اس کے مقابلہ میں ایک سورت بنا کر لائیں۔''فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ''

۲۔پورا قرآن تو اپنے مقام پر اس کی ایک ایک سورت معجزہ ہے۔''بِسُورَةٍ''

۳۔قرآن نے اپنے چیلنج میں تخفیف کی ہے اور اس کے ایک سورت کے مقابلہ دوسری سورت لانے کو ہی کافی قرار دیا ہے۔''بِسُورَةٍ''

۴۔قرآن کا یہ چیلنج صرف اس دور کے افراد اور صرف مکہ کے افراد کے لیئے نہیں تھا قرآن کا یہ چیلنج ہر دور کے انسانوں کے لیئے ہے۔''وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ''

۵۔قرآن کا یہ چیلنج صرف عوام کے لیئے نہیں ہے یہ چیلنج تمام قانون دانوں اور جملہ ادیبوں اور نابغہ روزگار شخصیات کے لیئے بھی ہے۔''وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ''

۶۔قرآن نے اپنے چیلنج کے لیئے افراد کی تعداد کو معین نہیں کیا۔''وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ''

۷۔قرآن نے لوگوں کو اپنے چیلنج میں قرآن سنانے کی ترغیب بھی دی ہے۔''إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾''

آیت نمبر ۳۹

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٣٩﴾

ترجمة الآيات

بلکہ (حق یہ ہے کہ) وہ جس کا علمی احاطہ نہیں کر سکے انہوں نے اس کی تکذیب کی ہے جب کہ اس کی حقیقت و باطن ان کیلئے واضح ہی نہیں ہوئی ہے ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح

سے تکذیب کی تھی دیکھو آخر کار ظالموں کا کیا انجام ہوا؟ (۳۹)

نکات:

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن کریم کی دو آیات سے ہمیں دو سبق ملتے ہیں

الف۔ جب تک کسی چیز کا علم نہ ہو تب تک اس کے متعلق کچھ نہ کہیں "اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ" (اعراف/۱۶۹) کیا ان سے کتاب کا یہ میثاق نہیں لیا گیا کہ خدا کے متعلق حق کے علاوہ اور کچھ نہ کہیں۔

ج۔ جب تک علم نہ ہو اس وقت تک کسی بات کو رد نہ کریں (یونس/۳۹) بلکہ وہ جس کا علمی احاطہ نہیں کر سکے انہوں نے اس کی تکذیب کی ہے (تفسیر مجمع البیان)

☆ حضرت عبدالعظیم حسنی نے امام محمد تقی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ میں نے چار باتیں کہی تھیں اللہ تعالیٰ نے میری ہر بات کی تائید میں آیت نازل فرمائی

۱۔ میں نے یہ کہا تھا: "اَلْمَرْءُ مَخْبُوْءٌ تَحْتَ لِسَانِهٖ" انسان کی شخصیت اس کی زبان کے نیچے پوشیدہ ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ" (محمد/۳۰) آپ انہیں ان کی گفتگو سے پہچان لیں گے۔

۲۔ میں نے یہ کہا تھا۔ مَنْ جَهِلَ شَيْئًا عَادَاهُ جو کسی بات کو نہیں جانتا وہ اس سے دشمنی کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا" وہ جس کا علمی احاطہ نہیں رکھتے تھے اس کی انہوں نے تکذیب کی ہے۔

۳۔ میں نے یہ کہا تھا "قِيْمَةُ كُلِّ امْرِءٍ مَّا يُحْسِنُهٗ" ہر شخص کا ہنر اور لیاقت اس کی قیمت ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ" (بقرہ/۲۴۷) یعنی اللہ نے طالوت کو اس کی طاقت کی وجہ سے چُنا ہے۔

۴۔ میں نے یہ کہا تھا "اَلْقَتْلُ يَقِلُّ الْقَتْلَ" ظالم کو قتل کرنے سے قتل کے جرم کو کم کیا جا سکتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ" تمہارے لیئے قصاص میں زندگی مضمر ہے۔ (البقرہ/۱۷۹)

پیغام:

۱۔ قرآن کے مخالف اس کی تکذیب اس لئے کر رہے ہیں کہ انہیں قرآن کا احاطِ علمی نصیب نہیں ہوا۔ "كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا"

۲۔ اگر ہمیں کسی چیز کا علم نہ ہو اس کی تردید و تکذیب نہیں کرنی چاہیئے۔ "كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا"

۳۔کلی اور اجمالی علم کم مؤثر ہوتا ہے احاطہ علمی ہی نورانیت کا سبب بنتا ہے۔"لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ"

۴۔ادوار تاریخ میں انبیاء کی مخالفت زیادہ تر جہالت کی وجہ سے کی گئی تھی۔"كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ"

۵۔ تاریخ سے آگاہی ضروری ہے اور مخالفین انبیاء کے انجام کا جاننا ضروری ہے۔"فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ﴿۳۹﴾"

آیت نمبر ۴۰

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ﴿۴۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور ان میں سے کچھ اس قرآن پر ایمان لے آئیں گے اور کچھ ایمان نہیں لائیں گے آپ کا پروردگار فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔(۴۰)

پیغام:

۱۔انسان مجبور نہیں ہے صاحب اختیار ہے۔"مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ"

۲۔رہبر کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ تمام لوگ ہدایت و دستور پر ایمان لے آئیں گے۔"وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ"

۳۔فساد اور بے ایمانی کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے گناہ ایمان سے رکاوٹ بنتا ہے اور گناہ بے ایمانی اور فساد پھیلانے کا محرک بھی بن جاتا ہے۔"لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ...بِالْمُفْسِدِيْنَ﴿۴۰﴾"

آیت نمبر ۴۱

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۴۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر وہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہہ دیں کہ میرے لیئے میرا عمل ہے اور تمہارے لیئے تمہارا عمل ہے میرے عمل سے تم بیزار ہو اور تمہارے اعمال سے مَیں بیزار ہوں۔(یعنی میرے اعمال کے تم جوابدہ نہیں ہو اور میں تمہارے اعمال کا جوابدہ نہیں ہوں)(۴۱)

پیغام:

۱۔لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔انبیاء کا وظیفہ راہنمائی کرنا ہے۔مجبور کرنا نہیں ہے۔''وَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ.....''

۲۔رہبر کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو ذہنی طور پر آمادہ کرے کہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔''وَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ''

۳۔تکذیب کرنے والوں کے سامنے ہمیں احساسِ شکست نہیں کرنا چاہیئے اور ہمیں یہ یقین ہونا چاہیئے کہ ہمیں ہماری نیکی کا بدلہ ملے گا اور مخالفین کو ان کی تکذیب پر سزا دی جائے گی۔''لِّىۡ عَمَلِىۡ وَلَـكُمۡ عَمَلُكُمۡ''

۴۔پیغمبر مکذّبین تکذیب کرنے والوں کے سامنے مضبوط موقف رکھتے تھے۔''فَقُلْ لِّىۡ عَمَلِىۡ وَلَـكُمۡ عَمَلُكُمۡ''

۵۔ہر شخص کے عمل کا نفع نقصان اسے ہی ملا کرتا ہے۔''لِّىۡ عَمَلِىۡ وَلَـكُمۡ عَمَلُكُمۡ میں ''لِّىۡ'' اور ''لَـكُمۡ'''' عَمَلِىۡ وَعَمَلُكُمۡ'' پر مقدم ہے۔

۶۔اسلام استدلال اور اخلاق کا دین ہے۔کفار سے ساز باز کا دین نہیں ہے۔اگر کفار حق کو قبول نہ کریں تو ان کے عقائد و اعمال سے بیزاری کا اعلان کرنا چاہیئے۔''اَنۡتُمۡ بَرِيۡٓـُٔوۡنَ ۔وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ''

۷۔کسی کے کام پر راضی ہونے والا اس کے ثواب و عقاب میں شریک ہوتا ہے۔''اَنۡتُمۡ بَرِيۡٓـُٔوۡنَ ۔وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ ہر شخص کی اجرت اس کے ساتھ مخصوص ہے اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ میں تمہارے اعمال سے راضی نہیں ہوں اور تم میرے عمل سے راضی نہیں ہوں۔

آیت نمبر ۴۲

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ ؕ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يَعۡقِلُوۡنَ‏ ﴿۴۲﴾

ترجمۃ الآیات

(اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو) ان میں سے ایک گروہ (ظاہری طور پر) آپ کی باتیں غور سے سنتا ہے (جب کہ دراصل وہ کچھ بھی نہیں سنتے) کیا بہروں کو اپنی گفتگو سنوا سکتے ہیں ہر چند کہ وہ اہل عقل نہ ہوں۔

پیغام:

۱۔ تمام سننے والے نیک نیت نہیں ہوتے کچھ ضدی افراد بہانہ سازی کے لیئے بار بار کان لگا کر سنتے ہیں۔ ''مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ''

۲۔ کبھی دل کی بیماری اتنی بڑھ جاتی ہے کہ کلام رسول سے بھی اس کا علاج نہیں ہوتا۔ ''اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ''

۳۔ جب تک لوگ ذہنی طور پر ہدایت حاصل کرنے کے لیئے آمادہ نہ ہوں اس وقت تک رہبر کے دلائل کافی نہیں ہوتے۔ ''لَا يَعْقِلُوْنَ۝۴۲''

۴۔ براہ راست یا بالواسطہ سننے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس کے برعکس غور وفکر اور تعقل وتدبر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ صرف سن لینا کافی نہیں ہے۔ کیونکہ سننے کی حد تک جانور بھی سنتے ہیں۔ ''يَّسْتَمِعُوْنَ، لَا يَعْقِلُوْنَ۝۴۲''

آیت نمبر ۴۳۔ ۴۴

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ۝۴۳

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝۴۴

ترجمۃ الآیات

لوگوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو آپ کی طرف نگاہ کرتا ہے (لیکن درحقیقت وہ کچھ بھی

نہیں دیکھتے) تو کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھا سکتے ہیں جب کہ وہ چشم دل سے نہ دیکھتے ہوں۔ (۴۳)

اللہ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لوگ اپنے آپ پر خود ہی ظلم کرتے ہیں۔ (۴۴)

نکات:

☆ قیامت کے دن ایک گروہ اندھا محشور ہوگا اوراس کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ آیات سے اندھے پن کا ثبوت دیتے تھے اور دنیا میں رہ کر انہوں نے آیات الٰہی کو فراموش کر دیا تھا۔ ''وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِىۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّنَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى ۝ ..قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرۡتَنِىۡۤ اَعۡمٰى ... اَتَتۡكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيۡتَهَا'' (طٰہٰ۔ ۱۲۴ تا ۱۲۶)

☆ امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص یہ گمان کرے کہ خدا انسان کو گناہ پر مجبور کر کے پھر اسے عذاب میں مبتلا کرتا ہے تو اس نے خدا کی طرف ظلم کی نسبت دی ہے اور اس نے اس آیت (موجودہ آیت) کا انکار کیا ہے۔ (بحار جلد ۵ /۷۱)

پیغام:

۱۔ ہر نگاہ بصیرت بھری نہیں ہوتی اور ہر دیکھنے والا حقیقت کا طلبگار نہیں ہوتا۔ ''يَّنۡظُرُ ,لَا يُبۡصِرُوۡنَ ۝''

۲۔ اندھے دلوں کے لیئے انبیاء بھی موثر نہیں ہوتے۔ ''اَفَاَنۡتَ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ''

۳۔ جو شخص حق کو نہ دیکھے تو وہ اندھا ہے۔ ''يَّنۡظُرُ ,لَا يُبۡصِرُوۡنَ ۝''

۴۔ اللہ نے انسانوں کے لیئے بہترین کتاب اور بہترین رسول بھیجا ہے اگر اس کے باوجود بھی وہ ایمان نہ لے آئیں تو وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے ہیں۔ ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ النَّاسَ .... اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ۝''

آیت نمبر ۴۵

وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ كَاَنۡ لَّمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ ؕ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ۝۴۵

ترجمة الآیات

جس دن خدا انہیں محشور کرے گا گویا وہ دنیا میں دن کی ایک گھڑی رہے ہوں گے اس دن وہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے جن لوگوں نے خدا کی ملاقات قیامت کی تکذیب کی ہے وہ خسارے میں رہے اور وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے۔ (۴۵)

نکات:

☆ قیامت کے دن کی عظمت اتنی ہوگی کہ اس کے مقابلہ پر دنیاوی زندگی انتہائی قلیل محسوس ہوگی اس حقیقت کو حسب ذیل آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

☆ ''لَمْ يَلْبَثُوٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا'' (نازعات/۴۶) گویا وہ دنیا یا برزخ میں ایک رات سے زیادہ نہیں رہے ہوں گے۔

☆ ''وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا'' (بنی اسرائیل/۵۲) تم گمان کرو گے کہ تم انتہائی قلیل عرصہ تک رہے ہو۔

☆ ''اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا'' (طٰہٰ/۱۰۳) تم سوچو گے کہ تم دنیا میں صرف دس دن ہی رہے تھے۔

☆ ''مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ'' (روم/۵۵) تم سوچو گے کہ ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہے ہو۔

☆ عمر دنیا کوتاہ ہے یا یہ بہت جلد گزر جاتی ہے یا یہ کہ دنیاوی زندگی سے فائدہ نہ اٹھایا گیا اس لیئے زندگی کے ایام انتہائی قلیل دکھائی دیں گے۔ یا پھر اس کی وجہ یہ ہوگی کہ انسان جب عمر آخرت کو دیکھے گا تو وہ یوں محسوس کرے گا کہ دنیا اور برزخ کی زندگی ایک خواب سے زیادہ نہ تھی۔ بیداری کے بعد وہ یہ محسوس کریں گے کہ ان کی زندگی انتہائی کم تھی۔ ہر نوع آخرت کے مقابلہ میں متاعِ دنیا انتہائی قلیل ہے آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں انتہائی قلیل ہے۔ ''سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ''

۲۔ قیامت کے دن لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ ''يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ''

۳۔ جن لوگوں نے آخرت کی تکذیب کی ہے وہ آخرت کے ابدی فوائد سے محروم رہیں گے اور سخت نقصان میں رہیں گے۔ ان لوگوں کے مقدر میں صرف چند دنیاوی فوائد ہیں ان کے برعکس اہل ایمان بڑے خوش نصیب ہیں۔ انہیں دنیاوی نعمات بھی حاصل ہیں اور اخروی نعمات سے بھی وہ مستفید ہوں گے۔ ''قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا''

آیت نمبر ۴۶

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ۝۴۶

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے ان سے جن چیزوں کا وعدہ کیا ہے ان میں سے کچھ چیزیں آپ کو دکھا دیں یا آپ کو (ان کے کیفر کردار سے پہلے) پہلے ہی دنیا سے اٹھالیں۔ (پھر بھی ہمارا عذاب ان پر آ کر ہی رہے گا) انہیں بہر حال پلٹ کر ہماری بارگاہ میں آنا ہے پھر جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس پر اللہ شاہد ہے۔ (۴۶)

نکات:

☆ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریمؐ کی زندگی ہی میں کفار کو بدر، حنین، احزاب اور فتح مکہ کے غزوات میں سزا دی تھی اور آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد کفار پر عذاب الٰہی نازل ہوتا رہا۔

☆ حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے: اِتَّقُوۡا مَعَاصِيَ اللّٰهِ فِي الۡخَلَوَاتِ فَاِنَّ الشَّاهِدَ هُوَ الۡحَاكِمُ خلوت کے لحات میں خدا کی نافرمانی سے ڈرتے رہو کیونکہ جو گواہ ہے حاکم بھی وہی ہے۔ (بحار جلد ۷۳ / ۳۶۴)

پیغام:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر صورت میں کافروں کا محاسبہ کرنا ہے اور انہیں عذاب دینا ہے خواہ اس زمانے میں عذاب دے یا کسی اور زمانے میں عذاب دے۔ لہٰذا خدائی فیصلہ کی تاخیر سے مومنین کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ''وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ ۔۔۔ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ''

۲۔ پیغمبر اکرمؐ کی وفات کی وجہ سے کافروں کے عذاب میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ ''اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ''

۳۔ تمام مخلوقات کی بازگشت خدا کی طرف ہے اور خدا کی عدالت سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ ''اِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ''

۴۔ اللہ ہمارے اعمال کا گواہ ہے۔ ''اللّٰهُ شَهِيۡدٌ''

آیت نمبر ۴۷ ۔ ۴۸

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوۡلُهُمۡ قُضِىَ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ۞

وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۞

ترجمۃ الآیات

اور ہرامت کے لیئے رسول ہے جب ان کا رسول آتا ہے توان کے درمیان عادلانہ فیصلہ کردیا جاتا ہےاورکسی پرظلم نہیں کیا جاتا۔(۴۷)

اورکفار(بطور مذاق) یہ کہتے ہیں کہ اگرتم سچے ہوتو بتاؤ عذاب کا یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟(۴۸)

نکات:

☆کفاربطورمذاق انبیاء سے یہ کہا کرتے تھے کہ اگرتم سچے ہوتو یہ بتاؤ کہ خدا کی طرف سے عذاب کب نازل ہوگا؟ کفاراس طرح کے حقارت آمیزسوال کرکے اپنے ساتھیوں کوکفرپرقائم رکھتے تھے۔اوران کا ہمیشہ یہی اصرار ہوتا ہے کہ انہیں عذاب کے وقت کی خبردی جائے۔سوال۔اگرہرقوم کے لیئے رسول ہے تو پھرخدا نے سلسلہ رسالت کو منقطع کیوں کیا؟ جواب۔لفظ رسول سے رسول کی ذات مرادنہیں ہے اس سے اس کا پیغام اوراس کی تعلیمات مرادہیں۔خواہ وہ براہ راست ہو یا بالواسطہ ہو۔اگر یہ مفہوم مرادنہ لیا جائے تواس سے یہ لازم آئے گا کہ ہرمنطقہ میں کوئی نہ کوئی پیغمبر ہونا چاہیئے!

☆انبیاء اورعادلانہ فیصلے دنیامیں مربوط ہیں اوریہ بھی ممکن ہے کہ وہ آخرت میں مربوط ہوں جیسا کہ سورہ زمرکی ۶۹ ویں آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

☆امام محمد باقرعلیہ السلام نے فرمایا کہ خداکے انبیاء ''يَقۡضُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ'' کے مصداق تھے اوران کے تمام فیصلے عدل وانصاف پرمبنی ہوتے تھے۔(تفسیرصافی)

پیغام:

۱۔ازل سے یہ سنت الٰہی رہی ہے کہ کوئی بھی ملت نبی کے بغیر نہیں گزری۔ ''لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ''

۲۔جب سے انسانیت چلی اس دن سے دین بھی ساتھ چلا۔لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: '' وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴿۲۴﴾ '' (فاطر/ ۲۴) کوئی ایسی امت موجود نہیں ہے جس میں ہماری طرف سے خبردار کرنے والا نہ پہنچا ہو۔

۳۔انبیاء کی آمد اور اتمام حجت کے بعد ہی اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے۔ ''لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ''

۴۔انبیاء کی بعثت کے زیر سایہ ہی عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کو تشکیل دیا جاسکتا ہے۔ ''اِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ''

۵۔قیامت کے دن ہر گروہ اپنے پیغمبر کے ساتھ حاضر ہوگا۔بعدازاں ان کے درمیان عادلانہ فیصلہ کیا جائے گا۔ جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ ایک اور آیت میں ارشاد خداوندی ہے: ''وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ '' زمر/ ۶۹ انبیاء اور گواہوں کو لایا جائے گا اور ان کے درمیان فیصلہ کردیا جائے گا۔

آیت نمبر ۴۹

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴿۴۹﴾

ترجمۃ الآیات

آپ کہہ دیں کہ میں اپنی ذات کے لیئے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں سوائے اس کے جو خدا چاہے۔ ہر امت کے لیئے ایک وقت مقرر ہے جب ان کا مقررہ وقت آئے گا تو پھر وہ ایک گھڑی نہ تو پیچھے ہو سکیں گے اور نہ ہی آگے بڑھ سکیں گے۔(۴۹)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں یہ کہا کہ ہر امت کے لیئے رسول ہوتا ہے اور موجودہ آیت میں کہا گیا ہے کہ ہر امت کے لیئے ایک مقررہ میعاد ہوتی ہے دونوں آیات کے ارتباط کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر قوم و امت کی سعادت و شقاوت کا فیصلہ رسول کی پیروی یا اس سے بے اعتنائی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

☆ سوال۔ اگر ہر امت کے لیئے ایک مقررہ مدت ہے تو پھر اسلام کی بھی مدت ہوگی اور عمر طبیعی کو پہنچ کر اسے بھی ختم ہو جانا چاہیئے؟!

جواب۔ لفظ امت گروہ اور جماعت کے معنی میں ہے دین و مذہب کے معانی میں نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے اسلام کے اختتام کا استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کچھ عرصہ بعد دین و مذہب کی تبدیلی ضروری ہے۔

پیغام:

۱۔ قوت و مالکیت خدا کی ہے انبیاء بھی ذاتی قدرت اور مالکیت نہیں رکھتے۔ ''لَّآ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِیۡ''

۲۔ انبیاء و اولیاء کی قدرت الٰہی قُدرت کا ایک شمع پرتو ہے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ہمیں افسوس ہے کہ مراغی نے ''قُلۡ لَّآ اَمۡلِكُ'' کی آیت کو عنوان بنا کر توسل کی تردید پر مفصل بحث کی ہے جب کہ اس کی تمام تر بحث پڑھنے کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی نظر لَّآ اَمۡلِكُ پر ٹکی رہی اس کی نظر اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کے الفاظ پر نہیں پڑی تھی۔

۳۔ ''لَّآ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِیۡ ضَرًّا'' کے الفاظ پیغمبر اسلامؐ کی صداقت کی دلیل ہیں۔

۴۔ افروں کو عذاب دینے کے لیئے وقت مقرر کرنے کا اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ''مَتٰی هٰذَا الۡوَعۡدُ... قُلۡ لَّآ اَمۡلِكُ...''

۵۔ افراد کی ایک عمر طبیعی ہوتی ہے اور افراد پر سعادت و شقاوت کے لحات آتے رہتے ہیں اسی طرح سے اقوام و ملل کی بھی ایک طبیعی عمر ہوتی ہے اور ان پر بھی سعادت و شقاوت کے ادوار طاری ہوتے رہتے ہیں ''لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ'' کبھی کسی قوم کی عمر پوری ہونے پر اس قوم کو تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے اور کبھی اس کی شوکت و عزت کو ختم کر کے رسوائی کی وادی میں دھکیل دیا جاتا ہے۔

۶۔ دنیاوی حکومت و اقتدار ابدی نہیں ہے لہٰذا ہمیں حکومت پا کر مغرور نہیں ہونا چاہیئے۔ ''لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ''

۷۔ اقوام و ملل کو مہلت دینا خدا کی ایک سنت ہے۔ ''لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ''

۸۔ امتوں کے عروج و زوال کے فیصلے الٰہی رَوش کی بنیاد پر ہوتے ہیں اس میں کوئی تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی۔ ہمیں خدائی قوانین کے متعلق جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے۔

آیت نمبر ۵۰ ۔ ۵۱

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَتٰىكُمۡ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوۡ نَهَارًا مَّاذَا يَسۡتَعۡجِلُ مِنۡهُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ۝۵۰

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ ؕ آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ۝۵۱

ترجمۃ الآیات

آپ کہہ دیں کہ اگر خدا کا عذاب تم پر رات کو یا دن کو نازل ہوجائے (تو تم کیا کروگے؟) مجرم افراد آخر کس چیز کے لیئے خدا سے جلد بازی کر رہے ہیں (آخر یہ ''متی ھذا الوعد'' خدا کا عذاب کب آئے گا (کیوں کہہ رہے ہیں؟ (۵۰)

کیا تم عذاب نازل ہونے کے بعد اس پر ایمان لاؤ گے؟ جبکہ اس سے قبل تم تو عذاب کے جلد نازل ہونے کی درخواست کرتے تھے؟! (۵۱)

نکات:

☆ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ اس آیت میں جس عذاب کی گفتگو کی گئی ہے اس سے وہ عذاب مراد ہے جو آخری زمانے میں اہل قبلہ پر نازل ہوگا۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔عذاب الٰہی ناگہانی صورت میں نازل ہوتا ہے اس کے لیئے روز و شب کا کوئی فرق نہیں ہے۔''بَيَاتًا اَوۡ نَهَارًا''

۲۔عقل مند وہ ہے کہ جو احتمال عذاب میں احتیاط کرے نہ کہ اس کے جلد نازل ہونے کی درخواست کرے۔

۳۔جب خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے تو پھر نجات کے راستے بند ہوجاتے ہیں۔''مَّاذَا يَسۡتَعۡجِلُ''

۴۔عذاب آنے کے وقت یا نزول عذاب کے بعد ایمان لانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

۵۔مشرکین روز اول سے ہی عذاب الٰہی کی جلد بازی کے خواہش مند ہیں۔''كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ۝۵۱''

آیت نمبر ۵۲

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾

ترجمۃ الآیات

پھر ظلم کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ رہنے والے عذاب کا ذائقہ چکھو جو تم کرتے رہے ہو اس کی سزا کے علاوہ تمہیں اور کیا دیا جا سکتا ہے؟ (۵۲)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں دنیاوی عذاب کا ذکر کیا گیا تھا اور اس آیت میں آخرت کے عذاب کا تذکرہ کیا گیا ہے اسی لیئے یہاں ''ذُوقُوا'' چکھو کا جملہ ہے ''يَذُوقُونَ'' وہ چکھیں گے کے الفاظ نہیں ہیں

پیغام:

۱۔ انبیاء کے تمام مخالف ظالم تھے۔ ظَلَمُوا سابقہ آیات پر توجہ کے ساتھ

۲۔ کچھ بدکار ایسے بھی ہیں جنہیں ابدی عذاب دیا جائے گا۔ ''عَذَابَ الْخُلْدِ''

۳۔ اُخروی جزا و سزا روحانی اور جسمانی ہوگی۔ ''قِيلَ ۔۔۔ ذُوقُوا''

۴۔ جزا و سزا عدل الٰہی کے مطابق ہوگی۔ ''هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾''

۵۔ انسان نیکی اور برائی میں آزاد ہے مجبور نہیں ہے۔ ''تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾''

آیت نمبر ۵۳

وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنْتُمْ

بِمُعۡجِزِیۡنَ﴿۵۳﴾

ترجمۃ الآیات

وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ جس خدائی جزاوسزا کا آپ وعدہ کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ آپ کہہ دیں جی ہاں، مجھے میرے پروردگار کی قسم یہ حق ہے اور تم خدا کو اس کے بجالانے سے عاجز نہیں کرسکو گے۔ (۵۳)

نکات:

☆ یہ آیت سورۃ طور کی آٹھویں آیت کے مشابہ ہے ''اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنۡ دَافِعٍ ﴿۸﴾'' تیرے رب کا عذاب یقیناً واقع ہونے والا ہے اس کے لیئے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔خدا کے تمام وعدے قطعی اور حتمی ہیں اِیۡ وَرَبِّیۡۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ اس آیت میں پہلے رب کی قسم کھائی گئی بعدازاں ''اِنَّ'' حرف مشبہ بالفعل سے اس میں تاکید پیدا کی گئی۔ بعدازاں ''لَحَقٌّ''میں لام تاکید لایا گیا۔

۲۔رہبر ایسا ہونا چاہیئے جو لوگوں کے شکوک اور اعتراضات کو دور کرے۔''قُلۡ''

۳۔اعتراضات کے جواب میں قطعی مؤقف اختیار کرنا چاہیئے۔''اِیۡ وَرَبِّیۡۤ''

۴۔بعض اوقات لوگوں کے شکوک اور اضطراب کو دور کرنے کے لیئے قسم کھانا ضروری ہوجاتا ہے۔''اِیۡ وَرَبِّیۡۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ''

۵۔نظام ہستی میں کوئی بھی طاقت خدا کے ارادہ کو روک نہیں سکتی۔''مَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ﴿۵۳﴾''

آیت نمبر ۵۴

وَلَوۡ اَنَّ لِكُلِّ نَفۡسٍ ظَلَمَتۡ مَا فِی الۡاَرۡضِ لَافۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٥٤﴾

ترجمۃ الآیات

اور جس جس نے ظلم کیا ہے اگر اس کے پاس روئے زمین کی تمام دولت بھی ہو تب بھی وہ (عذاب سے بچنے کے لیئے وہ پوری دولت) فدیہ دینے پر آمادہ ہو جائے گا اور جب وہ عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو دل ہی دل میں نادم ہوں گے اور ان کے درمیان انصاف کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (۵۴)

نکات:

☆ عذاب الٰہی سے نجات کے لیئے فدیہ دینے کی گفتگو اور مقامات پر بھی کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے۔ ''مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ... لَافْتَدَوْا بِهِ مِن سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' (رعد / ۱۸ زمر / ۴۷) اگر ان کے پاس دو برابر زمین بھی ہوتی تو بھی وہ اسے فدیہ میں دے کر اپنی جان چھڑاتے۔ سورۃ معارج میں ارشاد الٰہی ہے کہ مجرم چاہے گا کہ وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیئے اپنے بیٹوں کو فدیہ میں دیدے اور اپنی زوجہ اور اپنے بھائی کو بھی اور اس خاندان کو جو سے پناہ دیتا تھا اور روئے زمین پر تمام بسنے والوں کو پھر اپنے آپ کو نجات دلائے۔ (سورہ معارج / ۱۱۱ ۔ ۴)

پیغام:

۱۔ قیامت کے دن مجرم کے لیئے راہِ نجات نہیں ہوگی اور اس دن کوئی فدیہ دے کر اپنی جان نہیں چھڑا سکے گا۔ ''مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ''

۲۔ مجرم شماتت سے بچنے کے لیئے اپنی پشیمانی کو دل میں چھپانے کی کوشش کریں گے۔ ''وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ''

۳۔ انسان کو اپنی جان سے اتنی محبت ہے کہ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کے لیئے تمام کائنات کو فدیہ میں دینے پر آمادہ ہو جائے گا۔ ''مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ''

۴۔ قیامت کے دن کچھ لوگ اپنی پشیمانی کو ''ہائے کاش'' کے الفاظ سے ظاہر کریں گے۔ کچھ اپنے ہاتھوں کو کاٹ کر اپنی پشیمانی کا اظہار کریں گے اور کچھ خاموشی سے اسے چھپانے کی کوشش کریں گے۔ ''أَسَرُّوا النَّدَامَةَ''

۵۔ رہبران شرک اپنے چیلوں چانٹوں کے سامنے شرمندگی سے بچنے کے لیئے اپنی ندامت کو دل ہی دل

میں چھپانے کی کوشش کریں گے۔ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ (تفسیر مجمع البیان)

۶۔ کسی کی قوت و دولت اسے عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکے گی۔ ''مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴿۵۳﴾''

۷۔ عین ممکن ہے کہ دنیا میں قاضی کو اشتباہ لاحق ہو اور وہ غلط فیصلہ کر بیٹھے لیکن قیامت کے دن فیصلہ خدا کا ہوگا اور اسے کوئی اشتباہ لاحق نہیں ہوتا۔ اس کا ہر فیصلہ عدل و انصاف کے تقاضوں پر مبنی ہوگا اور کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی۔ ''قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴿۵۴﴾''

۸۔ ظالم پر بھی ظلم نہیں کرنا چاہیئے۔ ''ظَلَمَتْ، لَا يُظْلَمُوْنَ﴿۵۴﴾''

آیت نمبر ۵۵۔۵۶

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۵۵﴾

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۵۶﴾

ترجمۃ الآیات

آگاہ رہو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب خدا کی ملکیت ہے آگاہ رہو کہ اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن ان کی اکثریت نہیں جانتی۔ (۵۵)

وہی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ تم اس طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۵۶)

پیغام:

۱۔ صرف جان لینا ہی کافی نہیں ہے جانی ہوئی اشیاء پر غور و فکر ضروری ہے۔ ''اَلَآ''

۲۔ ہر چیز کا مالک خدا ہے۔ کوئی چیز کافروں کی نہیں ہے کہ وہ اسے اپنے لیئے فدیہ بنا سکیں۔ سابقہ آیت پر خصوصی توجہ کے ساتھ۔

۳۔ کائنات کی ہر چیز کا مالک خدا ہے اور اس کی مالکیت اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اپنے وعدوں کو پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ ''لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ.... اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ''

۴۔ جو کائنات کا مالک ہے وہ زندہ کرنے اور موت دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ ''لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ ۔۔۔ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ''

۵۔ موت وحیات اور ہر کام کا انجام پروردگار عالم کے دست قدرت میں ہے اور اسی کی طرف ہے۔ ''يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝۵۶''

آیت نمبر ۵۷

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۝۵۷

ترجمة الآيات

اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے پند ونصیحت آ چکی اور جو کچھ سینوں میں ہے وہ اس کی شفا اور ہدایت اور مومنین کے لیئے رحمت ہے۔ (۵۷)

نکات:

☆ ''مَّوْعِظَةٌ'' ایسے روک دینے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ تنبیہ شامل ہو۔ (مفردات راغب)

☆ ''وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ'' یعنی قرآن روحانی امراض سے نجات دے کر روح اور قلب کو پاک کرتا ہے۔ روحانی امراض جسمانی امراض سے زیادہ دردناک ہوتی ہیں اور قرآن کا کمال یہ ہے کہ وہ روحانی کرب والم سے نجات دیتا ہے۔

☆ رسول خدا کا فرمان ہے۔ ''اِذَا الْتَبَسَتْ عَلَيْكُمُ الْفِتَنُ كَاللَّيْلِ الْمُظْلِمِ فَعَلَيْكُمْ بِالْقُرْاٰنِ فَاِنَّهٗ شَافِعٌ مُّشَفَّعٌ'' جب تم پر فتنے تاریک رات کی طرح سے ٹوٹ پڑیں تو قرآن کی پناہ حاصل کرنا وہ ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت قبول کی جائے گی اور قرآن موعظہ ہے، شفا ہے، نور ہے اور رحمت ہے۔ (بحار جلد ۹۲ / ۱۷)

☆ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: ''شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ مِنَ الْاَمْرَاضِ الْخَوَاطِرِ وَ مُشْتَبِهَاتِ الْاُمُوْرِ'' یعنی قرآن تمام روحانی امراض اور تمام شبہات سے شفا بخشتا ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ یہ آیت تربیت وتکامل کے چار مراحل کی طرف اشارہ کرتی ہے جو کہ حسب ذیل ہیں۔

الف۔ظاہری معاملات کے لیئے پہلا مرحلہ وعظ ونصیحت کا ہے۔"مَّوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ"

ب۔دوسرا مرحلہ روح کورذائل سے پاک کرنے کا ہے۔"شِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوۡرِ"

ج۔تیسرا مرحلہ منزل کی طرف سفر کرنے کا ہے۔"هُدًى"

د۔چوتھا مرحلہ رحمت الٰہی کو حاصل کرنے کا ہے۔"رَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴿۵۷﴾"

پیغام:

ا۔ربوبیت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ انسانوں کو وعظ ونصیحت کی جائے اورانہیں روحانی اضطراب سے شفا بخشی جائے اوران کی رہنمائی کرکے انہیں رحمت کے قابل بنایا جائے۔مذکورہ تمام مقاصد کے لیئے اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا جس میں یہ ساری خوبیاں موجود ہیں۔چنانچہ قرآن بیک وقت موعظہ،شفاء،ہدایت اورسراپا رحمت ہے۔"مِّنۡ رَّبِّكُمۡ"

۲۔قرآن ہر درد کی شفاء ہے ہمیں چاہیئے کہ اپنے ہر درد کی دوا قرآن سے تلاش کریں نہ کہ مشرق ومغرب کے ازموں میں ان کا حل ڈھونڈیں۔"شِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوۡرِ"

۳۔قرآن تمام انسانوں کے لیئے موعظہ ہے جب کہ وہ صرف اہل ایمان کے لیئے شفاء،ہدایت اوررحمت ہے۔"يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ۔۔۔وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴿۵۷﴾"

آیت نمبر ۵۸

قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا ؕ هُوَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ﴿۵۸﴾

ترجمۃ الآیات

آپ کہہ دیں کہ (اہل ایمان کو صرف) اللہ کے فضل اوراس کی رحمت پرخوش ہونا چاہیئے اوریہ چیز (اس مال ومقام سے) بہتر ہے جسے وہ جمع کررہے ہیں۔(۵۸)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں قرآن کو اہل ایمان کے لیئے شفاء، ہدایت اور رحمت کیا گیا ہے۔ موجودہ آیت یہ واضح کرتی ہے کہ فضل و رحمت کا تعلق قرآن سے تمسک میں مضمر ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی یہ ندا کرے گا کہ ہر کاشت کار آفت میں مبتلا ہوتا ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے قرآن کے کھیت میں کاشت کاری کی ہے اس کے بعد حضرت علی نے فرمایا: ''فَكُوْنُوا مِنْ حَرَثَةِ الْقُرْاٰنِ'' لوگو! تم قرآن کے کاشت کار بنو۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۷)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے: مَنْ هَدٰهُ اللّٰهُ لِلْاِسْلَامِ وَ عَلَّمَهُ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ شَكَى الْفَاقَةَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ جس کسی کو خدا اسلام کی نعمت عطا کرے اور اسے قرآن کی تعلیم دے پھر بھی وہ فاقہ کشی اور غربت کی شکایت کرے تو اللہ اس کی پیشانی پر روز قیامت تک لیئے بدبختی کی مہر لگا دیتا ہے۔ پھر آنحضرتؐ نے یہ آیت پڑھی۔ (تفسیر نور الثقلین)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بیان کیئے گئے ہیں قرآن کے پیچھے چلو تا کہ تمہاری زندگی خوش نصیبوں کی سی زندگی ہو اور تمہاری موت شہداء کی موت جیسی ہو۔ تمہیں روز قیامت کی حسرت سے نجات ملے کیونکہ قرآن رحمان کا کلام ہے اور شر شیطان سے بچانے والا ہے اور میزان عمل کی برتری اور وزنی ہونے کا سبب ہے۔ (بحار جلد ۸۹/ ۱۹)

روایات میں فضل و رحمت کی تفسیر نبوت و امامت سے کی گئی ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ ''فضل'' خدا کی عام نعمت اور ''رحمت'' خدا کی خاص نعمت کو کہا جاتا ہے (تفسیر المیزان)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے کہ اہل ایمان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ نعمتِ دین کافروں کے تمام اموال سے بہتر ہے اور اس پر انہیں خوش ہونا چاہیئے۔ (تفسیر صافی)

پیغام:

۱۔ ہمیں قرآن کریم پر فخر کرنا چاہیئے کیونکہ قرآن شفاء ہے' موعظہ ہے، ہدایت ہے اور رحمت ہے اور قرآنی قوانین تمام انسانی قوانین سے بہتر ہیں۔ ''فَلْيَفْرَحُوْا''

۲۔ ہمیں مال و منصب سے ہٹ کر نعمتِ ولایت پر ناز کرنا چاہیئے۔ ''فَلْيَفْرَحُوْا''

۳۔ نعمات کو اللہ کا فضل سمجھنا چاہیئے اور انہیں اپنی محنت اور علم کا ثمر قرار نہ دیں تا کہ ہماری خوشی میں دینی رنگ پیدا ہو اور ہم تکبر سے محفوظ رہ سکیں۔ (تفسیر کبیر فخر رازی)

۴۔ ویسے تو خدا کی بے شمار نعمات ہیں لیکن ان میں قرآن سب سے عظیم نعمت ہے اس پر ہمیں خوشیاں منانا چاہئیں۔ ''بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ... فَلْيَفْرَحُوْا'' واضح رہے کہ ان الفاظ میں حصر پایا جاتا ہے

۵۔ مادی نعمت کبھی فتنہ وفساد کا سبب بن جاتی ہے اور وہ جلد ختم ہو جاتی ہے جب کہ معنوی نعمات پائیدار اور سبب ہدایت ہوتی ہیں۔ ''خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ۝۵۸''

۶۔ معنوی نعمات تمام مادی نعمات سے افضل ہیں۔ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ۝۵۸ جسے خدا کی طرف سے قرآن کا حصہ نصیب ہوا ہو تو اسے غربت وافلاس کا شکوہ نہیں کرنا چاہیئے۔

آیت نمبر ۵۹

قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْہُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰہُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰہِ تَفْتَرُوْنَ۝۵۹

ترجمۃ الآیات

آپ کہہ دیں کہ کیا تم نے یہ دیکھا ہے کہ جو رزق اللہ نے تمہارے لیئے نازل کیا ہے تم نے (اپنی طرف سے) کچھ کو حلال اور کچھ کو حرام قرار دیا ہے۔ آپ کہہ دیں کہ کیا خدا نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا تم خدا پر جھوٹ باندھ رہے ہو۔ (۵۹)

نکات:

☆ کافروں نے کچھ چیزوں کو از خود حرام قرار دیا تھا اور سورۃ مائدہ کی ۱۰۳ ویں آیت اس کے کچھ نمونے بیان کیئے گیئے ہیں: ''مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْۢ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ وَّلَا وَصِیْلَۃٍ وَّلَا حَامٍ'' اللہ نے نہ کوئی بحیرہ بنایا ہے نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام۔

وضاحت:۔ ''بَحِیْرَۃ'' اس اونٹنی کو کہا جاتا تھا جو پانچ مرتبہ بچے جن چکی ہو اور چھٹی بار بچہ نہ ہوا ہو اس کا کان چیر کر نشان لگاتے تھے پھر اس سے کوئی کام نہ لیا جاتا تھا اور نہ اسے ذبح کیا جاتا تھا ''سَآئِبَۃ'' اس اونٹنی کو کہا جاتا تھا جو کسی کافر کی باسلامت واپسی یا بیمار کی شفایابی کے لیئے منت مانی جاتی تھی اور کہتے تھے کہ اگر مسافر سلامتی سے واپس آ گیا یا بیمار تندرست ہو گیا تو میں اپنی ناقہ کو ''سَآئِبَۃ'' بنادوں گا۔ جب اونٹنی سائبہ بن جاتی تو اس سے کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔ ''وَصِیْلَۃ'' بکری کا پہلا بچہ اگر مادہ ہوتا تو اپنے لیئے رکھ لیتے تھے اگر نر ہوتا تو اپنے خداؤں کے نام پر اسے ذبح کر دیتے تھے

اور اگر نر اور مادہ ایک ساتھ پیدا ہوتے تو نر کو خداؤں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اور اس کا نام ''وَصِيْلَه'' ہوتا تھا۔

''حَامٍ'' جب کسی اونٹ کا پوتا سواری کے قابل ہو جاتا تو بوڑھے اونٹ کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اس اونٹ کو ''حَامٍ'' کہا جاتا تھا (اضافہ از مترجم)

زمانہ جاہلیت کا دستور تھا کہ اپنی کھیتی کا کچھ حصہ اپنے خداؤں اور بت کدوں کے لیئے مقرر کر دیتے تھے اور اپنے لیئے اسے حرام سمجھتے تھے اسی طرح سے ایک عجیب وغریب رواج یہ بھی تھا کہ اگر جانور کو ذبح کرتے وقت اس کے پیٹ میں سے بچہ برآمد ہوتا تو اس بچے کو ذبح کرتے اور وہ مردوں کے لیئے حلال ہوتا تھا اور عورتوں کے لیئے حرام ہوتا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے: ''وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا'' (انعام/۱۳۹) قرآن حکیم نے مشرکین کی ان رسومات کو خدا پر افتراء قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سب کچھ ان کا ساختہ پرداختہ ہے۔

پیغام:

۱۔ خوردنی اشیاء کے لیئے کلی اصول یہ ہے کہ ہر چیز حلال ہے جب تک اس کی حرمت وحی کے ذریعہ سے ثابت نہ ہو۔ ''مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ ''

۲۔ رزق خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ ''اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ ''

۳۔ احکام شریعت میں شارع سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے لہٰذا خدا کی حلال کردہ اشیاء کو حرام اور حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار نہیں دینا چاہیئے۔ ''فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ''

۴۔ قانون اور شریعت سازی کا حق صرف خدا کو حاصل ہے۔ ''آللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ ''

۵۔ جنہیں خدا نے ''ولایت تشریعی'' کا حق دیا ہے وہ اذن الٰہی سے چیزوں کو حلال اور حرام کر سکتے ہیں۔ ''آللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ ''

۶۔ بدعت پر مبنی قانون بنا کر اسے خدا سے منسوب کرنا جرم ہے۔ ''جَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ۝۵۹ ''

۷۔ قرآن کریم ان تمام غلط رسومات وعادات کو قابل مذمت قرار دیتا ہے۔ جن کی تائید وحی الٰہی سے نہ ہوئی ہو۔ ''عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ۝۵۹ ''

آیت نمبر ٦٠

وَمَا ظَنُّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ۝٦٠

ترجمۃ الآیات

وہ لوگ جو خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں قیامت (کی جزا سزا) کے متعلق کیا گمان رکھتے ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت شکر گزار نہیں ہے۔(٦٠)

نکات:

☆ایک شخص کو خدا نے کافی دنیاوی مال دیا تھا لیکن وہ اتنا کنجوس تھا کہ اس کے کپڑے صاف نہیں ہوتے تھے اور وہ ہمیشہ ژولیدہ مُو بن کر پھرا کرتا تھا آنحضرتؐ نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ شخص اپنا خیال کیوں نہیں رکھتا پھر آپؐ نے اس سے فرمایا کہ خدا کی نعمت کو ظاہر کر اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ بندہ پر اس کی نعمات کے آثار نظر آنے چاہئیں ''فان اللہ یحب ان یری اثرہ علی عبدہ حسنا''

پیغام:

ا۔خدا پر جھوٹ باندھنا بدترین جرم ہے اور خدا نے اس کے لیئے سزا مقرر کر رکھی ہے۔ خدا کی طرف سے مہلت پا کر انسان کو مغرور نہیں ہونا چاہیئے اور قیامت کی شرمندگی اور سزا سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔''مَا ظَنُّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ''

٢۔خدائی نعمات کو حرام قرار دینا دنیاوی محرومیت اور آخرت کی سزا کا سبب ہے۔''مَا ظَنُّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ ....يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ''

٣۔نعمات الٰہی سے استفادہ کرتے وقت انسان کو اعتدال میں رہنا چاہیئے۔ نعمات حاصل کر کے شہوات و لذات میں کھو جانا چاہیئے۔اور رزق حلال سے اپنے آپ کو محروم بھی نہیں رکھنا چاہیئے۔''اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ''

٤۔نعمات خدا کا فضل ہیں۔ ہمارا استحقاق نہیں ہیں لہٰذا ہمیں شکر گزار ہونا چاہیئے۔'' اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ

...لَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۶۰﴾''

۵۔خدا کی حلال کردہ اشیاء کو حرام قرار دینا ناشکری کا اظہار ہے۔

آیت نمبر ۶۱

وَمَا تَكُوۡنُ فِىۡ شَاۡنٍ وَّمَا تَتۡلُوۡا مِنۡهُ مِنۡ قُرۡاٰنٍ وَّلَا تَعۡمَلُوۡنَ مِنۡ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيۡكُمۡ شُهُوۡدًا اِذۡ تُفِيۡضُوۡنَ فِيۡهِ‌ؕ وَمَا يَعۡزُبُ عَنۡ رَّبِّكَ مِنۡ مِّثۡقَالِ ذَرَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصۡغَرَ مِنۡ ذٰ لِكَ وَلَاۤ اَكۡبَرَ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۶۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور آپ جس حال میں ہوتے ہیں اور قرآن کے جس بھی حصہ کی تلاوت کر رہے ہوتے ہوں اور تم لوگ جو بھی عمل کرتے ہو ہم تم پر شاہد ہوتے ہیں اور تیرے پروردگار سے زمین و آسمان کی ذرہ برابر یا اس سے چھوٹی یا کوئی بڑی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور ہر چیز روشن کتاب میں موجود ہے۔(۶۱)

نکات:

☆''کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۶۱﴾'' یعنی لوح محفوظ۔خدا کا وسیع علم تمام موجودات عالم کو محیط ہے انسان کے اعمال پر خدا کی نظر ہے اور زمین و آسمان کی ہر چھوٹی بڑی چیز خدا کے احاطۂ علم میں ہے۔

☆امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب بھی اس آیت مجیدہ کی تلاوت کرتے تو آپ بے حد گریہ کیا کرتے تھے۔تفسیر مجمع البیان

پیغام:

۱۔رسول اکرمؐ رہبر و رہنما تھے اسی لیئے ان کے ہر کام کی بڑی اہمیت ہے۔''مَا تَكُوۡنُ فِىۡ شَاۡنٍ''

۲۔صرف عام مخلوقات پر ہی نہیں رسول خداؐ پر بھی خدا کی نظر ہے۔''وَمَا تَكُونُ ۔۔۔۔اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا''

۳۔اللہ انسان کے افکار شَأْنٍ اس کی گفتار تَتْلُوْا اور اس کے کردار کا شاہد ہے۔''لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا''

۴۔تلاوت قرآن کے وقت خصوصی احتیاط کرنی چاہیئے کہ قرآن غلط نہ پڑھا جائے اور تلاوت قرآن کے لیئے اللہ خصوصی گواہ ہوتا ہے۔''مَا تَتْلُوْا ۔۔۔۔اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا''

۵۔اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تین چیزوں کے متعلق اپنی گواہی کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۔پیغمبر اکرمؐ کے تمام کام۔ ۲۔لوگوں کے تمام کام۔ ۳۔تلاوت قرآن۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن کا بہت بڑا مقام ہے جسے پیغمبر اور تمام انسانوں کے کاموں کے برابر بیان کیا گیا ہے۔

۶۔پوری کائنات خدا کے حضور موجود ہے اور خدا ہمارے اعمال کا شاہد ہے اب خدا کی طرف سے انسان کو جو مہلت ملتی ہے وہ خدا کی غفلت اور عدمِ تسلط کی دلیل نہیں ہے۔''كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا''

۷۔اللہ اور اس کے فرشتے ہمارے اعمال کے گواہ ہیں۔''كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا''

۸۔جب انسان خدا کے حضور توجہ کرے گا تو اسے اس کی نافرمانی سے شرم وحیا محسوس ہوگی۔''شُهُوْدًا''

۹۔زمین وآسمان، دور ونزدیک، چھوٹے بڑے کے لیئے خدا کا علم یکساں ہے۔''مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ، فِي الْاَرْضِ، فِي السَّمَآءِ، اَصْغَرَ، اَكْبَرَ''

آیت نمبر ۶۲ ۔ ۶۳

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمۃ الآیات

آگاہ رہو کہ اللہ کے اولیاء پر کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔(۶۲)
وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کا شیوہ پرہیزگاری ہے۔)۶۳)

نکات:

☆ان آیات میں اولیائے الٰہی کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں اولیاء کا شعار یہ ہے: ''اِنَّا نَخَافُ مِنۡ رَّبِّنَا ...'' (دہر/ ۱۰) ہم اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ اور خوف خدا سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور تقویٰ کا ثمر یہ ہے۔ ''لَا یَحۡزُنُہُمُ الۡفَزَعُ الۡاَکۡبَرُ'' (انبیاء/ ۱۰۳) انہیں بڑی سے بڑی پریشانی بھی غمگین نہیں کرے گی۔ اولیائے الٰہی سے خدا نے خوف کو دور رکھا ہے۔ وہ دنیا میں بھی بے خوف ہوں گے اور آخرت میں بھی بے خوف ہوں گے۔ ''لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ''

☆رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اولیاء اللہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

۱۔ان کی خاموشی ذکر ہوتی ہے۔ ۲۔ان کی نگاہ عبرت ہوتی ہے۔ ۳۔ان کی گفتگو حکمت ہوتی ہے۔ ۴۔ان کا عمل معاشرے کے لیئے باعث برکت ہوتا ہے۔ (تفسیر صافی)

☆حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے اولیاء کو انسانوں میں مخفی رکھا ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کی تحقیر نہ کرنا ممکن ہے کہ وہ ولی ہو اور تمہیں اس کا علم نہ ہو۔ (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔ جو خدا کا ولی ہوتا ہے خدا بھی اس کا ولی ہوتا ہے۔ ''اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ''

۲۔اللہ سے ڈرنے والا اور کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ ''لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ''

۳۔اولیاء اللہ کا مستقبل روشن ہوتا ہے اور انہیں خوف و خطر نہیں ہوتا۔ ''اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿ۚ۶۲﴾''

۴۔اولیاء کی خصلت ایمان اور تقویٰ ہوتی ہے۔ ''اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿ؕ۶۳﴾''

۵۔ایمان اور دائمی تقویٰ سے پریشانیوں سے نجات ملتی ہے اور اس کی بدولت انسان مقام ولایت پر قدم رکھتا ہے۔ ''اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ ... اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿ؕ۶۳﴾''

آیت نمبر ۶۴

لَہُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ؕ لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿ؕ۶۴﴾

ترجمۃ الآیات

ان (اولیاء اللہ) کے لیئے دنیاوی زندگی اور آخرت میں بشارت ہے خدا کے کلام میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوتا۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔ (۶۴)

نکات:

☆اہل ایمان وتقویٰ کوحسب ذیل ذرائع سے خوش خبری نصیب ہوتی ہے۔ ۱۔انہیں سچے خواب دکھائی دیتے ہیں۔ ۲۔خدائی الہامات سے ان کی راہنمائی ہوتی ہے۔ ۳۔خدا کی طرف سے ان پر تسکین وآرام نازل ہوتا ہے۔ ۴۔ان کے خلاف ہونے والی سازشوں کوخدا ناکام کردیتا ہے۔ ۵۔ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ۶۔موت کے وقت معصومینؑ کا دیدار ہوتا ہے۔ ۷۔آخرت میں انہیں الٰہی نعمات حاصل ہوں گی۔

☆حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو دنیا میں سچے خواب دکھائی دیتے ہیں اور ان میں سے اسے خوش خبری دی جاتی ہے۔موت کے وقت اسے اُخروی بشارت دی جاتی ہے کہ تیرے بھی گناہ معاف کردیئے گئے اور جو تیرا جنازہ اٹھا کر قبر کی طرف لے جارہے ہیں ان کے بھی گناہ معاف کردیئے گئے ہیں۔ (تفسیر نور الثقلین)

ابوحمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: موت کے وقت محمد وعلی علیہما السلام مومن کے پاس تشریف لے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ تمہارا مستقبل تمہارے ماضی سے بہتر ہے۔ تیری روح رضائے پروردگار سے الحاق کرنے والی ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو دنیا کی زندگی میں بہت سی بشارتیں دی ہیں جو کہ قرآن کریم کی مختلف آیات میں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔اولیائے الٰہی کو اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ ''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' (الرعد/ ۲۸) آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

۲۔صاحبان ایمان توکل سے مالامال ہوتے ہیں۔ ''فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ'' (آل عمران/ ۱۲۲) مومنین کو اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

۳۔خدا کی طرف سے انہیں غیبی امداد حاصل ہوتی ہے وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (احزاب/ ۹) خدا نے تمہاری مدد کے لیئے ایسے لشکر نازل کیئے جو تمہیں دکھائی نہیں دیئے تھے۔

۴۔اہل ایمان ہمیشہ بھلائی کے امیدوار رہتے ہیں۔ ''اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ'' (توبہ/ ۵۲) دو میں سے ایک

بھلائی۔

۵۔اہل ایمان دانش اور نور کے حامل ہوتے ہیں۔'' یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ فُرۡقَانًا '' (انفال/۲۹) تمہارے لیئے امر فارق پیدا کرے گا۔

۶۔اہل ایمان بندگی میں محصور نہیں ہوتے ان کی نجات کے لیئے خدا کوئی نہ کوئی راستہ کھول دیتا ہے'' یَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا '' (طلاق/۲) اللہ اس کے لیئے تنگی سے نکلنے کا راستہ مقرر کرے گا۔

۷۔ان کے اعمال بے ثمر نہیں ہوں گے'' فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَیۡرًا یَّرَهٗ '' (زلزال/۷) جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔

۸۔اہل ایمان ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں گھبراتے۔'' وَلَا یَخَافُوۡنَ لَوۡمَةَ لَآئِمٍ ''، (مائدہ/۵۴) وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

۹۔وہ دشمنوں کے اژدھام سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔'' اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِیۡمَانًا ''، (آل عمران/۱۷۳) جب انہیں کہا گیا کہ لوگ تمہارے خلاف جمع ہو چکے ہیں ان سے ڈرو تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو گیا۔

۱۰۔وہ کسی طاغوت زمانہ سے نہیں گھبراتے۔'' فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ '' (طٰہٰ/۷۲) جو کچھ تو نے فیصلہ کرنا ہے کر دے۔

۱۱۔وہ حیرت و سرگردانی میں مبتلا نہیں ہوتے۔'' یَهۡدِیۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِیۡمَانِهِمۡ '' (یونس/۹) ان کا پروردگار ان کے ایمان کے ذریعہ سے انہیں رہنمائی کرتا ہے۔

۱۲۔خدا لوگوں کے دلوں میں ان کے لیئے محبت پیدا کر دیتا ہے۔'' سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا '' (مریم/۹۶) رحمان ان کے لیئے محبت پیدا کر دے گا۔

۱۳۔اہل ایمان کو خدا کی طرف سے یہ اعزاز حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے فانی کارناموں کو رنگ الٰہی کے ساتھ جاویداں بنا دیتے ہیں'' صِبۡغَةَ اللّٰهِ '' البقرہ/۱۳۸ یہ اللہ کا رنگ ہے۔

پیغام:

۱۔اولیائے الٰہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ دنیا بھی رکھتے ہیں اور آخرت بھی رکھتے ہیں۔'' لۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا۔۔۔۔وَفِی الۡاٰخِرَةِ ''

۲۔خدائی وعدے حتمی اور قطعی ہیں۔'' لَهُمُ الۡبُشۡرٰی۔۔۔۔لَا تَبۡدِیۡلَ۔۔۔۔ ''

۳۔ عظیم کامیابی اہل ایمان وتقویٰ کا مقدر ہے۔ ''اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۶۳ ۔۔۔ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۶۴''

آیت نمبر ۶۵

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۵

ترجمۃ الآیات

مخالفین کی عادتیں آپ کو غمگین نہ کریں۔ کیونکہ تمام عزت اللہ کے لیئے ہے وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (۶۵)

نکات:

☆ کفار رسول اکرمؐ کو اذیتیں دیا کرتے تھے۔ وہ آپ کو کاہن، ساحر، شاعر اور مجنون کہتے تھے اور کبھی کبھار وہ یہ کہتے تھے کہ پیغمبر اکرمؐ کو ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے یہ بھی ہماری طرح سے ایک عام انسان ہیں۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (ابراہیم/۱۰) تم لوگ ہم جیسے انسان ہو۔ کبھی وہ کہتے کہ ایک گروہ اس کو باتیں بنا بنا کر دیتا ہے جسے یہ وحی کے عنوان سے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ (فرقان/۴) کچھ اور لوگوں نے اس کی مدد کی ہے۔ کبھی کہتے کہ اگر ہم چاہیں تو قرآن کی طرح سے باتیں پیش کر سکتے ہیں۔ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ (انفال/۳۱) اگر ہم چاہیں تو ایسی باتیں خود بھی کہہ سکتے ہیں۔ کبھی وہ کہتے تھے کہ قرآن سابقہ اقوام کی داستان کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (نحل/۲۴) کفار آنحضرتؐ کے پیروکاروں کے متعلق کہتے تھے کہ وہ ذلیل اور گھٹیا لوگ ہیں۔ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا (ہود/۲۷) ہم دیکھ رہے ہیں کہ تیرے پیروکار انتہائی حقیر لوگ ہیں۔ جب کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ کفار کی تمام تر تحقیر کے باوجود پیغمبرؐ اور اہل ایمان محترم و معزز ہوں۔

☆ عزت کا مطلب نفوذ ناپذیر ہونا ہے۔ چنانچہ اللہ صاحب عزت ہے اور رسولؐ اور اہل ایمان صاحبانِ عزت ہیں۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (منافقون/۸) عزت اللہ، اس کے رسولؐ اور اہل ایمان کے لیئے ہے۔ اسی طرح سے کتابِ دین بھی محترم ہے ''وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝۴۱'' (فصلت/۱۴) بے شک وہ عزت والی کتاب ہے۔

پیغام:

۱۔دشمن کے پروپیگنڈے کا مقصد دین اور امت اسلامی کی تحقیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو تسلی دی ہے کہ کفار کا یہ مقصد کبھی پورا نہ ہوگا۔"لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ"

۲۔مومن کو کفار کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو کمزور نہیں سمجھنا چاہیئے۔"لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ"

۳۔اللہ اپنے دوستوں کا پشت پناہ ہے اور اس نے دین اور انبیاء کی کامیابی کی ضمانت دی ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے۔"كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾" (مجادلہ/۲۱) اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں غالب آؤں گا اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ بے شک اللہ قوت اور عزت والا ہے۔"لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ"

۴۔عزت خدا کے ہاتھ میں ہے اور کسی کے کہنے سننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ"

آیت نمبر ۶۶

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمۃ الآیات

آگاہ رہو کہ جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے وہ سب کے سب خدا کی ملکیت ہیں اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر اپنے شریکوں کو پکارتے ہیں وہ دراصل خود ان کی بھی پیروی نہیں کرتے وہ صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں وہ صرف اندازوں سے کام لیتے ہیں۔(۶۶)

نکات:

☆اس آیت مجیدہ کے الفاظ کے متعلق ایک امکان یہ ہے کہ ''وَمَا يَتَّبِعُ'' سوال ہو اور ''اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ'' اس کا جواب بھی ہو۔ اس صورت میں ترجمہ آیت یہ بنے گا کہ جو لوگ خدا کو چھوڑ کر اپنے خیالی معبودوں کے پیچھے چل رہے ہیں یہ کسی کی پیروی کرر ہے ہیں؟ اور اس کا جواب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اپنے گمانوں کے علاوہ اور کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حرف ''مَا'' ''مَنۡ'' پر عطف ہو۔ اور اس صورت میں یہ مفہوم ہوگا کہ مشرکین جنہیں خدا کا شریک سمجھتے ہیں وہ بھی خدا کے مملوک ہیں۔

پیغام:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی علی الاطلاق مالکیت اس کی توحید اور عزت کامل دلیل ہے۔ ''اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ۔۔۔ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ''

۲۔ کائنات کا ہر ذرہ خدا کی ملکیت ہے آخر تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم مملوک کو مالک کا شریک بنا رہے ہو؟ ''لِلّٰهِ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ''

۳۔ آسمانوں میں ذوی العقول مخلوق رہتی ہے جیسا کہ لفظ ''مَنۡ'' سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے۔ یہ لفظ اس موجود پر استعمال ہوتا ہے جو صاحب شعور ہو۔

۴۔ مشرکین کے ہاں کوئی منطق اور علمی دلیل موجود نہیں ہے۔ ''اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ''

۵۔ مشرکین اپنے خود ساختہ معبودوں کی بجائے اپنے خیالات واوہام کی پیروی کرتے ہیں جب کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ ''اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ۝۶۶''

آیت نمبر ۶۷

هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيۡلَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ۝۶۷

ترجمۃ الآیات

وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیئے رات بنائی ہے تا کہ تم اس میں آرام کرسکو اور دن کو روشنی بخش بنایا (تا کہ تم کام کاج کرو) یقیناً اس (حکیمانہ نظام وتدبیر) میں اس گروہ کے لیئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔(٦٧)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں خدا کی مالکیت کو بیان کیا گیا اور اس آیت میں نظامِ ہستی میں اس کی حکیمانہ تدبیر کو واضح کیا گیا ہے۔

☆ روح کی تسکین کے لیئے تلاوت، نماز شب، تسبیح، قنوت، سجود اور شب زندہ داری کی سفارش کی گئی ہے۔

پیغام:

١۔ روز وشب کی پیدائش گہری تدبیر کے تحت انسان کے اہداف کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے۔ روز وشب کی آمد ورفت میں بڑی حکمت مضمر ہے۔ ''جَعَلَ.... لِتَسۡكُنُوۡا''

٢۔ رات آرام کے لیئے ہے خواہ وہ جسمانی ہو یا روحانی ہو۔ ''لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ''

آیت نمبر ٦٨

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ الۡغَنِىُّ ؕ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۢ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝٦٨

ترجمۃ الآیات

انہوں (مشرکین) نے کہا ہے کہ خدا نے بیٹا بنایا ہے۔ وُہ منزہ ہے وہ بے نیاز ہے جو کچھ

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب کا سب اسی کا ہے۔ تمہارے پاس اس گفتگو کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے کیا تم اللہ پر وہ باتیں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟ (۶۸)

نکات:

☆ ''اِتِّخَاذِ وَلَد'' کا معنیٰ ہے کہ کسی کو کوئی شخص اپنا بیٹا بنا لے جب کہ وہ حقیقی طور پر اس کا بیٹا نہ ہو۔ مشرکین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ یہودی حضرت عزیر کو ابن اللہ کہتے تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ جب عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ کو خریدا اور انہیں اپنے گھر لے گیا تو اس نے اپنی بیوی سے یہ کہا تھا ''نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا'' ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں گے۔ (یوسف/۲۱) اسی طرح سے جب حضرت موسیٰ فرعون کی زوجہ حضرت آسیہ کے ہاتھ لگے تو انہوں نے اپنے خاوند سے یہ کہا تھا: ''لَا تَقْتُلُوْہُ عَسٰی اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا'' (قصص/۹) اسے قتل نہ کرو ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ دے جائے یا یہ کہ ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔

پیغام:

۱۔ اللہ تنہائی سے وحشت محسوس نہیں کرتا کہ اسے مانوس ہونے کے لیئے بیٹے کی ضرورت پڑے۔ اسے اپنی ملکیت کے لیئے وارث کی ضرورت نہیں ہے کہ اسے فرزند کی احتیاج محسوس ہو۔ اسی طرح سے وہ نہ تو مددگار اور معاون کا محتاج ہے اور نہ ہی اسے بقائے نوع کی ضرورت ہے۔ اسی لیئے اسے یہ ضرورت ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ ''سُبْحٰنَہٗ ھُوَ الْغَنِیُّ''

۲۔ دینی عقائد کے لیئے دلیل و برہان کا ہونا ضروری ہے۔ ''اِنْ عِنْدَکُمْ مِّنْ سُلْطٰن''

۳۔ بے دلیل اور بے علم بات کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ ''اِنْ عِنْدَکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ... مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾''

آیت نمبر ۶۹ ۔ ۷۰

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُھُمْ ثُمَّ نُذِیْقُھُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمۃ الآیات

آپ کہہ دیں کہ جو لوگ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے۔(۶۹)
یہ دنیا کی عیش ہے پھر انہیں لوٹ کر ہماری طرف آنا ہے پھر ہم انہیں سخت عذاب کا ذائقہ چکھائیں گے کیونکہ وہ کفر کیا کرتے تھے۔(۷۰)

نکات:

☆''مَتَاعٌ اور مُتْعَه'' تھوڑے عرصہ کی عیش کو کہا جاتا ہے۔ دنیاوی زندگی بہت کم ہے۔ اس کے فوائد وثمرات اور بھی کم ہیں اسی لیئے قرآن کریم میں دنیاوی فوائد کو لفظ''مَتَاعٌ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

☆سوال۔ اگر افترا پرداز افراد کو کامیابی نصیب نہ ہوگی تو ایسے افراد کو ہم مادی زندگی میں عیش وآرام میں کیوں دیکھتے ہیں؟

جواب۔ یہ عیش وآرام وقتی ہے مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا جب کہ ان کا انجام دوزخ کا عذاب ہے۔ لہٰذا چندروزہ عیش وآرام بھی ان کی کامیابی کی دلیل نہیں ہے۔

پیغام:

۱۔ وہ لوگ جو شفاعت کی لالچ میں کسی انسان کو خدا کا فرزند سمجھتے ہیں ایسے لوگ اپنے ہدف کو حاصل نہیں کرسکیں گے۔ ''قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ... لَا يُفْلِحُوْنَ۝۶۹''

۲۔ جھوٹے انسان کے مقدر میں کامیابی نہیں ہوتی۔''الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ ... لَا يُفْلِحُوْنَ۝۶۹''

۳۔ وقتی کامیابی کے نتیجہ میں اگر ابدی عذاب حاصل ہو تو ایسی کامیابی کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔''مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا، نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ''

۴۔ دنیاوی لذات چندروزہ ہیں۔''مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا''

۵۔ قیامت کی یاد انسان کو انحراف اور گناہوں سے بچانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔''اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ''

۶۔ بدعات، تحریفات، تفسیر بالرائے اور خدا کے لیئے فرزند کا عقیدہ کفر میں شامل ہے۔''بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ۝۷۰''

آیت نمبر ۷۱

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾

ترجمۃ الآیات

اور آپ انہیں نوح کا واقعہ سنائیں جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اگر میرا تمہارے درمیان رہنا اور آیات الٰہی کے ذریعہ سے نصیحت کرنا تمہارے لیئے نا قابل برداشت ہو چکا ہے تو میں نے اللہ پر ہی بھروسہ کیا ہے۔ مجھے کسی چیز کا خوف نہیں ہے پس تم اور تمہارے شریک اپنی فکر کو جمع کرلو تا کہ تم نے جس بھی سلوک کا فیصلہ کرنا ہے کرلو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔(۷۱)

نکات:

☆اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کی استقامت اور دشمن کی دھمکیوں کے مقابلہ میں خدا کی غیبی امداد پر ان کے یقین کو بیان کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ وہ دشمنوں کی دھمکیوں سے ذرہ بھی مرعوب نہیں ہوئے تھے۔

☆روایات بیان کرتی ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے میدان کربلا میں نماز ظہر سے پہلے لشکر یزید کے سامنے یہ آیت پڑھی تھی۔

پیغام:

۱۔لوگوں کو اہم اور فائدہ مند تاریخی واقعات اور فلسفہ تاریخ سے آگاہ کرنا رہبر کی ذمہ داری ہے۔''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ''

۲۔انبیاء کا تعلق عوام سے تھا اور وہ اپنے مخالفین کے آخری لحات تک بھی انہیں بھلائی کی دعوت دیتے رہے۔'' لِقَوْمِهٖ ''

۳۔جب دل ہی سیاہ ہوجائیں تو پھر انبیاء کی پند و نصیحت بھی ناگوار گزرنے لگتی ہے۔''كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ ''

۴۔انبیاء کی استقامت اور مبارزہ طلبی کا اہم سبب یہ تھا کہ انہیں اپنے مقصد کی صداقت پر یقین تھا۔''اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ....فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ ''

۵۔انبیاء اپنے مخالفین کو مبارزہ کے لیئے طلب کرتے ہیں۔''اَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ ''

۶۔انبیاء خدا پر توکل رکھتے تھے اور مخالفین کی قوت کو حقیر جانتے تھے اور اہل ایمان کو درسِ شجاعت دیتے تھے اور ہر طرح کی مخالف قوتوں کو بیکار سمجھتے تھے۔اَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ....ثُمَّ اقْضُوْٓا واضح رہے کہ مکہ میں مسلمان اقلیت میں تھے مکہ کے ماحول میں رہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان آیات کو تلاوت کیا تھا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شجاعت کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز تھے۔

۷۔صحیح تدبر، تمام قوتوں کو جمع کرنا اور حتمی فیصلہ پر ہی مبارزہ کا دارومدار ہے۔''اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ''

۸۔انبیاء شہادت سے خوف زدہ نہیں تھے۔''ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ۝۷۱ ''

آیت نمبر ۷۲

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۝۷۲

ترجمة الآيات

اگر تم (دعوتِ الٰہی سے) پشت کرتے ہوتو میں نے تم سے کوئی اُجرت طلب نہیں کی ہے۔ میرا اجر تو بس اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں فرماں بردار ہو جاؤں۔(۷۲)

نکات:

☆عام طور پر پریشانی یا جان کی وجہ سے ہوتی ہے یا مال کی وجہ سے ہوتی ہے سابقہ آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ اللہ کے نبی نوح کو کافروں کی سازشوں کی کوئی پرواہ نہ تھی جب کہ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت نوح کو ان کی دولت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

پیغام:

۱۔لوگ انبیاء کے پیغام کو قبول کریں یا نہ کریں انبیاء کی دعوت پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔''مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ''

۲۔کامیاب مبلّغ کے لیئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کی دولت پر نظر نہ رکھتا ہو۔اور تبلیغ اسلام کے لیئے اجرت کا طلبگار نہ ہو۔''مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ''

۳۔انبیاء اپنی تبلیغ کے عوض لوگوں سے نہ تو دولت کا سوال کرتے ہیں اور نہ ہی ذاتی خدمت چاہتے ہیں۔''مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ''

۴۔اگر تمام لوگ بھی دین سے منحرف ہو جائیں تو اس سے رہبر الٰہی کی تبلیغ میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ دین الٰہی کے سامنے سراپا تسلیم ہوتا ہے۔''فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ ,اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴿۷۲﴾''

۵۔جسے اُخروی جزا کا یقین ہوتا ہے۔تو وہ دنیاوی اجرت سے لاتعلق ہو جاتا ہے۔''اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ''

۶۔تمام انبیاء خدا کے حضور سراپا تسلیم تھے۔''مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴿۷۲﴾''

۷۔وہ چاہتا ہو کہ لوگوں کو خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی تبلیغ کرے تو چاہیئے کہ سب سے پہلے وہ خود وادی تسلیم میں قدم رکھے۔''اُمِرْتُ....مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴿۷۲﴾''

۸۔اگر عصر حاضر کے لوگ حق سے اعتراض کریں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔تاریخ میں سراپا تسلیم افراد دکھائی دیتے ہیں تم ان سے الحاق پیدا کرو۔''مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴿۷۲﴾''

آیت نمبر ۷۳

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ

وَاَغۡرَقۡنَا الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَانۡظُرۡ كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ ﴿۷۳﴾

ترجمۃ الآیات

انہوں (افرادِ قوم) نے نوح کی تکذیب کی تو اس وقت ہم نے اسے اور جو لوگ اس کے ساتھ کشتی میں تھے انہیں نجات دی اور ہم نے انہیں (زمین میں) جانشین بنایا اور جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی ہم نے انہیں غرق کیا۔ پس دیکھو جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا ان کا انجام کیا ہوا؟ (۷۳)

نکات:

☆ حضرت نوحؑ پر اسی (۸۰) انسان ایمان لائے تھے جب کہ باقی تمام لوگ کافر تھے۔ اللہ کی امداد ان کے شامل حال ہوئی کافر برباد ہوئے اور اہل ایمان زمین کے وارث قرار پائے۔ (تفسیر مجمع البیان)

☆ اس آیت میں اہل ایمان کے نیک انجام اور دعوت انبیاء کے منکرین کی ہلاکت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پیغام:

۱۔ صرف ایمان لانا ہی کافی نہیں ہے رہبران دین کی مدد اور ان کی معیّت بھی ضروری ہے اور یہی چیز ذریعہ نجات ہے۔ اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے ''اٰمَنُوۡا بِہٖ'' کی بجائے ''مَنۡ مَّعَهٗ'' کے الفاظ استعمال فرمائے۔

۲۔ ایمان و استقامت کا نتیجہ نجات اور حکومت ہے۔ ''نَجَّیۡنٰهُ، جَعَلۡنٰهُمۡ خَلٰٓئِفَ''

۳۔ آخری کامیابی اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے جبکہ کفار و مشرکین کے مقدر میں رسوائی آتی ہے۔ ''نَجَّیۡنٰهُ، اَغۡرَقۡنَا''

۴۔ خدا کی روش یہ ہے کہ وہ ابتداء میں کافروں کو ڈھیل دیتا ہے پھر نافرمان لوگوں پر اپنا قہر و غضب نازل کرتا ہے۔ ''اَغۡرَقۡنَا الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا''

۵۔ کفر اور غلط راستوں پر چلنے کا انجام ہلاکت ہے۔ ''اَغۡرَقۡنَا الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا''

۶۔ خدا کی طرف سے پہلے حجت تمام کی جاتی ہے اور نصیحت کی جاتی ہے اگر لوگ پھر بھی باز نہ آئیں تو عذاب نازل ہوتا ہے۔ ''اَغۡرَقۡنَا... عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ''

۷۔فائدہ مند تاریخ وہ ہے جو حق کے طرفداروں کے حوصلوں کو بلند کرے اور باطل کے پیروکاروں کو ان کے انجام سے باخبر کرے۔''فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ﴿۷۳﴾''

۸۔کسی بھی تحریک کی جہت متعین کرنے کے لیئے تاریخ کی پہچان اور اقوام و ملل کی بربادی کے اسباب کا جاننا ضروری ہے۔''فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ﴿۷۳﴾''

آیت نمبر ۷۴

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ﴿۷۴﴾

ترجمۃ الآیات

پھر ہم نے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس معجزات اور واضح دلائل لے کر گئے مگر وہ لوگ جس کی پہلے تکذیب کر چکے تھے اس پر ایمان لانے والے نہ تھے ہم اس طرح سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیا کرتے ہیں۔(۷۴)

پیغام:

۱۔انبیاء کو مسلسل بھیجنا سنت الٰہی ہے بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اللہ نے حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیانی زمانے میں کئی انبیاء بھیجے تھے

۲۔تمام انبیاء معجزے لے کر آئے تھے۔''فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ''

۳۔تمام انبیاء کے کچھ نہ کچھ مخالف ضرور تھے۔''فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا''

۴۔انسان آزاد اور ضدی ہے۔معجزات دیکھنے کے بعد اور قہر الٰہی سننے کے بعد بھی نافرمانی کرتا ہے۔''فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا''

۵۔استکبار اور زیادتی ایسے جرائم ہیں جن کی وجہ سے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں۔'' نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ

الْمُعْتَدِیْنَ"

٦۔جولوگ معجزات دیکھ کربھی ایمان نہ لائیں تووہ حد سے آگے بڑھنے والے ہوتے ہیں۔"كَذَّبُوْا.... الْمُعْتَدِیْنَ﴿۷۴﴾"

آیت نمبر ۷۵

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ﴿۷۵﴾

ترجمۃ الآیات

پھران کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنے معجزات اور دلائل کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا۔انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔(۷۵)

نکات:

☆"مَلَا۟ئِهٖ " سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے چہرے تروتازہ ہوں اور آنکھ کو لبھانے والے ہوں اس سے مراد فرعون کے محل نشین ساتھی اور درباری ہیں انہیں فرعون کے مقربین کا درجہ حاصل تھا فرعون نے معاشرے کو دو طبقات میں تقسیم کردیا تھا قبطی محل نشین تھے اور ایک گروہ آقاؤں کا تھا اور دوسرا گروہ غلاموں کا تھا۔" وَجَعَلَ اَهۡلَهَا شِيَعًا يَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ "(قصص ر ۴)فرعون نے زمین کے باسیوں کو گروہوں میں تقسیم کردیا تھا ان میں سے ایک گروہ کو اس نے بے بس کردیا تھا۔

☆فرعون نے تین بدترین جرائم کا ارتکاب کیا تھا۔

ا۔اس نے ربوبیت کا دعویٰ کیا تھا اور کہا تھا"اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى "(نازعات ر ۲۴)

۲۔اس نے بنی اسرائیل کے نوزائیدہ بچوں کو قتل کرایا تھا۔

۳۔اس نے بنی اسرائیل کی لڑکیوں کو کنیزی کے لیئے زندہ رکھا تھا۔ سَنُقَتِّلُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَنَسۡتَحۡىٖ نِسَآءَهُمۡ (اعراف ر ۱۲۷)ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھیں گے۔

پیغام:

۱۔انبیاء کا پہلا فریضہ طاغوت سے جہاد ہے کیونکہ فساد کی جڑ سے جہاد کرنا اس کے معمول کے جہاد کرنے سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔"فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِہٖ"

۲۔جہاں معاشرے کی تشکیل قوم قبیلوں پر تھی تو انبیاء اقوام کی طرف جاتے تھے اور جہاں معاشرہ کسی نظام کی بنیاد پر قائم تھا وہاں پر ان کے بنیادی عناصر کی طرف جاتے تھے۔"اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِہٖ"

۳۔طاغوت کی طاقت کا سرچشمہ ان کے ساتھی اور مقربین ہوتے ہیں اگر ان کے ساتھی ان کا ساتھ نہ دیں تو وہ اکیلے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"مَلَاۡئِہٖ"

۴۔انبیاء معجزات لے کر گئے تھے۔"بَعَثْنَا ... بِاٰیٰتِنَا"

۵۔ہر زمانہ کے فرعون اور طاغوت نے انبیاء کا مقابلہ کیا تھا۔"بَعَثْنَا ... اسْتَکْبَرُوْا"

۶۔جرائم کے رسیا افراد آسانی سے انبیاء کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔"کَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ﴿۷۵﴾"

آیت نمبر ۷۶

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴿۷۶﴾

ترجمۃ الآیات

پس ہماری طرف سے ان کے پاس حق پہنچا تو انہوں نے کہا یہ تو ایک کھلم کھلا جادو ہے۔(۷۶)

پیغام:

۱۔لوگ حق کی تلاش میں نہیں نکلتے حق کے پیروکاروں کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کے پاس جائیں۔"جَآءَهُمُ الْحَقُّ"

۲۔ذات خداوندی حق ہے انبیاء حق ہیں قانون الٰہی حق ہے معجزہ حق ہے الغرض ہر وہ چیز حق ہے جو خدا کی طرف منسوب ہو۔"جَآءَهُمُ الْحَقُّ"

۳۔انبیاء کا خدا سے براہ راست رابطہ ہوتا ہے۔چنانچہ ان کے تمام معجزات اور ان کے امور نبوت کا تعلق براہ راست ذات خداوندی سے ہوتا ہے۔"مِنْ عِنْدِنَا"

۴۔مبلّغ اور رہبر کو معلوم ہونا چاہیے کہ معاشرے کا ایک مؤثر طبقہ اس کی مخالفت کرے گا۔"قَالُوْٓا ..."

۵۔انبیاء کے خلاف جادوگری کی تہمت انتہائی آسان، سادہ اور لوگوں کے دلوں کو لبھانے والی ہے۔ ''لَسِحْرٌ''
۶۔تہمت کا سرچشمہ انسان کی سرکش حالت ہے۔ ''کَانُوْا ... مُّجْرِمِیْنَ ... اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴿۷۶﴾''
۷۔مخالفین، ہر بات میں مخالفت کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ ''اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴿۷۶﴾''

آیت نمبر ۷۷

قَالَ مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ﴿۷۷﴾

ترجمۃ الآیات

موسیٰ نے (ان سے) کہا کہ کیا بات ہوئی کہ جب حق تمہارے پاس آیا تو کہنے لگے کہ کیا یہ جادو ہے؟ جب کہ جادوگر فلاح نہیں پاتے۔(۷۷)

نکات:

☆ عام طور پر جادوگری گھٹیا لوگوں کا پیشہ ہوتی ہے اور جادوگر کا مقصد صرف نام اور روٹی کمانا ہوتا ہے۔ انبیاء کے مخالفین ان کی تحقیر کی غرض سے ان پر یہ الزام لگاتے تھے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلامی فقہ میں جادو کو حرام کہا گیا ہے چنانچہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے جادوگری اور اس کے پڑھنے پڑھانے اور اس کے ذریعہ سے حاصل ہونے والی رقم کو حرام کہا ہے جادوگری کی طرح سے شعبدہ بازی بھی حرام ہے۔ اس میں انسان ہاتھ کی صفائی کے ساتھ غیر واقع اشیاء لوگوں کو دکھاتا ہے۔ (تحریر الوسلیہ جلد اول ر ۴۹۸)

پیغام:

۱۔حضرت موسیٰؑ نے اپنی کامیابی اور تہمت تراشنے والوں کی شکست کی خبر دی تھی۔ ''قَالَ مُوْسٰى ....''
۲۔دشمنوں کا پرانا وطیرہ ہے کہ وہ حق کو جادو اور انبیاء کو جادوگر کہتے ہیں۔ ''اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ .... اَسِحْرٌ هٰذَا''
۳۔جادوگر کا مقصد لوگوں کو جہالت میں مبتلا کرنا اور شہرت طلبی ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ معاشرے کی صلاح و فلاح کا کام نہیں کرسکتا۔ ''لَا یُفْلِحُ''

آیت نمبر ۷۸

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۷۸

ترجمۃ الآیات

انہوں نے کہا کہ کیا تو ہمارے پاس اس لیئے آیا ہے کہ ہم اس راستے کو چھوڑ دیں جس پر ہم نے اپنے آباؤاجداد کو پایا ہے اور یوں زمین پر تم دونوں کی حکومت قائم ہوجائے ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔(۷۸)

نکات:

☆بزرگوں کا احترام اور والدین سے بھلائی اور چیز ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بزرگوں کی تہذیب وثقافت کو ہم کسی منطق ودلیل کے بغیر تسلیم کرلیں اور اس کے لیئے ناحق حسّاسیت کا اظہار کریں۔

پیغام:

۱۔ثقافتی انقلاب اور فکری وذہنی تبدیلی کا ہمیشہ ردعمل سامنے آیا کرتا ہے۔''لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا''

۲۔بزرگوں کا کردار نسل کو بڑا عزیز ہوتا ہے۔''وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا''

۳۔فرعونی حکومت ان کے بزرگوں کے غلط افکار کی اساس پر قائم تھی۔''وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا''

۴۔بعض اوقات بزرگوں کا احترام اور قدیم تہذیب کی حفاظت انبیاء کی تحریک کی مخالفت کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔''اٰبَآءَنَا''

۵۔دلیل ومنطق کے بغیر بزرگوں کی تقلید باطل ہے۔''وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا''

۶۔ثقافتی میراث کے نام پر غلط کام کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔''وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا''

۷۔طاغوت اقتدار پسند ہوتے ہیں اور وہ اصلاح کرنے والے کی جدوجہد کو''حکومت طلبی'' کی تحریک قرار دیتے ہیں۔''تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ''

۸۔اصلاح پسندوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو ظالموں کی تہمتیں سننے کے لیئے تیار رکھیں۔''تَکُوۡنَ لَکُمَا الۡکِبۡرِیَآءُ''

آیت نمبر ۷۹۔۸۰

وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ ائۡتُوۡنِیۡ بِکُلِّ سٰحِرٍ عَلِیۡمٍ ﴿۷۹﴾
فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَۃُ قَالَ لَہُمۡ مُّوۡسٰۤی اَلۡقُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ ﴿۸۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس تمام ماہر جادوگر لے آؤ۔(۷۹)
پھر جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا کہ تمہیں جو کچھ بھی ڈالنا ہے ڈالو۔(۸۰)

نکات:

☆فرعون چاہتا تھا کہ ماہر جادوگروں کی مدد سے موسیٰ علیہ السلام کی الٰہی تحریک کو غیر مؤثر بنا دیا جائے۔

☆جادوگروں کے پاس طنابیں اور رسیاں تھیں وہ ان میں خاص مواد ملا کر دھوپ میں رکھتے تو ان میں حرکت پیدا ہو جاتی تھی

پیغام:

۱۔طاغوت کا پرانا حربہ ہے کہ وہ شور شرابے اور پروپیگنڈے کے زور پر انبیاء کی تحریک کو روک دے۔''ائۡتُوۡنِیۡ بِکُلِّ سٰحِرٍ''

۲۔طاغوت ہر امکانی وسیلہ سے اپنے مخالفین کو کچلنا چاہتے ہیں۔''ائۡتُوۡنِیۡ بِکُلِّ سٰحِرٍ عَلِیۡمٍ ﴿۷۹﴾''

۳۔طاغوت کبھی کبھی ماہروں اور دانش مندوں کو خرید کر اپنا ہدف حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔''جَآءَ السَّحَرَۃُ''

۴۔مقابلہ کی دعوت دینا انبیاء کی خاصیت ہے۔''اَلۡقُوۡا''

۵۔انبیاء کو اپنی دعوت اور الٰہی مدد کا یقین ہوتا ہے اسی لیئے وہ دوٹوک بات کرتے ہیں۔''اَلۡقُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ ﴿۸۰﴾''

آیت نمبر ۸۱

فَلَمَّآ اَلۡقَوۡا قَالَ مُوۡسٰی مَا جِئۡتُمۡ بِهِ ۙ السِّحۡرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
سَیُبۡطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُصۡلِحُ عَمَلَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۸۱﴾

ترجمۃ الآیات

جب جادوگر (اپنے جادو کا سامان) پھینک چکے تو موسیٰ نے کہا کہ تم جو کچھ بھی لائے ہو یہ جادو ہے۔ عنقریب خدا اسے باطل کر دے گا۔ بے شک اللہ فساد کرنے والوں کے عمل کو نہیں سدھارتا۔ (۸۱)

پیغام:

۱۔ باطل میں بھی جوش ہوتا ہے لیکن وہ عارضی ہوتا ہے۔ ''سَیُبۡطِلُهٗ''

۲۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی اصلاح کرتا ہے وَاَصۡلَحَ بَالَهُمۡ (محمد۔ ۲) ان کی حالت کی اصلاح کرے گا جب کہ وہ مفسدین کے عمل کی اصلاح نہیں کرتا۔ ''لَا یُصۡلِحُ عَمَلَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۸۱﴾''

۳۔ جادو فساد ہے اور جادوگر مفسد ہوتا ہے اسی لیئے اس کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ ''عَمَلَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۸۱﴾''

آیت نمبر ۸۲

وَیُحِقُّ اللّٰهُ الۡحَقَّ بِکَلِمٰتِهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۸۲﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ حق کو اپنے کلمات (اپنی قدرت، روش اور وعدوں) سے ثابت کر دکھاتا ہے اگرچہ مجرمین کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ (۸۲)

نکات:

☆ایسے قوانین اور سنتوں کو جن سے ارادہ الٰہی تحقق پذیر ہو، قرآنی اصطلاح میں ’’کلمہ‘‘ کہا جاتا ہے اور جمع کی صورت میں کلمات کہا جاتا ہے۔

پیغام:

۱۔حق کا اثبات اور اسے کامیابی دلانا خدا کی سنت اور اس کا وعدہ ہے۔’’وَيُحِقُّ اللّٰهُ الۡحَقَّ‘‘

۲۔اثباتِ حق کے لیئے وسائل اور ذرائع کی ضرورت ہے۔’’بِكَلِمٰتِهٖ‘‘

۳۔متکبرین حق کو نیچا دکھانے کی خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں ان کی ہر کوشش ناکامی پر منتج ہوتی ہے۔’’وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ﴿۸۲﴾‘‘

آیت نمبر ۸۳

فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوۡسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنۡ قَوۡمِهٖ عَلٰى خَوۡفٍ مِّنۡ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهِمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَهُمۡ‌ ؕ وَاِنَّ فِرۡعَوۡنَ لَعَالٍ فِى الۡاَرۡضِ‌ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ﴿۸۳﴾

ترجمۃ الآیات

(آغاز میں) موسیٰ پر ان کی اپنی قوم کے چند افراد کے علاوہ اور کوئی ایمان نہ لایا۔ کیونکہ انہیں فرعون اور اپنے سرداروں کا خوف تھا کہ وہ انہیں کہیں مصیبت سے دوچار نہ کردیں۔ بے شک فرعون زمین میں غلبہ رکھتا تھا اور حد سے بڑھے ہوئے لوگوں میں سے تھا۔(۸۳)

نکات:

☆قرآن کریم میں لفظ ایمان کا صلہ ’’آمن بہ، آمن معہ ورفآمن لہ‘‘ کے ساتھ دکھائی دیتا ہے چنانچہ کسی جگہ پر ’’آمن بہ‘‘ ہے اور کسی جگہ پر ’’آمن معہ‘‘ اور کہیں فآمن لہ ہے ان میں سے ہر لفظ کی اپنی اپنی خاصیت ہے چنانچہ آمن

بہ ایمان لانے کے معنی میں ہے اور ''فآمن لہ'' تسلیم ہوجانے کے معنی میں ہے۔

پیغام:

۱۔ایمان کے ساتھ جذبہ تسلیم واطاعت ہونا چاہیئے۔''اٰمَنَ لِمُوۡسٰی''

۲۔فکری تبدیلی اور حق کو تسلیم کرنے کی نوجوانوں میں زیادہ صلاحیت ہوتی ہے کیونکہ ان کا دل نسبتاً پاک ہوتا ہے اور مال ومقام سے ابھی ان کا تعلق جڑا ہوانہیں ہوتا۔''اٰمَنَ.....ذُرِّیَّۃٌ مِّنۡ قَوۡمِہٖ''

۳۔صرف پیغمبر اکرمؐ کو ہی لوگوں کی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا دوسرے انبیاء کو بھی اس صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا۔''فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوۡسٰی''

۴۔بعض اوقات بزرگ غلطی پر ہوتے ہیں اور جوان حق پر ہوتے ہیں۔''اِلَّا ذُرِّیَّۃٌ مِّنۡ قَوۡمِہٖ''

۵۔جو جوان موسیٰ پر ایمان لائے تھے انہیں دوطرفہ خطرات درپیش تھے پہلا خوف فرعون کی طرف سے تھا اور دوسرا خوف خود اپنی ہی قوم کے بزدل اور ڈرپوک بزرگوں کا تھا کیونکہ قرآن کریم میں مَلَا۠ئِہِمۡ کے الفاظ ہیں نہ کہ مَلَا۠ئِہٖ کے الفاظ ہیں

۶۔نظام کتنا ہی فاسد حتیٰ کہ فرعونی ہی کیوں نہ ہو پھر بھی حق پرستوں کو ایمان لانے سے نہیں روک سکتا۔ ''اٰمَنَ...عَلٰی خَوۡفٍ''

۷۔ایمان اگر مضبوط ہو تو وہ نامناسب فضا، فاسد نظام، غلط تبلیغات اور دہشت کی فضا میں بھی کمزور نہیں ہوتا۔ ''اٰمَنَ...عَلٰی خَوۡفٍ''

۸۔فرعونی نظام میں گھٹن اور سختی پائی جاتی ہے۔''عَلٰی خَوۡفٍ مِّنۡ فِرۡعَوۡنَ''

۹۔اذیت دینے والا نظام فرعونی نظام ہوتا ہے۔''یَّفۡتِنَہُمۡ''

۱۰۔دوسروں پر برتری کی خواہش ہی ہر خرابی کی جڑ ہے۔''اِنَّ فِرۡعَوۡنَ لَعَالٍ فِی الۡاَرۡضِ''

۱۱۔وہ نظام جو اسراف پر مبنی ہو وہ فرعونی نظام ہوتا ہے۔''لَمِنَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ﴿۸۳﴾''

آیت نمبر ۸۴

وَقَالَ مُوۡسٰی یٰقَوۡمِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰہِ فَعَلَیۡہِ تَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِیۡنَ﴿۸۴﴾

ترجمۃ الآیات

اور موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم خدا پر ایمان لائے ہو اور اگر تم اس کے لیئے سراپا تسلیم ہو تو خدا پر توکل کرو۔ (۸۴)

پیغام:

۱۔ رہبر کو چاہیئے کہ امت کے حوصلے بلند کرے۔ ''وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ''

۲۔ ایمان اور توکل کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ''اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا''

۳۔ رضائے الٰہی کے سامنے سراپا تسلیم ہونا ایمان سے بلند تر درجہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایمان سے خدا پر ایمان اور تسلیم سے اطاعتِ موسیٰ مراد ہو۔ قرآن کریم میں ''اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ'' کے الفاظ پہلے ہیں اور ''اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ﴿۸۴﴾'' کے الفاظ بعد میں ہیں۔

۴۔ توکل اور تسلیم ایسی خصلتیں ہیں کہ ان کے ذریعہ سے مشکلات کو آسان بنایا جاتا ہے۔ ''تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ﴿۸۴﴾''

آیت نمبر ۸۵۔۸۶

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمۃ الآیات

انہیں (قوم موسیٰ کے اہل ایمان) نے کہا کہ ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا انہوں نے یہ دعا مانگی اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالم لوگوں کے لیئے آزمائش (کا ذریعہ) نہ بنانا۔ (۸۵)

اور ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ کافر قوم کے شر سے نجات عطا فرما۔ (۸۶)

نکات:

☆ مذکورہ بالا آیات میں دو گروہوں ظالموں اور کافروں کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کی گئی ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ ''ظالمین'' سے خود بنی اسرائیل کے وہ افراد مراد ہوں جو فرعون کے خوشامدی بنے ہوئے تھے اور ''کافرین'' سے فرعون اور اس کے ہم قبیلہ درباری مراد ہوں۔ ان آیات میں اندرونی اور بیرونی دونوں طرح کے دشمنوں سے نجات کی درخواست کی گئی ہے۔

☆ خدا پر توکل رکھنا انتہائی عمدہ صفت ہے۔ توکل رکھنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران/۱۵۹) بے شک اللہ توکل رکھنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ایک اور آیت میں فرمایا: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (طلاق/۳) اور جو کوئی اللہ پر توکل رکھے تو اللہ اس کے لیئے کافی ہوتا ہے۔

پیغام:

۱۔ توکل پہلے ہے اور دعا بعد میں ہے۔ ''تَوَكَّلْنَا، رَبَّنَا''

۲۔ ایمان، توکل اور دعا کے ذریعہ سے ہم ظالموں کے شر سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ ''تَوَكَّلْنَا، رَبَّنَا، نَجِّنَا''

۳۔ فرعون کے پیروکار بیک وقت مُسرف بھی تھے اور ظالم اور کافر بھی تھے اسراف ظلم کا پیش خیمہ بنتا ہے اور ظلم کفر کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ ''الْمُسْرِفِيْنَ، الظّٰلِمِيْنَ، الْكٰفِرِيْنَ''

۴۔ سب سے پہلے دین و ایمان کی سلامتی اس کے بعد ذاتی سلامتی کی دعا کرنی چاہیئے۔ لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً، نَجِّنَا اگر ستم پرور افراد کامیاب ہو گئے تو پھر ظلم و کفر کو رواج دیں گے اور اہل ایمان کی حقارت و توہین کریں گے۔

آیت نمبر ۸۷

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کو مصر میں رہائش دلاؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور ایمان والوں کو بشارت دو۔ (کہ آخری کامیابی انہی

کو حاصل ہوگی)(۸۷)

نکات:

☆''قِبْلَةً''، روبرو اور مقابل چیز کو کہا جاتا ہے علاوہ ازیں جہت کعبہ کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ تمہارا گھر اسرائیلوں کے گھروں سے آگے اور رو بقبلہ ہونا چاہیئے ممکن ہے کہ آیت کا یہ مفہوم ہو کہ جب تک فرعون کا اقتدار قائم ہے اور تم زیرِ عتاب ہو تو عبادت کے مراسم اپنے گھروں میں ادا کرو۔ حضرت رسول اکرمؐ نے بعثت کے ابتدائی تین سال تک ایسا ہی کیا تھا۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆ظلم وستم کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے مومنین کے لیئے سب سے بڑی بشارت یہ تھی کہ خدا نے ان کی دعا قبول کی ہے اور وہ فرعون کے مظالم سے نجات حاصل کرنے والے ہیں۔

پیغام:

۱۔انبیاء کے تمام افعال وحی الٰہی پر مبنی ہوتے تھے یہاں تک کہ اپنا مکان بھی وحی کی روشنی میں بناتے تھے۔ ''اَوْحَيْنَآ ۔۔اَنْ تَبَوَّا''

۲۔مکان اور ٹھکانہ اللہ کی ایک نعمت ہے۔''اَوْحَيْنَآ ۔۔۔اَنْ تَبَوَّا''

۳۔دینی رہنماؤں کو چاہیئے کہ وہ مادی اور امت کے رفاہ عامہ کے کاموں پر بھی توجہ کریں۔''تَبَوَّا لِقَوْمِكُمَا''

۴۔مومنین کا رہائشی علاقہ کفار سے جدا ہونا چاہیئے تا کہ اہل ایمان اپنے علاقہ میں عزت وشان سے رہ سکیں۔''تَبَوَّا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا''

۵۔موسیٰ علیہ السلام کے عہد تک شہر سازی کی تاریخ یقینی ہے۔''تَبَوَّا ۔۔۔بُيُوْتًا''

۶۔اسلامی شہرسازی اور معماری کے لیئے مذہب کے اہداف کو مدنظر رکھنا چاہیئے اور جہتِ قبلہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔''وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً''

۷۔مکان تعمیر کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اس میں نماز پڑھنے کی سہولت موجود ہو۔''وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً''

۸۔دیندار افراد کے گھروں میں نماز خانہ ہونا چاہیئے۔''بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً''

۹۔مکانات ایک دوسرے کے سامنے ہوں تو اس سے ہمسایوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور حفاظت کے نقطہ نظر سے بھی ایسے مکانات بہتر ثابت ہوتے ہیں۔''وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً''

۱۰۔اپنے محلہ اور گھروں میں بیگانہ افراد کو رہائش کی اجازت نہیں دینی چاہیئے۔''اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً''

۱۱۔انبیاء کے پروگرام میں نماز سرفہرست ہوتی ہے اور نماز سے نجات کی راہیں کھلتی ہیں۔''اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ''

آیت نمبر ۸۸

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾

ترجمۃ الآیات

اور موسیٰ نے کہا ۔ اے ہمارے پروردگار! تونے فرعون اوراس کے درباریوں کو دنیاوی زندگی میں زینت بخشی ہے اور دولت عطا کی ہے اور یہ اس ذریعہ سے لوگوں کو تیری راہ سے گمراہ کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ان کی دولت کو برباد کردے اوران کے دلوں کو سخت کردے کیونکہ جب تک یہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں تب تک ایمان نہ لائیں گے۔(۸۸)

نکات:

☆دشمن کی تیل کی رسد کو کاٹنا اوراس کے تجارتی اورفوجی راستوں کا بند کرنا اور دشمن کے گوداموں کو تباہ کرنا''رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ'' کا ایک مصداق ہے

پیغام:

۱۔دعا کے لیئے لفظ رَبَّنَاۤ انتہائی مؤثر ہے اس آیت میں اس لفظ کو تین مرتبہ دہرایا گیا ہے

۲۔ہر شخص کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ خدا کا عطا کردہ ہے۔''اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ''

۳۔مال و دولت خدا کی محبوبیت کی دلیل نہیں ہے۔''اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً''

۴۔کفر دنیاوی کامیابی میں رکاوٹ کا ذریعہ نہیں بنتا۔''اٰتَيۡتَ فِرۡعَوۡنَ ۔۔۔ زِيۡنَةً وَّاَمۡوَالًا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا''

۵۔متکبرین کی چکا چوند صرف دنیاوی زندگی تک محدود ہے۔''فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا''

۶۔طاغوت خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔''لِيُضِلُّوۡا''

۷۔انبیاء اگر کسی کو بددعا دیتے ہیں تو ذاتی دشمنی کی بنا پر نہیں دیتے وہ دین و امت کی حفاظت کی غرض سے دشمنانِ دین کو بددعا دیتے ہیں۔''لِيُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِكَ''

۸۔نااہل لوگوں کے پاس دولت آجائے تو وہ ان کے انحراف اور غفلت میں اضافہ کرتی ہے اور اسی طرح سے کبھی شدید فقر بھی کفر میں بدل جاتا ہے۔''اَمۡوَالًا ۔۔۔ لِيُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِكَ''

۹۔دعا کرتے وقت سیاسی کامیابی اور دشمن پر بددعا کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔''رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰٓى اَمۡوَالِهِمۡ وَاشۡدُدۡ ۔۔۔''

۱۰۔جہاں معجزہ اور دلیل کا اثر مرتب نہ ہو تو پھر بددعا کی باری آتی ہے۔''رَبَّنَا اطۡمِسۡ''

۱۱۔سنگ دل لوگ جب تک عذاب الٰہی کو نہ دیکھ لیں تب تک حق کو ماننے پر آمادہ نہیں ہوتے۔فَلَا يُؤۡمِنُوۡا حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ بالفاظ دیگر''لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے''

آیت نمبر ۸۹

قَالَ قَدۡ اُجِيۡبَتۡ دَّعۡوَتُكُمَا فَاسۡتَقِيۡمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيۡلَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ﴿۸۹﴾

ترجمۃ الآیات

(خدا نے) فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہو چکی ہے تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے راستے کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔(۸۹)

نکات:

☆سابقہ آیت میں حضرت موسیٰ کی بددعا نقل کی گئی اور اس آیت میں موسیٰ و ہارون کی بددعا کی قبولیت کا اعلان کیا گیا ہے روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ دعا کرتے تھے اور حضرت ہارون آمین کہتے تھے اور لفظ''ربنا''اس

کی دلیل ہے۔ (تفسیر نور الثقلین)

☆امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ کی بددعا اور فرعون کے غرق ہونے میں چالیس سال کا فاصلہ تھا (تفسیر نور الثقلین)

پیغام:

۱۔انبیاء کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ''قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا''

۲۔حضرت موسیٰ کی دعا کی قبولیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی بددعا حقیقت پر مبنی تھی اور اس کے ساتھی ہلاک ہونے کے اہل تھے۔ ''اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا''

۳۔قبولیت دعا کے بعد بھی استقامت ضروری ہے۔ ''فَاسْتَقِيْمَا''

۴۔خدا کے مقرر کردہ ہادیوں کو جاہلانہ افکار کے مدمقابل سخت رویہ اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ سستی جہالت کی علامت ہے۔ ''فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾''

۵۔اہل علم کی پیروی جائز ہے۔ ''وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾''

آیت نمبر ۹۰

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾

ترجمۃ الآیات

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کرایا تو فرعون اور اس کے لشکر نے ظلم وزیادتی کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہا کہ میں اس ذات پر ایمان لایا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرماں برداروں میں سے ہو گیا ہوں۔ (۹۰)

نکات:

☆اس آیت میں لفظ "بحر" سے دریائے نیل مراد ہے۔ دریائے نیل پر حضرت موسیٰ نے حکم الٰہی سے عصا مارا تھا تو دریا کی روانی رک گئی حضرت اپنی قوم کو لے کر وہاں سے روانہ ہوئے تھے۔

☆موت کے وقت توبہ کرنے اور ایمان قبول کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے چنانچہ رب العزت کا فرمان ہے "وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ" (النساء/18) اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہے جو برائیاں کرتے رہیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی کی موت کا وقت آئے تو کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔

پیغام:

۱۔جب کبھی طاغوت سے مقابلہ ہو تو پھر خدا پر بھروسہ کرنا چاہیئے وہ ہمیں بے یارو مددگار نہیں چھوڑے گا۔"جٰوَزْنَا"

۲۔نظام ہستی کے تمام امور خدا کے ارادہ سے سرانجام پاتے ہیں۔"جٰوَزْنَا، اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ"

۳۔انبیاء کی دعا بہر صورت قبول ہوتی ہے۔"اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ"

۴۔فرعون موسیٰ کو زمین سے ہٹا دینے کا خواہش مند تھا لیکن خود ہی تباہ ہو گیا "فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾" (بنی اسرائیل/ ۱۰۳)

فانوس بن کے جس کی حفاظت خدا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے۔

۵۔نزول عذاب کے وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ"

۶۔متکبرین کو ایک دن عاجزی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"قَالَ اٰمَنْتُ"

۷۔فرعون جیسا متکبر کافر بھی موت کے وقت مومن اور مسلمان بن جاتا ہے لیکن اسے اس کا اسلام و ایمان کوئی فائدہ نہیں دیتا۔"اٰمَنْتُ"

۸۔تلخ حوادث کی وجہ سے غفلت کے پردے ہٹ جاتے ہیں اور انسان حقیقت کو ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"اٰمَنْتُ"

۹۔غیر الٰہی قوت کی حیثیت تار عنکبوت سے زیادہ نہیں ہے۔"قَالَ... اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾"

آیت نمبر ۹۱ ـ ۹۲

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾
فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا
مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمۃ الآیات

آیا اب؟ (موت کے دہانے پہنچ کر توبہ کرتا ہے؟!) جب کہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی تھی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ (۹۱)

آج ہم تیرے بدن کو ضائع ہونے اور دریائی جانوروں کی خوراک بننے سے نجات دے رہے ہیں تاکہ تو اپنے بعد میں آنے والوں کے لیئے عبرت بن جائے۔ یقیناً بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ (۹۲)

نکات:

☆تفسیر صافی میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب فرعون ڈوبا تو اس وقت وہ سر سے لے کر پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا تھا لوہا بھاری دھات ہے اور ڈوب جاتا ہے حق تو یہ تھا کہ لوہے کی وجہ سے اس کی لاش دریا کی تہہ میں بیٹھ جاتی لیکن موجوں نے اس کی وزنی لاش کو ساحل پر لا کر پھینک دیا اور یہ ایک بذات خود معجزہ ہے۔

پیغام:

۱۔موت کے لمحات میں توبہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے لہٰذا آثارِ موت سے پہلے توبہ کرنی چاہیئے۔ ''آٰلْـٰٔنَ''

۲۔قرآن کریم نے مستقبل کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ ہم نے فرعون سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اس کے بدن کو نجات دیں گے خدا کا یہ وعدہ پورا ہوا۔ فرعون کی لاش ''ممی'' آج بھی قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے جسے لوگ دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں۔ ''نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ''

۳۔طاغوت کی موت اور اس کے بُرے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔''اٰیَۃً''

۴۔قدرت خداوندی کے آثار کی حفاظت کرنا چاہیئے۔''لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً''

۵۔لوگوں کی اکثریت تاریخ اور واقعات سے عبرت حاصل نہیں کرتی۔''كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ﴿۹۲﴾''

آیت نمبر ۹۳

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴿۹۳﴾

ترجمۃ الآیات

بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو شائستہ ٹھکانہ دیا اور انہیں پاکیزہ رزق سے نوازا پھر انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس وقت جب کہ ان کے پاس علم آچکا تھا یقیناً تیرا رب قیامت کے روز ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کردے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔(۹۳)

نکات:

☆ قرآنی آیات میں لفظ ''صِدْق'' استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ ''مناسب اور شائستہ'' کے معانی کو ظاہر کرتا ہے مثلاً قَدَمَ صِدْقٍ (یونس/۲) سچی عزت وسرفرازی اور مخرج صدق مُدْخَلَ صِدْقٍ (بنی اسرائیل۔۸۰) باعزت خروج اور باعزت دخول لِسَانَ صِدْقٍ (مریم/۵۰) سچی ناموری وَعْدَ الصِّدْقِ (احقاف/۱۶) سچا وعدہ مَقْعَدِ صِدْقٍ (قمر۔۵۵) سچی عزت کی جگہ بنی اسرائیل کے لیئے خدا نے ''مُبَوَّاَ صِدْقٍ'' کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں مقصد آیت یہ کہ ہم نے بنی اسرائیل کو مناسب ٹھکانا عطا کیا یعنی ہم نے انہیں ایسے علاقہ میں رہائش دی جو کہ آب وہوا اور موسم کے لحاظ سے انتہائی مناسب تھا اور وہ علاقہ شام وفلسطین کا علاقہ تھا۔''مَكَانَ صِدْقٍ'' یعنی وہ ایسی جگہ تھی جو ہر لحاظ سے مناسب تھی وہ زمین ہر لحاظ سے رہائش کے قابل تھی اور انتہائی زرخیز تھی چنانچہ اس کی پیداواری صلاحیت کو ''رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ'' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پیغام:

۱۔رہائش کے لیئے مناسب جگہ خدائی نعمت ہے اور ادیان الٰہی کی نظر میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔''مُبَوَّاَ صِدۡقٍ''

۲۔انبیاء صرف روحانیت کے مبلّغ ہی نہیں تھے ان کی نظر عوام کی مادی زندگی کی آسائشات پر بھی ہوتی تھی۔''بَوَّاۡنَا،رَزَقۡنٰا''

۳۔عام اصول یہ ہے کہ انقلاب کے بعد معاشرے کی اقتصادی صورت حال دگرگوں ہوجاتی ہے اور گرانی اور قحط پیدا ہوجاتا ہے لیکن اللہ تعالٰی نے فرعونی حکومت کی بربادی کے بعد بنی اسرائیل کو اشیاء کی قلت سے نجات دی۔''رَزَقۡنٰهُمۡ''

۴۔تفرقہ بازی سے تمام نعمات بے اثر ہوجاتی ہیں۔''بَوَّاۡنَا،رَزَقۡنٰهُمۡ،اخۡتَلَفُوۡا''

۵۔صرف مادی اور رفاہی مسائل ہی اختلاف کا سبب نہیں ہوتے کبھی انسانی ہوس بھی اختلافات کا موجب بنتی ہے۔''بَوَّاۡنَا،رَزَقۡنٰهُمۡ،اخۡتَلَفُوۡا''

۶۔نجات کے حصول کے لیئے اکیلا علم کافی نہیں ہے۔''اخۡتَلَفُوۡا،جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ''

۷۔قرآنی فلسفہ یہ ہے کہ زیادہ تر اختلافات علم آنے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔''جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ''

آیت نمبر ۹۴

فَاِنۡ كُنۡتَ فِىۡ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ فَسۡـَٔلِ الَّذِيۡنَ يَقۡرَءُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكَ‌ ۚ لَقَدۡ جَآءَكَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ۙ‏ ﴿۹۴﴾

ترجمۃ الآیات

جو کچھ ہم نے آپ پر نازل کیا ہے اگر اس میں تجھے شک ہے تو پھر ان لوگوں سے پوچھیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھ رہے ہیں یقیناً آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کے پاس حق آچکا ہے آپ شک کرنے والوں میں سے نہ بنیں۔(۹۴)

نکات:

☆امام علی نقی علیہ السلام سے منقول ہے کہ کچھ جاہلوں نے کہا تھا کہ پیغمبرؐ کی بجائے اللہ نے ہماری طرف کسی فرشتے کو کیوں نہیں بھیجا؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور واضح فرمایا کہ تمام انبیاء انسانی زندگی بسر کرتے تھے (تفسیر نور الثقلین)

☆سوال۔سابقہ آسمانی کتابوں میں تحریف آچکی ہے پھر اللہ نے اس آیت میں علماء اہل کتاب کو منصف کیوں بنایا؟

جواب۔یہ سچ ہے کہ سابقہ آسمانی کتابوں کی کچھ تعلیمات میں تحریف آچکی تھی لیکن پوری کی پوری کتابیں محرّف نہ ہوئی تھیں اور اہل کتاب میں کچھ حق پرست افراد بھی موجود تھے (تفسیر کبیر فخر رازی)

ایک اہم سوال اور اس کا جواب:

☆سوال۔یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں کہا گیا ہے۔اِنۡ كُنۡتَ فِىۡ شَكٍّ یعنی پیغمبر! اگر آپ کو قرآن کی حقانیت میں شک ہے؟

جب کہ رسول خدا کو قرآن کریم میں کوئی شک نہیں تھا؟ عقل اس بات کو قبول نہیں کرسکتی کہ پیغمبر کو وحی میں شک ہو؟

جواب۔لفظ اِنۡ حرف شرط ہے یہ حقیقت اور وقوع پذیر ہونے کی دلیل نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے "اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ۞" (مریم/۹۱) اگر خدا کے ہاں کوئی بیٹا ہوتا جب کہ اللہ اولاد سے پاک ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے "لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۞" خدا کسی کا باپ نہیں ہے اور وہ کسی کا بیٹا نہیں ہے۔

۲۔اسی سورۃ کی آیت ۱۰۴ میں رسول خدا کا لوگوں سے پیغام نقل ہوا ہے جس کے یہ الفاظ ہیں "اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّنۡ دِيۡنِىۡ" اگر تمہیں میرے دین کے متعلق شک ہے جب کہ آنحضرتؐ کو دین میں کوئی شک نہیں تھا آپ یقین کی آخری منزل پر فائز تھے۔اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ (البقرہ/ ۲۸۵) رسول ایمان رکھتا ہے جو کچھ اس کی طرف بھیجا گیا ہے۔

۳۔بعض اوقات خطاب نبی سے ہوتا ہے لیکن اس سے دوسرے لوگ مراد ہوتے ہیں جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے "اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا" (اگر آپ کے پاس آپ کے والدین میں سے ایک بوڑھا ہوجائے یا دونوں بوڑھے ہوجائیں) (بنی اسرائیل/ ۲۳) جب کہ آنحضرتؐ کے والد ماجد آپ کی پیدائش سے پہلے وفات پاچکے تھے اور ابھی آپ کمسن تھے کہ والدہ ماجدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔لہٰذا آنحضرتؐ کے والدین آپ کی زندگی میں بوڑھے نہیں ہوسکتے تھے اصل بات یہ ہے کہ "کہا کسی سے جارہا ہے اور سنوایا کسی اور کو جارہا ہے" عربی زبان کا محاورہ ہے "اياك اعنى و اسمعى يا جاره" (میری مراد تم ہو ہمسائی تم سننا) تربیتی مسائل میں بعض اوقات روئے سخن بزرگوں اور شخصیات کی طرف ہوتا ہے تاکہ

دوسرے افراد اپنے آپ کا محاسبہ کر سکیں۔

۴۔بعض اوقات خطاب نبی سے ہوتا ہے لیکن وہ حکم مسلمانوں کے لیئے ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بعد کے الفاظ جمع کے ہیں مثلاً ارشاد خداوندی ہے ''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ '' (طلاق/۱) (اے نبی تم بیویوں کو طلاق دو) اس آیت میں ''طَلَّقۡتُمُ '' صیغہ ماضی استعمال ہوا ہے اور یہ جمع حاضر کا صیغہ ہے۔اس کے برعکس واحد حاضر کا صیغہ ''طَلَّقۡتَ '' نہیں لایا گیا۔اور ادھر ہم سب حقیقت سے بھی باخبر ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کسی بیوی کو طلاق نہیں دی تھی۔ لہٰذا اس آیت میں خطاب رسول اکرمؐ سے ہے لیکن مراد امت ہے۔

۵۔اگر اس آیت کو بنیاد بنا کر وحی کے بارے میں شکوک پیدا کرنے کے مفروضہ کو مان لیا جائے تو اس صورت میں خود اس آیت کی حقانیت کے بارے میں بھی شک پیدا کیا جا تا ہے، جو شک کی بات کرتی ہے!!

۶۔اہل کتاب کو بہت سے شک اور اشکالات درپیش تھے لیکن وہ سوال کرنے میں خجالت محسوس کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ سے ان کے لیئے سوال کرنے کا دروازہ کھول دیا۔

۷۔یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت فریق ثانی کے ساتھ بحث کے لیئے مفروضہ کی حیثیت رکھتی ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم نے اجرام فلکی کے پیروکاروں سے سورج، چاند اور ستارے کو دیکھ کر ''هٰذَا رَبِّیۡ '' کہا تھا جب کہ ابراہیم علیہ السلام راسخ ایمان توحید پرست تھے۔

۸۔جب یہ آیت مجیدہ آنحضرتؐ پر نازل ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے کوئی شک نہیں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کی قسم! رسول خدا کو کوئی شک نہیں تھا۔تفسیر صافی

پیغام:

۱۔عقائد کو شک وشبہات سے پاک ہونا چاہیئے۔''فَسۡـَٔلِ الَّذِیۡنَ یَقۡرَءُوۡنَ الۡكِتٰبَ ''

۲۔شک کے وقت علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔''فَسۡـَٔلِ الَّذِیۡنَ یَقۡرَءُوۡنَ الۡكِتٰبَ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم کا قول حجت ہوتا ہے۔

۳۔آسمانی کتابیں ایک دوسرے کی مؤید ہیں۔''یَقۡرَءُوۡنَ الۡكِتٰبَ ''

۴۔کچھ اہل کتاب حق بات بھی کہتے تھے۔فَسۡـَٔلِ الَّذِیۡنَ یَقۡرَءُوۡنَ الۡكِتٰبَ''

۵۔رہبر کو ہمیشہ دوٹوک بات کرنی چاہیئے اسے ہر طرح کے شک وشبہ سے بالا رہ کر بات کرنی چاہیئے۔''فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴿۹۴﴾ ''

۶۔فضیلت وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔کیا مخالفین کے اعترافِ حقانیت کے باوجود بھی تمہیں کوئی شک ہے؟

''فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ۝ ۹۴''

آیت نمبر ۹۵

وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوۡنَ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۝ ۹۵

ترجمۃ الآیات

آپ ہرگز ان لوگوں میں سے نہ بنیں جنہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی ہے ورنہ نقصان اٹھانے والوں میں سے قرار پاؤ گے۔ (۹۵)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں قرآن میں شک کرنے سے منع کیا گیا تھا جب کہ اس آیت میں آیات الٰہی کی تکذیب سے منع کیا گیا ہے کیونکہ شک اور تکذیب میں منطقی ترتیب پائی جاتی ہے اگر شک قائم رہے تو اس کا نتیجہ تکذیب کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔

☆ سابقہ آیت کے متعلق ہم نے شک کی بحث میں جتنے دلائل دیئے ہیں وہ تمام دلائل تکذیب آیات کے عنوان کے لیئے بھی کارآمد ہیں۔ کیونکہ تکذیب شک سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات اور بہت سی احادیث میں پیغمبر اکرمؐ کے یقین کامل کی خبر دی گئی ہے۔ لہٰذا شک نہ کرنا اور آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والوں سے نہ ہونا جیسی ممانعت کا مقصود رسول خدا نہیں ہیں اس سے اور لوگ مراد ہیں۔ بھلا وہ پیغمبرؐ جس نے دنیا کے بے یقینوں میں یقین کی دولت بانٹی ہو اس کے متعلق یہ کیسے فرض کیا جا سکتا ہے کہ وہ خود یقین سے محروم تھے!!!

☆ پیغمبر اسلام معصوم تھے مگر اس کے باوجود قرآن کریم میں کئی ایک مقامات پر آپ کو سخت لہجہ میں تنبیہ کی گئی ہے تاکہ لوگ اچھی طرح سے سنبھل جائیں حسب ذیل آیات کا لہجہ بھی کچھ ایسا ہی ہے: 1. وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ (الانعام/14) مشرکین میں سے ہرگز نہ بنیں 2. فَلَا تَكُوۡنَنَّ ظَهِيۡرًا لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ۝ (قصص/86) کافروں کے ہرگز پشت پناہ نہ بنیں 3. وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ (قصص/87) آپ کو آیات الٰہی سے نہ روکنے پائیں۔

پیغام:

۱۔اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی تنبیہ کی ہے۔''وَلَا تَكُوْنَنَّ''

۲۔ایمانی سرمایہ ہاتھوں سے لٹانا اور انبیاء کی رہبری سے محروم ہونے میں انسان کا سراسر نقصان ہے۔''الْخٰسِرِيْنَ۝۹۵''

آیت نمبر ۹۶۔۹۷

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝۹۶ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۝۹۷

ترجمۃ الآیات

(جن لوگوں کے جرائم کی وجہ سے) تیرے رب کا فرمان حقیقت کی صورت اختیار کر چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔(۹۶)

اور اگران کے پاس تمام معجزات بھی آجائیں یہاں تک کہ وہ عذاب الیم کو کیوں نہ دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہ لائیں گے۔(ویسے بھی اس وقت کا ایمان فائدہ مند نہیں ہوتا تھا)(۹۷)

نکات:

☆ آیت ۹۷ کے جملہ''حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ''اور اس کے ساتھ آیت ۹۸ کے جملہ''كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ'' پر توجہ کی جائے تو پھر''كَلِمَتُ رَبِّكَ''سے قہر الٰہی کا مفہوم متعین ہوتا ہے۔

پیغام:

۱۔خدا کا قہر کافروں کا حق ہے۔حَقَّتْ عَلَيْهِمْ ایک اور آیت میں ہمیں یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں۔لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝۷۰ (یٰس۔۷۰) تاکہ اسے خبردار کرے جو کہ زندہ ہو اور کافروں پر ہماری بات ثابت ہوجائے۔

۲۔کفار اپنی مسلسل تکذیب اور ضد بازی کی روش سے اگر ایمان سے محروم ہوتے ہیں تو ان کی محرومی ربوبیت کا تقاضا ہے اور خدائی سنت ہے۔''حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ''

۳۔سب لوگوں کے مومن بن جانے کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔''لَا يُؤۡمِنُوۡنَ۝۹۶ وَلَوۡ جَآءَتۡهُمۡ كُلُّ اٰيَةٍ''

۴۔جب سرکش اور متکبر لوگ اپنی آنکھوں سے خدا کے عذاب کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کی ساری سرکشی ہوا ہو جاتی ہے اور حیثیت واضطراب میں مبتلا ہو کر ایمان قبول کرتے ہیں لیکن ایسے ایمان کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔''لَا يُؤۡمِنُوۡنَ۝۹۶ ....حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ۝۹۷''

آیت نمبر ۹۸

فَلَوۡلَا كَانَتۡ قَرۡيَةٌ اٰمَنَتۡ فَنَفَعَهَاۤ اِيۡمَانُهَاۤ اِلَّا قَوۡمَ يُوۡنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا كَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَمَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى حِيۡنٍ۝۹۸

ترجمۃ الآیات

پھر کیا ایسی کوئی مثال ہے کہ ایک بستی عذاب دیکھ کر ایمان لائی ہو اور اس کا ایمان اس کے لیئے نفع بخش ثابت ہوا ہو؟ یونس کی قوم کے سوا (اس کی کوئی نظیر نہیں) وہ قوم جب ایمان لے آئی تھی تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ٹال دیا تھا اور اس کو ایک مدت تک زندگی سے بہرہ مند ہونے کا موقع دے دیا تھا۔(۹۸)

نکات:

☆اس سورۃ میں حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو تفصیلی طور پر بیان کیا گیا ہے اور حضرت یونسؑ کی قوم کی توبہ کو نصف آیت میں بیان کیا گیا ہے لیکن اس مختصر اشارہ کے باوجود اس سورت کو حضرت یونسؑ کے نام سے موسوم کیا گیا۔شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ قوم یونس کے کام کی اتنی اہمیت اور حساسیت تھی کہ انہوں نے آخری لمحات میں توبہ کی اور خدا نے ان کی توبہ کو قبول کیا۔

☆امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی عمر تیس برس کی تھی جب انہوں نے تبلیغ دین شروع کی تھی اور وہ تریسٹھ برس کی عمر تک تبلیغ کرتے رہے لیکن 33 برس کے عرصہ میں دو افراد ہی ان پر ایمان لائے حضرت یونسؑ نے اپنی قوم پر بددعا کی اور انہیں چھوڑ کر روانہ ہوگئے ان دو اہل ایمان میں سے ایک شخص صاحب علم وحکمت تھا جب اس نے دیکھا کہ نبی بددعا کر کے چلا گیا ہے تو وہ ایک بلند مقام پر کھڑا ہوا اور چیخ چیخ کر لوگوں کو عذاب الٰہی سے خبردار کیا لوگ اس کی باتوں سے متاثر ہوئے اور اس کے کہنے پر شہر سے نکل کر باہر ایک میدان میں آئے۔ بچے ماں باپ سے جدا کر دیئے گئے اور سب نے مل کر خدا کے حضور توبہ کی۔ خدا کو ان پر رحم آ گیا۔ اور ان کی توبہ قبول کی اور آیا ہوا عذاب ان کے سر سے ٹل گیا پھر کچھ عرصہ کے بعد جناب یونس تباہی کا منظر دیکھنے آئے تو انہیں معلوم ہوا کہ لوگ ہلاکت سے بچ گئے ہیں انہوں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ کو اس کی وجہ بتائی گئی مجمع البیان۔ صافی

پیغام:

۱۔ انسان ہمت کرے تو یقینی ہلاکت کے وقت بھی اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ ''اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ''

۲۔ ایمان اور توبہ سے عذاب الٰہی دور ہو سکتا ہے لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا تمام سابقہ امتوں میں سے صرف قوم یونس ہی ایسی ہے جنہوں نے عذاب کے آثار دیکھ کر توبہ کی تھی اور خدا نے ان کی توبہ قبول کی

۳۔ لوگوں کی سرنوشت خود ان کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔ ''اٰمَنُوْا كَشَفْنَا''

۴۔ ایمان دنیا میں بھی خوش بختی کی دلیل ہے۔ ''اٰمَنُوْا .... مَتَّعْنٰهُمْ''

۵۔ دعا اور عاجزی سے بلّیات بھی دور ہوتی ہیں اور اس سے کامیابی بھی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ ان آیات کے شان نزول سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ ''كَشَفْنَا، مَتَّعْنٰهُمْ''

آیت نمبر ۹۹

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو زمین پر تمام بسنے والے افراد جبراً ایمان لے آتے (جب کہ خدا اختیاری ایمان کو پسند کرتا ہے) تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کر کے زبردستی مومن بنائیں گے؟ (۹۹)

نکات:

☆ اللہ تعالیٰ کے پاس جہاں قدرت موجود ہے وہاں حکمت بھی موجود ہے وہ اپنی قدرت سے اتنا ہی استفادہ کرتا ہے جتنا کہ حکمت کا تقاضا ہوتا ہے خدا کی حکمت اس امر کی متقاضی ہے کہ لوگ آزاد ہونے چاہئیں اور لوگوں کو اپنی قدرت کے جبر سے ایمان لانے پر مجبور نہ کیا جائے جب کہ مشرک یہ کہتے تھے لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشۡرَكۡنَا (انعام/۱۴۸) اگر خدا چاہتا تو مشرک نہ ہوتے لہٰذا ہمارا شرک خدا کی مشیت کے عین مطابق ہے خدا نے اپنی قدرت کے جبر سے مشرک بنایا ہوا ہے! سورۃ یونس کی اس آیت میں مشرکین کے اس اشکال کا جواب دیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ اگر خدا نے مجبور ہی کرنا تھا تو پھر وہ شرک پر کیوں کسے مجبور کرے گا اس کے برعکس وہ ہدایت و ایمان پر مجبور کیوں نہ کرے گا؟

پیغام:

۱۔ ایمان کا تعلق انسان کے حسن انتخاب سے ہے ایمان نہ تو قدرت کی طرف سے مسلّط کیا جاتا ہے اور نہ ہی اس میں جبر کا کوئی عمل دخل ہے۔ ''اَفَاَنۡتَ تُكۡرِهُ''

۲۔ پیغمبر اکرم کو لوگوں سے ہمدردی تھی اسی لیئے آپ لوگوں سے ایمان لانے کا اصرار کیا کرتے تھے۔ ''اَفَاَنۡتَ تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ﴿۹۹﴾''

آیت نمبر ۱۰۰

وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تُؤۡمِنَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ؕ وَيَجۡعَلُ الرِّجۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ﴿۱۰۰﴾

ترجمۃ الآیات

اللہ کے اذن و ارادہ کے بغیر کسی بھی جان کو ایمان کی توفیق حاصل نہیں ہوتی اللہ پلیدی (شک وکفر) کو بے عقل لوگوں پر ڈال دیتا ہے۔(۱۰۰)

پیغام:

۱۔لوگ ایمان لانے پر مجبور نہیں ہیں سابقہ آیت کے مطابق اور ہدایت اور توفیق الٰہی سے محروم بھی نہیں ہیں خدا کی عطا کردہ مہربانی سے انہیں ایمان لانے کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ اسی نکتہ کو ہادیانِ دین نے ان الفاظ سے بیان کیا ہے:''لا جبر ولا تفویض بل امر بین الامرین ''(بحار جلد 4 / 197) نہ ہی جبر ہے اور نہ ہی تفویض ہے بلکہ امر ان دو کے درمیان ہے

۲۔کفر پلیدی ہے۔''الرِّجۡسَ''

۳۔خدائی لطف وتوفیقِ ایمان ہمیشہ اہل عقل کو ہی نصیب ہوتی ہے جو لوگ اپنے اختیار سے غور وفکر نہیں کرتے تو وہ خدا کے عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔''وَیَجۡعَلُ الرِّجۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ لَا یَعۡقِلُوۡنَ۝۱۰۰''

۴۔تندرست عقل ایمان کے لیئے زمین ہموار کرتی ہے اور بے ایمانی بے عقلی کی دلیل ہے۔''لَا یَعۡقِلُوۡنَ۝۱۰۰''

آیت نمبر ۱۰۱

قُلِ انۡظُرُوۡا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا تُغۡنِی الۡاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنۡ قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ۝۱۰۱

ترجمۃ الآیات

آپ کہہ دیں کہ (چشمِ عبرت سے) دیکھو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا ہے لیکن نشانیاں اور تنبیہات ایمان نہ لانے والوں کو کوئی فائدہ نہیں دیتیں۔(۱۰۱)

نکات:

☆ سابقہ آیت میں عدمِ تعقّل کو کفر کی دلیل کے عنوان سے پیش کیا گیا اور اس آیت میں تفکر و تدبر کو ایمان کا راستہ بنایا گیا ہے۔

☆ لفظ کے متعلق دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ لفظ ''نَذِیۡر'' کی جمع ہو جس سے مراد انبیاء ہیں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ لفظ ''اِنۡذَار'' کی جمع ہو جس کا معنی خبردار کرنے کا ہے۔

پیغام:

۱۔ نظام ہستی میں تدبر اور اس کا مطالعہ خدا شناسی کا سیدھا اور سادہ راستہ ہے۔ ''انۡظُرُوۡا''

۲۔ وہ نگاہ جو انسان کے فیصلہ کن ارادہ کے ساتھ ہو انتہائی مؤثر ہوتی ہے صرف دیکھنے اور مغرور و اعصاب میں اشیاء کے انعکاس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ''انۡظُرُوۡا''

۳۔ خدائی آیات اور تنبیہات صرف پاک فطرت اور سلیم المزاج افراد کے لیئے مؤثر ہیں۔ ''وَمَا تُغۡنِی الۡاٰیٰتُ ----''

۴۔ انسان مکتبِ فکر کے انتخاب میں آزاد ہے اسی لیئے وہ انبیاء اور آسمانی کتابوں اور جہان میں پھیلی ہوئی دلائل آفاق و انفس کو بھی بعض اوقات نظر انداز کر دیتا ہے اور ایمان نہیں لاتا۔ ''قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ﴿۱۰۱﴾''

آیت نمبر ۱۰۲

فَهَلۡ يَنۡتَظِرُوۡنَ اِلَّا مِثۡلَ اَيَّامِ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ‌ؕ قُلۡ فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ﴿۱۰۲﴾

ترجمۃ الآیات

تو کیا (وہ لوگ جو اتنی خدائی آیات اور انبیاء کی مخالفت میں مصروف ہیں) ان جیسے (ذلت و رسوائی سے لبریز) دِنوں کے علاوہ کسی اور چیز کا انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں (تا کہ جو مصیبت ان پر پڑی تھی وہ ان کے

اوپر بھی آپڑے)(۱۰۲)

پیغام:

۱۔تمام انسانوں کے لیئے خدا کا قانون یکساں ہے۔''مِثۡلَ اَیَّامِ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ''

۲۔گزرے ہوئے لوگوں کی تاریخ آنے والوں کے لیئے عبرت ہوتی ہے۔''خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ''

۳۔خدا کی طرف سے ملنے والی مہلت پا کر کسی دھوکے میں نہیں آنا چاہیئے۔''انۡتَظِرُوۡۤا''

۴۔بے دینی کا انجام تباہی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔''انۡتَظِرُوۡۤا''

۵۔لوگوں کے ضد کی وجہ سے انبیاء ان سے اتنے مایوس ہوئے کہ انہوں نے اپنی مایوسی کا کھل کر اظہار کیا تھا۔''قُلۡ فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّیۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾''

آیت نمبر ۱۰۳

ثُمَّ نُنَجِّیۡ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَیۡنَا نُنۡجِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمۃ الآیات

پھر (نزول عذاب کے وقت) ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کو نجات دیتے ہیں۔ اسی طرح سے ہم پر حق ہے کہ ایمان والوں کو نجات دیں گے۔(۱۰۳)

نکات:

☆سوال۔ہمارا مشاہدہ ہے کہ کبھی کبھی خشک کے ساتھ ہرا بھی جل جاتا ہے اور گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے اور سورہ انفال کی ۲۵ ویں آیت میں کہا گیا ہے کہ اس فتنہ سے بچو جو صرف ستم کرنے والوں پر ہی محدود نہیں رہے گا مومن بھی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے جب کہ اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ عذاب نازل کرتے وقت اہل ایمان کو نجات دیتے ہیں۔کیا ان دونوں آیات میں تضاد تو نہیں ہے؟

جواب۔مذکورہ آیات میں کوئی تضاد نہیں ہے اگر اہل ایمان کفار و مجرمین کے درمیان خاموش رہیں تو ان پر بھی اللہ

کا عذاب نازل ہو جاتا ہے اور اگر وہ اپنے خدائی فریضہ کو انجام دیں اور نہی عن المنکر پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب کے وقت محفوظ رکھتا ہے۔

پیغام:

۱۔ اللہ تعالیٰ انبیاء اور اہل ایمان پر اپنا غضب نازل نہیں کرتا۔ ''نُنَجِّیْ رُسُلَنَا۔۔۔ نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴿۱۰۳﴾''

۲۔ اہل ایمان کا خدا پر حق ہے کہ وہ انہیں عذاب سے نجات دے۔ ''کَذٰلِكَ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴿۱۰۳﴾''

۳۔ نجات کا وعدہ الٰہی تحریک کے لیئے بہترین مددگار ثابت ہوتا ہے۔ ''حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴿۱۰۳﴾''

۴۔ روشن مستقبل اہل ایمان کے لیئے مخصوص ہے۔ ''حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴿۱۰۳﴾''

آیت نمبر ۱۰۴

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴿۱۰۴﴾

ترجمۃ الآیات

آپ کہہ دیں کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین (کی صداقت) میں کوئی شک ہے تو (تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ) میں ان خداؤں کی عبادت نہیں کرتا جن کی خدا کو چھوڑ کر تم عبادت کرتے ہو بلکہ میں تو اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں وفات دیتا ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اہل ایمان میں سے بنوں۔(۱۰۴)

پیغام:

۱۔ دوسروں کے شک کی وجہ سے ہمیں شک وشبہہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ قیادت کے لیئے دوٹوک بات ضروری ہے۔ ''اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ۔۔۔''

۲۔ کافروں کے ساتھ کسی بھی قسم کا میل جول اور مہربانی ممنوع ہے ہمیں چاہیئے کہ اہل کفر کو اپنی طرف سے مایوس

کریں۔ ''فَلَآ اَعْبُدُ۔۔۔''

۳۔ دشمن کو عامۃ المسلمین کی بجائے ممتاز مسلمانوں سے بھی توقعات وابستہ ہیں لہٰذا دوٹوک جواب دے کر دشمنوں کی توقعات کو خاک میں ملا دینا چاہیئے۔ ''فَلَآ اَعْبُدُ''

۴۔ عبادت کا حقدار وہی ہے جو موت وحیات کا مالک ہے۔ ''اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ''

۵ اگرچہ موت وحیات دونوں خدا کے ہاتھ میں ہیں لیکن اس آیت میں موت کا خصوصی طور پر اس لیئے ذکر کیا گیا ہے کہ موت تنبیہ کا بہترین وسیلہ ہے۔ ''الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ''

۶۔ مشرکین اپنے بے جان خداؤں کو بھی صاحب عقل سمجھتے تھے الَّذِیْنَ یہ اسم موصول اہل عقل کے لیئے استعمال ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۱۰۵۔۱۰۶

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۵﴾
وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ
فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

ترجمۃ الآیات

مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تو یکسُو ہو کر اپنے چہرے کو دین کے سامنے سرنگوں کر دے اور مشرکین میں ہرگز نہ بننا۔ (۱۰۵)

اور خدا کو چھوڑ کر کسی ایسے کو مت پکار جو تجھے فائدہ دے سکے اور نہ تجھے نقصان پہنچا سکے اور اگر تو نے ایسا کیا تو پھر تو ظالمین میں سے ہوگا۔ (۱۰۶)

نکات:

☆ ''حَنِیْف'' اسے کہتے ہیں جو یکسُو ہو کر چلے اور دائیں بائیں کسی بھی انحراف سے متاثر نہ ہو۔

پیغام:

۱۔ دینداری کے لیئے مضبوط قوت ارادی، ہمت اور عشق کی ضرورت ہے۔ ''اَقِمۡ وَجۡهَكَ''

۲۔ دینِ اسلام ایسا آئین ہے جس میں کوئی کجی موجود نہیں ہے۔ ''حَنِيۡفًا ۚ''

۳۔ سچا مسلمان وہ ہے جو اسلام لانے کے بعد کسی طرح کے شرک سے آلودہ نہ ہو اور طاغوت کو تسلیم نہ کرے۔ ''وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ﴿۱۰۵﴾''

۴۔ اہل عقل کا ہر کام دو مقاصد میں سے کسی ایک مقصد سے ضرور وابستہ ہوتا ہے۔ ہر عقل منداس لیئے کام کرتا ہے کہ اسے اس سے فائدہ ملنے کی توقع ہوتی ہے یا کم از کم نقصان دُور ہونے کی امید ہوتی ہے۔ جبکہ بت نہ تو فائدہ دیتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں لہٰذا بت پرستی اور شرک ایک طرح کی حمایت ہے۔ ''لَا تَدۡعُ... مَا لَا يَنۡفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ''

۵۔ شرک ظلم ہے اور مشرک ظالم ہے۔ ''فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيۡنَ﴿۱۰۶﴾''

آیت نمبر ۱۰۷

وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنۡ يُّرِدۡكَ بِخَيۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ ؕ يُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ﴿۱۰۷﴾

ترجمۃ الآیات

اور اگر اللہ (آزمائش یا کسی دوسرے مقصد کے لئے) تجھے نقصان پہنچائے تو اس کو کوئی اس سے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اگر وُہ تیرے لیئے بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی بھی نہیں روک نہیں سکتا وہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیئے چاہتا ہے اسے بھلائی عطا کرتا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۰۷)

نکات:

☆ نقصان دور کرنے کے لیئے اِلَّا ھُوَ کے الفاظ آئے ہیں یعنی اگر خدا نقصان پہنچائے تو اس نقصان کو صرف وہی دور کرسکتا ہے اور جہاں فائدہ پہنچانے کا ذکر ہوا تو وہاں اِلَّا ھُوَ کی شکل میں یہ استثنا موجود نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خدا کسی پر فضل کرتا ہے تو اسے دور نہیں کرتا البتہ ہمارے اعمال ہی نعمت کے سلب ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں۔(تفسیر روح المعانی)

بیان کیا ہے اِنَّ اللهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ (الرعد/۱۱) اللہ کسی قوم کو نعمت دے کر اسے تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ خود اسے تبدیل نہ کریں دعائے کمیل میں یہ الفاظ وارد ہیں۔"اَللّٰهُمَّ اغۡفِرۡ لِيَ الذُّنُوۡبَ الَّتِيۡ تُغَيِّرُ النِّعَمِ"

پیغام:

۱۔خیر وشر خدا کے ہاتھ میں ہے۔"وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ ,يُّرِدۡكَ بِخَيۡرٍ"

۲۔ہر تکلیف اور تلخی کو شر نہیں سمجھنا چاہیئے بعض اوقات انسان کی آزمائش یا بیداری فطرت کے لیئے بھی تلخ حوادث کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسی لیئے اللہ نے بِضُرٍّ کہا ہے بِشَرٍّ نہیں کہا۔

۳۔خدا لوگوں کو بھلائی عطا کرنا چاہتا ہے اسی لیئے خیر کے لیئے يُّرِدۡكَ اور ضرر کے لیئے يَّمۡسَسۡكَ کے الفاظ ارشاد فرمائے۔(تفسیر روح المعانی)

۴۔انسان کو جو بھی بھلائی حاصل ہوتی ہے وہ اس کا استحقاق نہیں ہوتی وہ فضل خداوندی کا نتیجہ ہوتی ہے۔" لِفَضۡلِهٖ"

۵۔اللہ کا ارادہ اس کی حکمت کی اساس پر مبنی ہوتا ہے اسی لیئے خدا کی مشیت کا مفہوم مقرر کرنے کے لیئے اس کے حکیم ہونے کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے۔"يُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ"

آیت نمبر ۱۰۸

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ‌ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ‌ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا‌ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِوَكِيۡلٍؕ‏ ﴿۱۰۸﴾

ترجمۃ الآیات

آپ کہہ دیں کہ اے انسانو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آچکا ہے جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو وہ اپنے فائدہ کے لیئے ہدایت حاصل کرتا ہے اور جو کوئی گمراہی اپناتا ہے تو وہ خود اس کا نقصان اٹھائے گا۔ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں (کہ تمہیں جبراً راہ حق پر لے چلوں) (۱۰۸)

پیغام:

۱۔ قرآن اور تعلیمات انبیاء جیسی چیزیں جو بھی خدا کی طرف سے آئی ہیں سراسر حق پر مبنی ہیں اور یہ ربوبیت کا شعبہ ہیں۔ ''اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ''

۲۔ انبیاء کی بعثت اور آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد تمام انسانوں کی تربیت ہے۔ ''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ۔۔۔رَّبِّکُمۡ''

۳۔ خدا کی طرف سے حجت تمام ہو چکی ہے اور حق کو قبول نہ کرنے کے لیئے ہمارے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔ ''قَدۡ جَآءَکُمُ الۡحَقُّ''

۴۔ ہم ہدایت حاصل کرلیں تو خدا کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور اگر ہم گمراہ ہو جائیں تو خدا کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ہدایت حاصل کرنے میں ہمارا فائدہ ہے اور انحراف کرنے سے ہمارا ہی نقصان ہے۔ ''لِنَفۡسِهٖ''

۵۔ انسان صاحبِ اختیار ہے اور ہر شخص کی سرنوشت خود اس کے اپنے ہاتھ میں ہے حد یہ ہے کہ انبیاء کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں۔ ''وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِوَکِیۡلٍ﴿۱۰۸﴾''

۶۔ انبیاء کا کام ہدایت و تبلیغ ہے نہ کہ جبر و اکراہ۔ ''وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِوَکِیۡلٍ﴿۱۰۸﴾''

آیت نمبر ۱۰۹

وَاتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ وَاصۡبِرۡ حَتّٰی یَحۡکُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ﴿۱۰۹﴾

ترجمة الآيات

آپ (صرف) اس وحی کی پیروی کریں جو آپ کی طرف کی جارہی ہے اور ثابت قدم رہیں یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۱۰۹)

پیغام:

۱۔ لوگ ایمان لائیں یا کفر کریں ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے ہمارا فریضہ بس یہی ہے کہ خداوند عالم کی وحی اور اس کے نازل کردہ احکام سے جدا نہ ہوں۔ ''وَاتَّبِعْ...''

۲۔ انبیاء فرمان وحی کے تابع ہوا کرتے ہیں۔ ''وَاتَّبِعْ مَا يُوْحَىٰ اِلَيْكَ''

۳۔ وحی تدریجی طور پر نازل ہوئی۔ ''یُوْحٰی'' فعل مضارع ہے جو کہ تسلسل اور استمرار پر دلالت کرتا ہے۔

۴۔ وحی کی پیروی کے لیئے صبر وثبات کی ضرورت ہے۔ ''وَاتَّبِعْ... اصْبِرْ''

۵۔ رہبر کو ہمیشہ صابر اور ثابت قدم ہونا چاہیئے۔ ''وَاتَّبِعْ مَا يُوْحَىٰ اِلَيْكَ وَاصْبِرْ''

۶۔ علم شرطِ عمل ہے وَاتَّبِعْ مَا يُوْحَىٰ اور استقامت کامیابی کی شرط ہے۔ ''وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ''

۷۔ ہمیں مستقبل کے لیئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ خدا بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ ''خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ۝۱۰۹''

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❁❁❁❁❁